Dr.SYED ABBAS MUTTAQUI

IL MI-O-ADABI KHIDMAAT

(ACADMIC AND LITRARY CONTRIBUTION OF Dr. SYED ABBAS MUTTAUQI)

Thesis

Submitted to the University of Hyderabad
in partial fulfillment of the requirement for the
award of the degree

Doctor of Philosophy

In Urdu

by

MOHD. ANWERUDDIN
M.A.(Arabic & Urdu), NET, M.Phil.

Supervisor
Prof. MUZAFFER ALI SHAHMIRI
Prof. & Head, Department of Urdu

Department of Urdu

School of Humanities
University of Hyderabad
Hyderabad - 500 046

2016

ڈاکٹر سید عباس متقی : علمی وادبی خدمات

مقالہ برائے

پی ایچ۔ڈی (اردو)

مقالہ نگار

محمد انورالدین

ایم۔اے۔،نیٹ،ایم۔فل۔

نگران

پروفیسر مظفر علی شہ میری

صدر شعبہ اردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد

شعبہ اردو

اسکول آف ہیومانیٹیز

یونی ورسٹی آف حیدرآباد۔۵۰۰۰۴۶

۲۰۱۶ء

ڈاکٹر سید عباس متقی : علمی و ادبی خدمات

مقالہ برائے

پی ایچ۔ڈی (اردو)

۲۰۱۶ء

مقالہ نگار

محمد انورالدین

نگران

پروفیسر مظفر علی شہ میری

صدر شعبہ اردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد

شعبہ اردو، اسکول آف ہیومانیٹیز

یونی ورسٹی آف حیدرآباد۔۵۰۰۰۴۶

<u>CERTIFICATE</u>

This is to certify that the thesis entitled ***"DR.SYED ABBAS MUTTAQUI, ILMI-O-ADABI KHIDMAAT"****(ACADMIC AND LITRARY CONTRIBUTION OF DR. SYED ABBAS MUTTAQUI)* Submitted by ***MOHD.ANWER UDDIN*** bearing **Regn.No. 12HUPH08** in partial fulfillment of the requirements of the award of **Doctor of Philosophy** in Urdu is a bonafide work carried out by him under my supervison and guidance.

The thesis has not been submitted previously in part or in part of in full to this or any other University or Institution for the award of any degree or diploma.

Date:

Signature of the Supervisor

Countersigned

Head Department of Urdu

Dean School of Humanities

DECLARATION

I ***MOHD.ANWER UDDIN*** hereby declare that this thesis entitled *"**DR.SYED ABBAS MUTTAQUI, ILMI-O-ADABI KHIDMAAT**"(ACADMIC AND LITRARY CONTRIBUTION OF DR. SYED ABBAS MUTTAQUI)*. Submitted by me under the guidance and supervision of ***Professor MUZAFFER ALI SHAHMIRI*** is a Bonafide research work. I also declare that it has not been submitted preveiously in part or in full this University or any other University or Institution for the award of any degree or diploma.

I hereby agree that my thesis can be deposited in SHODGANGA/INFLIDNET.

Date:

Signature of the Student
(MOHD.ANWER UDDIN)
Regn.No.12HUPH08.

متقیؔ یوں ہی نہیں بدنامیاں
نقص ہے کچھ آپ کے کردار میں

فہرست

نشان سلسلہ		صفحہ نمبر
I	فہرست	i
II	انتساب	ii
III	پیش لفظ	iii to xi
1	پہلا باب سید عباس متقی کی سوانح، شخصیت اور ماحول	1 to 79
2	دوسرا باب سید عباس متقی کی علمی خدمات	80 to 97
3	تیسرا باب سید عباس متقی کی ادبی خدمات	98 to 179
4	چوتھا باب سید عباس متقی بہ حیثیت شاعر	180 to 325
5	پانچواں باب سید عباس متقی کی فارسی شاعری کا تعارف	326 to 388
6	چھٹا باب سید عباس متقی کی خاکہ نگاری کا تنقیدی جائزہ	389 to 451
7	ساتواں باب سید عباس متقی، بہ حیثیت طنز و مزاح نگار	452 to 574
8	اختتامیہ	575 to 581
9	کتابیات	582 to 609

انتساب

والد محترم
حضرت محمد معین الدین دامت برکاتہم
کے نام
جن کی رضا میں اللہ رب العزت نے اپنی رضا رکھی ہے

پیش لفظ

خاکسار سب سے اول قسام ازل بارگاہ حضرت حق تعالیٰ شانہ، میں نذرانہ تشکر پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے ازاں بعد احمد مجتبیٰ رحمت للعلمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں درود شریف کے بعد اپنی مشفق ومہرباں والدۂ محترمہ حضرت شہربانو نور اللہ مرقدہا اور والد بزرگ وار محمد معین الدین صاحب مدظلہ العالی کی دعاؤں کا ثمرہ سمجھتا ہے کہ اللہ جل جلالہ وعم النوالہ نے گنہ گار کو پی ایچ۔ڈی کی تکمیل کا موقع عنایت فرمایا اور میری زندگی میں وہ زرین لمحات لے آئے کہ جس کا حصول راقم الحروف کی پہلی ترجیح تھی اور جس کے لیے پہلے ایم اے (عربی) پھر ایم۔اے (اردو) کے بعد مسلسل اسی زبان وادب سے حصول پی ایچ۔ڈی میں سرگرداں رہا۔

والد محترم دام اقبالہ' کی خواہش رہی کہ میں حکیم وطبیب بنوں اور راقم الحروف کی مرضی تھی کہ کم ازکم چارٹڈ اکاؤنٹینٹ بن جاؤں جب کہ استاذ محترم گرامی قدر حضرت محمد جمال علیہ الرحمہ نے فدوی کو نہ صرف درس وتدریس سے جڑے رہنے کی تلقین کی تھی بلکہ جیشا ایجوکیشن سوسائٹی (رجسٹرڈ) سکندرآباد کے مرکز مشیرآباد، حیدرآباد میں میرے لیے تدریسی فضا بھی ہموار کی تھی۔اسی تحریک کے بعد ناچیز منصب محاصبی سے کنارکشی اختیار کرکے مدرس اور ازاں بعد اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔اس خصوص میں بانی ادارہ جیشا ایجوکیشن سوسائٹی نے مواقع فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ کوآرڈینیٹر کے طور پر خدمات حاصل کیں جس کے سبب ہیچ مداں سراپا سپاس ہے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب راقم الحروف پی ایچ۔ڈی میں داخلہ لے چکا تھا۔خیال ہوا کہ ان برسوں کو یوں ہی ضائع نہ کروں بلکہ اپنی خواہشات میں سے چند ایک خواہشوں کی تکمیل کرلوں۔اس طرح ابھی ایم۔فل کا مقالہ داخل ہی کیا تھا کہ پہلی کاوش یعنی ''اردو زباں سیکھنے کے لیے آسان اردو'' جو تقریباً ۲۰۰۵ء سے تسویدی مراحل سے سفر کرتے ہوئے تصحیح تک آ پہنچی تھی بالآخر ۲۰۱۲ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی۔اس اثناء میں پی ایچ۔ڈی کے لیے اعلامیہ جاری ہوا اور تحریری امتحان اور انٹرویو کے بعد نشست محفوظ ہوگئی تو تھوڑا افاقہ ہوا اور فی الفور کتاب کی دوسری اشاعت نے عزائم کو مضبوط کیے۔اس طرح یکے بعد دیگرے ''ڈاکٹر سید مصطفی کمال علمی وادبی خدمات'' (۲۰۱۴ء)، ''معجزۂ فن (تبصرے، مراسلے، پیش لفظ، تقریظ واداریہ'' (۲۰۱۴ء)، ''قرآن مجید کا خلاصہ بچوں کے لیے'' (بار چہارم ۲۰۱۴ء) اور ''اردو کی آسان قواعد'' (۲۰۱۵ء) میں شائع ہوئی نیز (۲۰۱۶ء) میں دوبارہ اشاعت عمل میں آئی اور امسال ''نگارشات'' پر تلنگانہ اسٹیٹ اردو اکیڈیمی حیدرآباد نے جزوی مالی اعانت منظور کی ہے۔دریں اثنا مسودہ طباعت کے لیے پریس میں جا چکا ہے۔

پی ایچ۔ڈی میں داخلہ ملتے ہی خواب شرمندۂ تعبیر ہونے لگے اسی طرح ایک اور شوق کے پورا کرنے کی جرأت بھی ہوئی۔چناں چہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی سے ڈپلوما اِن پرشین میں داخلے کی بابت پروفیسر عزیز بانو صدر شعبہ فارسی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی سے مشاورت کارگرد ثابت ہوئی اور ڈپلوما اِن پرشین میں داخلہ مل گیا، خواہش تھی کہ روزانہ کلاس میں شرکت کو یقینی بناؤں لیکن جوں جوں میری خواہشات پوری ہوتی گئیں یوں یوں مرضی الٰہی بھی شامل حال رہی اور مورخہ ۹ رجون ۲۰۱۳ء کو والدۂ محترمہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔اللہ جل شانہ، امی جان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور اپنے حبیب ﷺ کی محبت نصیب فرمائے آمین یارب العلمین۔

امّی جان کا داعی اجل کو لبیک کہنا ہمیں بے حواس کر دیا اور ہم کچھ عرصے تک سنبھل نہ سکے۔دورانِ ڈپلوما پہلے سمسٹر کا امتحان اور پی ایچ۔ڈی کی کارکردگی کی رپورٹ مانع رہی۔جیسے تیسے کامیابی حاصل ہوئی لیکن دوسرا سمسٹر کامیاب کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔میں نے

شفیق استاذ ڈاکٹر عتیق اقبال پرنسپال اردو آرٹس ایوننگ کالج حمایت نگر، حیدرآباد سے اس ضمن میں گفت وشنید کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ فارسی ڈپلوما کے کلاسس کی عدم شرکت کسی فارسی داں کے ہاں زانوے ادب طئے کرکے پوری کی جاسکتی ہیں۔اس سلسلے میں جو نام سامنے آئے ان میں ڈاکٹر سید عباس متقی کا نام میرے لیے نیا نہیں تھا وہ اس طرح کہ دو ایک مرتبہ موصوف سے ملاقاتیں ہوچکی تھیں، زندہ دلان کے جلسوں میں براہ راست مضمون کی سماعت ہوتی رہی تھی اور روزنامہ منصف، حیدرآباد میں آپ کی قلم فرسائیوں سے آنکھ اور ذہن مانوس تھے۔اس طرح مخلص استاذِ فارسیِ من ڈاکٹر سید عباس متقی دام اقبالہ' نے تین دن فارسی کی گردانیں اور کچھ ضروری الفاظ کی تشریح اور امتحانی پرچوں کی مشق کرادی اور ہم ڈپلوما اِن پرشین میں اول درجے سے کامیاب ہوگئے،اس طرح ڈپلوما کا ارمان پورا ہوگیا۔لیکن پی ایچ۔ڈی کا شوق ہنوز سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

موضوع کا انتخاب تو عمدہ تھا لیکن وہ پی ایچ۔ڈی کی سند کے حصول کے مذاق پر پورا نہ اتر سکا یعنی مثنوی پنچھی باچھا اور اس کے خالق وجدؔی کرنولی پر اساتذۂ السنہ اردو و فارسی نے کام کیے تھے۔صرف لسانی واسلوبیاتی مطالعے میرے حق میں آئے، میں انھیں بعد پی ایچ۔ڈی کے مکمل کرکے منظر عام پر لاؤں گا ان شاء اللہ۔اس طرح اب موضوع کی تبدیلی میرے لیے ضروری قرار پائی۔

ڈاکٹر سید عباس متقی کے پاس ڈپلوما کی تعلیم کے علاوہ بھی حاضری دینے کا شوق چرّایا تو اس کی تسکین کے لیے بارہا ملاقاتیں ہوئیں اور ان ملاقاتوں میں پتا چلا کہ موصوف پر ان کی شاعری، مزاح نگاری اور علمی وادبی خدمات پر ہنوز کسی قسم کا اور کسی نوعیت کا کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔یہی معلوم ہونا میرے موضوع کے انتخاب کی وجہ ثابت ہوئی۔

اس طرح مشفق استاذ ونگرانِ من پروفیسر مظفر علی شہ میری حفظ اللہ صدر شعبہ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد سے مشاورت کے بعد میرا موضوع ''ڈاکٹر سید عباس متقی علمی وادبی خدمات'' انجام پایا اور وہیں سے جو کام ہوا ہے اسے سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلے باب کو''سید عباس متقی کی سوانح ،شخصیت اور ماحول'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے،جس میں سوانح کے ذیل میں ان کے آباء و اجداد ،والدین کریمین ، بھائی ،بہنیں،

بچپن، لڑکپن، جوانی، زمانۂ رنگین، تعلیم و تربیت، ملازمت، شادیاں، ازدواجی زندگی، عیال، زیارتِ حج بیت اللہ شریف، عقائد کے علاوہ بیسٹ اردو ٹیچر، کارنامۂ حیات ایوارڈ دیگر ادبی ایوارڈ، مختلف نوع کے مقابلوں میں شرکت اور ان میں امتیازی کامیابی کے حصول کے ساتھ ساتھ انھیں مصورِ طنز کے لقب سے ملقب کیے جانے کا بیان شامل ہے۔

شخصیت کے حوالے سے سید عباس متقی کا حلیہ، لباس، غذا، صبر و تحمل قناعت یعنی خودداری و قلندرانہ طبیعت، فراخ دلی، حق گوئی و بے باکی، مہمان نوازی، کتب بینی کا شوق، گائیکی کا شوق، ادا کاری کا شوق، ڈرائیونگ کا شوق، گھڑسواری کا شوق، کشتی کا شوق، خوش نویسی کا شوق، سیر و سیاحت کا شوق، وعظ گوئی، بحیثیت امام و خطیب، قضائت، پیری مریدی، غرض ان کی شخصیت کے تمام گوشوں پر دلائل اور براہین کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

مقالے کا دوسرا باب ''سید عباس متقی کی علمی خدمات'' کا احاطہ کرتا ہے۔ یہاں سید عباس متقی کی علمی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی تدریسی خدمات کے ضمن میں خانگی اور سرکاری ملازمتیں اور ان سے سبک دوشی اور بعد کی علمی مصروفیات پر گفتگو کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اسکول اور جامعاتی سطح پر نصابی کتابوں کی تیاری میں سید عباس متقی کے حصے کو متعین کیا گیا ہے نیز انھوں نے اسکول سطح پر بچوں کے ادب کو فروغ دینے کی غرض سے بچوں کے لیے جو نظمیں کہی ہیں انھیں داخل نصاب کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم کے فروغ اور تعمیم کے لیے بحیثیت مدرس انھوں نے فی سبیل اللہ اردو، فارسی زبانوں میں تعلیم دی ہے اس کو پیش کیا گیا ہے اور پہلے حصے کی طرح ضروری حوالے وغیرہ بھی دیے گئے ہیں۔

تیسرا باب ''سید عباس متقی کی ادبی خدمات'' کے متعلق ہے۔ اس باب میں سید عباس متقی کے تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی خدمات کو پیش کیا گیا ہے جن میں پہلے سید عباس متقی کے تحقیقی مقالوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، جس میں ان کے ایم۔فل مقالے ''قاضی احمد علی قاضیؔ: حیات اور کارنامے'' اور پی ایچ۔ڈی مقالہ ''آزادی کے بعد طنز و مزاح کا تہذیبی و سماجی پس منظر'' شامل ہے۔ ساتھ ہی ان کی صحافتی خدمات پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ سید عباس متقی نے پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا ہر دو میں اپنی خدمات پیش کی ہیں اگر ہم الکٹرانک میڈیا کی بات کرتے

ہیں تو انھوں نے آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کے چینل یو وا وانی کے پروگرام ''نیرنگ'' میں مختلف موضوعات پر طنز و مزاح پر مشتمل مختصر مزاحیہ کہانیاں اور مباحثے پیش کیے ہیں۔ نیز انھوں نے دور درشن کے سپتا گری چینل پر طنز و مزاح سے متعلق ایک انٹرویو دیا تھا۔ دوسری مرتبہ ایک انٹرویو منصف ٹی۔وی پر بھی طنز و مزاح کے حوالے سے پیش کیا گیا۔اس کے علاوہ پرنٹ میڈیا میں سید عباس متقی مختلف روزناموں، پندرہ روزہ، ماہ ناموں اور دیگر رسائل میں اپنی ادبی خدمات انجام دے چکے ہیں جن کا مفصل ذکر اس باب میں مل جائے گا۔اختصار کے ساتھ یہاں ان روز ناموں اور رسالوں کے صرف نام گنوائے جائیں گے جن میں موصوف نے خدمات دی ہیں۔ان میں روزنامہ رہنمائے دکن حیدرآباد، روزنامہ سیاست حیدرآباد، روزنامہ منصف حیدرآباد، روزنامہ صدائے حسینی حیدرآباد اور روزنامہ ہمارا عوام حیدرآباد کے علاوہ رسائل کے ناموں میں ماہ نامہ شگوفہ حیدرآباد، ماہ نامہ آندھرا پردیش حیدرآباد، ماہ نامہ قومی زبان حیدرآباد، ماہ نامہ سب رس حیدرآباد وغیرہ کے علاوہ راقم الحروف کی ادارت میں شائع کیے گئے سہ ماہی پھولبن کے دو ایک شماروں میں بھی ان کی شاعری اور مضامین شائع ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں۔اس ضمن میں ایک اہم بات یہ ہے کہ مدیر شگوفہ ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال نے ماہ نامہ شگوفہ کا ایک شمارہ گوشۂ سید عباس متقی کے نام سے جاری کیا تھا جس میں سید عباس متقی کی نمائندہ تخلیقات اور پُر مزاح شاعری کو قارئین کے سامنے پیش کیا تھا۔اس باب میں اس پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

اس باب کی کڑی کو جوڑتے ہوئے اس میں سید عباس متقی کے ایک فارسی مقالے مقائسۂ غالب کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے جو دراصل مرزا غالب کی فارسی اور اردو شاعری کا تقابلی مطالعہ ہے۔اس کے بعد ادبی انجمنوں کے قیام میں موصوف نے جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ان میں اردو سوسائٹی حیدرآباد اور زندہ دلانِ حیدرآباد کے نام نمایاں لیے جا سکتے ہیں۔

چوتھا باب ''سید عباس متقی، بہ حیثیت شاعر'' ہے جس میں سید عباس متقی کی شاعری کے آغاز و ارتقا پر بات کی گئی ہے نیز مشاعروں میں شرکت کی ابتدا کا حال بھی لکھ دیا گیا ہے۔اس کے بعد سید عباس متقی کی اردو شاعری پر مشتمل کتابوں کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے جن میں تسلیماً کثیراً سب سے پہلے ہے اور یہ کتاب حمد باری تعالیٰ، نعوت عالیہ اور سلام خیر الانام کے علاوہ ایک عدد دعا کا احاطہ کرتی ہے۔

سید عباس متقی نے سورۃ الرحمٰن کا منظوم مگر آزاد ترجمہ ''مثنوی نوال السبحان فی مطالب سورۃ الرحمٰن'' کے نام سے کیا ہے جو مثنوی کی ہیئت میں ہے اس کا بھی تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے۔سید عباس متقی کے غزلوں ،نظموں اور نظموں کی مختلف اصناف سے متعلق شعری مجموعہ ''تنہائیاں'' کے نام سے شائع کیا ہے۔یہاں اس کتاب کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔انھوں نے صاحب قصیدہ بردہ شریف علامہ ابوعبداللہ شرف الدین محمد بن سعید بوصیریؒ کے قصیدہ بردہ شریف کا بھی منظوم مگر آزاد ترجمہ مثنوی کی ہیئت میں کیا ہے۔اس کا بھی تنقیدی مطالعہ شامل ہے۔پھر انھوں نے ایک شہر آشوب ''رودِ دود کے نام سے تقریباً سات سواشعار پر مشتمل نظم کیا ہے جس کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ موصوف نے اپنی ذات پر ہوئے بعض ناگوار یا نہ خوش گوار واقعات پر سے پردہ اٹھایا ہے اور انھوں نے اس میں بعض پر آشوب اور فتنہ پرور نفوس کے لیے بددعائیں کی ہیں۔اس شہر آشوب کے بعد نظم کی مختلف اصناف جن پر سید عباس متقی نے طبع آزمائی کی ہے کا تنقیدی جائزہ ان ہی کی مثالوں سے لیا گیا ہے اور اس باب میں سید عباس متقی کی شاعری کا مفصل فنی جائزہ لیا گیا ہے۔اس اثناء میں ہر صنف کے بعد سید عباس متقی کی تخلیقات کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شاعری کو اس کی نوعیت کے حساب سے درجہ بندی کی گئی ہے۔

اس باب میں کلام متقی پر علم بیان اور علم بدیع کے اطلاق کو سمجھاتے ہوئے ان ہی کے اشعار سے مثالیں دی گئی ہیں اور حوالے بھی منسلک کیے گئے ہیں۔

پانچواں باب ''سید عباس متقی کی فارسی شاعری کا تعارف'' سے عبارت ہے،جس میں سید عباس متقی کی فارسی شاعری کی ابتدا کے متعلق معلومات پہنچاتے ہوئے ان کی فارسی مطبوعات کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے۔اس باب میں ان کی کتاب رباعیات متقی (۲۰۱۰ء) رشکِ گردون (۲۰۱۱ء) مناجات متقی (۲۰۱۲ء) اور مینا بدوش (۲۰۱۲ء) کا جائزہ لیا گیا ہے اور آخر میں ان کے کلام سے صنف واری درجہ بندی کی گئی ہے۔ساتھ ہی اس کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ہونے کی شہادت بھی دی گئی ہے۔

مقالے کے چھٹے باب میں ''سید عباس متقی کی خاکہ نگاری کا تنقیدی جائزہ'' لیا گیا ہے جس میں سید عباس متقی کی خاکہ نگاری پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے مختلف نوعیتوں سے ان خاکوں کے معیار کو پرکھا گیا ہے۔خصوصیت کے ساتھ اس باب میں یہ دیکھا گیا ہے کہ خاکہ نگار نے اپنے ممدوح کی مدح سرائی کی ہیا انھیں آئینہ دکھایا ہے۔

ساتویں اور آخری باب ''سید عباس متقی بحثیت طنز و مزاح نگار'' میں موصوف کے طنز ومزاح پر مشتمل تصانیف کا عمومی جائزہ لیا گیا ہے۔ان تصانیف میں دکھتی رگیں ۱۹۸۹ء،چھوٹی انگلی ۱۹۹۳ء،میری بلا سے ۱۹۹۶ء،ڈرتا ہوں آئینے سے ۲۰۰۳ء، لگے ہاتھوں ۲۰۰۷ء، ہیں کواکب کچھ ۲۰۰۹ء،ٹک ٹک دیدم ۲۰۱۰ء،من خوب می شناسم ۲۰۱۲ء، نا گفتہ بہ ۲۰۱۳ء، گپ شپ ۲۰۱۴ء اور بادشمنان مدارا ۲۰۱۵ء کے نام شامل ہیں۔اس باب کے دوسرے حصے میں سید عباس متقی کے طنز و مزاح کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔اس جائزے میں راقم الحروف نے تشبیہ اور اس کی قسمیں،استعارہ،روزمرہ،محاورے،توضیح محاورہ،ضرب الامثال میں تحریف، کے ساتھ صنائع و بدائع ،اسلوب بیاں،گلابی اردو،شگفتہ بیانی،تقریر کا سا انداز،گفتگو یا مکالماتی انداز اور بات میں سے بات نکالنا ،سوالیہ انداز ،نئی ترکیبیں، پرتکلف زباں،انگریزی الفاظ کا استعمال،داستانی رنگ، ادق گوئی ،موازنہ،صنعت معکوس کا استعمال،تجسیم،فعل کا استعمال،تضحیک ،پھبتی،مزاحیہ کردار،لطیفہ گوئی، طنز،پھکڑپن،ایجاز، بے معنی مزاح،افکار،چونکانا،مزاحیہ پیکر ،مزاحیہ توجیہ،مزاحیہ تمثیل،تہذیبی شعور، تاریخ سے استفادہ،سنین تقابلی جائزہ ،ادبی تنقید،ادبی روایتوں کا استعمال،مصرعوں میں تحریف ،اشعار میں تحریف ،اشعار کا جملوں میں استعمال جیسی اصطلاحات پر سید عباس متقی کے طنز ومزاح کو پرکھا اور جانچا گیا ہے نیز حوالے دیے گئے ہیں۔مقالے کے اختتام پر مراجع و مصادر کی حیثیت سے کتابیات دی گئی ہیں۔علاوہ ازیں روزنامے، رسائل اور دیگر ثانوی ماخذ کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

راقم الحروف استاذ ونگرانِ من پروفیسر مظفر علی شہ میری کا سپاس گزار ہے کہ موصوف نے ایم۔فل کی کلاسوں میں تحقیق کے اصول سکھائے اور پی ایچ۔ڈی میں عملی طور پر ان اُصولوں کو

بروئے کار لانے کا ہنر سکھایا اور پدرانہ شفقت کے ساتھ پی ایچ۔ڈی کے سفر کو سر کرنے میں میری نصرت فرمائی۔

ناچیز شکر گزار ہے اساتذہ من پروفیسر محمد انور الدین اور پروفیسر رضوانہ معین کا کہ ان دونوں بلند مرتبت استادوں نے راقم السطور کے ڈاکٹوریل کمیٹی کے ممبران کی حیثیت سے میری رہنمائی فرمائی۔

احقر ممنون ہے ڈاکٹر نشاط احمد کا کہ انھوں نے بھی ڈاکٹوریل کمیٹی میں میری معاونت فرمائی۔شعبے کے دیگر اساتذہ میں پروفیسر محمد بیگ احساس کا ممنون ہوں کہ موصوف کے دورِ صدارت میں راقم الحروف کے پی ایچ۔ڈی موضوعات دیے گئے اور موصوف نے ایم۔فل میں ہمیں اپنی ذات سے مستفید ہونے کا موقع عنایت فرمایا۔ڈاکٹر حبیب نثار کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ایم۔فل میں میری نگرانی قبول فرمائی۔

میں ڈاکٹر عرشیہ جبین ،ڈاکٹر عبد الرب منظر،ڈاکٹر محمد کاشف،ڈاکٹر زاہد الحق اور ڈاکٹر رفیعہ سلیم کا بھی شکر گزار ہوں۔

راقم الحروف پی ایچ۔ڈی کے مقالے کے لیے مواد کے حصول کے سلسلے میں جن اداروں میں حاضری دی ہے اور جن نفوس عالیہ سے نصرت طلب کی ہے ان سب کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرتا ہے۔خصوصاً ڈاکٹر سید عباس متقی اور ان کے اہل خانہ کا سراپا سپاس گزار ہے کہ سبھی نے وقتاً فوقتاً فدوی کو شرفِ استفادہ بخشا۔

فدوی ڈاکٹر غضنفر اقبال کا تہہ دل سے ممنون ہے کہ موصوف نے میرے ایک فون پر مطلوبہ مواد نہایت ہی قلیل وقت میں شہر گلبرگہ ریاست کرناٹک سے روانہ فرمایا۔

میرے سینئیر ساتھیوں میں ڈاکٹر جے۔محمد شفیع اور ان کی اہلیہ ڈاکٹر آمنہ آفرین اور دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والے ساتھیوں میں ڈاکٹر کشور کمار، ڈاکٹر انجینیلو، ڈاکٹر سائی کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ ان سب کے درمیان میں نے خوش گوار لمحے گزارے ہیں، جنھیں فراموش کرنا محال ہے۔

میرے خصوصی شکریہ کا مستحق برادر خورد محمد اظہر الدین سلمہ، متعلم ایم۔اے سال آخر ہے کہ جنھوں نے پی ایچ۔ڈی مقالے کی کمپوزنگ نفاست اور دلجمعی کے ساتھ کی اور اس مقالے کی ترتیب و تزئین تک کی ساری ذمے داری اپنے سر لے کر بحسن خوبی انجام دیا ہے۔

۲۷/دسمبر ۲۰۱۶ء
حیدرآباد

محمد انور الدین

﴿پہلا باب﴾

سید عباس متقی کی سوانح، شخصیت اور ماحول

تم کو معلوم نہیں کچھ حقیقت میری
اپنا افسانہ سنانے کی اجازت دے دو
سید عباس متقی

آباءواجداد:

سید عباس متقی کے دادا سید رحیم نے دبیر پورہ حیدرآباد میں سکونت اختیار کی تھی۔ان کی تین بیویاں تھیں۔پہلی بیوی بسم اللہ بیگم سے انھیں دو صاحب زادے سید احمد (سید عباس متقی کے تایا) سید محمد (متقی کے والد) اور ایک صاحب زادی مالن بی (سید عباس متقی کی پھوپھی) تولد ہوئیں۔دوسری اہلیہ خواجہ بیگم سے ایک لڑکا سید کریم (سید عباس متقی کے سوتیلے چچا) تولد ہوئے جب کہ تیسری اور آخری اہلیہ لاولد رہیں۔

سید عباس متقی کے دادا سید رحیم میر عثمان علی خاں بہادر آصف جاہ ہفتم کے دفتر صرف خاص میں میز خانے (۱) میں ملازم تھے۔

سید احمد (تایائے متقی):

سید عباس متقی کے بڑے تایا سید احمد مرحوم پڑھے لکھے اور لائق آدمی تھے، مستزاد یہ کہ خوش شکل بھی واقع ہوئے تھے۔ابتدا میں کاروبار کیا کرتے تھے بعدازاں محکمۂ پولیس میں ملازم بھی ہوگئے تھے لیکن عالم شباب ہی سے انھیں مئے نوشی کی عادت پڑ گئی تھی، اس لیے ملازمت کو برقرار نہ رکھ سکے اور چند ہی دنوں میں سرکاری ملازمت کو خیر باد کہہ دیا۔تقدیر نے انھیں گردش کا شکار کر دیا اور آخرکار رکشہ رانی کو اپنا ذریعۂ معاش بنا کر زندگی کاٹنے لگے۔سید عباس متقی نے ان کا دوسرا نکاح ایک بیوہ خاتون سے کروایا تھا تاکہ وہ گھر دار سے لگی رہیں لیکن اس خاتون سے بھی نہیں نبھ سکی اور چند ہی دنوں میں وہ خاتون انھیں چھوڑ کر چلی گئیں۔پھر وہ تنہا بہ تقدیر اِدھر اُدھر بھٹکتے رہے۔مسلسل بلانوشی کے سبب جگر کا عارضہ لاحق ہوگیا۔دواخانہ عثمانیہ میں شریک رہے لیکن علاج نہ ہوسکا اور بالآخر دنیا سے چل بسے۔

سید محمد (والد بزرگ وار):

سید عباس متقی کے والد سید محمد ولد سید رحیم اپنے والد کے دوسرے صاحب زادے تھے جو محکمۂ پولیس میں کانسٹیبل کے عہدے پر فائز رہے۔ان کا تبادلہ تعلقہ چنچولی شہر گلبرگہ ریاست کرناٹک میں ہوگیا تھا جس کی بابت سید عباس متقی نے کہا:

> ''والد صاحب نان میٹرک تھے اردو ہی بہ مشکل لکھ پڑھ سکتے تھے۔سعادات گھرانے سے تعلق رکھتے تھے بہت وجیہہ اور خوب رو انسان واقع ہوئے تھے۔انھیں ورزش کا بچپن ہی سے شوق تھا اور انھوں نے ابتداءً سرکس میں بھی کام کیا تھا اور تار پر چلنے کے علاوہ گولے پر بھی چلنے کی مشق بہم پہنچائی تھی اور سرکس کے دوسرے کرتبوں سے بھی کماحقہ واقفیت رکھتے تھے شرافت ونجابت ان کا طرۂ امتیاز تھا۔اسی شرافت ونجابت کو دیکھتے ہوئے۔راول کول جو میڈ چل کا ایک قصبہ ہے کے زمین دار خواجہ برکت اللہ نے اپنی بھانجی دولت بیگم دختر سید حسن کپتان فوج نظام کی شادی والد محترم سید محمد صاحب سے کرادی۔''(۲)

سید عباس متقی نے مزید کہا کہ ایک آدھ سال بعد ان کے والد سید محمد صاحب کا تبادلہ حیدرآباد ہوگیا تھا اس طرح ابتداءً سید محمد صاحب نے اپنی سالی پروفیسر رفیع رؤف (۳) کے ہاں ملک پیٹ حیدرآباد میں سکونت اختیار کرلی۔

مالن بی (پھوپھیٔ متقی):

سید عباس متقی کی پھوپھی کا نام مالن بی تھا جو نہایت شریف النفس اور از حد بھولی بھالی خاتون تھیں۔چنبیلی کا منڈوا،کوٹلہ علی جاہ میں اپنے شوہر شیخ خواجہ کے ساتھ فروکش تھیں اور لاولد رہیں۔قریب ستر پچھتر سال کی عمر پاکر اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

ایک زمانے میں جب سید عباس متقی عنفوان شباب کے دور میں تھے،ان کے پھوپھا ایرہ گڈہ حیدرآباد کے ایک دواخانے میں چوکیداری پر مامور تھے اور انھیں رہنے کے لیے ایک بڑے کمرے پر مشتمل مکان دیا گیا تھا۔کبھی کبھی سید عباس متقی چھٹیوں کے دنوں میں اپنی پھوپھی کے ہاں جایا کرتے تھے اور پھوپھی صاحبہ اپنے بھتیجے سے بہت خوش ہوا کرتی تھیں۔کبھی کبھی وہ اپنی پھوپھی کو یاد کرتے ہوئے اپنے لڑکپن کے واقعات سناتے ہیں کہ ان کی پھوپھی سنیما دیکھنے کے لیے انھیں ٹکٹ کے پیسے بھی دیا کرتی تھیں چناں چہ سید عباس متقی کہتے ہیں:

''اس عہد میں امیر پیٹ کے نواحی علاقے میں ایک ٹاکیز شیش محل ہوا کرتی تھی جہاں میں نے فلم ''دوستی'' پہلی بار دیکھی تھی۔''(۴)

یقیناً پھوپھی کی محبت میں سید عباس متقی کے اخلاق سنوارنے میں اہم رول ادا کیا۔

سید کریم (علاتی چچائے متقی):

سید عباس کے منجلے تایا جو خواجہ بیگم کے بطن سے تھے ایک زمانے تک چنچل گوڑے میں اپنی اہلیہ کے ساتھ مقیم رہے جہاں سید عباس متقی کا اپنے تایا کے ہاں بہت زیادہ آنا جانا رہا۔ سید کریم آندھرا پردیش اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن (آر ٹی سی) میں ڈرائیور تھے اور شہر حیدرآباد میں بس چلایا کرتے تھے۔انھیں اپنے تایا کا مکان اکثر یاد آتا ہے جہاں وہ اس گھر کے بڑے آنگن میں کھیلا کرتے تھے۔

سید کریم صاحب کے دو بچّے ہوئے، بڑے صاحب زادے کا نام سید خواجہ رحمت اللہ رکھا گیا اور بیٹی کا نام عزیزہ بیگم۔سید خواجہ رحمت اللہ فی زمانہ چندرائن گٹہ حیدرآباد کے علاقے میں اپنے بال بچوں کے ساتھ مقیم ہیں اور عزیزہ بیگم جنگم میٹ فلک نما حیدرآباد میں اپنے بال بچوں کے ساتھ زندگی گزار رہی ہیں۔

سید عباس متقی نے اپنی پرانی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے بتایا کہ ان کے تایا زاد بھائی سید خواجہ رحمت اللہ کو بھی فلموں سے گہرا شغف تھا۔چناں چہ انھیں جب وہ درجہ سوم میں پڑھا کرتے تھے خواہش ظاہر کی کہ وہ ذرا چل کر یاقوت محل میں ٹکٹ دلا دیں۔اس زمانے میں یاقوت محل کا ٹکٹ پانچ آنے ہوا کرتا تھا۔سید عباس متقی نے اپنی والدہ سے پانچ آنے لیے اور رحمت اللہ خواجہ بھائی صاحب نے انھیں اپنی سائیکل پر بٹھا کر یاقوت محل ٹاکیز لے گئے جہاں دلیپ کمار کی مشہور زمانہ فلم ''مدھومتی'' چل رہی تھی۔خواجہ بھائی نے سید عباس متقی کو لائین میں کھڑا کر دیا اور آگے والے آدمی سے کہہ دیا کہ ذرا اس بچّے کو ٹکٹ دلا دینا اور پھر یہ نصیحت کر کے رخصت ہو گئے کہ شو چھٹتے ہی سیدھا گھر آجانا۔سید عباس متقی نے بتایا کہ انھوں نے اس طرح پہلی بار کسی تھیٹر میں فلم دیکھی تھی۔اس واقعے کے سارے نقوش ان کے ذہن پر آج تک ہویدا ہیں۔

دولت بیگم (والدۂ متقی):

سید عباس متقی کی والدہ دولت بیگم ایک اعلیٰ خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔ دولت بیگم کے والد محترم نظام کی فوج کے کپتان تھے جب کہ نانا سید خواجہ ہدایت اللہ صاحب راول کول میڈ چل کے معروف وکیل تھے۔ دولت بیگم کی والدہ عزیز النساء سے انھیں صرف یہی ایک صاحبزادی ہوئیں۔ ان کے والد سید حسن کو دوسری بیوی بھی تھی جن سے کئی اولادیں ہوئیں۔ شومیٔ قسمت کہ عزیز النساء اور سید حسن میں مفاہمت نہ ہو پائی اور دولت بیگم کے زمانہ طفولیت ہی میں ان کا خلع ہو گیا اور دولت بیگم اپنے ننھیال میں رہنے لگیں اور آخر کار جب ان کے نانا وفات پا چکے تو ان کی پرورش ان کے ماموں سید خواجہ برکت اللہ نے کی اور سقوط حیدر آباد کے فوری بعد ان کی شادی سید محمد ولد سید رحیم سے کر دی گئی۔

دولت بیگم نہایت سگھڑ اور سلیقہ مند خاتون تھیں جو شیریں گفتار اور نیک اطوار واقع ہوئی تھیں۔ نماز روزے کے علاوہ ذکر و وظائف کی بہت پابند تھیں۔ بڑی بہو کے ساتھ تو ان کی ماں بیٹی کی طرح نبھتی تھی۔ جس کا ثبوت ہمیں سید عباس متقی کے اس اقتباس سے ہوتا ہے:

> ''جب ہم نے چند در چند مجبوریوں کے تحت دوسری شادی کی تو ہماری بیگم سے زیادہ ان کی ساس یعنی ہماری والدہ نے از حد برہمی کا اظہار کیا تھا اور ہماری تیسری شادی تک ہم سے خفا رہیں۔ علمی وادبی خاندان سے علاقہ ہونے کے سبب اردو اور فارسی کے بہتیرے اشعار ازبر تھے اور برمحل استعمال پر قدرت رکھتی تھیں۔ دکنی اور ادبی محاورے تو ان کی گفتگو کا جز و لاینفک تھے۔ بڑی درّاک واقع ہوئی تھیں عقل و فراست اور دانائی و معاملہ فہمی نے ان کی شخصیت کو ہر دل عزیز بنا رکھا تھا۔ کم گفتن اور کم خوردن پر عمل پیرا تھیں، شاید یہی وجہ ہو کہ آخر دم تک فعّال و کارکرد رہیں۔'' (۵)

سید عباس متقی کو اپنی والدہ محترمہ کی الماری بہت زیادہ محبوب رہی کیوں کہ اس میں غصے کو قابو کرنے والی وہ تمام اشیاء موجود ہوا کرتی تھیں جس کو دیکھتے ہی سید عباس ہی کا نہیں تمام افراد خاندان کا غصہ کافور ہو جاتا تھا۔ واقعی اگر انسان اپنے کفن سے عبرت لینے کی ہمت نہیں رکھتا تو دوسرے کے کفن سے بھی عبرت لی جا سکتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ کفن کا گھر میں ہونا

ضروری ہے کفن گھر میں نہیں ۔سید عباس متقی نے اپنے مضمون والدہ کی الماری میں چھپے رازوں کو افشا کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

''والدہ کے سرہانے ایک کہنہ آثار الماری تھی جس میں ان کے اپنے کام کی چیزوں کے علاوہ ان کے کپڑے ، زیور اور ادویات مقررہ ، مکان کے کاغذات کا گول ڈبّا ، حمائل شریف ، دلائل الخیرات ، ادعیہ و وظائف کی کتابیں وغیرہ دھری رہتی تھیں ۔ نیچے کے خانے میں وہ تمام چیزیں جو وقت پر اِدھر اُدھر نہ ملنے کی صورت میں ڈھونڈنے والے کو یہاں مل جایا کرتی تھیں مثلاً امرت انجن کی شیشی ، زندہ طلسمات ، کھانسی کی گولیاں ، درددوں کو دور کرنے والا مالش کا تیل وغیرہ وغیرہ ، لیکن اوپر کا خانہ مخصوص تھا جس میں اوپر جانے کے بعد کی چیزیں دھری تھیں ۔جس میں سب سے اہم ان کا کفن اور ان کے شوہر یعنی ہمارے والد کا کفن دھرا تھا جسے انھوں نے مکہ مکرمہ سے منگوالیا تھا اور کبھی کبھی نہایت خلوص سے جھاڑ جھٹک کر رکھا کرتی تھیں ۔ ہماری والدہ اتنی سگھڑ خاتون تھیں کہ مرنے کے بعد پیش آنے والی ضرورت کی تمام ہی چیزوں کو نہایت صفائی اور ستھرائی سے رکھ لیا تھا کہ گھر والوں کو بعد میں کوئی زحمت نہ اٹھانی پڑے ۔مثلاً روح پرواز کرنے کے بعد میت کے انگوٹھے باندھنے کی ڈوریاں ، نیچے بچھانے کی سوزنی (جسے عموماً غسّال لے جاتے ہیں) میت پر اوڑھانے کی سفید اور بے داغ چادر ، عطر کی شیشیاں ، پیٹ پر رکھی جانی والی نمک کی تھیلی ، سر پر باندھا جانے والا ''ڈھاٹا'' زم زم کے شیشے کے علاوہ تجہیز و تکفین اور تدفین کی معقول رقم ، جس میں سے ہم لوگ شدید ضرورت پر ادھار لیا کرتے اور نہایت ایمان داری سے لوٹا بھی دیا کرتے تھے ۔آخرش ہوا وہی جس کا اندازہ تھا ۔ایک رات ہماری والدہ ہمیں روتا بلکتا چھوڑ کر چپکے چپکے اپنے آخری سفر پر نکل کھڑی ہوئیں ۔اپنے پیچھے جو سامان چھوڑا تھا ان کے ساتھ ہی پیچھے پیچھے چلا گیا اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ مرنے والے کے پیچھے بس اتنی ہی چیزیں جایا کرتی ہیں ۔'' (٦)

دولت بیگم صاحبہ سید شاہ محی الدین بیابانیؒ کی مریدہ تھیں جو دبیر پورہ حیدرآباد کی ایک گلی میں رہا کرتے تھے ۔ دولت بیگم کے مرشد کا مزار قاضی پیٹ کی درگاہ میں واقع ہے ۔

دولت بیگم کو بے شمار نظمیں ، کہانیاں ، محاورے اور ضرب الامثال یاد تھے اور وہ بروقت اس کے اظہار پر ملکہ بھی رکھتی تھیں نہایت فریسہ اور معاملہ فہم خاتون ثابت ہوئی تھیں ۔

بہن بھائیاں:

سید محمد صاحب کو تین لڑکے اور ایک لڑکی بالترتیب سید عباس متقی ، رضیہ بیگم، سید عثمان اور سید افضل ہیں۔ رضیہ بیگم سید عباس متقی کی چھوٹی بہن ہیں جن کی شادی سید یعقوب علی ملازم کانسٹیبل محکمے پولیس سے ہوئی اور انھیں پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔

سید عثمان عرف عروج شہر حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے آٹھویں جماعت تک تعلیم پائی اور الکٹریشن کا فن سیکھا اور اب ایک خانگی اسپتال میں بحیثیت الکٹریشن کارگزار ہیں۔ سید عثمان کی شادی صفیہ بیگم سے حیدرآباد میں ہوئی انھیں پانچ بچّے ہوئے۔

سید افضل نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اس کے بعد محکمے پولیس میں بحیثیت کانسٹیبل ان کا تقرر ہو گیا۔

سید عباس متقی:

سید عباس متقی نام، انور پاشا عرفیت، متقی تخلص اور قلمی نام سید عباس متقی اختیار کیا۔ آپ کی پیدائش ۱۷ر جنوری ۱۹۵۳ء (۷) کو محلّہ جنگم پیٹ فلک نما حیدرآباد، ریاست تلنگانہ میں ہوئی لیکن ابتدائی تعلیم تعلقہ چنچولی شہر گلبرگہ، ریاست کرناٹک کے ایک اردو میڈیم اسکول میں ہوئی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ سید عباس متقی کے والد بزرگ وار محکمے پولیس میں کانسٹیبل کے عہدے پر فائز تھے اور ان کا تبادلہ تعلقہ چنچولی گلبرگہ شریف (ریاست کرناٹک) میں ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں انھیں چنچولی کے ایک اردو میڈیم اسکول میں جماعت صغیر میں شریک کروادیا گیا۔ اس طرح سید عباس متقی کا پہلا مدرسہ چنچولی کا گورنمنٹ پرائمری اسکول قرار پاتا ہے۔ ایک آدھ سال بعد سید عباس متقی کے والد سید محمد کا تبادلہ حیدرآباد ہو گیا تو انھوں نے اپنی سالی کے ہاں آٹھہرے اور پروفیسر رفیع رؤف نے اپنے بھانجے سید عباس متقی کو ملک پیٹ کے ایک معروف مدرسے ادارۂ ملیہ میں جماعت اول میں شریک کروادیا اس طرح مذکورہ مدرسے میں سید عباس متقی نے تین سال تعلیم پائی اور سوم جماعت کامیاب کیے اس بابت سید عباس متقی نے اپنے انٹرویو میں کہا:

''ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں میری خالہ پروفیسر رفیع رؤف نے مجھے ۱۹۵۷ء میں محلّہ ملک پیٹ کے ایک مذہبی رجحان والے مدرسے ادارۂ ملیہ میں جماعت اول میں داخل کروایا۔ اس طرح میں نے اس مدرسے میں اول تا سوم، تین جماعتوں تک تعلیم حاصل کی درجہ سوم کامیاب کرنے کے بعد حیدرآباد کے ایک معروف مدرسے دا پروگریسیو ہائی اسکول واقع کاچی گوڑہ حیدرآباد میں شریک کروایا گیا۔ چوں کہ مدرسہ انگریزی میڈیم تھا اس لیے دوبارہ درجہ سوم میں داخلہ لیا گیا۔'' (۸)

درجہ سوم تک آتے آتے سید عباس متقی میں اتنی لیاقت پیدا ہوگئی تھی کہ وہ اس چھوٹی سی عمر میں بھی ۱۵ راگست اور ۲۶ جنوری کے موقعوں پر اپنی خالہ جان کی لکھی ہوئی تقریریں اسٹیج پر پیش کیا کرتے تھے۔ چناں چہ جب یوم جمہوریہ کی تقریب منعقد ہوتی تو صدر مدرس جناب جمیل احمد نے مقرروں میں سید عباس متقی کا نام بھی لکھ دیا تھا اور انھوں نے اپنی خالہ کی تحریر کردہ اور یاد کرائی ہوئی تقریر پیش کر کے داد و تحسین حاصل کی تھی۔ سید عباس متقی آج بھی اپنے مدرسے کے ان اساتذہ صاحبین کو یاد کرتے ہیں جنھوں نے انھیں ابتدائی تعلیم سے آراستہ کیا تھا۔

سید عباس متقی نے دا پروگریسیو ہائی اسکول میں نو سال گزارے اور تیسری جماعت سے دسویں جماعت تک یہیں تعلیم حاصل کی۔ سید عباس متقی ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:

''۱۱ رجون ۱۹۵۹ء کو میری خالہ نے میرے والدین کو مشورہ دیا اور پھر خود لیجا کر بڑی شفقت و مہربانی سے دا پروگریسیو ہائی اسکول کاچی گوڑہ حیدرآباد میں شریک کروائیں جو اپنے وقت کا ایک معیاری مدرسہ سمجھا جاتا تھا۔ مدرسہ انگریزی میڈیم تھا مگر خاص طور پر وہاں دینیات کا ایک پیریڈ ضرور ہوا کرتا تھا، بہترین اساتذہ اور اعلیٰ معلمین ہمیں پڑھاتے، وہاں اچھا پڑھنے والوں میں میرا شمار تو نہ ہوتا مگر ٹھیک پڑھنے والوں میں ضرور تھا۔ مدرسہ انگریزی میڈیم تھا مگر مجھے انگریزی سے زیادہ اردو پیاری تھی اور اردو ہی میں ترقی کرتا گیا اور آج ایک اچھا شاعر، ادیب، مزاح نگار، مقرر اور مدرس ہوں۔'' (۹)

مدرسے کے ادبی ماحول نے جہاں ان کی دست گیری کی وہیں ان کے اساتذہ کی شفقت اور مہربانی نے ان کے ادبی ذوق کی پرورش کی، چناں چہ جب وہ ہفتم میں زیر تعلیم تھے تو

محترمہ اظہر جہاں ہیڈ مسٹرس دانیو پروگریسیو ہائی اسکول نے موصوف کو مدرسے کے وال میگزین کا ایڈیٹر بنا دیا۔ وہ پوری دلچسپی اور دلجمعی سے اپنا فریضہ انجام دیتے تھے۔ وہ کہتے ہیں:

''میں نو سال تک مدرسہ دانیو پروگریسیو ہائی اسکول میں زیر تعلیم رہا یہاں بھی متعدد بار تقریری اور تحریری مقابلوں میں حصہ لیتا رہا اور درجہ دوم سے انعام حاصل کرتا رہا۔ ۱۹۶۷ء میں جب کہ میں ساتویں جماعت میں تھا اپنے مدرسے کے وال میگزین ''بزم شاہین'' کا ایڈیٹر بنا دیا گیا اور ایک عرصے تک وال میگزین نکالتا رہا۔ اللہ کا فضل بھی رہا کہ اساتذہ شفقت فرماتے اور طلبہ عزت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ مدرسے میں جب تک رہا ڈراموں میں حصہ لیتا رہا۔ اسی طرح میری مخفی صلاحتیں ظاہر ہونے لگیں۔ اس دور میں گانے بجانے سے بھی خاص دلچسپی رہتی، اکثر محفلیں میرے گیت سے مترنم ہوجایا کرتی تھیں۔''(۱۰)

سید عباس متقی درجہ پنجم ہی سے شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے اور مختلف عنوانات پر وہ اشعار قلم بند کرتے اور اپنے استاد جناب سعد الدین قریشی گلبر گوی کو دکھاتے جو انھیں اردو پڑھایا کرتے تھے اور جن کا شمار ماہرین اقبال میں کیا جاتا تھا۔ استاد اور شاگرد کا یہ رشتہ تادیر جاری رہا۔ چار پانچ سال بعد جب سید عباس متقی جماعت نہم میں زیر تعلیم تھے تو محترم سعد الدین قریشی صاحب کو خواجہ ہائی اسکول گلبر گہ میں مستقل ملازمت مل گئی اور وہ مدرسہ دانیو پروگریسیو ہائی اسکول کو چھوڑ کر جانے لگے تو سید عباس متقی نے ایک ''الوداعی نظم'' لکھی جس میں خلوص و محبت کا اظہار کیا گیا جسے انھوں نے اپنے استاذ سے حاصل کیا تھا۔ اس نظم کی ردیف ''آپ کی بعد''(۱۱) تھی۔

تقریباً پچیس تیس سال بعد جناب سعد الدین قریشی استاذ متقی کے دو صاحب زادوں کی شادیاں حیدر آباد میں مقرر ہوئیں تو انھوں نے اپنے لائق شاگرد سید عباس متقی سے خواہش ظاہر کی کہ وہ ان تقاریب میں سہرے پڑھیں، چناں چہ سید عباس متقی (۱۲) نے اپنے دونوں استاد زادوں کی شادیوں پر پُر اثر سہرے لکھے اور سنانے کی سعادت بھی حاصل کی۔ تلاش بسیار کے بعد بھی راقم الحروف کو ان سہروں تک رسائی نہیں ہوسکی۔

سید عباس متقی نے کہا کہ جب گلبر گہ میں ماہ ربیع الاول میں سیرت النبی ﷺ کا جلسہ منعقد ہوا تو استاد محترم نے انھیں گلبر گہ مدعو کیا اور دعوت خطاب کی سعادت بھی بخشی۔

۹؍اکتوبر ۱۹۶۸ء کو سید عباس متقی دسویں جماعت میں کامیاب ہونے سے رہ گئے تو انھوں نے دانیو پروگریسیو ہائی اسکول کو خیر باد کہہ دیا اور دو سال تک یوں ہی بے کار رہے۔ اس دوران ان کا دل رومانس کی طرف مائل تھا چناں چہ رومانی شاعری بام خاص پر تھی۔ سید عباس متقی نے یہاں دسویں جماعت تک ضرور تعلیم حاصل کی لیکن محض امتحان کی فیس کی عدم ادائیگی کے سبب انھیں دسویں کے امتحان میں بیٹھنے سے محروم کر دیا گیا اس طرح ان کی تعلیم موقیتی طور پر منقطع ہوگئی۔ تعلیم منقطع ہونے کے بعد ان کا دل حصول تعلیم سے ٹوٹ گیا اور وہ بمبئ (ممبئ) جا کر فلمی دنیا میں قسمت آزمائی کی بابت سوچنے لگے۔ چوں کہ وہ خوب رو ہیں، آواز بھی اچھی پائی ہے مستزاد اداکارانہ صلاحیتوں کا لوہا بھی منوالیا تھا لیکن ان کا یہ خواب، خواب ہی رہ گیا۔

ان کے پڑوس میں کچھ ہم درد خواتین تھیں جن کے ہاں وہ پڑھنے جایا کرتے تھے۔ انھوں نے سید عباس متقی کو سمجھا بجھا کر اپنے ایک قرابت دار محمد ظہورالدین صدیقی مرحوم کے ہاں لے گئیں جو حیدرآباد ٹیٹوریل کالج کے نام سے علی جاہ کوٹلے میں ایک ادارہ چلاتے تھے چناں چہ انھیں اس میں داخلہ دلوایا گیا۔ اس طرح موصوف نے مئی ۱۹۷۰ء میں میٹرک کا امتحان درجہ دوم سے کامیاب کیا۔

بچپن لڑکپن اور جوانی:

سید عباس متقی کو لڑکپن میں نصابی تعلیم کے علاوہ دوسری سرگرمیوں میں بے حد دلچسپی رہی چناں چہ انھیں فلمی گیت سننے اور مختلف آوازوں میں فلمی گیت گانے کا شوق رہا۔ یہ شوق اس وقت دوبالا ہوا جب وہ اپنے پڑوس میں جناب محمد رفیع الدین مرحوم کے گھر چلے جاتے اور ہر چہارشبہ کو بہ پابندی ریڈیائی پروگرام ''بنا کا گیت مالا'' سنا کرتے تھے بلکہ ہر چہارشنبہ وہ ان سولہ گیتوں کو لکھ بھی لیا کرتے تھے جو شامل پروگرام ہوتے تھے۔ اس زمانے میں وہ مختلف تھیٹروں میں سنیما دیکھا کرتے جس کی وجہ سے ان کے اندر بھی اداکارانہ جوہر پیدا ہوگئے تھے ان کا کہنا ہے کہ ایک اچھا اداکار ہی ایک اچھا مقرر بن سکتا ہے۔ لتا منگیشکر اور آشا بھونسلے، ان دونوں کے وہ زمانۂ لڑکپن ہی سے شیدا و والہ رہے ہیں۔ محمد رفیع کے علاوہ ہیمنت کمار ان کے محبوب گلوکار واقع ہوئے ہیں۔

کہتے ہیں کہ سید عباس متقی کو زمانۂ لڑکپن میں اتوار کا بے چینی سے انتظار رہتا تھا اور وہ فٹ پاتھ کی طرف نکل جایا کرتے تھے جہاں پرانی کتابیں اور پرانے رسالے نہایت کم داموں میں ملا کرتے تھے چناں چہ انھوں نے بتایا کہ صرف پندرہ پیسوں میں ''ماہنامہ کھلونا'' اور بیس پیسے میں ''رسالہ شمع'' دستیاب ہوا کرتا تھا۔ وہ مانگ کر پڑھنے پر خرید کر پڑھنے کو ترجیح دیا کرتے تھے اور انھیں سلیقے سے جمع کرنے کا جنون سا ہو گیا تھا چناں چہ ان دنوں ان کے گھر کے محراب ان رسالوں سے بھرے ہوئے رہتے تھے۔ والدین انھیں جو کچھ پیسے دیا کرتے تھے وہ بجائے کھانے پینے کی چیزوں پر خرچنے کے کتابوں اور رسالوں کی خریداری پر خرچ کیا کرتے تھے۔ آج بھی ان کے پاس ان کے بچپن کی خریدی ہوئی کتابیں اور رسالے یادگار ماضی کے طور پر محفوظ ہیں۔

جب ذرا جوان ہوئے تو انھیں ورزش کا شوق چرّایا اور انھوں نے ایک دنگل میں داخلہ لے لیا اور ان کے دنگل کے استاد نے انھیں لنگوٹ باندھنا سکھایا اور کشتی لڑنے کی تعلیم دی تھی۔ جب انھوں نے کشتی کے داؤ پیچ سیکھ لیے تو انھیں لکڑی کی تلوار سے تلوار بازی سکھائی گئی اور پینتروں کے فن سے انھیں آگاہ کیا گیا عادت ورزش کی ابتدا کی بابت کہتے ہیں:

> ''آغاز جوانی کے ساتھ ہی اپنے جسم کو بنانے کی فکر لاحق ہو گئی دبیر پورہ میں ایک استاد نے دنگل کا افتتاح کیا تو میں نے بھی باضابطہ مشق شروع کر دی۔ دنگل کے زوروں میں بھی زور و شور سے حصہ لیا کرتا تھا۔ آج بھی بعد مغرب ذکر کے بعد ورزش ضرور کر لیتا ہوں۔ صبح کے وقت ہوا خوری گویا پسندیدہ مشغلہ ہے بار سے زیادہ زمینی ورزش کو اچھی سمجھتا ہوں۔'' (۱۳)

اسی عہد میں حیدرآباد کے ایک عالم دین مولانا محمد حمید الدین عاقل حسامی مرحوم کے مواعظ محلّہ پنجہ شاہ حیدرآباد میں ہوا کرتے تھے۔ سید عباس متقی بھی ان کے مواعظ کے والہ و شیدا تھے۔ چوں کہ ان کے مزاج میں حسِ مزاح کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اس لیے وہ مولانا عاقل حسامی کے مواعظ کو حد درجہ پسند کرتے تھے اور بلا ناغہ ہر ہفتے پابندی کے ساتھ ان کے مواعظ میں شریک رہتے تھے اور یکم محرم الحرام ۱۳۹۳ھ کو حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اور مولانا کے دست حق پرست پر اپنی بڑی اہلیہ کے ہمراہ بیعت ہوئے۔ آپ حضرت مولانا عاقل حسامی کے درس تصوف میں پابندی کے ساتھ حاضری دیتے رہے اور ذکر کی محفل میں بھی شریک ہوتے رہے۔

عقائد:

سید عباس متقی ایک سنی العقیدہ حنفی مسلمان ہیں انھوں نے جامعہ نظامیہ سے تجوید وقرأت کے علاوہ امامت اور خطابت کی بھی تعلیم حاصل کی ہے اور درجہ اول سے امتحانات کامیاب کیے ہیں۔

سید عباس متقی نے حیدرآباد کے ایک بزرگ حضرت رشید الحسن جیلی والکلیمی سے دست حق پر بیعت کی اور راہ سلوک میں کوشاں رہے۔ ان کے پیرومرشد رشید الحسن جیلی نے انھیں خلافت عطا فرما کر دستار فضیلت باندھ دیا اور چاروں سلاسل سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ نقشبندیہ اور سلسلہ سہروردیہ میں اجازت مرحمت فرمائی۔

سید عباس متقی کے پیرومرشد حضرت رشید الحسن جیلی والکلیمی کا وصال حیدرآباد میں ہوا اور انھیں حضرت حسین شاہ ولیؒ کے قرب میں ان کے جدامجد کے پائیں میں دفن کیا گیا۔

سید عباس متقی کو اپنے پیرومرشد سے نہایت درجے محبت تھی انھوں نے اپنے پیرومرشد کی شان میں بہ زبان فارسی یہ قصیدہ مرقوم کیا ہے۔

آن روئے روئے والائے رشید دیدنش گویا کہ دیدماہ عید
خلق او تشریح آیات قران آفرین کردار، کردار رشید
چشم گریان، بر جبین نور سجود یاد می آید جمال بایزید
عاصیان رامیکند او مقبلان پیر روشن دل کند زنگی، سفید
من بحمداللہ دستش یافتم دست او بفہم کلید صد کلید
متقیؔ فرمودہء اودان بحق
آنچہ او گوید زجان تو بشنوید
(۱۴)

چناں چہ جب سید عباس متقی کے پیرومرشد عمرہ سے لوٹے تو موصوف نے اپنے پیرومرشد کی خدمت میں ایک قطعہ تاریخ پیش کیا تھا جس سے سنہ عمرہ (۱۴۳۰ھ) برآمد ہوتا ہے اور جس کے ابتدائی دو شعر یہ ہیں۔

تشنگی! رویت سرکارؐ مبارک باشد بے خودی ہالۂ انوار مبارک باشد
یا رشید الحسن الجیلی کلیمی چشتی دید روئے شہ ابرارؐ مبارک باشد (۱۵)

سید عباس متقی کا وہی عقیدہ ہے جو جامعہ نظامیہ کا عقیدہ ہے وہ اپنے عقیدے پر شدت سے کاربند دکھائی دیتے ہیں اور سنی العقیدہ نظامی ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ حافظ محمد مصباح الدین طاہر نے بھی سید عباس متقی کے خاکے میں اس بات کی صراحت کی ہے:

> ''ڈاکٹر صاحب کے دوستوں میں ہر مکتب فکر کا آدمی نظر آتا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کبھی اپنا عقیدہ نہیں چھپاتے۔ آپ کہتے ہیں کہ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ آپ شیعہ ہیں کہ سنی، اہل حدیث یا مہدوی، تبلیغی ہیں یا دیوبندی، ہاں میں البتہ سنی العقیدہ نظامی ہوں۔'' (۱۶)

انھیں علم تصوف اور عرفانیات سے گہرا شغف رہا ہے۔ چناں چہ وہ ان بزرگوں کو اور ان کی تعلیمات کو نہ صرف پسند کرتے ہیں بلکہ ان کی تعلیمات پر کاربند رہتے ہیں۔

۱) امام اعظم ابو حنیفہؒ ۲) غوث اعظم دستگیر گیلانیؒ ۳) حضرت مولانا شیخ سعدی شیرازیؒ ۴) مولانا فرید الدین عطارؒ ۵) حضرت حافظ شیرازیؒ ۶) مولانا جلال الدین رومیؒ ۷) حضرت ابی سعید ابی الخیرؒ ۸) حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ ۹) حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ وغیرہ کے علاوہ خانوادہ چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ کے تمام ہی بزرگوں سے انھیں غایت درجے کی محبت و عقیدت ہے۔

سید عباس متقی کو حیدرآباد کے چند بزرگوں سے بے پناہ محبت و عقیدت ہے ان میں حضرت عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ اور حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ قابل ذکر ہیں۔

زمانۂ رنگین:

سید عباس متقی کی حیات میں ایک بہت ہی رنگین دور بھی گزرا ہے جسے خود موصوف نے ''زمانۂ رنگین'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس دور کی چند یادوں کو انھوں نے اپنے نجی انٹرویو میں یوں بیان کیا ہے:

> ''میری اب تک کی زندگی میں ایک بہت رنگین دور بھی گزرا ہے جسے میں زمانہ رنگین کے نام سے موسوم کرتا ہوں۔ یہ ۱۹۶۹ء کی بات ہے جب کہ میں نہم کا طالب علم تھا، ایک خوب رو حسینہ سے محبت ہوگئی۔ یہ وہ خوب رو جمیلہ تھیں جس نے بچپن یا لڑکپن ہی میں مرے دل کو مجروح کر دیا۔ عالیہ مہر جن کا نام تھا اور جو میٹرک

کامیاب ایک سلیقہ مند، سخن فہم اورادب آشنا خاتون تھیں۔ نہ جانے کیوں دھیرے دھیرے مجھے لیلہ مجنوں نما عشق ہوگیا۔ خدا بھلا کرے اس کا جس نے پھول پیش کر کے کانٹا تھما دیا۔ میں حیران و پریشان دورا ہے پر کھڑا وقت کی خفگی کو دیکھ رہا تھا جس نے بڑی محبت سے مجھے اپنا آنچل تھامنے کا آسرا دیا تھا اس تلخی سے اپنا دامن چھڑا لیا کہ آج تک دل کے ٹوٹنے کی بازگشت سنتا ہوں ، اسی عشق کا طفیل ہے کہ نویں میں فیل ہوا، ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے مگر اللہ کا شکر ہے کہ کسی بھی طرح کی ندامت کا کوئی واقعہ نہ ہوا پھر بھی توبہ توبہ کرتا رہتا ہوں۔'' **(۱۷)**

سید عباس متقی نے زمانہ رنگین کے نام سے جس لڑکپن کو موسوم کیا ہے وہ تمام واقعات اور نادانیاں انھوں نے ایک مضمون ''میرا مزاج لڑکپن سے احمقانہ ہے'' میں بڑی ہی دلیری سے پیش کرنے کی جرات کی ہے اور حسرت ظاہر کرتے ہیں کہ کوئی لوٹا دے میرے بیتے ہوئے دن:

''مائیں اپنے بچوں کو ہماری صحبت سے اور باپ اپنی اولاد کو ہمارے سائے سے بچایا کرتے تھے۔ ناکارہ، نکمے اور ناہنجار جیسے خطابات سے نوازا جاتا لیکن ہم ان تمام باتوں کی پرواہ کیے بغیر اپنے لڑکپن کی نیرنگیوں میں مست قلندر بنے بے مثال زندگی گزار رہے تھے' کوئی لوٹا دے میرے بیتے ہوئے دن'۔'' **(۱۸)**

اسی طرح اپنی پہلی محبت کا ذکر کرتے ہوئے نہایت ہی صفائی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ جب عالیہ مہر صاحبہ اپنے بچوں کو پیٹا کرتی تھیں تو ہم ان کے بچوں کو بچانے کے لیے ان کے مبارک ہاتھ تھام لیا کرتے اور سوچتے رہتے کہ بچّے روز روز مار کیوں نہیں کھاتے۔ ہماری احمقانہ حرکتوں سے وہ تاڑ گئی تھیں کہ لڑکا حمق کی حدیں پار کر رہا ہے لیکن جہاں دیدہ خواتین نوآموز عاشقوں کی نادان حرکتوں سے انجان بننے ہی میں اپنی عافیت سمجھتی ہیں۔ بالآخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا:

''ایک دن ہم اپنے محبوب کے چاند سے مکھڑے کو مانند چکور گھورے جا رہے تھے کہ ہمارا گھورنا ان کے شوہر نے دیکھ لیا اور پتا نہیں انھوں نے کن اندیشہ ہائے دور ودراز کے پیش نظر ایک عاشق صادق پر در معشوق کو بند کر دیا۔ ہم سوچتے ہیں کہ اگر کچھ مشق اور جاری رہتی تو ہمیں حساب سمجھ میں آجاتا اور ہم حساب میں اتنے کمزور نہ رہتے لیکن آج ہم حساب میں تو کمزور ہیں لیکن عشق میں کمزور نہیں اب جب بھی عشق کرتے ہیں حساب کتاب سے کرتے ہیں کیوں کہ اب ہم بچّے نہیں رہے بڑے ہو گئے ہیں۔'' **(۱۹)**

یہ رہیں رنگین نوجوانی کی رنگین کہانیاں۔

تعلیم وتربیت:

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ سید عباس متقی نے کن حالات میں اور کیسے میٹرک کا امتحان درجہ دوم سے حاصل کیا۔ یہاں میٹرک کے بعد سے ان کے تعلیمی سفر کے بارے میں روشنی ڈالی جائے گی۔ چناں چہ میٹرک کی تعلیم حاصل کرتے ہی موصوف کے والدین اس خدشے سے ان کی شادی کر دی کہ لڑکا اِدھر اُدھر نہ نکل جائے۔ اس خیال کے آتے ہی اپریل ۱۹۷۲ء میں ان کی شادی ایک متدیّن خاندان میں جناب محمد ولی الدین صدیقی (۲۰) ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول عادل آباد کی صاحب زادی اکرم النساء سے کر دی۔ جس کی تفصیلات آگے سید عباس متقی کی شادیوں کے ضمن میں پیش کی جائیں گی۔

سید عباس متقی نے نومبر ۱۹۷۲ء میں Typewriting کے امتحان Lower Grade میں میٹرک کامیاب کرنے کے فوراً بعد بڑی جد وجُہد اور کاوشوں سے درجہ دوم میں کامیابی حاصل کی۔ وہ نہایت خوش تھے کہ انھیں اس سند سے کوئی مستقل ملازمت مل جائے گی مگر ایسا نہ ہوا۔

پھر موصوف نے دسمبر ۱۹۷۲ء میں Pre University Course (PUC) درجہ سوم سے کامیاب کیا۔ اس امتحان کے لازمی مضامین انگریزی اور اردو تھے۔ جب کہ خصوصی مضمون کے طور پر کامرس اور معاشیات (اکنامکس) شامل تھے۔

انھوں نے ۱۹۷۶ء میں امتحان قرأت قرآن مجید وتجوید حضرت سیدنا امام عاصم کوفیؒ جامعہ نظامیہ سے درجہ اول میں کامیاب کیا جس کی بابت سید عباس متقی کہتے ہیں:

> ''جامعہ نظامیہ میں یہ میرا پہلا امتحان تھا جو میں بہت شوق وذوق سے دیا تھا اور جناب یوسف علی صاحب قبلہ فاضل نظامیہ سے تعلیم حاصل کیا۔ اللہ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ یہ امتحان اس وقت دیا جب کہ میں نوا پرائمری اسکول میں مدرس کی خدمت پر بھی فائز تھا۔'' (۲۱)

سید عباس متقی نے ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء میں جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن سے قرأۃ قرآن مجید وتجوید میں درجہ دوم سے کامیابی حاصل کی۔ ان کا رول نمبر ۲۵۴ اور نشان سند ۹۹ ہے۔ اس سلسلے میں انھیں جامعہ نظامیہ سے سند بھی ملی۔

اس کے بعد سید عباس متقی خطابت اور امامت نصاب اہل خدمات شرعیہ جامعہ نظامیہ کا امتحان بڑی جستجو اور کوششوں کے بعد ۱۹۷۷ء میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

عصری تعلیم میں بی۔اے سال اول کا امتحان ۵/نومبر ۱۹۷۹ء کو دیا اور کامیاب ہوئے جب کہ سال دوم کا امتحان ۱۹۸۰ء میں لکھ کر عثمانیہ یونیورسٹی سے Bachelor of Arts کی ڈگری کے مستحق قرار دیے گئے۔

اسی طرح جامعہ ہذا سے اکتوبر ۱۹۸۳ء میں ایم۔اے (اردو) امتیازی نشانات سے کامیابی حاصل کی اور عثمانیہ یونی ورسٹی سے ایم۔اے کی سند کے مستحق قرار پائے۔

ایم۔اے اردو کی کامیاب تکمیل کے بعد احباب نے انھیں مشورہ دیا کہ لگے ہاتھوں اردو پنڈت کا کورس بھی مکمل کرلیں تاکہ روزگار کے مواقعوں میں وسعت پیدا ہو یا کم از کم اردو پنڈت میں کامیابی کے بعد خانگی مدارس میں تنخواہ بھی معقول ملنے کی غرض سے احباب نے انھیں اس طرف مائل کیا۔اس خیال کے گشت کرتے ہی سید عباس متقی نے اردو پنڈت کے کورس کی بابت تفصیلات معلوم کیں تو پتا چلا کہ حیدرآباد میں آندھراپردیش ایجوکیشنل ڈپارٹمنٹ پنڈت ٹریننگ کے امتحانات منعقد کرتا ہے جس کی تربیت کے لیے گورنمنٹ کمپر ہنسیو کالج آف ایجوکیشن موزوں رہے گا۔اس طرح فروری ۱۹۸۷ء میں مذکورہ کالج سے درجے اول میں ٹیچر ٹریننگ کی تربیت حاصل کی ان کا رجسٹریشن نمبر ۵۲۲ تھا۔

پھر انھوں نے ایم۔فل (اردو) کی تکمیل بھی اسی جامعہ سے کرنا طئے کیا۔اس طرح موصوف نے ایم۔فل کے مقالے کے لیے ''قاضی احمد علی قاضی: حیات اور کارنامے'' کے موضوع کو قطعیت دی اور شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کے فاضل استاذ، ممتاز اسکالر اور ماہر دکنیات ڈاکٹر ابوالفضل سید محمود قادری پروفیسر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کی نگرانی میں نومبر ۱۹۸۸ء میں مقالہ لکھ کر داخل کیا اور ۱۹۸۹ء میں ایم۔فل۔اردو کے مستحق قرار پائے۔

سید عباس متقی کو جب پی ایچ۔ڈی میں داخلہ نہ مل سکا تو انھوں نے وقت کو ضائع کیے بغیر جامعہ عثمانیہ سے ''مخطوطہ شناسی'' کے ڈپلوما (Diploma in Palaeography) میں داخلہ لے لیا جس کے بارے میں طنزیہ طور پر رقم طراز ہیں:

"جب ہمیں اپنی نا اہلی کے سبب .Ph.D میں داخلہ نہ مل سکا تو انتقاماً ہم نے "مخطوطہ شناسی" میں داخلہ لے لیا اور طئے کر لیا کہ ایک سال کو ہم یوں ہی ضائع کرنے کی بجائے باقاعدہ ضائع کریں گے تا کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔ پی ایچ۔ڈی کا انٹرنس امتحان ہم نے جس شان و لا ابالی سے دیا تھا بعینہ اسی شان سے مخطوطہ شناسی کا امتحان بھی دیا اور دونوں میں فرق یہ تھا کہ انٹرنس میں کامیابی کی امید نہیں تھی۔ ہر دو امتحانات کے سوالیہ پرچے بجائے خود کسی جدید مخطوطہ کے اوراق معلوم ہوتے تھے۔ سوالیہ پرچوں میں جس خط کو اختیار کیا گیا تھا وہ نسخ تھا نہ نستعلیق، رقاع تھا نہ کوفی، خط دیوانی تھا نہ خط شکستہ، البتہ اس خط کو "خط ممخنی" کہا جا سکتا تھا اور ہم اس سلسلے میں راقم کو مبارک باد دیتے ہیں۔" (۲۲)

درج بالا اقتباس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ موصوف پی ایچ۔ڈی اردو میں داخلہ نہ ملنے کے سبب کس قدر نالاں تھے۔ انھیں سوالیہ پرچے میں Palaeography کی بجائے Paleography لکھا ہونے پر کافی کوفت ہوئی۔ وہ آگ بگولہ ہو گئے اور اپنے مضمون میں غصے کا اظہار یوں کیا ہے:

"شائد مخطوطہ شناسی وہ مضمون ہے جو اختلاف سے شروع ہو کر اختلاف پر ختم ہوتا ہے۔ ہم اپنے دعوے کی دلیل کے طور پر لفظ Palaeography پیش کرتے ہیں جس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ آرٹس کالج کے تمام مطبوعہ فارمس اور غیر مطبوعہ فائلس میں اس لفظ کا املا Paleography ہے اور بقول ریاست علی تاج دنیا تمام کی انگریزی لغات میں اس کا املا Palaeography ہے ہمیں اپنا کالج پیارا ہے اس لیے ہم تمام لغات کو لغو کی جمع تصور کرتے ہوئے ہنوز تاج بھائی سے اختلاف کرتے ہیں۔" (۲۳)

حالاں کہ شان الحق حقی کی اوکسفرڈ انگلش اردو ڈکشنری (۲۴) میں Paleography بھی لکھا ہوا ہے۔ اس کے باوجود بھی سید عباس متقی کی ناراضی بام عروج پر ہے۔ مضمون کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ "رنگ لائے گی یہ مخطوطہ شناسی اپنی" رنگ لائی یا نہیں معلوم نہیں، ہاں اس مضمون کے لکھنے کے بعد عباس متقی صاحب کا غصہ اتر گیا ہوگا۔ چار صفحات پر مشتمل اپنے مضمون کے آخری پیراگراف سے ان کی آپ بیتی ہویدا ہے:

''لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ مخطوطہ شناسی سے کیا ہوتا ہے۔کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا۔ہم انھیں سے دریافت کرتے ہیں کہ ہم نے میٹرک کیا، کیا ہوا۔انٹر ہوئے کیا مل گیا۔بی۔اے ہوئے تو کون سا تیر مارا۔ایم۔اے ڈسٹینکشن سے کامیاب کیا، کیا پایا اور تو اور ایم۔فل ہوئے تو کیا حاصل ہوا۔بے شمار مڈلس پائے، اسناد پائے، شیلڈس پائے تو کون سا مقام حاصل ہوا جو مخطوطہ شناس ہوں گے تو کیا ہوگا۔

آج مخطوطہ شناسی سے بھی کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے''**(۲۵)**

اس طرح ایم۔فل کی تکمیل کے بعد انھوں نے ۱۹۹۰ء میں جامعہ عثمانیہ سے مخطوطہ شناسی میں پی جی ڈپلوما درجہ اول سے کامیاب کیا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے ۱۹۹۲ء میں جامعہ عثمانیہ ہی سے پی ایچ۔ڈی (اردو) میں سند حاصل کی۔سید عباس متقی کے پی ایچ۔ڈی اردو کے مقالے کا عنوان'' آزادی کے بعد طنز و مزاح کا تہذیبی وسماجی پس منظر'' تھا جس کو انھوں نے پروفیسر حبیب ضیاء ریڈر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کی نگرانی میں قلم بند کیا تھا اور فروری ۱۹۹۳ء میں پی ایچ۔ڈی کی سند کے مستحق قرار دیے گئے۔

تاہنوز ایم۔فل (اردو) اور پی ایچ۔ڈی (اردو) کے مقالے زیورطباعت سے آراستہ نہ ہوسکے، جن کا تنقیدی مطالعہ آگے اوراق میں کیا جائے گا۔

:Diploma in Computer Application(DCA)

سید عباس متقی کا تعلیمی سفر ہنوز جاری ہے۔انھوں نے جہاں خوش نویسی اور کتابت کا علم سیکھا وہیں زمانے کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر سے متعلق ڈپلوما بھی حاصل کیا۔اس طرح وہ ایک وقت عمدہ کتابت اور ماہرانہ طرز پر کمپوزنگ بھی کر سکتے ہیں۔انھوں نے Horizon Academy of compiler science سے کمپیوٹر ٹریننگ کا کورس کیا ہے۔اس طرح انھیں سند بھی جاری کی گئی۔

سید عباس متقی نے پرشین لینگویج پروموشن سوسائٹی کی جانب سے منعقدہ کلاسس میں فارسی زبان بولنے کی تربیت بھی حاصل کی ہے اور انھیں ۲۰۰۲ء میں گواہی نامہ (Certificate) بہ نام جامعہ گسترشِ زبان فارسی سے نوازا گیا۔

اسی طرح ۲۰۰۵ء میں شعبہ فارسی، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے ایم۔اے (فارسی) میں نمایاں مقام حاصل ہونے پر انھیں یونیورسٹی کی جانب سے گولڈ میڈل کا مستحق قرار دیا گیا (ان کا رول نمبر 0411002 تھا) جس کی اطلاع انھیں کنٹرولر آف اگزامینیشن جامعہ عثمانیہ سے ایک سرکیولر کے ذریعے ملی۔ اس ہدایت میں کہا گیا تھا کہ ۲۹ر ستمبر ۲۰۰۸ء کو ٹیگور آڈیٹوریم احاطہ جامعہ عثمانیہ میں حاضر رہیں اور بدست جناب پی۔ راما کانت ریڈی عزت مآب چیف سکریٹری حکومت آندھرا پردیش گولڈ میڈل حاصل کریں جس کے لیے انھیں خصوصی طور پر سفید یونیفارم پہنے حاضر رہنے کی ہدایت تھی۔ اس طرح سید عباس متقی کو ۷۷ ویں کونوکیشن مورخہ ۲۹ر ستمبر ۲۰۰۸ء میں جامعہ عثمانیہ سے گولڈ میڈل سرٹیفکیٹ موصول ہوا۔

اس کے بعد انھوں نے ایم۔فل (فارسی) کے لیے بھی مقالہ سپرد قلم کیا تھا لیکن ان کے نگران نے انھیں مقالہ داخل دفتر کرنے سے باز رکھا۔ اس طرح انھیں ایم۔فل (فارسی) سے محروم کر دیا گیا لیکن سید عباس متقی کہاں اسے چھپا کر رکھنے کے قائل تھے انھوں نے اس مقالے ''مقایسۂ غالب'' کو سال ۲۰۱۳ء میں شائع کر کے منظر عام پر لایا جو اہل علم و دانش سے داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔

سید عباس متقی نے شعبہ فارسی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں پروفیسر عزیز بانو صدر شعبہ فارسی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کی نگرانی میں پی ایچ۔ڈی (فارسی) کا مقالہ دسمبر ۲۰۱۵ء میں لکھ کر داخل کر دیا ہے اور نتیجے کے منتظر ہیں۔ شعبہ فارسی کی جانب سے تعلیمی سال ۲۰۱۱-۱۲ء میں انھیں صداقت نامہ جاری کیا گیا جس میں ان کا رول نمبر، پی ایچ۔ڈی موضوع اور سوپروائزر کی تفصیلات درج ہیں:

"This is to Certify that **Syed Abbas** S/o Mr.Syed Mohammed bearing **Enrolment Number.11-01-02-04-02** has Registered in Ph.D.(Persian)Programme Offered by the Department of Persian for the Academic year 2011-12. His topic of research is **"A CRITICAL STUDY OF PERSIAN POETRY PRODUCED DURING THE REIGN OF THE SEVENTH NIZAM, MIR OSMAN ALI KHAN"** He is under the supervision of Prof. Aziz Bano, HOD, Persian, MANUU. There is a Central Library in the University Campus. The Department of Persian strives to provide all possible facilities to its research students." **(۲۶)**

سید عباس متقی کا تعلیمی سفر بیک نظر

نشان	امتحان کا نام	جامعہ	سال	درجہ	جملہ نشانات	محصلہ نشانات	فیصد	مضامین
1	میٹرک (10+1)	عثمانیہ	1970	دوم	500	293	59	انگریزی، اردو، سائنس، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی
2	پی یو سی	"	1972	دوم	800	313	39	انگریزی، اردو، معاشیات، کامرس
3	ٹائپ رائٹنگ		1973	دوم	300	163	54	انگریزی
4	قرأت سیدنا امام عاصمؒ	نظامیہ	1976	دوم	-	-	-	
5	امامت وخطابت	نظامیہ	1977	اول	ـ	ـ	ـ	
6	بی۔اے	عثمانیہ	1980	دوم	900	464	51	انگریزی، اردو، عربی، سوشیالوجی
7	ایم۔اے (اردو)	عثمانیہ	1983	اول	800	561	70	اردو
8	اردو پنڈت	کمپرہنسیو کالج	1983	اول	200	120	60	اردو
9	ایم۔فل (اردو)	عثمانیہ	1987		250	134	54	اردو
10	مخطوطہ شناسی (اردو)	عثمانیہ	1990	اول	300	180	60	اردو
11	پی ایچ۔ڈی (اردو)	"	1992	ـ	ـ	ـ	ـ	اردو
12	گسترشِ زبان فارسی		2002	ـ	ـ	ـ	ـ	فارسی
13	ایم۔اے (فارسی)	عثمانیہ	2005	اول	2000	1441	72	فارسی
14	پی ایچ۔ڈی (فارسی) پہلا سمسٹر	مانو	2012	اول	300	188	63	
15	پی ایچ۔ڈی (فارسی) دوسرا سمسٹر	مانو	2016		ـ	ـ	ـ	فارسی مقالہ داخل

ملازمت:

سید عباس متقی جب ساتویں جماعت میں تھے تو ٹیوشن پڑھایا کرتے تھے۔ ایک آدھ سال اسٹار ایجوکیشنل سپلائینگ کمپنی میں سو روپے ماہوار پر ملازمت کی تھی۔ اس کے بعد انھیں ایک زمانے تک بے روزگاری کے مشقت آمیز دن کاٹنے پڑے، پھر ان کے دوست جناب شفیق پرویز کے توسط سے ان کے دوست محترم عبدالحکیم صاحب کے ذریعے مولوی تقی الدین

صاحب کے مدرسے نوا پرائمری اسکول میں مدرس کی جائیداد پر تقرر رہوا۔سید عباس متقی اپنے یاد ماضی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں ساتویں جماعت میں تعلیم پا رہا تھا، ٹیوشن پڑھا تا تھا،ایک آدھ سال اسٹار ایجوکیشنل ،سپلائی کمپنی میں بھی سو روپے ماہوار پر ملازم ہوا مگر وہاں کے مزدور لوگوں کی ناشائستہ گفتگو نے استعفیٰ دینے پر مجبور کیا اور بالآخر وہ ملازمت چھوٹ گئی ۔میں نے ایک زمانے تک بے روزگاری کے دن کاٹے ۔بیوی بچوں کا خیال ،تلاش معاش ،غم جاناں وغم دوراں غرض ان دنوں کی پریشانی آج بھی یاد ہے پھر اللہ کا فضل شامل ہوا اور اپنے یار ڈاکٹر شفیق پرویز کے دوست محترم عبدالحکیم صاحب کے ذریعے مولوی تقی الدین صاحب کے مدرسے میں مدرس کی جائیداد پر میرا تقرر رہوا۔'' (۲۷)

سید عباس متقی نے اپنے تقرر کے وقت پیش آئے لمحات کو بھی بڑی سادگی سے بیان کیا ہے چناں چہ وہ کہتے ہیں:

''۷؍شوال المکرّم ۱۳۹۵ھ کو میرا انٹرویو ہوا۔تقی صاحب ایک مضمون ''طہارت'' لکھوائے ،کچھ قرآن شریف سنا اور پھر تقرر ہو گیا۔تنخواہ سو روپے مقرر ہوگئی جو دھیرے دھیرے ۵ سال کے عرصے میں دوسو پچہتر روپے تک پہنچ گئی ۔اللہ کا فضل تھا کہ مدرسے میں کافی عزت و آبرو ملی، میں بچوں میں ہر دل عزیز تھا،مدرسے سے ایک رسالہ ''شعاعیں'' نکلا کرتا تھا جس میں اس خاکسار کی تین چیزیں شائع ہوئیں جب کہ کسی کو یہ شرف نہیں ملا۔پانچ سال کے طویل عرصے کے بعد تقی صاحب نے یہ کہہ کر مجھے ملازمت سے کیا کہ میں تدریس کے لائق نہیں ۔یہ پر غم و یاس واقعہ مئی ۱۹۸۰ء کو پیش آیا۔'' (۲۸)

ملازمت دارالعلوم حیدرآباد:

سید عباس متقی کا تقرر ۱۳؍جون ۱۹۸۰ء کو عاقل صاحب کے مدرسے دارالعلوم حیدرآباد میں بحیثیت مدرس عمل میں آیا اور سات سال تک وہ اردو پڑھانے پر مامور تھے جس کی بابت وہ کہتے ہیں:

''الحمد للہ کہ میرا تقرر عاقل صاحب قبلہ نے بتاریخ ۱۳؍جون ۱۹۸۰ء کو مدرسہ دارالعلوم حیدرآباد میں بحیثیت مدرس اردو دوسو پچاس روپے ماہوار پر کیا اور بحمد اللہ دارالعلوم حیدرآباد میں سات سال تک بحسن وخوبی خدمات انجام دینے

> کے بعد ۱۹۸۶ءکو بوجہ برخواستگئ شعبۂ پرائمری مجھے بھی کارگزاری سے سبک دوش کردیا گیا۔اس وقت تنخواہ پانسو پچاس روپے تھی۔"(۲۹)

عباس متقی کے اس قول کی توثیق ہمیں الجامعۃ الاسلامیۃ دارالعلوم حیدرآباد سے جاری کردہ تصدیق نامے سے ہوجاتی ہے جو دراصل ان کا Experience Certificate ہے اور اسے محمد فضل الرحمٰن رحمانی صدر مدرس جامعہ ہٰذا نے جاری کیا تھا:

> "تصدیق کی جاتی ہے کہ مسمی جناب سید عباس متقی صاحب ولد جناب سید محمد صاحب ساکن یاقوت پورہ،حیدرآباد سے جامعہ الاسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد نے اپنے شعبہ پرائمری میں جون ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۶ء تک خدمات حاصل کیں۔موصوف آخری دوسالوں میں شعبہ پرائمری میں بحیثیت صدر مدرس بھی کار گزار رہے۔۱۹۸۶ء میں جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد سے شعبہ پرائمری کے عارضی طور پر ملتوی کیے جانے کی وجہ سے جامعہ ہٰذا موصوف کی خدمات حاصل کرنے سے قاصر رہا۔موصوف کی اخلاقی اقدار اور مفوضہ امور کی بحسن وخوبی انجام دہی سے جامعہ ہٰذا مطمئن ہے۔"(۳۰)

سید عباس متقی نے اے۔کے۔ایم اورینٹل پی جی کالج (ایوننگ) کاچی گوڑہ حیدرآباد، مسلمہ حکومت آندھرا پردیش وملحقہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد جو کہ انجمن خادم المسلمین کی جانب سے چلایا جانے والا ایڈیڈ کالج ہے، میں چار تعلیمی سالوں (۱۹۸۳ءتا ۱۹۸۷ء) بحیثیت اردو لکچرر بلا معاوضہ اپنی خدمات انجام دیں۔موصوف طلبہ وطالبات کے ہر دل عزیز، انتظامیہ، پرنسپال واساتذہ صاحبین کے چشم براہ رہے۔اس کالج میں جب تک اپنی خدمات انجام دیں کالج کی ترقی اور اردو کی ترویج وتعمیم کے لیے جٹے رہے۔

شادیاں:

سید عباس متقی کی تاحال تین شادیاں ہوچکی ہیں۔ان کی پہلی شادی محمد ولی الدین صدیقی صدر مدرس گورنمنٹ پرائمری اسکول عادل آباد کی دوسری صاحب زادی اکرم النساء عرف سلطانہ سے مورخہ ۲۰/اپریل ۱۹۷۲ء (۳۱) کو دبیر پورہ حیدرآباد میں انجام پائی۔جس کی بابت موصوف کہتے ہیں:

> "۲۰/اپریل ۱۹۷۲ء جمعرات کی شب اللہ نے مجھے چاندسی دلھن عنایت فرمائی۔یہ شادی اس وقت ہوئی جب کہ میری عمر اُنیس سال تھی۔آج کے نوجوانوں کو میرے قدم

سے سبق لینا چاہیے کہ مزید تکمیل خواہشات کے بغیر ہی جلد از جلد اس سنت پر عمل کریں
اس وقت کوئی ڈھنگ کی نوکری بھی نہیں تھی۔بس خدا کا سہارا تھا اور اس کے محبوبؐ کا
وسیلہ۔میری والدہ محترمہ نے پڑوس کی لڑکی کو پسند کیا اور میں نے ہاں کردی۔الحمدللہ
میری بیوی آج بھی وفا شعار، پابند صوم وصلوٰۃ اور فرمانبردار واقع ہوئی ہیں یہ اس کا
احسان عظیم ہے۔'' (۳۲)

محمد ولی الدین صدیقی ضلع عادل آباد میں راجورہ کے نہایت خوب رو آدمی واقع ہوئے تھے۔وظیفہ کے بعد حیدرآباد چلے آئے اور اسی شہر میں بود و باش اختیار کی اور یہیں انتقال کر گئے۔انھیں پانچ صاحب زادیاں تھیں جب کہ نرینہ اولاد نہیں تھی۔محمد ولی الدین صدیقی کی پانچ صاحب زادیوں کے نام اس طرح ہیں۔پہلی صاحب زادی احمد النساء بیگم زوجہ محمد بشیر احمد، دوسری صاحب زادی اکرم النساء بیگم عرف سلطانہ زوجہ سید عباس متقی، تیسری صاحب زادی امیر النساء عرف اقبال زوجہ شیخ امام، چوتھی صاحب زادی اشرف النساء عرف عائشہ زوجہ محمد وقار احمد صدیقی، پانچویں اور سب سے چھوٹی انجم عرشی زوجہ محمد امجد علی ہیں۔

سید عباس متقی کی بڑی اہلیہ محترمہ اکرم النساء بیگم عرف سلطانہ سے راقم الحروف نے انٹرویو لیا تو انھوں نے ان معلومات سے بہرہ مند کیا:

''میرے والد محمد ولی الدین صدیقی صاحب نے مجھے ابتدائی تعلیم والدہ محترمہ سے دلوائی۔امّی نے ایک کتاب لکھ کر اپنی صاحب زادیوں کو تعلیم دی۔حالاں کہ امّی پانچویں جماعت تک ہی تعلیم پاسکی تھیں لیکن انھیں ہر بات لکھنے کی عادت نے انھیں ایسا کرنے پر آمادہ کیا۔یہی نہیں امّی سارے حسابات خوش خطی میں لکھا کرتی تھیں اور ہمیں بھی نصیحت فرماتی تھیں کہ لکھ کر پڑھنا سیکھنا بغیر لکھے سیکھنے سے زیادہ پائے دار ہوتا ہے اور انسان کو حساب کتاب کے معاملے میں صاف ہونا چاہیے۔والد محترم جہاں گورنمنٹ پرائمری اسکول عادل آباد میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز تھے وہیں وہ بہترین جلد ساز بھی ثابت ہوئے تھے۔گورنمنٹ ملازمت ملنے سے قبل نرساپور میں بیڑیوں کے پتوں کی دیکھ بھال کی نوکری پر معمور تھے۔ملازمت سے سبک دوشی کے بعد ۱۹۶۲ء میں عادل آباد سے حیدرآباد تشریف لائے اور اپنی آخری سانس سرزمین حیدرآباد میں لی۔جب میری عمر چھے، سات سال کی ہوئی تو والد صاحب نے منہاج الشرقیہ دبیر پورہ حیدرآباد میں جماعت دوم میں داخل کروایا۔اس طرح میں یہاں سے

نویں جماعت کامیاب ہوئی اور اسی سال میری شادی کر دی گئی۔شادی ہی کی وجہ سے میری تعلیم متاثر ہوئی ورنہ آگے پڑھنے کی بہت خواہش تھی ۔شادی کے بعد تمام خواہشات پر پانی پھر گیا۔'' (۳۳)

محترمہ اکرم النسا صاحبہ کے اس انٹرویو سے ان کی تعلیم اور خاندان میں تعلیم کی اہمیت کے متعلق جہاں لڑکیوں کو گھر پر ہی تعلیم دلانے کی روایت معلوم ہوتی ہے وہیں ان کی والدہ صاحبہ کی تعلیم کے تئیں خصوصی رجحان کا بھی علم ہوتا ہے۔اکرم النسا صاحبہ نے مزید اپنے ننھیال اور ددیال کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے کہا:

''میرا ننھیال مدہول کا اور ددیال بھینسہ کا ہے۔میری نانی قاضی تھیں اور بچّے بڑے ہونے کے بعد قضاءت ان کے حصے میں آئی ۔اس طرح میرے دادا قاضی اور نانا خطیب تھےاس مناسبت سے میرے شوہر بھی خطیب ہیں۔راجورہ،نرسا پور سے آگے ایک گاؤں میں آبائی مکان تقریباً ایک ہزار گز پر محیط تھا جس میں بیت الخلاء کافی دور تھا، گھر میں باولی تھی،تین دالان تھے،زنان خانہ کافی کشادہ تھا۔یہ سب گورنمنٹ کی جانب سے بنائے گئے تالاب کی نذر ہو گیا اور حکومت کی طرف سے اس جائیداد کی معقول رقم ملی۔''(۳۴)

سید عباس متقی کو پہلی بیوی اکرم النساء سے حسب ذیل لڑکیاں اور لڑکے ہوئے۔ (۱)مہرالنساءعرف عفیفہ تاریخ پیدائش ۱۹/جون۱۹۷۳ء(۲)منیرالنساءعرف نفیسہ تاریخ پیدائش ۱۹/مئی ۱۹۷۶(۳)سید عبدالمجید عرف شعیب تاریخ پیدائش ۱۹/دسمبر ۱۹۷۸(۴)نجم النساءعرف صفورہ تاریخ پیدائش ۲۸/دسمبر ۱۹۸۰ء(۵)قمرالنساءعرف شاکرہ تاریخ پیدائش ۲۰/اپریل ۱۹۸۳ء اور(۶)سید عبدالنافع خبیب تاریخ پیدائش ۱۶/دسمبر ۱۹۸۵ء ہیں۔

ڈاکٹر سید عباس متقی کی دوسری شادی سیدہ بیگم عرف طلعت سے ہوئی۔سیدہ بیگم مطلقہ تھیں۔ان کے پہلے شوہر کا نام شمیم احمد تھا جن سے ۱۹۸۰ء میں طلعت صاحبہ کی شادی ہوئی تھی انھیں پہلے شوہر سے دو بیٹے ہیں۔مسلسل بلانوشی اور مار پیٹ کے سبب ۱۹۹۱ء میں خلع ہو گیا تھا اور ۱۹۹۵ء میں دوسری شادی انجام پائی۔خلع کے بعد ان کے دونوں لڑکوں سے ہنوز تعلقات برقرار ہیں اور دونوں لڑکے اپنی والدہ محترمہ اور سید عباس متقی کی دل وجاں سے عزت واحترام کرتے ہیں۔یہی نہیں ان دونوں لڑکوں کے اپنی سوتیلی والدہ سے تعلقات استوار نہیں ہیں لیکن

سوتیلے باپ یعنی سید عباس متقی سے ہنوز ملاقاتیں خود سید عباس متقی کے گھر پر ہوا کرتی ہیں اور سید عباس متقی انھیں اپنے بچوں کی طرح شفقت فرماتے ہیں۔

راقم الحروف نے دوسری شادی کی بابت سید عباس متقی سے سوال کرنے پر انھوں نے تفصیلی روداد سنائی:

> ''ایک دفعہ میں نے اپنے دوست جناب ضیاء عرفان حسامی سے اپنے دل کی بات کہی کہ میں چند در چند وجوہات کی بنا پر دوسری شادی کا ارادہ رکھتا ہوں۔آپ کی نظر میں کوئی لڑکی خواہ مطلقہ یا بیوہ ہو تو بھی مجھے بتائیں یا کوشش فرمائیں۔ضیاء عرفان چوں کہ خاکسار سے نہایت محبت کرتے تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ میری شادی ہو جائے چناں چہ انھوں نے اپنے دوست حلیم بابر صاحب سے اس کا تذکرہ کیا۔اتفاقاً حلیم بابر کی قرابت میں ایک مطلقہ خاتون تھیں۔حلیم بابر چوں کہ مجھے اچھی طرح جانتے تھے۔انھوں نے اس بات کا ذکر لڑکی کے والد جناب محسن علی محسن جو محبوب نگر کے شاعر تھے سے کیا اور حلیم بابر نے مجھے محبوب نگر بلایا اور سیدہ صاحبہ کا سامنا کروا دیا۔مجھے لڑکی پسند آ گئی اور میں نے فوراً بازار سے قلاقند منگوا کر منہ میٹھا کر دیا اور ایک ہفتے بعد شادی مقرر ہو گئی۔میں حیدر آباد سے اپنے چند دوستوں کے ساتھ جانب محبوب نگر کوچ کیا،وہاں انتظاماتِ شادی ہو چکے تھے۔اسی دن پانچ ہزار روپے مہر موجل پر سیدہ بیگم سے نکاح کر لیا اور دوسرے دن ولیمہ کی تقریب محبوب نگر میں مقرر ہوئی۔اس طرح ڈیڑھ دو سال کے بعد ایک لڑکا ہوا جس کا نام میں نے سید عبدالمہیمن عرف اسامہ منتخب کیا۔''**(۳۵)**

درج بالا بیان میں شامل ''چند در چند وجوہات'' کی تشریح ہنوز سید عباس متقی نے نہیں کی۔محترمہ طلعت بیگم کے والد محبوب نگر کے معروف شاعر گزرے ہیں اور ایک مدت تک محسن بک ڈپو کے عنوان سے کتابوں کی خرید و فروخت کا کاروبار کیا کرتے تھے۔سید عباس متقی کے بموجب وہ نہایت شریف النفس آدمی تھے۔شاعری کا بڑا اچھا ذوق پایا تھا۔چناں چہ انھوں نے اپنے پیچھے دو شعری مجموعے ''دشتِ جنوں''**(۳۶)** اور ''خامۂ دل'' چھوڑے ہیں۔

راقم الحروف نے سید عباس متقی کی دوسری اہلیہ محترمہ طلعت بیگم صاحبہ سے ان کے میکے کے متعلق انٹرویو لیا جس میں انھوں نے تفصیلی طور پر یہ باتیں بتائی ہیں:

''میرے والد کی کتابیں اور کاپیوں کی دکان تھی۔ وہ شعر و شاعری کیا کرتے تھے۔ انھیں مشاعرے کا بہت شوق تھا، روز نامہ سیاست کے لیے چالیس سالوں تک نامہ نگار کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں اور جس کے اعتراف میں کلکٹر کی جانب سے انھیں ''بیسٹ جرنلسٹ ایوارڈ'' سے بھی سرفراز کیا گیا تھا۔ ان کے دو شعری مجموعے 'دشت جنون' اور 'خامہ دل' شائع ہو کر منظر عام پر آئے ہیں۔ ہمارے گھر پر والد صاحب کے دوست احباب کی آمد آمد رہتی تھی، مشاعرے منعقد کیے جاتے تھے، محفل قوالی بھی سجتی تھی اس کے علاوہ میرے والد صاحب نے حیدرآباد کے مشہور آرٹسٹ و ادا کار جناب عابد علی، حامد کمال، سبحانی کو مدعو کر کے محبوب نگر کے ٹاؤن ہال میں ڈرامے کرایا کرتے تھے۔ مجھے یاد پڑ رہا ہے کہ ان ڈراموں میں سے ایک ڈرامہ ''گولی اندر دم باہر'' بہت مقبول ہوا۔ مجھے چھ بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ اتفاق سے گھر کی بڑی بیٹی سعیدہ بیگم عرف طلعت بیگم یعنی میں ہوں۔ میرے بعد فریدہ بیگم زوجہ نعیم الدین جو چکن سنٹر چلاتے ہیں، ان کے بعد سید محی الدین اور سید ندیم الدین ہیں پھر صالحہ بیگم زوجہ وحید الدین جو انجینیر ہیں۔ جنھیں دو لڑکیاں زینب سلطانہ اور رقیہ سلطانہ اور دو لڑکے بدر الدین اور یونس الدین ہیں۔ صالحہ بیگم کے بعد امتیاز علی پیدا ہوئے جو پیامات کا دفتر چلاتے ہیں اور ان کی بیوی کا نام آسیہ بیگم ہے۔ امتیاز علی کو آسیہ بیگم سے پانچ بیٹیاں (۱) سارا (۲) سمیہ (۳) بشریٰ (۴) سعدیہ (۵) ثمرین ہیں اور ایک بیٹا محمد عثمان علی ہے۔ امتیاز علی کے بعد ماجد علی ہیں جن کا پیشہ تجارت ہے ان کی بیوی کا نام ناظمہ ہے اور انھیں دو لڑکے زکوان اور وظیفہ ہیں۔ ماجد علی کے بعد مقصود علی کا نمبر آتا ہے جو موبائیل فون کی دکان چلاتے ہیں۔ ان کی اہلیہ کا نام انجم ہے جنھیں دو لڑکے احمد اور زاہد ہیں اور ایک لڑکی جوریہ پیدا ہوئیں۔ مقصود علی کے بعد سب سے چھوٹے شاہد علی ہیں جو زینات کا کاروبار اور پریس میں ملازمت کرتے ہیں۔'' **(۳۷)**

خاکسار کو ڈاکٹر سید عباس متقی کی بڑی اہلیہ محترمہ اکرم النسا صاحبہ سے ان کے شوہر کی دوسری شادی کے متعلق استفسارات کرنے کا بھی موقع فراہم کیا گیا۔ چناں چہ اکرم النساء صاحبہ نے سید عباس متقی کی دوسری شادی کی بابت غم گین لہجے میں ان خیالات کا اظہار کیا:

''اِنھوں نے دوسری شادی کے لیے میری خرابی صحت کا بہانا بنایا اور رشتہ بھیجا۔ اس طرح اِنھوں نے دوسری شادی کی، حالاں کہ میری صحت اتنی بھی خراب نہیں تھی کہ وہ دوسری شادی کو تیار ہوئے۔ جب مجھے ان کی دوسری شادی کی اطلاع ملی تو میں خوب روئی، لڑکیاں بڑی ہو چکی تھیں۔ اِن کی والدہ نے ہی اِنھیں کھری کھری سنائی اور مجھے

صبر کی تلقین فرمائی۔ میں نے چپ رہنے ہی میں اپنی عافیت محسوس کی چوں کہ اِنھوں نے شرعی اعتبار سے کوئی گناہ نہیں کیا تھا اس لیے میں نے اپنی سوتن کو قبول کیا۔" (۳۸)

سید عباس متقی نے جھوٹ کا سہارا لے کر دوسری شادی کی ہے۔ان کی دوسری شادی سچی ثابت ہوئی جس کے ثبوت کے لیے راقم الحروف کی شہادت کافی ہے کہ فدوی نے جب بھی سید عباس متقی کے جس جس گھر پر حاضری دی ہے اس اس گھر میں اکثر موصوف کی دونوں منکوحات کو پایا ہے اور خاکسار کی جتنی بھی مرتبہ سید عباس متقی سے ان کے دولت خانوں پر ملاقاتیں ہوئیں ہیں وہاں ان کے سبھی بچّے حقیقی بھائی بہنوں کی طرح رہتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔یہی کیا کم ہے کہ سید عباس متقی کی تیسری بیوی (۳۹) کے دونوں لڑکوں کو بڑی مائیں اپنے حقیقی بچوں سے زیادہ چاہتی ہیں اور چوں کہ دونوں بچّے عمر میں چھوٹے ہونے کی وجہ سے دونوں ماؤں کے پیارے ہیں۔

سید عباس متقی کی تیسری شادی آج سے سولہ برس پہلے محترمہ عائشہ بیگم سے یاقوت پورہ حیدرآباد میں انجام پائی۔اس میں ان کے جلیس خاص ڈاکٹر ایم۔اے۔نعیم نے ان کی مدد و نصرت کی۔سید عباس متقی کی تیسری شادی کی بابت ڈاکٹر ایم۔اے۔نعیم فیضی نے سید عباس متقی کے خاکے میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے:

> "ڈاکٹر صاحب حسن پرست اور دل پھینک آدمی واقع ہوئے ہیں۔سماج کی غیر ضروری بندشوں سے وہ آزاد رہتے ہیں۔فقیر منش ہی نہیں بلکہ قدرے قلندر آدمی بھی ہیں لیکن جامہ زیبی میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ایک دن کہنے لگے مجھے ایک لڑکی سے محبت ہوگئی ہے۔سوچتا ہوں شادی کرلوں! ہم نے کہا ڈاکٹر صاحب آپ کی دونوں بیویاں !! کہنے لگے انھیں میں سنبھال لوں گا۔تم میرا پیام پہنچادو! میں چاہتا ہوں کہ ہر امیر آدمی سماج کی پرواہ کیے بغیر غریب لڑکیوں سے شادی کرلے۔شریعت نے اجازت دے رکھی ہے۔اگر ایسا ہر گھرانے میں ہونے لگے تو مسلمان لڑکیاں غیر مسلموں کے ساتھ بھاگنا بند کردیں گی۔" (۴۰)

واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر ایم۔اے نعیم کے ہاں کام کرنے والی خاتون زلیخہ بیگم جو خیر سے سید عباس متقی کے مدرسہ گورنمنٹ ہائی اسکول مغلپورہ نمبر۳ میں خانگی ملازمت کرتے ہوئے اپنی زندگی بسر کررہی تھیں۔انھیں تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔غربت کے سبب عائشہ بیگم کی شادی نہیں ہو پارہی تھی چناں چہ جب سید عباس متقی کو اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے ڈاکٹر نعیم سے

عائشہ بیگم کی بابت اپنی خواہش ظاہر کی ۔ ڈاکٹر ایم ۔ اے ۔ نعیم فیضی نے سید عباس متقی کی ایماء پر جب لڑکی والوں کے گھر والوں کو واضح طور پر کہا کہ سید عباس متقی آپ کی صاحب زادی عائشہ بیگم سے شادی کا ارادہ رکھتے ہیں تو گھر کا گھر راضی ہوگیا مزید براں لڑکی نے بھی حامی بھر دی ۔ یہ رضامندی دیکھ کر ڈاکٹر ایم ۔ اے ۔ نعیم فیضی انگشت بہ دندان رہ گئے ۔ انھوں نے اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

> ''تعجب تو اس پر ہوا کہ جب میں نے ڈاکٹر صاحب کا پیام پہنچایا تو گھر کا گھر راضی ہوگیا مزید براں لڑکی نے بھی ہاں کردی اور یوں ڈاکٹر صاحب کی تیسری شادی ہوگئی ۔ کم از کم مجھ پر تو حیرت کے اور اس کے بعد رشک کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور ہم سوچنے لگے کہ آخر ڈاکٹر صاحب میں کیا ہے جو لوگ انھیں اتنا پسند کرتے ہیں ۔ ایسا لگتا ہے علم، اخلاق اور فیاضی نے ڈاکٹر صاحب کو ممتاز گردانا ہے ۔ کچھ بھی ہو اس سے ڈاکٹر صاحب کے وقار کا پتا چلتا ہے البتہ محلے کے چند بوڑھوں نے خفگی کا اظہار کیا جو چبوتروں پر بیٹھے ہر بھلے آدمی کی غیبت کیا کرتے ہیں ۔ خدا نے ڈاکٹر صاحب کو تیسری بیوی اور ان سے دو بچّے عطا فرمائے ۔ دھیرے دھیرے سبھی خاموش ہوگئے ۔ میں اس بات کا گواہ ہوں کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تینوں بیویوں کے ساتھ عدل و انصاف برابر رکھا اور کبھی کسی قسم کی ناانصافی کو گلے نہیں لگایا ۔ حالاں کہ یہ بہت مشکل کام ہے لیکن اگر ہمت اور استقلال ہو تو اتنا مشکل بھی نہیں ۔'' (۴۱)

اس طرح سید عباس متقی کی تیسری شادی کے لیے راہ ہموار ہوئی ۔ راقم الحروف نے سید عباس متقی سے اس سلسلے میں گفت وشنید کی تو انھوں نے فرمایا:

> ''۲۰۰۰ عیسوی شروع ہو چکی تھی ۔ مجھے زلیخہ بیگم صاحبہ کی صاحب زادی کی شادی کی فکر لاحق ہوئی ۔ چوں کہ وہ غریب خاندان تھا کوئی بھی رشتہ کرنے کے لیے پس و پیش ہونے کے خیال سے میں نے اپنے دوست ڈاکٹر ایم ۔ اے ۔ نعیم جو میرے گہرے دوست ہیں، سے عائشہ بیگم کے والدین سے اس بابت تذکرہ کرنے کی گزارش کی چناں چہ ڈاکٹر نعیم نے عائشہ بیگم کے والدین سے رشتے کی بات رکھی ۔ انھیں فدوی کے اخلاق، کردار اور تعلیم متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکے ۔ اس پیام پر دونوں از حد راضی ہوگئے اور ڈاکٹر نعیم نے اپنے گھر ہی میں بزم مناکحت مقرر کی اور خطبہ نکاح پڑھ کر ایجاب و قبول کروایا اور رہنے کے لیے اپنے گھر کے اوپر کا حصہ میرے حوالے کر دیا ۔ یوں میں نے اپنے دوست ڈاکٹر نعیم کے ہاں دو ہفتوں تک قیام کر کے ایک کمرہ کرایے پر لے کر اپنے دوست کا مکان چھوڑ دیا ۔'' (۴۲)

سید عباس متقی کی تیسری شادی نے جہاں ان کی زندگی میں خوش گوار موڑ پیدا کیا وہیں ان کی سب سے چھوٹی اہلیہ کو محلے کی خواتین اور بوڑھیوں نے تانے کسے، جس سے وہ اکثر ملول رہا کرتی تھیں، جب اس بات کا انکشاف سید عباس متقی کو ہوا تو انھوں نے بجائے افسوس کرنے اور خواتین کو برا بھلا کہنے کے نئی ترکیب نکالی۔ چوں کہ وہ شاعر ہیں انھوں نے اپنی شاعری کا کمال دکھاتے ہوئے خواتین جو ٹیڑھی پسلی سے بنی ہوتی ہیں، انھیں منہ کی کھلائی۔ وہ اس طرح کہ موصوف نے ایک مزاحیہ گیت لکھ ڈالا اور لہک لہک کر بہ بانگ دہل گانا شروع کیا تو خواتین انگشت بہ دندان رہ گئیں۔ چودہ اشعار پر مشتمل گیت کے ابتدائی دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔

میرا بڈھا شاہ جوان بڈھا نکو بولو گے
دیکھو اس کی آن بان بڈھا نکو بولو گے
تیر تھی میں ہوئی کمان بڈھا نکو بولو گے
میرے بڈھے کو پچھان بڈھا نکو بولو گے
(۴۳)

عائشہ بیگم سے سید عباس متقی کو دو فرزند تولد ہوئے۔ ایک کا نام سید عبدالمغیث حسان اور دوسرے کا سید عبدالمعز صنعان رکھا۔ سید عباس متقی نے اپنے استاذ ذیشان مفسر قرآن حضرت محمد معزالدین ملتانیؒ کے نام کی نسبت پر اپنے فرزند کا نام عبدالمعز رکھا۔

شومیٔ قسمت سے سید عباس متقی کی تیسری اہلیہ عائشہ بیگم دل کے عارضے میں مبتلا ہوئیں اور اس عارضے نے بالآخر ان کی جان لے لی۔ (۴۴) سید عباس متقی کو اپنی چہیتی اہلیہ کے انتقال کا بہت صدمہ ہوا اور انھوں نے مرثیے کی شکل میں اپنے غم کا اظہار فارسی زبان میں کیا ہے جسے ان کی موقر کتاب ''مینا بدوش'' کے صفحہ نمبر ۶۸ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں اسی مرثیے کے دو اشعار پیش خدمت ہیں۔

خدایا چہ شد این جہان نیست نیست — زمین نیست ہم آسمان نیست نیست
نہ افلاک و انجم نہ خورشید و ماہ — درونِ نظر، کہکشان نیست نیست
(۴۵)

عائشہ بیگم کے دو بچّے اپنی دو بڑی سوکنوں کے ہاں پرورش پا رہے ہیں۔ بڑے صاحب زادے سید عبدالمغیث حسان کو سید عباس متقی کی دوسری زوجہ سیدہ بیگم عرف طلعت نے لے لیا اور

چھوٹے بیٹے سید عبدالمعز صنعان کو بڑی زوجہ اکرم النساء بیگم عرف سلطانہ پرورش کر رہی ہیں۔اس طرح دونوں لڑکے اپنی بڑی ماؤں کے ہاں پرورش پا رہے ہیں اور تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

راقم الحروف نے سید عباس متقی کی بڑی اہلیہ محترمہ اکرم النساء بیگم صاحبہ سے محترمہ عائشہ بیگم مرحومہ کے متعلق استفسار کرنے کا موقع عنایت فرمایا لہٰذا انھوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ پاک باز، خداترس اور وفا شعار بیوی ہی کر سکتی ہے۔خیالات ملاحظہ فرمائیں:

> ''جب مجھے معلوم ہوا کہ انھوں نے تیسری شادی کی ہے تو اتنی تکلیف نہیں ہوئی جتنی کہ دوسری شادی کی اطلاع سن کر ہوئی تھی۔روایتی طور پر روئی اور انھیں اس سلسلے کو باقی رکھنے کی تلقین کرتی رہی۔عائشہ بیگم کا انتقال ہو چکا ہے مجھے اور میری سوکن کو اس سے کبھی کوئی شکایت نہیں رہی۔وہ ہم دونوں کا بہت احترام کرتی تھی اور ہماری خدمت کو سعادت سمجھتی تھی۔جب اسے پہلا لڑکا ہوا تو ہم دونوں نے اس کی خدمت کی اور دوسرا لڑکا ہونے پر اس نے اسے میرے گود میں ڈال دیا تھا۔چناں چہ جب سے دوسرے لڑکے صنعان کو میں اپنا حقیقی بیٹا تصور کرتی ہوں۔یہی نہیں دونوں بچوں کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ ہم ان کی حقیقی مائیں نہیں ہیں۔'' (۴۶)

سید عباس متقی نے یہ جو دو شادیاں بعد میں کی ہیں اس کے پیچھے جذبہ سنت کارفرما ہے۔ چوں کہ سید عباس متقی سنتوں پر شدت سے عمل کرتے ہیں۔اس لیے انھوں ے تعدد ازدواج کی سنت کو بھی بطور خاص اختیار کیا۔اگرچہ فی زمانہ اس کا چلن موقوف ہو چکا ہے بلکہ اس عمل کو لوگ اچھی نظر سے بھی نہیں دیکھا کرتے لیکن سید عباس متقی نے لوگوں کی طعن تشنیع کی پرواہ نہیں کی اور پورے اہتمام کے ساتھ پیروی سنت کو اجروثواب کی نیت سے اختیار کیا۔اب یہی دیکھیے کہ ڈاکٹر صاحب کی نیت کس درجہ پاک و مطہر رہی ہے کہ ان کی دوسری بیوی سے تولد ان کا لڑکا سید عبدالمھیمن قرآن پاک حفظ کر رہا ہے۔

سیدہ مہر النساء بیگم عرف عفیفہ سید عباس متقی کی بڑی صاحب زادی ہیں وہ بروز منگل ۱۸ر جمادی الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹رجون ۱۹۷۳ء (۴۷) بوقت سات بجے شام دبیر پورہ حیدرآباد میں اپنی نانی کے مکان فرحت نگر میں پیدا ہوئیں جو محمد مظہر خوش نویس (۴۸) کا آبائی مکان ہے اور اتفاق دیکھیے کہ محمد مظہر خوش نویس سید عباس متقی کے استاذ ہیں جن سے سید عباس متقی نے فن خوش نویسی سیکھی تھی۔

سید عباس متقی کی دوسری صاحب زادی سیدہ منیر النسا بیگم عرف نفیسہ بروز چہار شنبہ ۱۹/ جمادی الاول ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹/ مئی ۱۹۷۶ء (۴۹) بوقت ساڑھے نو بجے شب مدینہ نگر یاقوت پورہ حیدرآباد میں تولد ہوئیں۔

سید عباس متقی کے فرزند سید عبد المجید عرف شعیب نے بروز منگل ۱۸/ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹/ دسمبر ۱۹۷۸ء (۵۰) بوقت سات بجے شام مدینہ نگر یاقوت پورہ حیدرآباد میں آنکھیں کھولیں۔

سید عباس متقی کی چوتھے نمبر پر تولد ہونے والی سیدہ نجم النساء بیگم عرف صفورہ بروز اتوار ۱۹/ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۸/ دسمبر ۱۹۸۰ء (۵۱) بوقت ساڑھے بارہ بجے شب مدینہ نگر یاقوت پورہ حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔

سید عباس متقی کی پانچویں تولد ہونے والی صاحب زادی سیدہ قمر النساء بیگم عرف شاکرہ کا جنم بروز چہار شنبہ ۶/ رجب المرجب ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۰/ اپریل ۱۹۸۳ء (۵۲) بعد نماز عشاء مدینہ نگر یاقوت پورہ حیدرآباد میں ہوا۔

سید عباس متقی کے اکرم النساء سے آخری اولاد کا نام سید عبد النافع عرف خبیب ہے جن کی پیدائش بروز پیر ۳/ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۶/ دسمبر ۱۹۸۵ء (۵۳) بوقت گیارہ بجے صبح وکٹوریہ گورنمنٹ اسپتال واقع نیاپل حیدرآباد میں ہوئی۔

سید عباس متقی کی دوسری شادی ۲۵/ جون ۱۹۹۵ء کو محبوب نگر کے ایک معروف شاعر محسن علی محسن کی صاحب زادی سیدہ بیگم عرف طلعت سے انجام پائی، جن سے انھیں ایک لڑکا سید عبد المہیمن عرف اسامہ محبوب نگر کے ایک میٹرنٹی اسپتال میں پیدا ہوئے۔

سید عباس متقی کی تیسری شادی شیخ محمد صاحب ساکن مدینہ نگر یاقوت پورہ کی صاحب زادی عائشہ بیگم سے تالاب کٹے یاقوت پورہ حیدرآباد میں انجام پائی۔ ان سے سید عباس متقی کو دو فرزند تولد ہوئے نمبر ایک سید عبد المغیث عرف حسان سرکاری زچگی خانے کوٹھی حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔

سید عباس متقی کی تیسری اہلیہ سے یہ دوسرا لڑکا سید عبدالمعز عرف صنعان چار مینار شفا خانے حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ان کی پیدائش کے کچھ دنوں بعد عائشہ بیگم صاحبہ کا انتقال ہوگیا۔انتقال کے بعد ان کا بڑا بچہ عبدالمغیث سید عباس متقی کی دوسری بیگم سیدہ بیگم کے ہاں پرورش پا رہا ہے اور دوسرا بیٹا سید عبدالمعز سید عباس متقی کی بری اہلیہ اکرم النساء کے ہاں پرورش پا رہا ہے۔

حج:

سید عباس متقی نے اپنا پہلا حج بحری جہاز سے کیا تھا۔اس سلسلے میں آپ نے اے۔پی اسٹیٹ حج کمیٹی حیدرآباد میں درخواستیں برائے حج ۱۹۹۲ء داخل کی تھیں اور بغیر قرعہ اندازی آپ کو منتخب کرلیا گیا تھا اور شپنگ کارپوریشن آف انڈیا لمیٹیڈ بمبئی سے درجہ اول میں سفر کیا تھا جس کی اطلاع ہمیں حج کمیٹی کے اس لیٹر سے ہوتی ہے:

> ''الحمد للہ آپ کی درخواستیں برائے حج ۱۹۹۲ء بذریعہ درجہ اول بحری جہاز کور نمبر (AFF-488-2) بغیر قرعہ اندازی منتخب قرار دی گئی ہیں۔سیٹ ریزرویشن کی اطلاع آپ کی جلد ہی شپنگ کارپوریشن انڈیا لمیٹیڈ بمبئی سے پہنچے گی۔'' (۵۴)

اس طرح چار مرتبہ حج وزیارت سے مشرف ہوئے ہیں اور اپنے پہلے حج کے سفر کا حال حج متقی کے نام سے سفر نامہ چند اوراق پر لکھا ہے جو نامکمل ہونے کے سبب ناقص قرار پاتا ہے۔انھوں نے آخری حج وظیفۂ حسن وخدمت پر سبک دوشی کے بعد جب انھیں گریجویٹی کی رقم موصول ہوئی تو اپنی بڑی اہلیہ کے ہمراہ حرمین شریفین میں حاضری دی۔اقتباس دیکھیے:

> ''بحمد اللہ انھیں چار مرتبہ حج وزیارت کی سعادت نصیب ہوئی ہے اور گزشہ سال ہی جب انھیں وظیفہ کے بعد گریجویٹی کی رقم ملی تو انھوں نے اپنی اہلیہ کے ساتھ حج وزیارت کی سعادت حاصل کی ہے۔موصوف نے اپنے پہلے حج (۱۹۸۵ع) کے سفر نامے کو ''حج متقی'' کے عنوان سے قلم بند کیا ہے۔'' (۵۵)

سید عباس متقی کے پہلے سفر کا حال ان کے سفر کی اجمالی روداد کہی جاسکتی ہے۔سفر نامہ نہیں کیوں کہ اس میں نہایت ہی اختصار کے ساتھ سفر حج کے سلسلے میں جہاز میں قدم رکھنے تک کے احوال بیان کیے ہیں،اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔راقم الحروف نے سفر نامۂ حج متقی کی بابت موصوف سے گفت وشنید کی ہے کہ انھوں نے اپنی موقر طنزیہ ومزاحیہ مضامین پر مشتمل

کتاب ''میری بلا سے'' جو سنہ ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی، کے صفحہ چار پر اپنی مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابوں کی فہرست تحریر کر دی ہے جس میں غیر مطبوعہ کتابوں کی فہرست میں ایک نام ''حج متقی'' بھی لکھا ہوا ہے۔ جس کی بابت استفسار (۵۶) پر سید عباس متقی نے کہا کہ میں حج متقی کے عنوان سے سفر نامۂ حج لکھنا شروع کر دیا تھا لیکن مصروفیات زندگی کے سبب پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا پایا۔ اس طرح حج متقی غیر مطبوعہ تو کجا تکمیل شدہ بھی نہیں۔

بیسٹ اردو ٹیچر ایوارڈ:

سید عباس متقی کو ان کی نمایاں تدریسی و علمی خدمات کے عوض اردو اکیڈیمی آندھراپردیش کی جانب سے تعلیمی سال ۲۰۰۷ء۔۲۰۰۸ء میں بیسٹ اردو ٹیچر کے ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ اس سلسلے میں انھیں اردو اکیڈیمی آندھراپردیش کی جانب سے صدر نشین اردو اکیڈیمی، ڈائرکٹر رسکریٹری اردو اکیڈیمی اور سپرنٹنڈنٹ اردو اکیڈیمی کی دستخطوں سے جاری کردہ تصدیق نامہ موصول ہوا۔ تصدیق نامے کے سطور اس طرح ہیں:

> ''پیش کشی اعزاز یہ بخدمت محترم سید عباس متقی اردو پنڈت بہ ضمن نمایاں تعلیمی و سماجی خدمات برائے تعلیمی سال ۲۰۰۷ء۔۲۰۰۸ء گورنمنٹ بوائز ہائی اسکول مغل پورہ نمبر ۳ حیدرآباد۔'' (۵۷)

کارنامۂ حیات ایوارڈ:

سید عباس متقی کو اردو زبان و ادب کے میدان میں ان کی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں اردو اکیڈیمی آندھراپردیش، چوتھی منزل حج ہاؤس، نامپلی حیدرآباد کی جانب سے برائے سال ۲۰۱۱ء میں زمرۂ نثر میں ڈاکٹر آغا حیدر حسن ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ اس سلسلے میں انھیں ایک قیمتی شال، ایک دیدہ زیب مومنٹو، ایک خوش خط و خوش رنگ سند کے علاوہ ایک خواب آور و معتد بہ رقم مبلغ پچیس ہزار سکہ رائج الوقت عطا کیے گئے۔ سند پر تحریر کردہ سطور اردو و انگریزی دونوں زبانوں میں ہیں۔ جن سے اردو تحریر کا اقتباس اس طرح ہے:

> ''تصدیق کی جاتی ہے کہ محترم سید عباس متقی کو اردو زبان و ادب کے میدان میں گراں قدر خدمات کے اعتراف میں زمرۂ نثر میں ڈاکٹر آغا حیدر حسن ایورڈ برائے سال ۲۰۱۱ء عطا کیا گیا۔'' (۵۸)

اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی جانب سے یہ ایوارڈ ملنے پر وہ ارباب مجاز اردو اکیڈیمی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آج ہمیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ یا وہ گوئی بھی باعث افتخار ہوتی ہے اور قامہ فرسائی بھی وجہِ اعزاز۔ واقعہ یہ ہے کہ ہیچ مداں اس لائق ہی نہ تھا کہ اُسے، ایسے عظیم اعزاز'' کارنامۂ حیات ایورڈ'' سے متصف کیا جائے، لیکن کیا کیا جائے کہ ''کبر نا موت الکبر ا'' کے مصداق جب افقِ بے کراں سے مہر و ماہ رخصت ہوجاتے ہیں تو دور کہیں ٹمٹماتے ستاروں کی بن آتی ہے اور جب افتخار کی مسندوں سے لعل و گہر مرخص ہوتے ہیں تو جھوٹے نگینوں کا مقدر جاگ اُٹھتا ہے اور ہم جیسے نااہل و نابکار کو ایسے عظیم المرتبت اعزاز سے نوازا جاتا ہے۔ تاہم ایسے پرمسرّت اور حیرت زا واقعہ پر اعزاز یافتگان کا فرض بنتا ہے کہ اپنے کرم فرماؤں کا صدق دل سے شکریہ ادا کریں اور ان مہربانوں کی خدمت میں ہدیہ تشکر بجایا جائے جنھوں نے اپنی مہربانی سے ذرّہ بے دام کو مہر درخشاں بنادیا۔''**(۵۹)**

کارنامۂ حیات ایوارڈ کا ملنا ہی تھا کہ ان کے دوستوں، رشتے داروں اور شاگردوں نے انھیں مبارک باد دینے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی۔

مصورطنز:

سید عباس متقی کو ان کے دوستوں اور بہی خواہوں نے مصور طنز کے لقب سے سرفراز کیا ہے۔ یہ بات ان کے لیے باعث صد افتخار رہے۔ انھوں نے اپنے ایک مضمون میں اس سلسلے میں پیش آئے واقعات کو قلم بند کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حال ہی میں جب ہمارے دوستوں، بہی خواہوں اور جانثاروں نے مل کر ہماری خداداد لیاقتوں کی داد دینے کی ٹھانی اور اس سلسلے میں زبردست چندہ اکٹھا کر کے ہمارا جشن منایا اور ہمیں ''مصور طنز'' کا مایہ ناز خطاب عطا فرمایا تو ہمارے زیر پرورش لوگوں کو بڑی امیدیں وابستہ ہوگئیں کہ چلو کچھ تو بھلے دن آرہے ہیں۔ کم از کم اب تو ایک مستحق کو اس کے جیتے جی اس کا مستحقہ مقام مل جائے گا اور کچھ نہیں تو ایک کمرے والا ذاتی مکان تو خرید ہی لیں گے لیکن جب تمام لفاظ ہمدردوں کی تقاریر اور چرب زبان بہی خواہوں کی بکواس ختم ہوگئی اور لوگوں نے خوب گلے مل مل کر سینہ دکھا دیا تو ہم نے شال پھینک کر لفافہ کھولا تو اس میں سے صرف ایک سو گیارہ روپے برآمد ہوئے۔ یہ دیکھ ہم نے سوچا کہ ہندوستان ہی سے کیا ایشیا سے نو دو گیارہ ہوجائیں۔ بیگم کی امیدوں پر پانی پھر گیا

اور پھر وہی پانی ان کی آنکھوں میں تیرنے لگا اور پھر دھیرے دھیرے وہ قطروں کی شکل میں رخسار سے پھسلنے لگا اب ہم کوئی مادہ مور تو ہیں نہیں کہ ان قطروں کی اپنی بھدی چونچ سے پی لیں اور ''امیدوں'' کے خطرے مول لیں۔ ایسا معلوم ہوا کہ شال ہمیں اڑھائی نہیں گئی ہے بلکہ شال میں لپیٹ کر خوب رسید کیا گیا ہے۔ چناں چہ ہم نے شال کو ایک طرف پھینکا لیکن سندِ تہنیت کو بہت ہی چاؤ سے اس دیوار پر ٹنگا دیا۔''(۶۰)

سید عباس متقی نے مصور طنز کے لقب سے سرفراز کیے جانے کے عوض اپنے دوستوں اور بہی خواہوں کو فرداً فرداً شکریہ ادا کیا۔

ادبی ایوارڈ:

سید عباس متقی کو ۱۹۸۹ء سے باضابطہ ملک گیر سطح پر مختلف اکادمیوں سے وقتاً فوقتاً انعامات ملتے رہے۔ ویسے انھیں انعامات کے لیے درخواستیں خانہ پوری کے بعد داخل کرنے کا علم ۱۹۸۹ء ہی میں ہوا لیکن اس علم کو انھوں نے حرز جاں نہیں بنایا ورنہ انھیں ملنے والے ادبی ایوارڈس کی تعداد پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے ایک کتابچہ مرتب کیا جا سکتا تھا۔ راقم الحروف کو ممکنہ کوششوں کے باوجود جتنے ادبی ایوارڈس دستیاب ہوئے ہیں۔ ان میں صرف اسناد ہی مل سکیں نقد رقم کے چیکس یا اس سلسلے میں اکادمیوں کے جانب سے ملنے والے مکتوب بھی حاصل نہ ہو سکے الغرض ایوارڈس کو گوشوارے کی شکل میں دیکھا جا سکتا ہے:

نشان	کتاب کا نام	صنف	اکیڈیمی کا نام	انعام	برائے سال	انعامی رقم
۱	دکھتی رگیں	طنز ومزاح	اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش	سوم	۱۹۸۹ء	۔
۲	میری بلا سے	ایضاً	ایضاً	اول	۱۹۹۶ء	۔
۳	میری بلا سے	ایضاً	مغربی بنگال اردو اکیڈیمی	۔	۱۹۹۶ء	۵۰۰
۴	ہیں کوا کب کچھ	ایضاً	اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش	ایضاً	۲۰۰۸ء	۔
۵	ٹک ٹک دیدم	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۲۰۱۱ء	۔
۶	من خوب می شناسم	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۲۰۱۲ء	۔
۷	ناگفتہ بہ	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۲۰۱۳ء	۔
۸	گپ شپ	ایضاً	ریاست تلنگانہ اردو اکیڈیمی	ایضاً	۲۰۱۴ء	۔

تقریری مقابلے:

سید عباس متقی کو اپنے ابتدائی تعلیمی دور سے ہی تقریر کا کافی شوق رہا۔ ان کے اس شوق میں تقویت اس وقت ملی جب ان کی خالہ صاحبہ پروفیسر رفیع روف نے انھیں اسکول میں خاص موقعوں پر تقاریر لکھ کر انھیں پیش کرنے کے گر سکھاتی تھیں چناں چہ ان کا تقریری شوق ان کے تعلیمی سفر کے دوش بدوش چلتا رہا۔ جب اسکول کی تعلیم پوری ہوئی تو انھیں انٹرمیڈیٹ کے ساتھ ساتھ فن خطابت کا شوق بھی چرایا جو ہنوز جاری و ساری ہے۔

نشان	منعقدہ	بہ عنوان	انعام	تاریخ	درجہ
۱	پی جی کالج	موجودہ دور میں طلبہ کی بے چینی کے ذمے دار خود طلبہ ہیں	دوم	یکم مئی ۱۹۸۲ء	ایم۔اے
۲	پی جی کالج	ادب سماج کا آئینہ ہے	دوم	۱۰/اگست ۱۹۸۲ء	ایضاً
۳	انٹر کالج ادبی مقابلے	ڈاکٹر زور کپ	اول	فروری ۱۹۸۳ء	ایضاً
۴	آرٹس کالج	عزیز جنگ ولا میموریل شیلڈ	سوم	۱۶/اپریل ۱۹۸۳ء	ایضاً
۵	سٹی کالج	۔	دوم	۲۲/اگست ۱۹۸۳ء	ایضاً
۶	حسامیہ منزل	اخلاق حسنہ	اول	۲۰/ربیع المنور ۱۳۹۸ھ	
۷	حسامیہ منزل	نگاہ بلند سرخ دل خوار جاں پر سوز	دوم	۲۱/ربیع المنور ۱۳۹۹ھ	
۸	حسامیہ منزل	۔	دوم	۲۰/ربیع المنور ۱۴۰۰ھ	
۹	کل ہند مجلس تعمیر ملت	۳۴ ویں رحمتہ للعلمینؐ	دوم	۱۲/ربیع الاول ۱۴۰۵ھ	ایم۔فل
۱۰	کل ہند مجلس تعمیر ملت	۔	اول	۲/دسمبر ۱۹۸۴ء	ایضاً
۱۱	حیدرآباد مسلم یوتھ ویلفیر اسوسیشن	۔	اول	۱۹۸۴ء تا ۱۹۸۵ء	ایضاً
۱۲	کل ہند مجلس تعمیر ملت	۳۵ ویں رحمتہ للعلمینؐ	اول	۱۲/ربیع الاول ۱۴۰۶ھ	ایضاً
۱۳	آرٹس کالج جامعہ عثمانیہ	بین کلیاتی مقابلہ ڈاکٹر زور کپ قومی یکجہتی کے لیے ہم کیا ہیں	اول	۱۸/مارچ ۱۹۸۵ء	ایضاً
۱۴	آرٹس کالج جامعہ عثمانیہ	بین کلیاتی مقابلہ نظام سلور رولنگ ٹروفی ہندوستان میں اردو ایک طبقے کی زبان	اول	مارچ ۱۹۸۵ء	ایضاً
۱۵	نبی خانہ مولوی اکبر	350/- روپے نقد	دوم	۲۶/مارچ ۱۹۸۵ء	ایضاً

۱۶	رحمت للعلمین مدینہ منشن	اثر حاضر کے تقاضے اور اسلام -/250 روپے نقد	دوم	۲۶/مارچ ۱۹۸۵ء	ایضاً
۱۷	مدینہ منشن	زبان نے کہہ بھی دیا لا الہٰ تو کیا حاصل	ترغیبی	۹/مارچ ۱۹۸۶ء	ایضاً
۱۸	انٹرنیشنل اقبال سمینار	-	ترغیبی	۲۱/اپریل ۱۹۸۶ء	ایضاً
۱۹	گورنمنٹ کمپہر ینیو کالج	-	اول	۲۹/نومبر ۱۹۸۶ء	ایضاً
۲۰	دبستان جلیل	-	اول	۱۹۸۶ء	ایضاً
۲۱	عالیہ جونیر کالج	جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ	اول	۷/فروری ۱۹۸۷ء	ایضاً
۲۲	دبستان جلیل	-	اول	۱۹۸۷ء	ایضاً
۲۳	دبستان جلیل	-	دوم	۲۶/فروری ۱۹۸۹ء	ایضاً
۲۴	غوث اعظم دستگیر ایجوکیشنل سوسائٹی	-	دوم	-	ایضاً

مباحثہ تقریری مقابلے:

نشان	منعقدہ	بہ عنوان	انعام	تاریخ	درجہ
۱	حسامیہ منزل	عورت کا مقام گھر ہے نہ کہ دفتر	اول	20/ربیع المنور 1400ھ	-
۲	حسامیہ منزل	جدا ہو جائے سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی	اول	21/ربیع المنور 1399ھ	-

تحریری مقابلے:

نشان	منعقدہ	مقابلے کا نام/بہ عنوان	انعام	تاریخ	درجہ
۱	پی جی کالج	عزیز جنگ ولا میموریل شیلڈ	سوم	فروری ۱۹۸۳ء	ایم۔اے
۲	آرٹس کالج	ڈاکٹر زور بین کلیاتی	اول	۱۶/اپریل ۱۹۸۳ء	ایضاً
۳	سٹی کالج	تحریری مقابلہ	دوم	۲۱/اگست ۱۹۸۳ء	ایضاً
۴	پی جی کالج	تحریری مقابلہ/اے کاش		۲۵/اگست ۱۹۸۳ء	ایضاً
۵	رحمت للعلمین مدینہ منشن	تحریری مقابلہ/یکجہتی اور اسلام	اول	۹/دسمبر ۱۹۸۴ء	ایضاً
۶	حیدرآباد مسلم یوتھ ویلفیر اسوسیشن	تحریری مقابلہ	اول	۱۹۸۴ء تا ۱۹۸۵ء	ایضاً
۷	نبی خانہ مولوی اکبر	تحریری مقابلہ	اول	۲۶/مارچ ۱۹۸۵ء	ایضاً
۸	دبستان جلیل	تحریری مقابلہ	دوم	۱۹۸۶ء	ایضاً

۹	گورنمنٹ کمپھر ینیو کالج	تحریری مقابلہ	اول	۲۹/نومبر ۱۹۸۶ء	ایضاً
۱۰	ایضاً	تحریری مقابلہ	دوم	۱۹۸۷ء	ایم۔فل
۱۱	زندہ دلان حیدرآباد	تحریری مقابلہ/تلاش روزگار پانسد روپے نقد	اول	نومبر ۱۹۸۷ء	ایضاً
۱۲	دبستان جلیل	تحریری مقابلہ	دوم	۱۹۸۸ء	ایضاً
۱۳	۔	تحریری مقابلہ آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی	دوم	۔	ایضاً
۱۴	سرور ڈنڈا میموریل سوسائٹی	تحریری مقابلہ	خصوصی	فروری ۱۹۸۸ء	ایضاً
۱۵	غوث اعظم دستگیر ایجوکیشنل سوسائٹی	تحریری مقابلہ	اول	۔	ایضاً

مضمون نویسی کے مقابلے:

نشان	منعقدہ	بہ عنوان	انعام	تاریخ	درجہ
۱	پی جی کالج	میرے خوابوں کا ہندوستان	اول	۱۰/اگست ۱۹۸۲ء	ایم۔اے
۲	کل ہند مجلس تعمیر ملت	۳۴ ویں رحمتہ للعلمینؐ	دوم	۱۲/ربیع الاول ۱۴۰۵ھ	ایضاً
۳	رحمت للعلمین مدینہ منشن	آج بھی ہو جو براہیم ایماں پیدا 250/- روپے نقد	دوم	۲۶/مارچ ۱۹۸۵ء	ایضاً

نظم خوانی کے مقابلے:

نشان	منعقدہ	نوعیت مقابلہ	بہ عنوان	انعام	تاریخ	درجہ
۱	دبستان حضرت فصاحت جنگ جلیل	نظم خوانی	تحت لفظ	اول	۲۶/فروری ۱۹۸۹ء	ایم۔فل

شعر فہمی کے مقابلے:

نشان	منعقدہ	نوعیت مقابلہ	بہ عنوان	انعام	تاریخ	درجہ
۱	شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ	زینت ساجدہ رولنگ شیلڈ	۔	اول	۱۰/مئی ۱۹۸۹ء	ایم۔فل

کوئز مقابلے:

نشان	منعقدہ	مقابلے کا نام	انعام	تاریخ	درجہ
۱	آرٹس کالج جامعہ عثمانیہ	بین کلیاتی ادبی مقابلہ کوئز (قریب 570 سوالات)	اول	۲۶/مارچ ۱۹۸۵ء	ایم۔اے
۲	مدینہ منشن	اقبال کوئز (سلمان عابد کے ساتھ ٹیم اقبال کوئز)	اول	۸/مارچ ۱۹۸۶ء	ایضاً
۳	اقبال اکیڈیمی	انٹرنیشنل اقبال سمینار	اول	۲۱/اپریل ۱۹۸۶ء	ایضاً

صرف ایک منٹ کے مقابلے:

نشان	منعقدہ	مقابلے کا نام	انعام	تاریخ	درجہ
۱	آرٹس کالج	بین کلیاتی مقابلہ، صرف ایک منٹ	سوم	۲۶/مارچ ۱۹۸۵ء	ایم۔اے

شخصیت:

لفظ شخصیت اپنے اندر جامع معنی و مفہوم اور بے پناہ گہرائی و گیرائی رکھتا ہے جس کے لیے انگریزی کا لفظ (Personality) (۶۱) موزوں قرار پاتا ہے جو لاطینی زبان کے لفظ Persona سے مشتق ہے جس کے معنی مصنوعی چہرہ کے ہیں۔ اس اعتبار سے کسی بھی شخصیت کے دو پہلو یا دو رخ قرار پاتے ہیں۔ ایک وہ جو کسی بھی شخص کا اندرونی پہلو ہو اور دوسرے اس کا بیرونی پہلو۔ اس طرح شخص کے اندرونی پہلو میں انسان کے مزاج کردار اوصاف وغیرہ آتے ہیں جب کہ بیرونی یا ظاہری پہلو میں اس کا حلیہ (چہرہ بشرہ) خدوخال، حسن و صورت، چال ڈھال، لباس، پسند ناپسند، صبر و تحمل، عادات و اطوار اور وہ سب پہلو جس سے کسی بھی شخصیت کی جاذبیت، شائستگی اور تہذیب ہویدا ہوتی ہوں شخصیت کہلائے گا۔ چناں چہ شخصیت کی توضیح و تفہیم اور اس کے تعین کے متعلق مختلف مفکروں، دانش وروں اور ماہرین نفسیات نے مختلف انداز میں اپنی اپنی فکر و بصیرت اور مشاہدے کی رو سے مختلف نظریات پیش کیے ہیں جو مختلف کتابوں میں مفصل دلائل و براہین کے ساتھ ملیں گے ہم یہاں ان تمام تعریفوں کے قطع نظر سید عباس متقی کی شخصیت پر تحقیقی و تنقیدی گفتگو کریں گے۔

حلیہ (چہرہ بشرہ):

کشادہ پیشانی ولی کی نشانی اور پیشانی جہاں ختم ہوتی ہے وہیں سے بلکہ پیشانی ہی سے سر کے بال شروع ہو جاتے ہیں جو بڑھتی عمر کی وجہ سے پہلے سفید پھر لال ہو رہے ہیں۔ گھنی بھویں، چمک دار سیاہ آنکھیں، ستواں ناک جس پر مطالعہ کے وقت چشمہ آجاتا ہے۔ رنگ گورا، گال بھرے بھرے جن کی سیدھی جانب ایک سیاہ مسا رونما ہے، مکمل مضبوط اور سفید دانت، گھنی ڈاڑھی لیکن ایک مشت سے کم، میانہ قد جو مردوں کے لیے روا رکھا جاسکتا ہے۔ گھٹیلا بدن، ورزشی جسم، عمیق نگاہیں، ہمیشہ مسکراتا ہوا چہرہ، آواز گرج دار جو موڈ کے لحاظ سے مسکراہٹ سے فلک شگاف قہقہے اور بسا اوقات چیخ میں بدل جایا کرتی ہے۔ بیسویوں میں خوش دل دکھائی دیتے ہیں۔ الغرض

اللہ رب العزت نے انھیں باطنی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ظاہری شکل وصورت بھی بہت خوب بخشی ہے۔جب چلتے ہیں تو چال میں قدر لچک پائی جاتی ہے۔عمر کی ترسٹھ ویں منزل پر ہیں لیکن نہایت چاق وچوبند نظر آتے ہیں۔اگر سوٹ بوٹ پر نکلیں تو چھتیس کے دکھائی دیں گے۔

لباس:

سید عباس متقی کو ہمہ اقسام کے ملبوسات پسند ہیں وہ کسی ایک لباس پر اکتفا نہیں کرتے چناں چہ ایک زمانے میں انھوں نے مولانا حمید الدین عاقل کی طرح شملہ، شیروانی وغیرہ اختیار کیا تھا لیکن بہت جلد وہ اس ایک رنگی سے اوب گئے اور انگریزی پوشاک پہننی شروع کردی۔وہ ہمہ رنگ خوب صورت اور دیدہ زیب ملبوسات کو عزیز رکھتے ہیں۔جب وہ سوٹ پہنتے ہیں تو ٹائی کی میچنگ کا خاص خیال رکھتے ہیں،کبھی کبھی وہ صرف تہہ بند اور بنیان پر بھی اپنے روز وشب گزارتے ہیں اور ملنے جلنے والوں سے بھی اپنے گھر پر بلا تکلف اسی حالت میں ملتے ہیں۔بعض وقت تو یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف لنگی میں ملبوس ہیں اور بدن پر بنیان تک نہیں اسی حالت میں وہ ادبا،شعرا اور فن کاروں سے ملاقات کرتے ہیں اور گھنٹوں محو گفتگو رہتے ہیں۔سید عباس متقی کے مزاج میں تکلف نام کی کوئی چیز نہیں چناں چہ ان کا دیوان خانہ بے ترتیبی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔جب ان کی بیگمات ان کی چیزوں کو سلیقے سے رکھنے کے لیے کوشاں ہوتی ہیں تو وہ بہت خفا ہوجاتے ہیں ان کا خیال ہے کہ ان کی چیزیں جہاں ہیں اسے وہیں رہنا چاہیے،چھوتے ہی چیزوں کی جگہ بدل جاتی ہے اور مطلوبہ شئے عند الضرورت ان کے ہاتھ نہیں لگتی۔یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابیں بھی کبھی سلیقے سے رکھی نہیں دیکھی گئیں اور وہ ہیں کہ ان بے ترتیب کتابوں ہی سے مطلوب کتاب کو باآسانی ڈھونڈ نکالتے ہیں اور اتنا مطالعہ کرتے ہیں کہ کتاب جواب دینے لگتی ہے اور وہ اسے بڑے سلیقے سے درست کرتے ہیں اور بار دیگر یہی صورت حال پیش آتی ہے حتیٰ کہ کتابوں کا ورق ورق علاحدہ علاحدہ ہوکر جوڑ دیا جاتا ہے۔وہ ان کتابوں پر فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کتابیں ہوں تو اس حال میں ہوں ورنہ نہ ہوں وہ کتابوں کو آرائش وزیبائش کے لیے جمع کرنے اور سلیقہ مندی سے جتن کرتے رکھنے کو بُرا گمان کرتے ہیں اور ایسے حضرات کو

بھوکوں اور پیاسوں بلکہ ننگوں سے جوڑ کر ایک زور کا قہقہہ اڑاتے ہیں۔ انھیں بعض چیزوں کا بے حد شوق ہے جیسے قلم، جس طرح مرزا غالب اپنے احباب سے آموں کی فرمائش کرتے تھے بالکل اسی طرح سید عباس متقی قلموں کی فرمائش کرتے ہیں چناں چہ جب ان کی بڑی صاحب زادی نے کہا کہ بابا! میں امریکا سے آپ کے لیے کیا بھجواؤں تو انھوں نے ایک قیمتی قلم کا نام لیا جو عموماً شہر میں دستیاب نہیں، ان کی صاحب زادی نے فوراً ان کی فرمائش پر Mount Blank Pen بھجوادیا۔ دیگر قلموں میں انھیں Parker Pen بہت پسند ہے وہ بال پین سے زیادہ فونٹین پین سے لکھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ فونٹین پین سے تحریر نکھر کر سامنے آتی ہے جب کہ بال پین سے خط خراب ہونے کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔

ان کے ہاں کئی قسم کے جوتے اور ہمہ اقسام کی ہاتھ کی لکڑیاں (عصا) پائی جاتی ہیں وہ جو لباس پہنتے ہیں اس لباس کی مناسبت سے جوتے اور لکڑیوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ ٹوپیوں کا بھی انھیں بے پنا شوق ہے کبھی اونچی دیوار کی کشمیری ٹوپی پہنتے ہیں تو کبھی پھندنے دار رومی ٹوپی، کبھی کلاہ پہنتے ہیں تو کبھی کلاہ پر شملہ باندھ لیتے ہیں۔ جب وہ شملہ باندھتے ہیں تو پھر کاندھے پر رومال ناگزیر ہوتا ہے۔ شیروانی پر وہ رومال ڈالنے کو پسند نہیں کرتے۔ سوٹ پہنتے ہیں تو جیبی گھڑی واس کوٹ میں ضرور لگاتے ہیں جس سے تہذیب گذشتہ آئینہ دار ہوتی ہے۔

انھیں نئے ملبوسات بہت پسند ہیں، پرانی وضع کی پوشاک کو وہ نہایت محبوب رکھتے ہیں۔ جب نو جوان ناف کے نیچے پتلون باندھتے ہیں تو انھیں بُرا معلوم ہوتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ پتلون ناف کے اوپر باندھنا چاہیے۔

غذا:

سید عباس متقی کو لذیذ کھانے بہت پسند ہیں۔ صبح کے وقت ناشتے میں عموماً وہ کھچڑی کھانا پسند کرتے ہیں۔ ان کی بیگمات ان کی عادت سے واقف ہیں۔ اس لیے وہ عموماً ناشتے میں کھچڑی، قیمہ، نیم برشت انڈے، اچار پاپڑ وغیرہ رکھتی ہیں۔ یا پھر ناشتے میں وہ دودھ میں پراٹھے چور کر کھانے کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

دوپہر اور شام میں کوئی خاص پکوان کا اہتمام نہیں ہوتا جو مل جاتا ہے وہ کھالیتے ہیں۔البتہ سوتے وقت ایک گلاس دودھ ضرور نوش فرمالیا کرتے ہیں۔

عالم شباب ہی سے وہ نہار منہ بلا ناغہ تین عدد بادام سانک پر گھس کر چاٹنے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

بھینڈی کا سالن، اروی کا سالن، قورمہ اور کدو کا خلیہ ان کے محبوب سالن ہیں گوشتِ بریاں کو وہ شوق سے کھاتے ہیں، بکری کا گوشت اگر مل جائے تو ان کی محبوب غذا قرار پاتی ہے۔تاہم اگر گوشت میسر نہ آئے تو ہڈیوں کے شوربے ہی پر اکتفا کرتے ہیں لیکن ہڈیوں کے شوربے کے ساتھ وہ پراٹھوں سے زیادہ چپاتی پسند کرتے ہیں۔وہ قورمے کے ساتھ نان کو لازمی گردانتے ہیں، باہر کی چیزوں کو پسند نہیں کرتے اور ہوٹل میں کھانے کو عزیز نہیں رکھتے ان کا خیال ہے کہ گھر کے پکوان میں جو بات ہوتی ہے وہ ہوٹل کے پکوان میں ہرگز نہیں۔

وہ بہت کم تنہا کھاتے ہیں، دوست احباب اگر موجود ہوں تو جو حاضر ہے بلا تکلف لا رکھتے ہیں۔اگر روپے ہوں تو اہتمام کرلیا اور پیسے نہ ہوں تو جو میسر آجائے اسی پر اکتفا کرلیتے ہیں۔

الحمد للہ کھانے کھلانے کے معاملے میں سید عباس متقی منفرد شخصیت کے مالک ہیں، دعوتیں دینا ان کا محبوب مشغلہ ہے یار باش آدمی ہیں ہمہ اقسام کے پکوان کرکے اپنے احباب اور قرابت داروں بالخصوص اپنے تلامذہ کو مدعو کرتے ہیں اور دوسروں کو کھلا کر خوش ہوتے ہیں۔وہ اس بات کو بہت معیوب خیال کرتے ہیں کہ کوئی ان کے گھر آجائے اور بغیر کھائے چلا جائے۔

صبر وتحمل:

سید عباس متقی ایک سادہ لوح شاکر آدمی ہیں لڑکپن کا زمانہ ازحد مفلسی میں گزرا۔نہ ان کے ہاں کھانے کے لیے کچھ ہوا کرتا تھا اور نہ پہننے کے لیے۔وہ اپنی غربت کے زمانے کو بار بار یاد کرتے ہیں اور بلا کسی تامل کے بیان کرنے بلکہ لکھنے سے تک گریز نہیں کرتے۔ایک انٹرویو میں انھوں نے بتایا کہ لڑکپن کے زمانے میں ان کے کرتے میں بارہ بارہ پیوند بھی ہوا کرتے تھے عموماً وہ پرانے کپڑے خرید کر زیب تن کیا کرتے تھے۔دبیر پورہ ریلوے برج کے نیچے پرانے

کپڑوں کی کچھ دکانیں تھیں جہاں سے وہ ڈھائی تین روپے میں بش شرٹ اور آٹھ دس روپے میں پتلون خرید اکرتے تھے۔(۶۲) انھیں اچھے کھانوں سے زیادہ اچھے کپڑے بہت پسند ہیں چناں چہ آج بھی وہ خوش خوراک سے زیادہ خوش پوش واقع ہوئے ہیں۔

مزاجاً ان کے اندر صبر و تحمل پایا جاتا ہے۔ بچپن سے لے کر پچپن تک مختلف لوگوں نے ان کے ساتھ ناروا اور معاندانہ برتاؤ کیا لیکن انھوں نے صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ سید عباس متقی کسی سے خود کبھی بدلہ نہیں لیتے بلکہ اپنے معاملے کو خدا کے سپرد کر دیا کرتے ہیں۔ چناں چہ جب ان کی گلی کے سامنے ان کا پڑوسی جو پیشے کے اعتبار سے قصاب ہے گائے، بیل باندھنے لگا تو سید عباس متقی نے اپنے پڑوسی قصاب کے حضور التماس پیش کی کہ بیچ راستے سے وہ جانور ہٹالے اور قصاب اپنے جانور ہٹانے پر راضی نہ ہوا۔ جب سید عباس متقی نے دیکھا کہ قصاب اپنے جانور ہٹانے پر راضی نہیں تو وہ خود اپنے مکان سے ہٹ گئے۔ سید عباس متقی نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے آبائی مکان کو چھوڑ کر اپنے محلے میں کرایہ کا مکان لے کر رہنے لگے اور آج بھی کرایے کے مکان میں فروکش ہیں۔

سید عباس متقی کو مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ظالمانہ روش کو سہنا پڑا۔ انھوں نے اپنی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے بتایا(۶۳) کہ جب ۱۹۹۶ء میں اورینٹل اردو کالج حمایت نگر، حیدرآباد میں لکچرر کے لیے انٹرویوز ہوئے تو موصوف نے انٹرویو میں درجہ اول سے کامیابی حاصل کی تھی لیکن ان کے خلاف مقدمہ دائر کیا گیا اور سازش رچا کر انھیں محروم کر دیا گیا جس کا انھیں آج تک افسوس ہے۔ اس طرح جب انھوں نے فارسی سے ایم۔اے کیا اور گولڈ میڈل حاصل کیا تو ان کی استانی پروفیسر رفیق فاطمہ نے بحیثیت جز وقتی لکچرر ان کا تقرر کر دیا تھا اور وہ تین سال تک جامعہ عثمانیہ کے شعبہ فارسی میں کارکرد رہے لیکن وہاں بھی ان کے دشمن پیدا ہو گئے اور جب پروفیسر تنویرالدین خدانمائی صدر شعبہ بن گئے تو سید عباس متقی اپنی ملازمت سے محروم ہو گئے۔ جس کا ذکر انھوں نے اپنے ایک مضمون ''جامعہ عثمانیہ میں ہماری خدمات'' میں کیا ہے جو ۱۹/ جولائی ۲۰۱۲ء کو روزنامہ منصف حیدرآباد میں شائع ہوا۔

سید عباس متقی کے اندر بلا کا تحمل پایا جاتا ہے۔ اگر انھیں کسی کی کوئی بات بہت ہی ناگوار گزرتی ہے تو وہ اپنے بچوں سے کہتے ہیں کہ ذرا ہمارا ہتھیار تو دینا۔ ان کے بچّے نہایت سمجھ دار واقع ہوئے ہیں۔ اتنا سنتے ہی لوٹے میں پانی بھر کر وضو کے لیے رکھ دیتے ہیں اور سید عباس متقی وضو کر کے دو رکعت نفل نماز ادا کرتے ہیں۔ ایک دفعہ جب ان کا گھر طوفانی ہواؤں کے سبب ان کے گھر کی چھت پر دوسرے پڑوسی کی چھت کی ٹینیں آ گریں تو ان کی چھت بھی گر پڑی لیکن خدا کا شکر ہے کہ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ پڑوسی سید عباس متقی کے ہاں آ کر کثیر رقم بطور تاوان دینے کی اجازت چاہی تو سید عباس متقی نے اس تعاون کو لینے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ خدائے تعالیٰ نے ہم لوگوں کی جو جان بچائی ہے خود ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔ ہم پر خود واجب ہے کہ ہم صدقہ دیں چناں چہ سید عباس متقی نے خدا کے حضور صدقہ پیش کیا اور شکرانہ ادا کیا اس سے سید عباس متقی کے اندر جو برداشت کا مادہ ہے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح جب امبیڈکر اوپن یونیورسٹی میں اردو پڑھانے کے لیے جائیداد نکلی اور درخواستوں کی طلبی کا اعلامیہ آیا تو سید عباس متقی نے درخواست پیش کی تھی لیکن وہاں پر بھی محروم کر دیے گئے۔

جب یونیورسٹی آف حیدرآباد میں لکچررشپ کی مخلوعہ جائیدادوں پر تقررات کے سلسلے میں فارم وصول کیے گئے تو سید عباس متقی نے بھی اپنا فارم داخل کیا تھا، لیکن افسوس انھیں کال لیٹر ہی ارسال نہیں کیا گیا۔ لوگوں نے عباس متقی سے قانونی چارہ جوئی کا مشورہ دیا لیکن سید عباس متقی نے کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں کی بلکہ صبر و تحمل کو کام میں لاتے ہوئے اپنی موجودہ ملازمت پر قانع و شکر گزار رہے اور جانتے بوجھتے معاندانہ رویہ رکھنے والوں سے باز پرس تک نہیں کی۔

جب شعبۂ اردو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں لکچررس کے لیے انٹرویوز ہوئے تو انھیں باوجود ان کی بزرگی اور افضلیت کے نظر انداز کیا گیا، لیکن سید عباس متقی نے ہمیشہ کی طرح اس پر بھی صبر کر لیا۔ حال ہی میں جامعہ نظامیہ میں جب اردو پڑھانے کے لیے درخواستیں طلب کی گئیں تو سید عباس متقی نے بھی درخواست دی تھی لیکن وہاں بھی انھیں نظر انداز کیا گیا اور آٹھ ہزار روپے ماہوار تنخواہ سے محروم کر دیا گیا۔ اس کا اظہار موصوف نے اپنے ایک مضمون ہم نے پھر انٹرویو دیا اور پھر فیل ہو گئے، میں کیا ہے جو یکم جنوری ۲۰۱۵ء کو منصف میں شائع ہوا تھا۔

قناعت (خودداری وقلندرانہ طبیعت):

سید عباس متقی کے اندر اس درجہ قناعت ہے کہ انھوں نے کبھی دائرۂ حرص میں قدم نہیں رکھا ۲۰۱۱ء میں وہ ملازمت سے سبک دوش ہوئے اور آج تک وہ اپنے وظیفے پر قانع ہیں کسی جگہ نہ ملازمت کی اور نہ آمدنی کا کوئی دوسرا وسیلہ ڈھونڈا۔ وہ اپنے مختصر سے وظیفے میں دو گھر چلاتے ہیں اور خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔

ایک دفعہ سید عباس متقی نے اردو اکیڈیمی کے عطا کردہ چیک کو انڈین اوورسیز بنک برانچ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں داخل کیا، لیکن سہواً نمبر کی ترقیم میں غلطی ہوگئی اور وہ روپے باوجود A/c Payee ہونے کے کلرک کی بھاری غلطی سے بہار کے عبدالمصور کو پہنچ گئے۔ بہت دنوں تک سید عباس متقی اپنے پیسوں کی بابت مینجر سے گفت وشنید کرتے رہے، لیکن جب کوئی حل نہ نکلا تو بنک کے کلرک نے سید عباس متقی سے کہا کہ یہ میری غلطی کا شاخسانہ ہے میں آپ کو تین ہزار روپے ادا کر دیتا ہوں آپ اس معاملے کو رفع دفع کر دیجیے، (۶۴) سید عباس متقی کی حمیت نے یہ گوارا نہ کیا کہ بنک کے کلرک سے تین ہزار روپے وصول کریں۔ موصوف نے اس رقم کو لینے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ جب بھی عبدالمصور سے پیسے وصول ہوں مجھے ادا کر دیں۔ اس واقعے سے سید عباس متقی کی شرافت ونجابت کا اظہار ہوتا ہے۔

ایسے بیسوں واقعات ہیں جو ان کی خاندانی شرافت اور وضع داری پر دال ہیں۔ چناں چہ ایک دفعہ سید عباس متقی چادرگھاٹ سے اپنے گھر آرہے تھے کہ راستے میں ان کی گاڑی خراب ہوگئی اور انھوں نے اپنی موپیٹ کو مسجد صحیفہ کے سامنے کھڑا کر دیا اور پاپیادہ گھر کی طرف روانہ ہوگئے عشا کی نماز کے بعد جب ان کے شاگرد اور دوست احباب جمع ہوئے تو سید عباس متقی نے اس واقعے کو بیان کیا اور بات آئی گئی ہوگئی اسی رات بارہ ساڑے بارہ بجے جناب عمر احمد شفیق جو ان کے شاگرد ہیں۔ انھیں مسجد صحیفہ سے گاڑی لاکر سید عباس متقی کے سپرد کر دیا۔ سید عباس متقی کو جناب عمر احمد شفیق کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ انھوں نے عمر احمد شفیق صاحب سے کہہ دیا کہ اس دیوان خانے میں جو چیز تمھیں پسند آئے اسے لے لو وہ تمہاری ہے۔ اتنا سنتے ہی عمر احمد شفیق نے دیوان خانے پر

ایک طائرانہ نظر دوڑائی اور سید عباس متقی کی ایک شیروانی کو پسند کرلیا۔اسی وقت سید عباس متقی نے اپنے ہاتھ سے اس شیروانی کو اپنے شاگرد کو پہنا دیا اور کہا یہ تمہاری ہے۔(۶۵)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سید عباس متقی مشاک اسکین کا سوٹ پہنے ایک مسجد میں داخل ہوئے نماز پڑھ کر جب باہر نکلے ایک فقیر کو بھیک مانگتے دیکھا سرما کے دن تھے اور وہ صرف ایک بنیان میں بیٹھا تھا سید عباس متقی کو قرآن کی ایک آیت یاد آ گئی اور انھوں نے اپنا کوٹ اتار کر اس فقیر کو پہنا دیا اور گھر آ گئے۔(۶۶)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سید عباس متقی کے پاس ایک عمر رسیدہ آدمی کسی کام سے آ حاضر ہوا گرما کے دن تھے دھوپ اپنی آب و تاب پر تھی ان ہی دنوں سید عباس متقی نے ایک چھتری خریدی تھی جب وہ بڑے حضرت کام سے فارغ ہو کر جانے لگے تو سید عباس متقی نے اپنی چھتری ان کے ہاتھ میں تھما دی اور کہا کہ یہ آپ کی ہے اسے استعمال کیجیے۔(۶۷)

فراخ دلی:

سید عباس متقی کو کھانے پینے سے زیادہ پہننے اوڑھنے کا شوق ہے گو پرانے وضع کے آدمی ہیں اور وضع داری کو محبوب رکھتے ہیں سنیما دیکھنا، پرانے گیت سننا، منتخب ڈرامے دیکھنا اور سیر و تفریح ان کے محبوب مشاغل ہیں بہت کم مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں بزم سعدی شیرازی یا اردو سوسائٹی کے زیر اہتمام البتہ خود مشاعرے اور ادبی اجلاس منعقد کرتے ہیں۔لوگوں کو دعوت دیتے ہیں لیکن غیر حاضری پر بُرا نہیں مانتے۔سید عباس متقی بہت کم غصے میں دیکھے گئے خواہ انھیں کچھ ہی کیوں نہ کہا اور لکھا جائے کبھی برہم نہیں ہوتے۔اپنی تعریف کی دل میں کوئی خواہش نہیں رکھتے کسی غلطی کی نشان دہی کی جائے تو خندہ پیشانی سے قبول کر لیتے ہیں حد تو یہ ہوئی کہ جب انھوں نے اپنی فارسی غزلیات یکجا کی اور اس پر تنقیدی نظر ڈالنے کے لیے اپنے شاگرد ڈاکٹر فخر عالم اعظمی کو دیا اور کہا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں ایک غلطی کی اصلاح پر پانچ روپے سکۂ رائج الوقت ادا کروں گا اس سے سید عباس متقی کی کسر نفسی اور عجز و انکساری کا پتا چلتا ہے۔ان کا خیال ہے کہ صالح تنقید فن میں نکھار پیدا کرتی ہے۔تنقید کو انگیز نہ کرنا فن کے تنزل کا باعث ہوتا ہے۔

حق گوئی و بے باکی:

سید سید عباس متقی نہایت منکسرالمزاج ،ادب پرور اور بذلہ سنج شخصیت کے حامل انسان ہیں ۔ یہ موصوف کی صاف گوئی ہے کہ ایک انٹرویو میں بتایا کہ انھوں نے بہت سی اچھی اچھی باتیں فلموں سے سیکھی ہیں بلکہ انداز گفتگو،خوش لباسی اور شائستگی کے علاوہ کردار کی پختگی تک فلمی ہیروؤں سے سیکھی ہے ۔موصوف جس طرح مولانا حمیدالدین عاقل حسامیؒ کے دلدادہ ہیں اسی طرح دلیپ کمار کے شیدائی بھی ہیں ۔ جہاں انھوں نے بہادر یار جنگ اور ٹیپو سلطان کے لیے نظمیں کہی ہیں وہیں لتا منگیشکر اور آشا بھونسلے ،مدھوبالا اور سپترا سین پر بھی نظمیں لکھی ہیں ۔(۶۸)ایک طرف وہ میرعثمان علی خان بہادر کے لیے دعا گو رہتے ہیں تو دوسری طرف شکیل بدایونی اور نوشاد علی کے لیے بھی صدق دل سے دعا کرتے ہیں ۔ڈاکٹر متقی کہتے ہیں کہ جس سے آدمی لطف اندوز ہو اس کے لیے کم ازکم دعا تو کرہی دینا چاہیے اور پھر دعا میں بگڑتا کیا ہے دو بول ہی تو ہیں ،احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ کیا ہے ۔سید عباس متقی کہتے ہیں کہ اگر چارلی چپلن مسلمان ہوتا تو وہ اس کے لیے بھی جنت کی دعا کرتے ۔

اس طرح محترمہ منور النسا منور،ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال،ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب اور ناصرالدین احمد کے لیے لکھے گئے خاکوں اور مضامین میں مذکورہ اشخاص پر جو تبصرے ہوئے ہیں ان میں سید عباس متقی نے بڑی بے باکی سے واقعات کو پیش کردیا ہے ۔

مہمان نوازی:

سید عباس متقی عربوں کی طرح مہمان نواز واقع ہوئے ہیں ۔ان کی مہمان نوازی ان کے دوست واحباب ،اساتذہ،شاگردوں اور قارئین مضامین سے ڈھکی چھپی نہیں ہے ۔سید عباس متقی پہلے مہمان بناتے ہیں پھر ان کی آؤ بھگت کرتے ہیں ۔میزبانوں کو مہمان بنانے میں انھیں ملکہ حاصل ہے ۔لوگ مہمانوں کو باہر بلاکر باہر ہی سے لوٹانے کو ترجیح دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہوٹلیں مہمان نوازی ہی کے لیے کھولی گئی ہیں ،لیکن سید عباس متقی مہمانوں کو باہر کے باہر لوٹانا تو درکنار انھیں دستک دینے پر زیادہ دیر باہر ٹھہرانے کو بھی برا گردانتے ہیں ، چناں چہ دیکھا گیا ہے ان کے

مہمان پہلے گھر میں آتے ہیں اس کے بعد ان کے بیٹھنے کے انتظامات کیے جاتے ہیں اور جب مہمان بیٹھ جاتا ہے تو پہلے ٹھنڈا پانی اور اس کے بعد گرم گرم میٹھی میٹھی گاڑے دودھ کی چائے پیش کی جاتی ہے اور مہمان سے گفتگو میں اس طرح منہمک ہو جاتے ہیں کہ مہمان کو پتا ہی نہیں چلتا کہ ناشتے کا وقت، دوپہر کے کھانے کا وقت یا رات کے کھانے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔اندر سے ان کے صاحبزادوں میں سے کوئی ایک صاحب زادہ ایک ہاتھ میں دسترخوان اور ٹونٹی کا لوٹا لیے جب کہ دوسرے ہاتھ میں سیلا بچی لیے سلام کرتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں اور مہمانوں کے ہاتھ دھلانے کی سنت بضد خود ہی انجام دیتے ہیں۔جس پر سید عباس متقی ان بچوں کو بے ساختہ دل سے دعائیں دیتے ہیں۔پھر دسترخوان بچھایا جاتا ہے، رکابیاں پیش کی جاتی ہیں۔اگر ناشتے کا وقت ہو تو کھچڑی جس میں میتھی کی بھاجی کی خوشبو ہوتی ہے، اس کے ساتھ کھٹا، کھٹے میں کچی پیاز اور سوکھا کیا ہوا قیمہ، پاپڑ اور گھر میں تیار کردہ آم یا پھر نیمو کا آچار پیش کر دیے جاتے ہیں۔سید عباس متقی اس وقت جتنے بھی لوگ تشریف فرما ہوتے ہیں انھیں اپنے ہاتھوں سے کھچڑی معہ لوازمات پیش کرتے ہیں۔پھر خود کھاتے ہیں۔اگر دوپہر کے کھانے کا وقت ہو تو خشکہ اور اس کے ساتھ اصلی گھی، اور سالن کے طور پر گوشت، ترکاری یا کھٹی دال پیش کرتے ہیں۔رات کا کھانا بھی اس نوعیت کا ہوا کرتا ہے۔

سید عباس متقی کے گھر خوشی کے لمحات آئیں تو اس کے اظہار کے لیے وہ پہلے اپنے دوستوں اور خاص شاگردوں کو قبل از وقت فون پر کہہ دیتے ہیں کہ آج فلاں وقت کا کھانا میرے ساتھ میرے فلاں گھر پر کھانا ہے۔انھیں پکوان پسند آئے یا مہمانوں میں سے کسی نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کریں تو بے ساختہ خوش ہوتے ہیں اور اپنے جیب سے حسب اظہار پسندیدگی پکانے والوں کو انعام سے سرفراز کرتے ہیں۔

سید عباس متقی کا ہاتھ اتنا کھلا ہے کہ رئیسوں اور نوابوں کی طرح لٹاتے ہیں۔وہ جیسے جیسے لٹاتے ہیں ویسے ویسے اللہ انھیں دیتا رہتا ہے اور غیب سے کام بنتے نظر آتے ہیں۔وہ جہاں کوئی اچھی بات سنتے ہیں، ذائقے دار چیز کھاتے ہیں انعام و اکرام سے نواز دیتے ہیں۔
ڈاکٹر ایم۔اے نعیم اپنا ایک واقعہ رقمطراز ہیں:

''ایک دن میری اہلیہ نے بریانی پکائی، میں نے ڈاکٹر صاحب کو مدعو کرلیا، خوب ڈٹ کر کھایا، کہنے لگے بھابھی! اتنی لذیذ بریانی شاید ہی میں نے کبھی کھائی ہو۔ جیچا ہتا ہے کہ کچھ نذر کیا جائے اور جیب سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر میری بیوی کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ مجھ پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔''(٦٩)

سید عباس متقی اور ان کے اہل و عیال مہمان نوازی کے لیے مشہور ہیں۔ ایک دفعہ سید عباس متقی کے ہمراہ راقم الحروف، مجیب سروش، ڈاکٹر شیخ سعدی ارشد، فاروق بھائی اور شاکر بھائی رات دیر گئے ان کے دوسرے گھر پر محو گفتگو تھے اور کسی انگریزی سبق آموز فلم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ قریب رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ سید عباس متقی نے گھر میں آواز دی اور چائے بنانے کی فرمائش کی۔ میں اور شاکر بھائی نے معذرت چاہی کہ رات دیر گئے چائے بنانے لگانا، چائے پیش کرنا اور چائے پینا تینوں تکلیف دہ امر ہیں ان شاء اللہ چائے کو اگلی نشست تک کے لیے موقوف کر دیں گے لیکن سید عباس متقی کہاں ماننے والے تھے اور نہ ان کے اہلیہ صاحبہ کو یہ بات گوارا تھی۔ قریب رات کے سوا گیارہ بجے ہم نے فلم اور انٹرول کے مزے لوٹے۔ اسی طرح سید عباس متقی اپنے موڈ میں تھے۔

ایک دن صبح صبح ڈاکٹر نعیم فیضی کو نفل روزے کے عوض کھچڑی کھانے کی پیش کش کی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ایم۔ اے نعیم فیضی نے خاکۂ متقی میں تفصیلی روداد قلم بند کی ہے ملاحظہ فرمائیے:

''ورغلانے میں ڈاکٹر صاحب شیطان سے بھی دو ہاتھ آگے معلوم ہوتے ہیں اکثر و بیشتر جب ڈاکٹر صاحب کے چھوٹے مکان میں جسے وہ فخر سے منجلی بیگم کی حویلی کہتے ہیں۔ طلعت بھابھی کھچڑی پکاتی ہیں تو مجھے فون کرتے ہیں کہ ناشتہ تیار ہے فوراً چلے آؤ۔ ایک دن میں نے نفل روزے کی نیت کرلی تھی ٹھیک سات بجے ڈاکٹر صاحب کا فون آیا کہ چلے بھی آؤ کہ کھچڑی کا کاروبار چلے۔ میں نے معذرت چاہی کہ ڈاکٹر صاحب میں نے صحر کرلی ہے روزے سے ہوں! کہنے لگے روزہ توڑ لیجے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ فقہی مسئلہ ہے نفل روزہ احباب کی دلجوئی کے لیے توڑا جاسکتا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے اگر آپ ہمیں احباب میں نہ گنتے ہوں میں شش و پنچ میں پڑ گیا کہ کیا کروں روزہ مجھ سے توڑا نہ جاتا تھا۔ کہنے لگے فرض روزے کو توڑنے پر کفارہ ہے ایک غلام کو آزاد کرنا پڑتا ہے نفل روزہ توڑنے پر کوئی کفارہ نہیں۔ آپ آزاد ہیں البتہ آپ پر ایک روزہ واجب ہو جائے گا جسے عمر بھر میں کبھی بھی حسب سہولت رکھ سکتے ہیں اور فرمانے

لگے یوں بھی ذرا اپنی صحت کا خیال رکھیے سوکھ کر کانٹا ہو گئے ہیں۔ بھائی آپ کو کس نے نفل روزہ رکھنے کا مشورہ دیا۔ آئینہ دیکھا ہے آپ کے رخساروں کی ہڈیوں نے اپنے نقوش کو ظاہر کر دیا ہے، پہلے ہی آپ سیاہ فام کیا رنگ و روغن میں مزید گرانی مطلوب ہے فرض روزوں میں بھی مہربان خدا نے کتنی چھوٹ دے رکھی ہے نہ رکھنے والوں پر عذاب کا تذکرہ تک نہیں۔ بوڑھوں اور لاغروں پر تو فدیہ ہے۔ روزہ نہیں ہمیں حیرت ہوئی کہ کیسا مولوی ہے جو ہمیں روزہ توڑ لینے کو کہہ رہا ہے۔ جب اتنے دلائل رکھے جائیں تو کون کم بخت ہے جو نفل روزہ کو توڑنے میں پس و پیش کرے میں نے کہا ڈاکٹر صاحب ناشتہ پر آ رہا ہوں اور اس دن ہم نے روزہ توڑ کر ڈاکٹر صاحب کی کھچڑی کے مزے لوٹے۔'' (۷۰)

کتب بینی کا شوق:

سید عباس متقی کو زمانہ لڑکپن ہی سے کتب بینی کا شوق رہا ہے۔ ان کے والدین جو پیسے انھیں دیا کرتے تھے وہ انھیں جمع کر کے حیدر اینڈ سنس اور حسامی بک ڈپو چار کمان حیدرآباد سے کتابیں خرید کر لایا کرتے تھے اس زمانے میں دہلی سے ایک جریدہ بنام کھلونا شائع ہوا کرتا تھا جسے وہ ہر ماہ خریدتے اور نہ صرف خود پڑھتے بلکہ اپنے احباب کو پڑھنے کے لیے دیا کرتے تھے اتوار کے روز پرانی کتابوں کی دکانیں فٹ پاتھ پر لگتی تھیں وہ گھنٹوں جائزہ لیا کرتے اور دو ایک کتابیں خرید بھی لیا کرتے تھے ان کے کم و بیش تین سو ماہنامے کھلونے اور اتنی ہی تعداد میں شمع، بانو، بیسویں صدی وغیرہ ہوا کرتی تھیں۔ اس بات کی توضیح کے لیے ہمیں ان کے روزنامچے کا اقتباس ناگزیر ہے:

''مطالعہ کے لیے موڈ ضروری ہے ورنہ مطالعہ نہیں ہوتا۔ جلد ہی بیزار ہو اٹھتا ہوں۔ کتاب خرید کر پڑھنے کا چسکا ہے۔ بچپن میں میرا کمرہ سینکڑوں پرچوں مثلاً کھلونا، شمع، بانو، بیسویں صدی، شبستان، بچوں کی کہانیاں وغیرہ سے بھرا رہتا تھا اور آج میری الماری میں دینی کتب زیادہ اور دنیاوی کتب نہ ہونے کے برابر ہیں۔ میرے پاس نادر کتابیں موجود ہیں، مخصوص مصنفین کی کتابیں جمع کرنے کا بہت ذوق ہے۔'' (۷۱)

لیکن افسوس کہ انھوں نے ایک وقت جب کہ ان پر غربت اور افلاس نے ہلا بول دیا تھا اپنے تمام رسالوں اور کتابوں کو نہایت ہی سستے داموں میں فروخت کر دیا۔

جب ذرا بڑے ہوئے اور ہشتم ،نہم میں آ گئے تو پھر ان کا چسکا مشہور زمانہ مصنف ابن صفی کی کتابوں سے لگ گیا اب وہ جاسوسی دنیا اور رومانی دنیا ،نکہت ،سراج انور کے ناول اور پریم چند کے ناولوں کو مسلسل پڑھنے لگے انھیں کتابیں خرید کر پڑھنے کا شوق ہے اور جب وہ کوئی ناول یا کوئی کتاب ختم کرتے ہیں تو اس کے نیچے اپنے تاثرات بھی رقم کر دیا کرتے ہیں اور یہ بات آج بھی ان کی خو میں موجود ہے چناں چہ ایک انٹرویو میں انھوں نے خاکسار کو بتایا کہ وہ جب میٹرک میں فیل ہو گئے اور اِدھر اُدھر آوارہ گردی میں عمر کٹ رہی تھی تو انھیں ایک ناول ''بیتے دن'' پڑھنے کا اتفاق ہوا۔سید عباس متقی اس ناول سے اس درجے متاثر ہوئے کہ انھوں نے طئے کیا کہ جب تک وہ میٹرک کا امتحان کامیاب نہ کر لیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے پھر تو انھوں نے نہایت جِد وجُہد سے میٹرک کا امتحان کامیاب کیا اور اپنی منزل مراد تک جا پہنچے۔سید عباس متقی کو نہ صرف مطالعے کا شوق ہے بلکہ وہ سرسری مطالعہ نہیں کرتے رک رک کر مطالعہ کرتے ہیں اور ٹھہر ٹھہر کر کہنے والے کی فکر کو جذب کرتے ہیں۔چناں چہ ان کا مطالعہ جن جن کتابوں سے گزرا وہ ان تمام جذبوں اور احساسوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔

انھیں جب مطالعے کے دوران کوئی بات نہایت بدلی معلوم ہوتی ہے تو وہ حاشیے پر اپنے تاثرات بھی قلم بند کر لیا کرتے ہیں اور جب کوئی شعر انھیں پسند آ جاتا ہے تو وہ اسی کتاب کے آخر میں لکھ لیا کرتے ہیں۔چناں چہ ان کے ہاں جو آج سے تین سال پہلے مولانا روم کی شوخی شریف خریدی تھی وہ کثرت سے مطالعے کے سبب چیدہ چیدہ ہو چکی ہے۔جب انھیں کوئی نظم پسند آ جاتی ہے تو وہ ترنم سے پڑھتے ہیں اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔اسی طرح راقم الحروف کو ان کی مطلوبہ کتاب دیوان حافظ ،کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔جس کا شیرازہ مکمل طور سے بکھرا ہوا ہے اور جگہ جگہ سید عباس متقی کے تحسین وتعریف سے مملو تحریریں مرقوم ہیں۔بعض وقت انھیں جب کوئی کتاب پسند آتی ہے تو وہ اسے بڑے سائز میں فوٹو کاپی کروا لیتے ہیں اور پھر اس کی جلد بندی کی جانب توجہ دیتے ہیں اور پھر مطالعہ جاری رہتا ہے۔عموماً وہ اپنی کتابیں تحفۃً بھی دیا کرتے ہیں اور تحفے میں آئی ہوئی کتابوں کو صدق دل سے قبول کرتے ہیں۔جب انھیں کوئی کتاب پسند آ جاتی ہے تو اس پر تبصرہ کرنے کو ناگزیر خیال کرتے ہیں چناں چہ احقر نے جب انھیں پروفیسر لئیق

صلاح کی تحریروں پر مبنی راقم الحروف کی مرتبہ کتاب ''معجزۂ فن'' مطالعے کے لیے دی تھی تو وہ کتاب اور اس کا سادہ و پرکار سرورق اتنا پسند آیا کہ انھوں نے اس پر تبصرہ لکھنا شروع کر دیا اور وہ تبصرہ منصف کے آئینۂ شہر میں نہایت اہتمام سے شائع ہوا۔عموماً وہ اپنی کتابیں جب کسی کو دیتے ہیں تو تبصرے کی خواہش نہیں کرتے بلکہ مطالعہ کرنے والے کو ثواب جاریہ کے طور پر دے کر چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ان کے ہاں بے شمار کتابیں ہیں لیکن افسوس کہ وہ کتابیں تزئین و ترتیب سے محروم ہیں یہی وجہ ہے کہ انھیں مطلوبہ کتاب بر وقت نہیں ملتی اور وہ جھنجھلا اٹھتے ہیں۔کتابوں سے ان کا شوق اس حد تک ہے کہ باہر سے بھی وہ کتابیں منگواتے ہیں اور مطالعہ کرتے ہیں۔چناں چہ ان کے ہاں کم و بیش دس بارہ لغات محفوظ ہیں جنھیں وہ حسب ضرورت دیکھ لیا کرتے ہیں۔ان کے ہاں کچھ نایاب کتابوں کے زیراکس بھی ہیں جن سے وہ حسب ضرورت استفادہ کرتے ہیں۔شاید یہ بات کچھ عجیب سی لگے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ انھوں نے اپنی ان کتابوں کو جو انھوں نے اول، دوم، سوم میں پڑھی تھیں آج تک اٹھا رکھا ہے اور ان کتابوں کو دیکھ دیکھ کر اپنے بچپن کو اور اسکولوں کو اور اپنے اساتذہ کو یاد کیا کرتے ہیں۔

سید عباس متقی کتابوں کے تئیں اتنے حساس واقع ہوئے ہیں کہ انھیں اپنی کتابوں سے محبت ہی نہیں بلکہ عشق ہے۔

گائیکی کا شوق:

سید عباس متقی کو بچپن ہی سے کئی طرح کے شوق لاحق ہیں جیسے نغمگی کا شوق، اداکاری کا شوق، سوانگ بھرنے کا شوق، شاعری کا شوق، تصویریں جمع کرنے کا شوق، سیر و تفریح کا شوق، تقریر کرنے کا شوق، پہلوانی کا شوق، کارڈرائیونگ کا شوق، حج کرنے کا شوق، شادیاں کرنے کا شوق، محبت کرنے کا شوق، عشق و عاشقی کا شوق حتی ایں کہ انھیں ہزلیات جمع کرنے کا بھی شوق رہا ہے۔چناں چہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے شوق کو پورا کیا بلکہ کامیابیاں بھی حاصل کیں مثلاً انھیں جب نغمگی کا شوق چرّایا تو انھوں نے مختلف گائیکوں کی آوازوں کی نقل کرتے ہوئے اپنے فن کا لوہا منوایا۔انھوں نے مدرسے اور کالج میں اپنے فن کا مظاہرکیا اور انعامات حاصل کیے۔وہ منا ڈے، مہندر کپور، کے۔ایل سیگل کے علاوہ ہیمنت کمار کے گانوں

کی کافی اچھی نقل کرلیا کرتے تھے ۔ چناں چہ جب وہ کے ۔ایل سیگل کے گیت ''سوجا راج کماری سوجا'' گاتے ہیں تو قریب قریب ان ہی کی آواز کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ فلم ''میں سسٹر'' کا یہ گیت سید سید عباس متقی کو اس قدر پسند ہے کہ خود انھوں نے اس گیت پر اپنا گیت لکھ دیا ہے جسے اتنا پسند کیا گیا کہ جب منصف میں یہ لوری شائع ہوئی تو دلی سے کسی صاحب نے ان سے اجازت لے کر اس لوری کو اپنی کتاب میں شامل کیا۔ وہ کہتے ہیں:

> ''جب میں نے ایک مضمون ''ہم نے لوری سنائی'' (۷۲) لکھ کر منصف میں شائع کروایا اور منصف کے وسیلے سے جب یہ مضمون دلی والوں تک پہنچا تو دلی کے ایک صاحب جو لوریوں پر کام کر رہے تھے انھوں نے مجھے فون کیا اور اجازت چاہی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس لوری کو آپ کے نام سے اپنی کتاب میں شامل کر لیتا ہوں۔ میں نے بخوشی اس کی اجازت دیدی تھی ۔ درحقیقت میں نے اس لوری کو اپنی ایک ''فین'' شبنم صاحبہ کے لیے لکھی جو مجھ سے اکثر کہا کرتی تھیں کہ مجھے نیند کی گولی لیے بغیر نیند نہیں آتی ۔ میں نے شبنم صاحبہ کے لیے یہ لوری لکھی تھی ۔'' (۷۳)

سید عباس متقی ہندی فلموں کے اردو گیت بہت پسند کرتے ہیں۔ بعض وقت جب وہ لکھنے پڑھنے سے قدرے بےزار ہو جاتے ہیں تو تنہائی میں اپنے من پسند گیت گانے لگتے ہیں۔

اداکاری کا شوق:

سید عباس متقی کو اداکاری کا بے پناہ شوق تھا اسکول کے زمانے میں وہ مختلف ڈراموں میں حصہ لیا کرتے تھے اور اپنی اداکارانہ صلاحیتوں کا لوہا منوالیا کرتے تھے وہ خود بھی فلمی دنیا میں اپنے فن کا مظاہرہ چاہتے تھے لیکن بعد میں انھوں نے اپنے اس ارادے کو ترک کر دیا لیکن ان کی اداکارانہ صلاحیتوں کا کبھی کبھی اظہار ہو جاتا ہے۔ ان کی یہ صلاحیت تقریر کے شوق میں پوری ہوئی۔ ان کی تقریر میں جو اک ادا ہے وہ اداکاری ہی کے ذوق وشوق کی گویا ایک کڑی ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنی اداکارانہ صلاحیتوں سے اپنے احباب کو حیران کر دیتے ہیں۔ انھیں مختلف زاویے سے مختلف روپ دھار کر فوٹو کھنچوانے اور ویڈیو گرافی کروانے کا شوق ہے چناں چہ حال ہی میں انھوں نے ایک پوپلے بوڑھے کا روپ دھار کر فلم الہلال کی قوالی ''ہمیں تو لوٹ لیا مل کے حسن والوں نے'' پیش کیا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

انھیں مختلف آوازیں نکال کر مختلف چیزیں بیچنے کا ملکہ حاصل ہے۔ اگر انھوں نے لکھنے پڑھنے کے شوق کو جاری رکھنے کے بجائے بزنس میں اپنی توانائی صرف کی ہوتی تو یقیناً آج کروڑ پتی ہوتے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ اپنے گھر میں اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک ناریل کی میٹھائی بیچنے والا مکان پر آیا اور دھیمی آواز میں ''ناریل کی میٹھائی کچا کھوپرا'' کی آواز لگانے لگا تو سید عباس متقی باہر نکلے اور اپنے احباب کے لیے ناریل کی میٹھائی اور کچا کھوپرا خریدا اور اس نومشق لڑکے سے کہنے لگے کہ میاں جانتے ہو بولتی کے بیر بکتے ہیں۔ تم اس طرح شرما شرما کر ہلکی آواز میں ناریل کی میٹھائی بیچو گے تو یہ چیز نہیں بکے گی۔ اس کے لیے تمھیں انداز اور آواز دونوں کی مشق کرنی ہوگی اور پھر سید عباس متقی نے اس کی بٹی جو کھوپرے اور ناریل کی میٹھائی سے پرتھی اپنے بائیاں ہاتھ میں لے لیں اور بیچ راستے پر کھڑے ہوکر زور زور سے چیخنے لگے ''ناریل کی مٹھائی کچا کھوپرا'' کہنے لگے ایسی آواز نکالنی چاہیے کہ سوتے ہوئے بچّے کے کانوں میں یہ آواز جا پڑے اور انداز ایسا من موہ ہونا چاہیے کہ بچّے تو بچّے بڑے لوگ بھی خریدنے پر آمادہ ہوجائیں۔

ڈاکٹر سید عباس متقی نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ۱۵/اگست کے دن اپنے مدرسے سیتا رام پیٹ ہائی اسکول میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا اور ایک پاگل کا روپ دھار کر جب کلاس کے باہر نکلے تو بچوں میں چیخ وپکار شروع ہوگئی اور ٹیچرس بھاگ کر دروازہ بند کر لیے۔

ایک مرتبہ سید عباس متقی نے ایک فرضی خاکہ لکھا اور اس کا نام رکھا ''مرزا حجت الکھیڑی''اور خود اپنے منہ میں مصنوعی دانت لگا کر ایک چڑ چڑ بوڑھے کا انداز اختیار کرتے ہوئے تصویر کھینچوائی اور اس تصویر کو مضمون کے ساتھ اخبار میں بھیج دیا۔ مدیر نے سمجھا شاید یہ ہی شخص ہے جس کا یہ خاکہ لکھا گیا ہے اور اس خاکے کو خود سید عباس متقی کی تصویر کے ساتھ شائع کر دیا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ نہ اخبار والوں نے اس تصویر کو پہچانا نہ لوگوں نے البتہ وہ لوگ جو اُن کی شرارتوں سے واقف تھے انھیں پہچان لیا۔ اس مضمون اور موصوف کی تصویر کو آج بھی روزنامہ منصف حیدرآباد کے ایڈیشن آئینۂ شہر مورخہ ۵/دسمبر ۲۰۱۵ء کے شمارے میں دیکھا جاسکتا ہے۔

سید عباس متقی کو اداکاری کا یہ شوق زمانہ لڑکپن سے لاحق ہے چناں چہ جب انھوں نے رکشہ والوں پر مضمون لکھا تو خود رکشے والے کا روپ دھار کر اور اپنے دوست عارف حفیظ مالک امفا اسٹوڈیو ملک پیٹ کے بچوں کو رکشے میں بٹھا کر تصویر کھچوائی اور اس تصویر کو منصف میں روانہ کر دیا اور اخبار میں مضمون کے ساتھ وہ تصویر شائع ہوگئی۔

ڈرائیونگ کا شوق:

سید عباس متقی کو ڈرائیونگ کا بے حد شوق ہے چناں چہ اس شوق کو پورا کرنے کے لیے انھوں نے ایک مشاق ڈرائیور کی خدمات حاصل کیں جوان کے داماد کے دوست واقع ہوئے تھے نام ان کا رفیع الدین تھا۔ انھیں رات کے بارہ بجے کے بعد فرصت ملا کرتی تھی۔ دن میں وہ مصروف رہتے تھے اور سید عباس متقی اپنے شوق کی بدولت رات بارہ بجے تک جاگتے تھے اور بارہ بجنے کے بعد رفیع الدین صاحب آ کر انھیں ڈرائیف پر لیجاتے تھے۔ اس طرح انھوں نے ۱۵ تا ۲۰ دن کے اندر ہی ڈرائیونگ سیکھ لی اور گاڑی چلانے لگے انھیں Ambesseder، مورس Morris، آسٹن Austin کے علاوہ فیٹ Fiat گاڑی بہت پسند ہے چناں چہ انھوں نے حال ہی میں اپنے اس شوق کو پورا کرنے کے لیے Old Model فیٹ گاڑی خریدی ہے اور کبھی کبھی اسے لے کر نکلتے ہیں۔

سید عباس متقی کو Royal Enfleed گاڑی بہت پسند ہے چناں چہ انھوں نے ۹۲ ہزار میں ۲۰۰۳ء کی یہ گاڑی خرید لی تھی اور چار پانچ سال چلا کر اسے معقول دام میں فروخت کر دیا۔

گھڑ سواری کا شوق:

سید عباس متقی کو جس طرح رائل انفلڈ چلانے اور کار چلانے کا شوق ہے اسی طرح انھیں کبھی گھڑ سواری کا بھی شوق رہا ہے۔ چناں چہ وہ جب بھی بمبئی یا مدراس جاتے ہیں تو ساحل سمندر پر گھڑ سواری کے شوق کو پورا کر لیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب بھی وہ مرفعہ الحال ہو جائیں گے تو ایک گھوڑا ضرور خریدیں گے۔

ایک دفعہ جب کہ کالج میں پڑھا کرتے تھے اتفاق سے ایک ایسے آدمی سے ملاقات ہوگئی جو گھوڑے والا تھا اور گھوڑے فروخت کیا کرتا تھا۔ سید عباس متقی نے ایک گھورے کو پسند کیا

اور اپنے گھر والوں کو بتانے کے لیے اسی پر بیٹھ کر دبیر پورہ پولیس لائین جہاں وہ فروکش تھے لائے اور اپنی وہ والدہ کو گھوڑا دکھایا اور ضد کرنے لگے کہ وہ یہ گھوڑا خرید یں گے۔ والدہ نہایت غصے میں آئیں اور ڈانٹ ڈپٹ کر انھیں گھوڑا خریدنے سے باز رکھا۔

ایک مرتبہ وہ اپنے پڑوس کے ساتھ جہانگیر پیراںؒ کی درگاہ پر حاضری کے لیے گئے ہوئے تھے وہاں پر بھی انھیں گھڑسواری کا شوق چرّایا اور تھوڑی سی رقم دے کر انھوں نے وہاں اس شوق کو پورا کیا۔

فلمی دنیا میں بھی وہ اس وجہ سے جانا چاہتے تھے کہ وہاں فلموں میں کام کرنے کے علاوہ ان کے تمام شوق بشمول گھڑسواری وغیرہ پورے ہوسکتے تھے۔ عمر کے ساتھ ساتھ اب یہ شوق ماند پر گئے ہیں۔ چناں چہ اب وہ گھوڑے پر سواری کرنے سے زیادہ مصلے پر اپنا وقت گزارتے ہیں۔

کشتی کا شوق:

سید عباس متقی درجہ پنجم ششم میں تھے کہ انھیں ورزش کا شوق چرّایا۔ دبیر پورہ پولیس لائین کے قرب وجوار میں ایک عاشور خانہ تھا جس میں نوجوان بچّے قدآدم آئینوں کے سامنے کھڑے ہو کر ورزش کیا کرتے تھے۔ چناں چہ جو اس اکھاڑے کے استاد تھے سید عباس متقی ان سے رجوع ہوئے اور دنگل میں اترنے کی اجازت چاہی ان کے استاد محترم اس وقت قریب ۹۰ سال کے تھے لنگوٹ اور میٹھی بوندی اور اگربتی لانے کا حکم دیا۔ دوسرے دن سید عباس متقی لنگوٹ خرید کر میٹھی بوندی وغیرہ کے ساتھ استاد کے سامنے حاضری دی۔ استاد نے فاتحہ پڑھی اور اپنے ہاتھ سے سید عباس متقی کو لنگوٹ باندھا اور ڈنڈ بیٹھکیں مارنے کا حکم صادر فرمایا اس طرح ابتداً دس بیٹھک اور پانچ ڈنڈ مارے اور آہستہ آہستہ ورزش کی یہ تعداد تین سو بیٹھک اور ایک سو پچاس ڈنڈ تک پہنچ گئی۔ استاد نے چند دنوں بعد سید عباس متقی کو خنجر آزمائی اور تلوار بازی کا فن سکھایا اور لکڑی کی تلوار سے پینترے سکھائے اور کشتی کے داؤ پیچ سے آگاہ کیا۔ یہ سلسلہ تقریباً دس برس تک جاری رہا اور سید عباس متقی دنگل چھوڑنے کے بعد بھی مسلسل ورزش کرتے رہے ان کا کہنا ہے اگر قسمت نے تھوڑی سی خوشحالی بخش دی ہوتی تو وہ آج ایک نام ور پہلوان ہوتے۔ اس زمانے میں دارا سنگھ، مہیال اور رندھاوا کی فلمیں آیا کرتی تھیں جنھیں سید عباس متقی نہایت انہماک سے دیکھا اور ان پر

عمل کیا کرتے تھے۔اس سلسلے میں راقم الحروف نے موصوف سے دنگل میں پہلوانی کی بابت استفسار کیا تو انھوں نے بتایا کہ پہلوانوں سے لڑنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

خوش نویسی کا شوق:

سید عباس متقی کو دیگر فنون کے علاوہ خوش نویسی، خطاطی کا فن سیکھنے کا شوق چرایا۔فرحت نگر میں ایک خوش نویس رہا کرتے تھے جن کا نام محمد مظہر خوش نویس تھا اور انہی کے گھر میں سید عباس متقی کی خوش دامن صاحبہ غوثیہ بیگم رہا کرتی تھیں۔ جب مظہر صاحب سے ملاقات ہوئی تو سید عباس متقی نے اپنا۔ادّعا ظاہر کیا کہ وہ اس فن کو سیکھنا چاہتے ہیں۔ چناں چہ محمد مظہر خوش نویس راضی ہوگئے اور نہایت مہربانی وخوش خلقی سے انھیں اپنا فن سکھانے لگے۔تقریباً چھے ماہ تک سید عباس متقی نے مسلسل اس فن کو سیکھا اور فن خوش نویسی میں مہارت حاصل کر لی جب استاد نے اپنے شاگرد کے اخلاق و کردار ملاحظہ کیے تو انھوں نے اپنے صاحب زادے محمد اصغر عرف اجّو سے سید عباس متقی کی صاحب زادی مہر النساء عفیفہ کی شادی کر دی۔

سید عباس متقی اپنے استادوں کا نہایت ادب واحترام کرتے ہیں ان کی کسی بات کو ٹالنا ان کے نزدیک جرم متصور ہوتا ہے۔ چناں چہ ایک دن ان کے استاد محمد مظہر خوش نویس نے کہا کہ عباس میاں ہم اپنے لڑکے کی شادی تمہاری لڑکی سے کرنا چاہتے ہیں۔لڑکا اپنے بھائی کے پان کے ڈبے پر ملازم ہے۔اتنا سننا تھا کہ شریف النفس اور فرمانبردار شاگرد نے اپنے استاذ سے عرض کیا کہ قبلہ میری لڑکی آپ کی ہوئی آپ جب چاہیں آ کر اپنی بہو کو لے جا سکتے ہیں۔

سید عباس متقی نے گھر آ کر اپنی اہلیہ سے سارا ماجرا کہہ سنایا ان کی اہلیہ نے پوچھا کہ آیا آپ نے لڑکے کو دیکھا بھی ہے تو سید عباس متقی نے کہا کہ میں نے لڑکے کو نہیں دیکھا، زبان دے چکا ہوں۔شادی بہر حال کرنی ہے یہ سن کر اہلیہ پریشان ہوگئیں کیوں کہ انھوں نے بھی لڑکے کو نہیں دیکھا تھا۔سید عباس متقی نے کہا استاد گرامی قدر نہایت اچھے آدمی ہیں یقیناً لڑکا بھی بہت اچھا ہوگا۔اس طرح یہ رشتہ طئے پایا اور ۱۵؍اکتوبر ۱۹۹۲ء کو یہ شادی لحمدی گلشن فنکش ہال واقع چھتہ بازار حیدرآباد میں انجام پائی۔

موصوف نے جہاں مختلف فنون اور شوق و ذوق کے متعلق اپنے مافی الضمیر کو صفحہ قرطاس کی نذر کیا ہے وہیں انھوں نے فن خطاطی کو بھی اہمیت دی ہے چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''اللہ تبارک وتعالی کا احسان عظیم ہے کہ ۱۹۷۲ء میں استاذ محترم جناب محمد مظہر صاحب ماہر فن خطاط، مشہور خوش نویس نے بڑی توجہ اور شفقت سے فن خطاطی سکھائی اور خوش نویسی میں ایک سال کے طویل عرصے میں تعلیم مکمل کرائی اور اس فن میں مہارت دلائی۔ اللہ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔'' (۷۴)

سیر و سیاحت کا شوق:

سید عباس متقی کو سیر و سیاحت کا بھی کافی شوق ہے۔ سیر و تفریح کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، جب اور جہاں انھیں موقع ملتا ہے وہ سفر پر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ سیر و سیاحت کی بابت بھی انھوں نے ڈائری میں اپنے خیالات کا برملا اظہار کیا۔ اقتباس دیکھیے:

''میرا پسندیدہ مشغلہ تفریح و سیاحت ہے مگر آج اس کا موقع نہیں ملا، سفر کا بھی اشتیاق ہے مگر یہ بھی موقع نہیں ملا۔ ہوائی جہاز میں بیٹھنے کی بڑی خواہش ہے مگر یہ بھی موقع نہیں ملا۔ گھوڑ سواری اور شتر سواری کی خواہش کی تکمیل ہوئی اور آج بھی جب یہ موقع ہاتھ آتا ہے تو گویا گنگا میں ہاتھ دھو لیتا ہوں۔ ایک مرتبہ نبولی اڈہ سے دبیر پورہ تک گھوڑے پر بیٹھ کر گھر آیا جس کا مزہ آج تک یاد ہے۔ اگر چہ کہ مذاق اڑانے والوں نے میرا مذاق اڑایا۔'' (۷۵)

چناں چہ انھوں نے بمبئی، دہلی، آگرہ، اجمیر، کیرلا، مدراس، کلکتہ، بنگلور، میسور، جوت پور، جے پور، گلبرگہ اور نگ آباد، بیجاپور، کنیا کماری تک کی سیر کرلی ہے۔ عادل آباد، کرنول، نظام آباد، کریم نگر، میدک، نرمل، بھینسہ، مدھول، پونے وغیرہ کی بارہا سیر کی ہے۔

بیرون میں ایران، تہران، شیراز، قم، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ تک گئے ان کے علاوہ امریکا، یورپ، کشمیر، لکھنو، لاہور، وغیرہ دیکھنے کی خواہش رکھتے ہیں ادھر عراق، بغداد، کربلا، شام، فلسطین وغیرہ کی سیاحت کی چاہ رکھتے ہیں۔

سید عباس متقی کو بمبئی کئی دفعہ جانے کا اتفاق ہوا۔ دو ایک دفعہ حج کے سلسلے میں جب کہ وہ پانی کے جہاز سے سفر کرنے والے تھے۔ دو ایک دفعہ اپنے بال بچوں کے ساتھ تفریح کی غرض سے۔ بمبئی کے بارے میں سید عباس متقی نے ایک نظم بھی لکھی تھی جو ان کی معروف غیر مطبوعہ کتاب

جج متقی میں شامل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ دلی میں کئی دفعہ جانے کا اتفاق ہوا ایک مرتبہ اس وقت جب کہ وہ امریکا جانے کے لیے ویزا حاصل کرنے امریکن ایمبسی گئے تھے اور دو ایک دفعہ انھیں تفریحاً جانے کا موقع ملا اور انھوں نے دہلی کے مشہور و معروف مقامات جیسے لال قلعہ، چاندنی چوک، کین ناٹ پیلس، قطب مینار، پارلیمنٹ ہاوس وغیرہ وغیرہ کی سیر کی اور وہاں کی بارگاہوں میں حاضری دی مثلاً خواجہ باقی باللہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت امیر خسروؒ، حضرت بختیار کاکیؒ، حضرت شاہجہاں آبادیؒ، حضرت سبز پوشؒ، بطور خاص سید عباس متقی نے حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ، مہدیان میں حاضری دی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ، مفتی کفایت اللہؒ وغیرہ کے قبور پر حاضری دی اور فاتحہ گزرانی۔

آگرہ:

سید عباس متقی کو زمانہ دراز سے تاج محل دیکھنے کی آرزو دامن گیر تھی اور انھوں نے اپنے دوست عارف حفیظ کے ساتھ پہلی مرتبہ تاج محل دیکھا اور دم بخود رہ گئے۔ تاج محل سے وہ اس درجہ متاثر ہوئے کہ انھوں نے فارسی زبان میں ایک نظم لکھی جس کا نام ''تاج محل'' رکھا جو ان کے شعری مجموعے ''مینا بدوش'' میں شامل ہے

آگرہ میں وہ جب تک رہے ناشتے کے بعد وہ تاج محل چلے جاتے اور شام تک تاج محل ہی میں رہتے۔ تاج محل کے علاوہ انھوں نے (آگرہ کا قلعہ جسے شاہ جہاں نے بنوایا تھا) کی بھی سیر کی اور مختلف مقامات کی بھی زیارت کی۔

سید عباس متقی نے پہلی مرتبہ جب آگرہ تشریف لے گئے تھے تو ''سکندرا'' نہ جا سکے تھے کیوں کہ ان کے ہاں اکبراعظم کی ایک مکروہ شبیہ تھی لیکن جب انھوں نے شوکت علی فہمی کی کتاب سلطنت مغلیہ پڑھی اور اس بات سے آگاہ ہوئے کہ اکبراعظم نے اپنی موت سے قبل توبہ کی تھی اور اپنے فرسودہ اور گمراہ کن خیالات سے رجوع کیا تھا اور صدق دل سے توبہ کر کے ایک بزرگ کے ہاتھ پر بعیت کی تھی اور آیت الکرسی سنتے ہوئے انتقال کیا تھا۔ یہ پڑھنے کے بعد سید عباس متقی کا دل جلال الدین محمد اکبر سے صاف ہو گیا اور جب انھوں نے دوسری دفعہ سفر آگرہ اختیار کیا تو بطور خاص ''سکندرا'' (یہ وہ مقام ہے جہاں اکبراعظم کی مزار ہے) پہنچ کر اکبراعظم کی

مزار کی زیارت کی اور فاتحہ خوانی کی نیز فتح پور سیکری آگرہ کی طرف رخت سفر باندھا اور حضرت سلیم چشتیؒ کے مزار کی زیارت کی اور اکبر اعظم کے محلات بھی ملاحظہ کیے۔

دلی کے سفر کے دوران سید سید عباس متقی جنتر منتر کی بھی سیر کی اور وہاں کے عجائبات بھی دیکھے۔

سید عباس متقی کو اپنے صاحب زادے سید عبدالمجید شعیب کے ہمراہ امریکا کے ویزے کے سلسلے میں مدراس جانا پڑا۔ مدراس میں سید عباس متقی نے بطور خاص اسنیک گارڈن کی سیر کی جہاں ہر قسم کے سانپ پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں مدراس میں واقع خلیج بنگال کے کنارے کی سیر کی اور فجر سے پہلے پہنچ کر طلوع آفتاب کا نظارہ بھی کیا۔

سید عباس متقی کو نہ صرف سیر سپاٹے کا شوق ہے بلکہ عجائبات دیکھنے کا بھی بلا کا شوق ہے۔ وہ عجائبات قدرت دیکھ کر از خود رفتہ ہو جاتے ہیں اور نہایت محظوظ ہوتے ہیں۔ جب وہ کسی ملک یا شہر کو جاتے ہیں تو وہاں کا چڑیا گھر یا باغ وحش اور عجائب خانہ ضرور دیکھتے ہیں، جو دیکھتے ہیں اسے نہایت سلیقے سے قلم بند بھی کرتے جاتے ہیں جن جن باتوں سے وہ خود استفادہ کرتے ہیں دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتے ہیں تا کہ وہ بھی ان سے مستفیض ہو سکیں۔

کلکتہ کا سفر:

سید عباس متقی نے کلکتے کا سفر، مغربی بنگال اردو اکیڈیمی سے انعام حاصل کرنے کے لیے کیا تھا اردو اکیڈیمی مغربی بنگال نے ان کی کتاب پر انعام دیا تھا اور وہ انعام حاصل کرنے کے لیے مغربی بنگال پہنچے تھے۔ اس طرح ان کا کلکتہ دیکھنے کا شوق پورا ہوا۔ اپنے بچپن میں انھوں نے فلم ''ہوڑا برج'' دیکھی تھی اور اس وقت ہی سے انھیں ہاوڑا برج دیکھنے کا ایک شوق سا پیدا ہو گیا تھا۔ کلکتہ میں انھوں نے اپنے داماد محمد اصغر کے ساتھ دس دن گزارے اور ان دس دنوں میں سید عباس متقی نے کلکتہ اور مغربی بنگال کی سیر کر ڈالی۔ کلکتے میں موصوف نے سائنس سٹی دیکھی جو ایک عجوبے سے کم نہیں۔ کلکتے میں ملکہ وکٹوریہ کے نام پر ایک میوزیم ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ سید عباس متقی نے اس میوزیم سے خوب خوب استفادہ کیا۔ غرض سید عباس متقی جہاں جہاں جاتے ہیں وہاں کے ہنر مندوں کا ہنر اور فن کاروں کی فنکاری اور ادب نوازوں کا ادب دیکھے بغیر

نہیں رہتے۔ وہ کسی بھی شہ پارے کو دیکھ کر بچوں کی طرح خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور خدا کی نعمت کو دیکھ کر صدق دل سے خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔

وعظ گوئی:

زمانے لڑکپن ہی کی بات ہے کہ جب سید عباس متقی چوتھی یا پانچویں جماعت میں زیر تعلیم تھے۔اس زمانے ہی سے شہر کے مشہور ومعروف واعظ علامہ الحاج محمد حمید الدین عاقل کے وعظ میں شریک رہا کرتے تھے اور بالکل قریب ہوکر بچوں کی صف میں بیٹھے وعظ سنا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں موصوف لکھتے ہیں:

> ''آج ۱۵ سال سے حضرت قبلہ کے وعظ میں جا رہا ہوں، وعظ گوئی میں نے حضرت ہی سے سیکھی ہے۔لڑکپن ہی سے وعظ گوئی سے انس رہتا تھا، دبیر پورے میں گھر میں وعظ کیا کرتا تھا۔ آس پاس کے لوگ آکر وعظ سنا کرتے تھے۔۱۰/ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ کو حضرت مولانا محمد حمید الدین صاحب عاقل مدظلہ العالی نے مجھ کم ترین کو مسجد میں وعظ کہنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور آج ایک سال سے جامعہ مسجد حافظ بابا نگر میں میرا وعظ جاری ہے۔لوگ بہت ذوق وشوق سے سنتے ہیں۔ پہلے پہلے تین چار آدمی رہتے تھے۔ الحمدللہ اب ساٹھ ستر تک سامعین رہتے ہیں۔جامعہ مسجد حافظ بابا نگر میں کئی سالوں سے عیدین کے موقعوں پر، متبرک راتوں میں اور رمضان المبارک میں وعظ کرتا ہوں۔الحمدللہ مسجد سامعین سے بھر جاتی ہے۔'' (۷۶)

بحیثیت امام:

اللہ رب العزت کا فضل وکرم سید عباس متقی پر رہا کہ انھیں بچپن ہی سے مالک کائنات کی طرف قلب لگا رہا۔ جب چوتھی جماعت میں تھے تو اس زمانے ہی سے نمازوں کی طرف شوق وشغف رہا۔اس ضمن میں سید عباس متقی لکھتے ہیں:

> چیل بازار کی مسجد میں اسکول سے نماز ظہر کے لیے چلا جاتا جہاں استاذ محترم جناب سید ہدایت علی بھی نماز ظہر کے لیے تشریف لاتے اور مجھے پابند صلوٰۃ دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور دعائیں دیتے۔ پھر جب کبھی ہم سب مدرسے کی کلاس ہی میں جماعت بنا کر نماز ظہر ادا کرتے تو ہم جماعت مجھ کم ترین ہی کو امامت کا منصب

سوچتے، یہ چیز گویا میرے مستقبل کی طرف تمہیدی پیام تھا کہ ایک دن حقیقت میں اللہ مجھے امام بنائے گا اور پھر ۵/رجب المرجب ۱۳۹۵ھ کو مسجد مدینہ یثرب نگر میں لوگوں نے مجھے اپنا امام بنایا اور میرا مشاہرہ چالیس روپے مقرر کیا اس کے بعد پچاس روپے بھی دیا جانے لگا اور تقریباً تین سال تک وہاں امامت کی خدمت انجام دیتا رہا اور پھر ذیعقدہ ۱۳۹۷ھ کو مسجد مدینہ سے مرخص ہوا اور جامعہ مسجد حافظ بابا نگر میں بلا معاوضہ امامت شروع کر دی۔'' (۷۷)

سید عباس متقی کی شادی اپریل ۱۹۷۲ء میں ہوئی ،شومئ قسمت سے انھیں پولیس کی ملازمت نہ مل سکی جس کے لیے وہ کوشاں رہے۔ بے روزگاری کا دور دورہ رہا کچھ خانگی طور پر وہ کام دھام کرتے رہے لیکن مستقلاً کوئی نوکری نہ مل سکی تو انھوں نے امامت فرمائی۔ ان کے ذمے فجر ،مغرب اور عشا کی نماز پرھانا تھا۔ اسی دوران ان کے والد کے ایک دوست نے جن کا نام شیخ چاند تھا اور جو حافظ بابا نگر تالاب کٹّے کی مسجد حافظ بابا نگر کی انتظامی کمیٹی کے معتمد تھے، نے بحیثیت خطیب پندرہ روپے ماہوار پر ان کا تقرر کر دیا جو ۱۷ سال تک چلتا رہا اور سید عباس متقی نے سترہ سال تک مسجد حافظ بابا نگر میں خطابت فرماتے رہے اور عیدین کی نمازیں پڑھاتے رہے۔ ان کی تنخواہ ان سترہ سالوں میں پندرہ روپے سے شروع ہو کر ساڑے چار سو روپے ماہوار تک جا پہنچی تھی۔ ۱۹۸۷ء میں چند غنڈہ عناصر نے انھیں ہٹانے کی سازش کی اور بیک بنی و دوگوش انھیں بے دخل کر دیا۔ ان سترہ سالوں میں سید عباس متقی نے ایک وقت بھی تنخواہ کو بڑھانے کی درخواست نہیں دی۔ ابتداءً جب ۱۹۸۵ء میں سید عباس متقی حج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو اس وقت انھوں نے ایک ہزار روپے قرض حسنہ کی درخواست دی جسے انتظامی کمیٹی نے چند در چند مجبوریوں کے سبب نہ منظور کر دیا تھا۔

خطابت:

اللہ رب العزت نے سید عباس متقی کو منبر رسول ﷺ تک رسائی عطا فرمائی اور انھوں نے ۱۸/شوال المکرّم ۱۳۹۵ھ کو جامعہ مسجد حافظ بابا نگر میں خطابت کی ابتدا کی تھی۔ اس بابت سید عباس متقی رقم طراز ہیں:

''یہ بھی میرے اللہ میاں کا فضل ہے کہ اس نے مجھ کم ترین کو منبر رسول ﷺ عطا کیا اوراس گناہ گار کو خطبہ دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۱۸؍ شوال المکرّم ۱۳۹۵ھ کو یہ منصب مولوی شیخ چاند صاحب قبلہ نے عطا کیا۔ جسے میں نے اپنی خوش نصیبی تصور کرتے ہوئے فوراً قبول و منظور کیا۔ الحمد للہ جو آج پانچ سال سے جاری ہے۔ جامعہ مسجد حافظ بابا نگر گویا اس فقیر کا مسکن حقیقی ہے۔ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ کو علاحدہ کر دیا گیا۔'' (۷۸)

فی زمانہ سید عباس متقی مسجد فاضل مادنا پیٹ میں قریب بارہ سالوں سے جمعہ اور عیدین کے مواقع پر خطبے اور نماز کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور انتظامی کمیٹی انھیں ہر جمعہ چار سو روپیے مشاہرہ گزارتی ہے۔

خطابات کے موضوعات:

سید عباس متقی کا وعظ قرآن مجید کی مختصر تفسیر، احادیث نبویؐ کے تراجم، واقعات صحیحہ، حالات انبیاء و اولیاء، اصلاح معاشرہ، دور حاضر کی خرابیوں سے اجتناب، احکام خدا اور رسولؐ کی پابندی، مسائل فقہ اور چہکتے لطیفوں پر مبنی ہوتا ہے۔ راقم الحروف کو بھی مولانا سید عباس متقی کے مواعظ سننے کا شرف حاصل ہوا۔ ناچیز کی رائے ہے کہ جناب والا تبار کے مواعظ علامہ حمید الدین عاقل حسامی نور اللہ مرقدہٗ کی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ یعنی باتوں باتوں میں ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ لوگ ہنستے ہنستے زار و قطار رونے لگتے ہیں اور روتی صورتیں چہک چہک کر ہنس پڑتی ہیں۔ علاوہ ازیں موصوف کے موضوعات حالات حاضرہ پر گفتگو تصوف، ذکر افہام قرآن، افہام حدیث اور افہام فقہ پر مبنی ہوا کرتے ہیں۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیازی کی تعلیم دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ سے عشق و محبت کا درس دیتے ہیں ان کے خطابات، دل کی صفائی، ذہن کی صفائی اور روح کی صفائی سے متعلق ہوتے ہیں۔ وہ توکل کے دھنی واقع ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی توکل کا درس دیا کرتے ہیں۔ ان کے مواعظ اتنے متاثر کن ہوتے ہیں کہ جو ایک بار ان کا خطاب سن لیتا ہے دوسری بات سننے کی خواہش رکھتا ہے۔

سید عباس متقی نے سال ہا سال قوم و ملت کو مسلسل خطاب کیا لیکن آج کل وہ گوشہ نشین سے ہو گئے ہیں اور فن خطابت کو دوسرے نوجوانوں کے لیے چھوڑ کر اپنی خانقاہ کا گوشہ سنبھال لیا ہے۔

قضائت:

سید عباس متقی کے ایک دوست نے جو ایک حلقے کے قاضی ہیں انھیں قاری النکاح کی حیثیت سے تقرر کیا تھا لیکن انھوں نے صرف ایک نکاح پڑھا کر قضات کے کام کو چھوڑ دیا۔ان کا کہنا ہے کہ وہ معصوم افراد سے بہت زیادہ روپیوں کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ان میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ جھوٹ بول کر دو آنے کی جگہ دو روپیے وصول کرے۔موصوف نے صرف ایک نکاح پڑھا یا اور اس کے بعد اپنی مجبوریوں کا اظہار کرتے ہوئے استعفیٰ دے دیا۔

سید سید عباس متقی کو قاضی محمد نجم الدین حسین قاضی دارالقضاء سرکار قلعہ محمد نگر و بارہ محلات کی جانب سے تحریری طور پر تقرر نامہ موصول ہوا تھا جس میں ان کا قاری النکاح کی حیثیت سے تقرر عمل میں آیا تھا۔تقرر نامے سے اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ''حسب درخواست آپ کی مورخہ ۵/جون ۱۹۹۱ء مسمی جناب سید عباس متقی ساکن یثرب نگر بی بلاک میر جملہ کٹہ تالاب حیدرآباد کا بحیثیت قاری النکاح درگز رسعید آباد پر تقرر کیا گیا ہے جو آپ کے تحت رہے کر تمام امور میں دفتر ہذا کے ہدایات کی پابندی کرتے ہوئے بحسن وخوبی خدمت انجام دیتے رہیں گے بصورت دیگر بغیر کسی نوٹس کے علیحدگی عمل میں آئیگی فقط۔'' **(۷۹)**

جامعاتی مقالوں میں سید عباس متقی کا تعارف:

سید عباس متقی جیسا کہ سبھی لوگ واقف ہیں ایک علم دوست آدمی ہیں۔آئے ان اسکالرس اپنے ٹاپک کے سلسلے میں یا کتابوں کی تحصیل کے سلسلے میں ان سے رجوع کرتے ہیں اور وہ بے اعتنائی کو ادبی جرم متصور کرتے ہوئے دامے درمے سخنے جس طرح بھی ہوا سکالرس کے تعاون کو خود پر واجب سمجھتے ہیں اس طرح بہترے افراد نے ان سے استفادہ کیا ہے اور اپنے اپنے مواقع پر ان کے شکریے کو واجب گردانا ہے۔سید عباس متقی کسی بھی موضوع پر خواہ ونثر سے متعلق ہو یا نظم سے تنقید سے متعلق ہو یا تحقیق سے گفتگو کرنے پر قادر ہیں۔ان کا مطالعہ وسیع اور ان کی نظر عمیق واقع ہوئی ہے۔وہ کسی بھی دام ودرہم کی تمنا یا صلے کی آرزو میں ادبی کام نہیں کرتے ان کے پیش نظر رضا جوئی وخوش نودی رہتی ہے:

''جن جن اشخاص کی میں نے ادبی خدمات انجام دی ہے وہ میرے نہاں خانے میں محفوظ ہیں۔ اس کے اظہار کو میں مکروہ تحریمی خیال کرتا ہوں پھر بھی آپ ان اشخاص کے ناموں کو جاننا چاہتے ہوں تو جامعات کے کتب خانوں میں مقالے دیکھیے۔انھوں نے میرا شکریہ ادا کیا ہے۔''(۸۰)

سید عباس متقی نیکی کر اور دریا میں ڈال کے قائل ہیں نہ کہ نیکی کر اور ڈائری وغیرہ میں لکھ مار کے ہرگز قائل نہیں۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جن کے ساتھ معاملہ کیا ہے۔اس عمل کو بھلا دیا ہے۔

پیری مریدی:

سید عباس متقی کو علم تصوف سے زمانۂ لڑکپن ہی سے گہرا شغف رہا ہے انھوں نے ۱۹۷۳ء میں حیدرآباد کے معروف عالم دین اور شیخ طریقت مولانا محمد حمید الدین عاقل حسامی کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی۔مرید متقی نے بیعت حق پرست کے متعلق لکھا ہے:

''الحمدللہ پیر کامل حضرت شیخ مولانا محمد حمیدالدین عاقل حسامی مدظلہ العالی کے دست حق پرست پر میں اور میری اہلیہ نے یکم محرم الحرام ۱۳۹۳ھ کو بیعت کیے اور حضرت کے درس تصوف میں حاضری دے رہے ہیں نیز ذکر کی محفل میں شریک ہوتے ہیں۔''(۸۱)

اور اس کے بعد مدتوں حضرت کے درس تصوف سے استفادہ کیا اور تصوف کی باریکیوں سے آگاہ ہوئے۔ بزرگوں کی مرقوم تصوف کی تعلیمات پر مبنی کتابوں کا مطالبہ کیا اور راہِ سلوک پر گامزن رہے۔اس کے بعد سید عباس متقی نے حیدرآباد کے ایک گوشہ نشیں بزرگ حضرت رشید الحسن جیلی والکلیمی کے دست حق پرست پر بار دیگر بیعت کی اور مزید تصوف کی تعلیمات حاصل کیں ایک مدت بعد حضرت رشید الحسن جیلی والکلیمی نے اپنے پیرو مرشد کے عرس کے موقع پر سید عباس متقی کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنے دست مبارک سے دستار فضیلت باندھا چناں چہ انھیں سلسلۂ قادریہ، چشتیہ،نقشبندیہ اور سہروردیہ میں بیعت لینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

سید عباس متقی کے ہاتھ پر ان کی دونوں بیویاں، ان کی دختران اور فرزندان کے علاوہ دو دامادوں نے بیعت کی اور خود کو حلقہ ارادت میں شامل کرلیا۔ان کے علاوہ سید عباس متقی کی بہن، ان کی لڑکیوں اور ان کے صاحب زادے سید دلاور علی نے شرف بیعت حاصل کیا۔

بیرونی لوگوں میں ان کے شاگرد خاص محمد فہیم الدین مرحوم نے اپنی اہلیہ کو سید عباس متقی کے حلقہ ارادت میں شامل کیا۔ انھوں نے کبھی بھی باضابطہ پیری مریدی کے سلسلے کو گو شروع نہیں کیا لیکن اگر کوئی داخلے کا خواہش مند ہو تو وہ اپنے حلقے میں انھیں شریک کر لیا کرتے ہیں۔

مجالس محمد منزل:

سید عباس متقی ربیع الاول کے مہینے کے ۱۲ دن تک اپنے گھر پر مجالس وعظ منعقد کیا کرتے تھے۔ جس میں پیغمبر آخر الزماں احمد مجتبیٰ رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کو لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کرتے اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو گزارنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ ان بارہ دنوں میں سید عباس متقی کے موضوعات سیرت النبیؐ کے ایمان افروز واقعات ہوا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں موصوف رقم طراز ہیں:

> ''اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اپنے پیر و مرشد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ربیع المنور ۱۴۰۰ھ کے ۱۲ دن محمد منزل یعنی غریب خانے پر مجالس وعظ منعقد کیا جس میں پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ومقدس زندگی کو ان کے عاشقوں کے سامنے پیش کیا۔ اللہ کا فضل ہے کہ لاوڈ اسپیکر اور زنانے کے لیے پردے کا معقول انتظام رہا۔ روزانہ بعد نماز عشا تین گھنٹے وعظ رہا۔ بارہ دنوں میں جنگ احد تک آیا تھا اور اب اس کے بعد یہ سلسلہ جاری ہے پھر ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ کیگیارہ دن وعظ کیا اور پھر ہر جمعرات کو گھر کے وعظ کا سلسلہ جاری ہے اس طرح ہر جمعرات کو وعظ کرتا ہوں۔'' (۸۲)

سید عباس متقی نے وعظ و بیان کی تفصیلات کو ایک روزنامچے میں لکھا ہے اور یہ سلسلہ کئی سالوں تک چلتا رہا۔

لطیفہ گوئی:

عباس متقی میں فطری طور پر لطیفہ گوئی کی ساری خوبیاں پنہاں ہے مستزاد وہ برجستہ گوئی میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ گھر ہو یا باہر وہ لطیفہ سازی کے کوئی بھی مواقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ کھاتے وقت تو انھیں لطیفوں کی آمد آمد رہتی ہے اور محفل کو زعفران زار کر دیتے ہیں۔ ان کے ایک رفیق خاص جناب محمد حمید الدین ریشم باغ والے نے لکھا ہے:

''عباس متقی کی ذات میں بزلہ سنجی کوٹ کوٹ کر بھری ہے وہ لطیفہ بازی ہی نہیں بلکہ لطیفہ ساز بھی ہیں۔ گھر ہو یا باہر وہ ہنسی مذاق کے کسی پہلو سے پہلو تہی نہیں کرتے اور کر سکتے حتیٰ ایں کہ کھاتے وقت بھی ہنسے ہنسانے سے گریز نہیں کرتے بلکہ محفل کو اپنی ہنسی اور چٹکلوں سے زعفران زار کر دیتے ہیں اس کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوا جب ایک دعوت کے سلسلے میں وہ ہمارے گھر تشریف لائے تھے اور بلا مبالغہ موصوف کی چٹپٹی باتوں سے لوگ کھانا بھول گئے ان کی ہنسی بھی دیکھنے لائق ہوتی ہے سارے کے سارے دانت جو موتیوں کے مانند چمکتے ہیں، جس پر کئی حضرات کو رشک بھی ہو سکتا ہے بس دیکھتے رہ جاتے ہیں اور یہ لوگوں کی محویت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسروں کا حصہ بھی چٹ کر جاتے ہیں انھیں دوسرے کے ہاں بھی دعوتوں کا لطف اٹھانا خوب آتا ہے اور دعوتوں کو کافی عرصے تک یاد رکھتے ہیں اور ذکر بھی کرتے ہیں تا کہ سمجھنے والوں کو اشارے مل جائیں۔'' (۸۳)

سید عباس متقی کے مزاج میں مزاح کا عنصر بدرجہ اتم پایا جاتا ہے وہ ہر کس و ناکس سے مذاق دل لگی سے پیش آتے ہیں۔ چھوٹے بڑے شاگرد، استاد سب ہی سے ان کا یہی رویہ رہا ہے حتیٰ ایں کہ وہ اپنے والدین سے بھی مزاحیہ گفتگو کرنے سے نہیں چوکتے تھے چناں چہ ایک مرتبہ راقم الحروف سے سید عباس متقی اپنی والدہ محترمہ سے کیے گئے مذاق کا ایک خوش گوار واقعہ سنایا جو سننے سے تعلق رکھتا ہے:

''جب مجھے میری پہلی بیوی سے چار بچّے ہو گئے تو میں نے از راہ مزاح اپنی والدہ سے کہا کہ 'اماں اب تم اور میں دونوں برابر ہو گئے ہیں'۔ کیوں کہ تمھیں بھی چار بچّے ہیں اور مجھے بھی چار بچّے ہو گئے۔ اس پر اماں حیران رہ گئیں اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا پھر میں نے کہا کہ اب آپ جواب دو میں اور آپ اب برابر ہو گئے ہیں یا نہیں تو اماں نے کہا 'ہاں بھئی اب تم اور میں دونوں برابر ہو گئے کیوں کہ مجھے بھی چار بچّے ہیں اور تمھیں بھی چار بچّے' اس پر میں نے ایک زبردست قہقہہ لگایا اور فرمایا کہ اماں تم اور میں کیسے برابر ہو سکتے ہیں کہ تمھارے بیٹے کو چار بچّے ہیں اور میرے بیٹے کو نہیں۔ اس پر اماں خوب ہنس پڑیں اور کہا کہ مجھے یہ جواب نہ سوجھا۔'' (۸۴)

سید عباس متقی عموماً ادبی گفتگو کیا کرتے ہیں جس معیار کی ان کی تحریر ہوتی ہے اسی معیار کی گفتگو بھی کرتے ہیں۔ بعض دفعہ ان کی گفتگو سے ایسے لطیفے ہویدا ہوتے ہیں کہ خود ان کو اس کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے چناں چہ وہ ایسے موقعوں پر بھی بے ساختہ قہقہے مار کر ہنس دیتے ہیں اور ان

واقعات کو اپنی نجی محفلوں میں خوب مزے لے لے کر سناتے ہیں اور لوٹ لوٹ کر ہنسے بغیر نہیں رہتے۔ یہاں ان کی لطیفہ سازی کے چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ انھوں نے اپنی ایک کتاب کو جلد کروانے کے لیے جلد ساز کے حوالے کیا اور مکمل ہدایات دے دیں کے جلد کیسی ہونی چاہیے۔ بطور خاص کا رنرس لگانے کا مطالبہ بھی اس میں شامل تھا۔ جب سید عباس متقی ایک ہفتے کے بعد جلد ساز کی دکان گئے اور کتاب حاصل کی تو دیکھا کہ جلد ساز نے کارنرس نہیں لگائے ہیں تو سید عباس متقی نے جلد ساز سے کہا کہ آپ نے حسب منشا کام نہیں کیا ہے تو جلد ساز نے سید عباس متقی سے کہا کہ وہ حسب منشا جلد کے اندر لگایا ہے۔

ایک اور واقعہ پیش ہے کہ موصوف جس زمانے میں سائیکل چلاتے تھے وہ سائیکل چلاتے ہوئے تیغے کی گلی یاقوت پورہ سے گزر رہے تھے کہ ایک شخص کو دیکھا کہ نہایت نحیف ونزار اپنی دہلیز پر بیٹھا دمّے کی شکایت کے سبب ہانپ رہا ہے۔ سید عباس متقی کو اس نے روکا اور خواہش ظاہر کی کہ اسے سائیکل پر بٹھا کر ذرا دوری پر چھوڑ دیں۔ سید عباس متقی کے اندر خدا ترسی اور خدمت خلق کا جذبہ شدت سے پایا جاتا ہے۔ موصوف نے اپنی سائیکل کو اسٹانڈ لگایا اور اس بوڑھے شخص کے پاس گئے اور پوچھا کہ آپ کو کہاں جانا ہے تو اس نے کہا ذرا مجھے سائیکل پہ پاکستان چھوڑ دو۔

اس طرح کا ایک اور واقعہ پیش کیا جاتا ہے جس سے سید عباس متقی کی بے باکی سامنے آتی ہے۔ موصوف نے ایک دفعہ ایک صاحب کے گھر پر جا کر کھٹکہ مارا تو اندر سے جو صاحب نکلے وہ نکلتے ہی انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ سید عباس متقی سے نہایت بدسلوکی کا برتاؤ کرنے لگے اور کہا کہ جب اندر سے دو تین مرتبہ ہم معاف کرو معاف کرو کہہ چکے ہیں تو پھر تم نے کھٹکا کیوں مارا، میں نے تم جیسا بے غیرت انسان کبھی نہیں دیکھا۔ سید عباس متقی نے کہا میں تو آپ کے نام ایک خط لایا ہوں جو آپ کے دوست نے بھجوایا ہے پھر تو وہ بہت زیادہ پشیمان ہوئے۔

بعد میں معلوم ہوا کہ سید عباس متقی کے کھٹکا مارنے سے پہلے کوئی چندہ مانگنے والے صاحب آئے تھے اور خوب کھٹکے مار کر ناک میں دم کر رکھا تھا۔ سید عباس متقی ایسے واقعات کو بھی

سناتے ہیں جس میں خود ان کی اہانت ہوئی ہو اور ایسے شخص کو بھی واقعات سناتے ہیں جو ان پر مقالہ تیار کر رہا ہے۔ راقم الحروف نے موصوف سے کہا مجھے یہ مزے دار واقعہ بہت پسند آیا تو انھوں نے برجستہ کہا آپ اسے مقالے میں ضرور شامل کیجیے گا۔ چناں چہ اس نوع کا ایک اور واقعہ دیکھیے ۔سید عباس متقی کے محلے میں کچھ پہلوان رہتے ہیں جن کی روڈی شیٹ بھی کھلی ہوئی ہے۔ایک دفعہ سید عباس متقی کسی کام سے جا رہے تھے تو دو پہلوانوں میں تکرار ہو رہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ دست و گریباں ہوا چاہتے ہیں اتنے میں ایک پہلوان نے سید عباس متقی کو بلایا۔سید عباس متقی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے بادل ناخواستہ پہلوان کے پاس گئے تو اس نے دوسرے پہلوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ذرا ان کا کلمہ سنو یہ غلط پڑھ رہا ہے۔ میں بھی پڑھتا ہوں،تمھیں بتانا ہے کہ کس کا کلمہ درست ہے ۔سید عباس متقی پریشان کہ اب کیا کریں دونوں غلط کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ بہرحال انھیں فیصلہ تو کرنا تھا وہ بھی پہلوانوں کے سامنے تھے چناں چہ سید عباس متقی نے جرات مظاہرہ کیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ تم دونوں نے جو کلمہ پڑھا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ یہ کہتے ہوئے سید عباس متقی نے دونوں کو کلمہ طیبہ سکھایا اور آگے بڑھ گئے۔

اس مطالعے سے سید عباس متقی کی شخصیت کی گہرائی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت کی کئی جہتیں ہیں اور ایک جہت دوسری کی ضد ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک کھلے دل و دماغ کے انسان ہے۔ایک ایسے انسان جو دوستوں کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور دشمنوں کو درگزر۔ان کی شخصیت کا یہ پہلوان کی طنزیہ ومزاحیہ تحریروں میں صاف طور دیکھا جا سکتا ہے۔

حوالے:

(۱) میز خانے سے مراد میر عثمان علی خاں بہادر آصف جاہ ہفتم کا ڈ ینگ ہال ہے۔

(۲) سید عباس متقی سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۷؍دسمبر ۲۰۱۵ء بمقام بڑی اہلیہ کے مکان نمبر 17-3-194/13 واقع مدینہ نگر، بی بلاک، یاقوت پورہ حیدرآباد۔۲۳، قرب مسجد عثمان غنیؓ۔ واقعہ یہ ہے کہ سید عباس متقی کے دو مکانات ہیں ایک یاقوت پورہ ریلوے برج کے اس پار جس کا مکمل پتا مذکورہ ہے اور دوسرا مکان (چھوٹی اہلیہ کا جسے وہ منجلی بیگم کی حویلی کہتے ہیں) ریلوے برج سے قبل تالاب کٹہ قرب مسجد قباء واقع ہے۔ اسی مناسبت سے سید عباس متقی راقم الحروف کو نہ صرف باری کی سنت سے آگاہ کرنے کی غرض سے بلکہ اپنی موجودگی کی اطلاع دینے کے لیے ان ہی دو مساجد یعنی مسجد عثمان غنیؓ 'بڑی بیوی کا مکان' مسجد قباء 'چھوٹی بیوی کا مکان' کا سہارا لیتے ہیں۔

(۳) محترمہ رفیع رؤف، یہ وہی خاتون ہیں جو شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ میں پروفیسر کے عہدے پر فائز رہ کر اپنی خدمات سے بحسن وخوبی وظیفے پر سبک دوش ہوئی تھیں، اب انتقال کر چکی ہیں۔

(۴) راقم الحروف انٹرویو مورخہ ۲۵؍دسمبر ۲۰۱۵ء کو یہ بات بتائی۔

(۵) بحوالہ مضمون 'والدہ کی الماری' مشمولہ ٹک ٹک دیدم ص ۲۱

(۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۳۔۲۴

(۷) سرکاری ملازمیں، شاعروں، ادیبوں، نقادوں، محققوں، نام ور شخصیتوں بالخصوص اردو زبان وادب سے تعلق رکھنے والے اسکالروں کی تاریخ پیدائش میں اختلاف رائے پائی جاتی ہے اور اصل تاریخ پیدائش کو پردۂ خفا میں رکھا جاتا ہے جس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک تو وہ جو عموماً والدین یا اکابرینِ خاندان کی ناخواندگی کے سبب ایسا کیا جاتا ہے اور دوسرے اسکولوں میں شریک کروانے کے لیے مطلوبہ تاریخ لکھوائی جاتی ہے لیکن سید عباس متقی کے ہاں اسکول کے اسنادات، پاس پورٹ (نمبر A7534223) پین کارڈ

(Permanent Account Number:AEYPA7785C) موصوف کی مطبوعہ کتابوں کے تعارفِ مصنف کے تحت اور دیگر اہم دستاویزات میں تاریخ پیدائش ۱۷؍جنوری ۱۹۵۳ء ہی مرقوم ہے۔

(۸) راقم الحروف کو سید عباس متقی نے اپنے ایک انٹرویو مورخہ ۲۷؍دسمبر ۲۰۱۵ء کو بمقام مکان مسجد عثمانِ غنیؓ میں یہ بات بتائی۔

(۹) ایضاً ایضاً ایضاً

(۱۰) ایضاً ایضاً ایضاً

(۱۱) سید عباس متقی نے اپنے لڑکپن کی یادوں کو سمیٹتے ہوئے بتایا کہ جب ان کے مشفق و مہربان استاد جناب سعد الدین قریشی کا تبادلہ دانیو پروگریسیو ہائی اسکول سے خواجہ ہائی اسکول گلبرگہ ہوگیا اور وہ مدرسے کو خیرباد کہہ کر جانے لگے تو اس وقت سید عباس متقی نے ایک نظم کہی تھی جس کی ردیف ''آپ کے بعد'' تھی جب کہ وہ نہم جماعت کے طالب علم تھے۔ انھوں نے بتایا کہ ان کے پڑوسی اور بزرگ دوست محمد بھائی جواب پروفیسر بیگ احساس کے نام سے جانے جاتے ہیں، کے ہاں اس نظم کو لے گئے اور خواہش ظاہر کی کہ وہ خوش خط اس نظم کو تحریر فرمادیں چناں چہ بیگ احساس نے ان کی خواہش پر اس نظم کو دیدہ زیب انداز سے لکھ دیا جسے عباس متقی نے فریم کروا کر اپنے استاد کی نذر کی۔افسوس کہ وہ نظم دست بردِ زمانہ کی نذر ہوگئی۔

(۱۲) مضمون 'شیطان سے ایک ملاقات' میں اپنے تخلص متقیؔ اختیار کرنے کی بابت شیطان سے مکالمے کی شکل میں جو باتیں کہی ہیں وہ انسان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہیں کہ قدرے وقفے سے حضرت ابلیس نے کہنا شروع کیا میاں متقی محض نام رکھ لینے سے کوئی متقی ہو نہیں جاتا، اب تم سے کیا کہوں تمہارے تخلص میں بھی بندے کا ہاتھ ہے۔ہمیں حیرت ہوئی تو کہنے لگے، احساس تقوی نے تمہیں ایسا تخلص رکھنے پر مجبور کیا اور تمہیں احساس دلانے والا کون تھا، میں ہی تو تھا، میں نے ہی تو تمہارے دل میں یہ احساس ڈالا کہ تم زاہد ہو، متقی ہو، اللہ والے ہو، اطاعت گزار ہو، پھر میں نے تمہیں تمہاری عبادات، اذکار، اوراد، افعال،

عادات ، اطوار یاد دلائے ، میں نے تمھیں ذرا یاد دلایا اور تم نے پورا سبق ہی اپنے آپ دھرا لیا اور فوراً ہی اپنا تخلص بھی رکھ لیا ’’متقی ‘‘۔ یہ انا کی پہلی سیڑھی تھی جس پر میں نے تمھیں سہارا دے کر کھڑا کیا تھا ، اب ماشاء اللہ تمہارے پاؤں انانیت کی دہلیز پر جم چکے ہیں ، اب میرے سہارے کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی ۔ اب دیر نہیں کہ تم میں وہ سب کچھ پیدا ہو جائے گا جس کا میں عرصے دراز سے متمنی ہوں ۔ جناب ابلیس کی یہ بات سن کر ہم نادم ہو گئے اور اپنے تخلص کو بدل دینے کی بابت غور کرنے لگے ۔ کہنے لگا اب کوئی فائدہ نہیں ، کافی دیر ہو چکی ہے ۔ بحوالہ ہیں کوا کب کچھ ص ۱۰۱

(۱۳) راقم الحروف کو سید عباس متقی نے اپنے ایک انٹر ویو مورخہ ۲۷ / دسمبر ۲۰۱۵ء کو بمقام مکان مسجد عثمانِ غنیؓ میں ان خیالات کا اظہار کیا ۔

(۱۴) سید عباس متقی کے نجی ریکارڈ سے دستیاب شدہ قصیدہ ۔

(۱۵) ایضاً ایضاً ایضاً

(۱۶) حافظ محمد مصباح الدین طاہر کے غیر مطبوعہ خاکے ’’ڈاکٹر سید عباس متقی ایک ادب نواز و بذلہ سنج شخصیت ‘‘ سے ماخوذ ۔

(۱۷) راقم الحروف کو سید عباس متقی نے اپنے ایک انٹر ویو مورخہ ۲۷ / دسمبر ۲۰۱۵ء کو بمقام مکان مسجد عثمانِ غنیؓ میں یہ بات بتائی ۔ جس وقت انھوں نے زمانہ رنگین کا ذکر چھیڑا وہ واقعی نویں جماعت کا عاشق نظر آرہے تھے ۔

(۱۸) مضمون ’’میرا مزاج لڑکپن سے احمقانہ ہے ‘‘ مشمولہ ٹک ٹک دیدم ۲۰۱۱ء ص ۱۰ ۔

(۱۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۴ ۔

(۲۰) ولی الدین صاحب لائق آدمی تھے لیکن بلانوشی نے انھیں خراب کر دیا تھا ، جہاں بھی جس بیٹی کے پاس رہتے تھے اس گھر میں لڑائی ہوتی تھی ۔

(۲۱) راقم الحروف کو دیے گئے انٹر ویو مورخہ ۲۹ / دسمبر ۲۰۱۵ء کو بمقام مکان مسجد عثمانِ غنیؓ سید عباس متقی نے یہ بات بتائی ۔

(۲۲) سید عباس متقی کے غیر مطبوعہ مضمون ’’رنگ لائے گی یہ مخطوطہ شناسی اپنی ‘‘ سے ماخوذ ۔

(۲۳)ایضاً ایضاً ایضاً۔

(۲۴)اوکسفر ڈ انگلش اردو ڈکشنری از شان الحق حقی سنہ اشاعت ۲۰۰۳ء ص ۱۱۷۷۔

(۲۵)سید عباس متقی کے غیر مطبوعہ مضمون ''رنگ لائے گی یہ مخطوطہ شناسی اپنی'' سے ماخوذ۔

(۲٦)The Bonafide Certificate issued by Prof.Aziz Bano, Prof. & Head, Department of Persian,Maulana Azad National Urdu University with Signature & head seal.

(۲۷)راقم الحروف کو سید عباس متقی نے اپنے ایک انٹرویو مورخہ ۳۰ر دسمبر ۲۰۱۵ء کو بمقام مکان مسجد عثمانِ غنیؓ میں یہ بات بتائی۔

(۲۸)ایضاً ایضاً ایضاً۔

(۲۹)ایضاً ایضاً ایضاً۔

(۳۰) تصدیق نامے کو محمد فضل الرحمٰن رحمانی صدر مدرس جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد نے جامعہ ہذا کے لیٹر ہیڈ پر کتابت کروا کر اپنی دستخط اور مہر کے ہمراہ مجاریہ نمبر ۳۷۲/۲ تاریخ ندارد، جاری کیا ہے۔ لیٹر ہیڈ پر مدرسے کا مکمل پتا فاضل آباد، جہاں نما، پوسٹ فلک نما حیدرآباد۔۵۰۰۲۵۳ درج ہے۔

(۳۱) آندھرا پردیش اسٹیٹ وقف بورڈ حیدرآباد حکومت ہند کی جانب سے جاری کردہ Marriage Certificate Dated:30-12-1998(2nd copy)Issue No.4974 & Serial No.13088 کی بموجب بوقت نکاح سید عباس متقی ولد سید محمد کی عمر ۲۲ سال، قومیت ہندوستانی، پیشے کے خانے میں طالب علم اور پتے کے خانے میں دبیر پورہ حیدرآباد درج ہے جب کہ اکرم النساء بنت محمد ولی الدین صدیقی کی عمر ۱۸ سال، قومیت ہندوستانی، پیشہ امور خانہ داری اور پتے کے خانے میں دبیر پورہ حیدرآباد لکھا ہوا ہے۔ تاریخ نکاح ۲۰ر اپریل ۱۹۷۲ء اور Marriage record No.41638/98 Dated:20-04-1972 انچارج چیف ایگزیٹیو آفیسر کی دستخط ثبت کی ہوئی ہے۔

(۳۲)راقم الحروف کو ڈاکٹر سید عباس متقی نے ۲٦ر جنوری ۲۰۱٦ء کو اپنے انٹرویو بمقام منجلی بیگم کی حویلی میں یہ بات بتائی۔

(۳۳) راقم الحروف کو ڈاکٹر سید عباس متقی کی بڑی اہلیہ محترمہ اکرم النساء صاحبہ سے ان کے مکان واقع مسجد عثمان غنیؓ میں مورخہ ۲۸؍ جنوری ۲۰۱۶ء کو اپنے انٹرویو میں یہ بات بتائی۔

(۳۴) ایضاً ایضاً ایضاً۔

(۳۵) راقم الحروف کو ڈاکٹر سید عباس متقی نے ۲۶؍ جنوری ۲۰۱۶ء کو اپنے انٹرویو بمقام منجلی بیگم کی حویلی میں یہ بات بتائی۔

(۳۶) سید عباس متقی نے قطعہ تاریخ سے متصف ایک نظم بھی اپنے خسر کے شعری مجموعے ''دشت جنون'' پر تحریر کی تھی جسے سید عباس متقی نے اپنے دونوں مکانات میں ڈھونڈا اوران کی منجلی اہلیہ نے اپنے میکے میں تلاش کیا جبکہ راقم الحروف نے سید عباس متقی کے نجی کتب خانے میں بارہا تلاش کیا لیکن ناکام رہے۔

(۳۷) طلعت النساء بیگم نے اپنے خاوند کے روبرو راقم الحروف کو مورخہ ۱۰؍ فروری ۲۰۱۶ء کو اپنے ہی مکان میں ان معلومات سے بہرہ مند کیا۔

(۳۸) راقم الحروف کو ڈاکٹر سید عباس متقی کی بڑی اہلیہ محترمہ اکرم النساء صاحبہ سے ان کے مکان واقع مسجد عثمان غنیؓ میں مورخہ ۲۸؍ جنوری ۲۰۱۶ء کو اپنے انٹرویو میں یہ بات بتائی۔

(۳۹) محترمہ عائشہ بیگم کا مورخہ ۱۷؍ دسمبر ۲۰۰۴ء میں عارضۂ قلب کی وجہ سے انتقال ہوگیا اور انتقال کے وقت دونوں لڑکے بہت چھوٹے تھے۔

(۴۰) بحوالہ غیر مطبوعہ خاکہ بنام ''خاکہ متقی'' بقلم ڈاکٹر ایم۔ اے نعیم فیضی۔

(۴۱) ایضاً ایضاً۔

(۴۲) راقم الحروف کو ڈاکٹر سید عباس متقی نے ۱۴؍ جنوری ۲۰۱۶ء کو اپنے انٹرویو بمقام منجلی بیگم کی حویلی میں یہ بات بتائی۔

(۴۳) سید عباس متقی کہتے ہیں کہ جب یہ ماجرہ ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال کو سنایا تو انھوں نے خوب مزے لیے اور ماہنامہ شگوفہ حیدرآباد کے شمارے (۱۱) اور جلد (۳۷) یعنی نومبر ۲۰۰۴ء کے ص ۱۴ پر شائع بھی کیا۔

(۴۴) Death Report MCH کے بموجب محترمہ عائشہ بیگم زوجہ سید عباس متقی کا بعمر ۳۰ سال مورخہ ۱۷/دسمبر ۲۰۰۴ء کو عارضۂ قلب (Cardio-Pulmonary arrest) کی وجہ سے انتقال ہوگیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ڈاکٹر ایم۔آئی۔اے۔خاں نے رپورٹ تیار کی۔

(۴۵) سید عباس متقی نے اس ''مرثیۂ عائشہ'' کو اپنے فارسی کلام پر مشتمل کتاب 'مینا بدوش' سنہ اشاعت ۲۰۱۳ء ص ۶۸ میں شائع کیا ہے۔

(۴۶) راقم الحروف کو ڈاکٹر سید عباس متقی کی بڑی اہلیہ محترمہ اکرم النساء صاحبہ سے ان کے مکان واقع مسجد عثمان غنیؓ میں مورخہ ۲۸/جنوری ۲۰۱۶ء کو اپنے انٹرویو میں یہ بات بتائی۔

(۴۷) ناقص الطرفین روزنامچہ کے چند اوراق جس میں سید عباس متقی نے اپنی اجمالی طور پر سوانحی کوائف بیان کیے ہیں، جس میں انھوں نے اپنے بچوں کی تواریخ پیدائش بھی قمری اور شمسی مہینوں کے ساتھ سال بھی لکھ چھوڑے ہیں، سے ماخوذ۔

(۴۸) یہ وہی مظہر خوش نویس ہیں جن کے پاس سید عباس متقی نے فنِ خوش نویسی کے گر سیکھے ہیں اور جو استاد ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے سمدھی بھی ہوتے ہیں۔

(۴۹) ناقص الطرفین روزنامچہ کے چند اوراق جس میں سید عباس متقی نے اپنی اجمالی طور پر سوانحی کوائف بیان کیے ہیں، جس میں انھوں نے اپنے بچوں کی تواریخ پیدائش بھی قمری اور شمسی مہینوں کے ساتھ سال بھی لکھ چھوڑے ہیں، سے ماخوذ۔

(۵۰) ایضاً ایضاً ایضاً۔

(۵۱) ناقص الطرفین روزنامچہ کے چند اوراق جس میں سید عباس متقی نے اپنی اجمالی طور پر سوانحی کوائف بیان کیے ہیں، جس میں انھوں نے اپنے بچوں کی تواریخ پیدائش بھی قمری اور شمسی مہینوں کے ساتھ سال بھی لکھ چھوڑے ہیں، سے ماخوذ۔

(۵۲) ایضاً ایضاً ایضاً۔

(۵۳) ایضاً ایضاً ایضاً۔

(۵۴) اے۔پی اسٹیٹ حج کمیٹی حیدرآباد سے موصولہ مراسلہ نمبر AP/14/Haj/92 تاریخ 12-01-1992 سے ماخوذ۔

(۵۵) حافظ محمد مصباح الدین طاہر کے غیر مطبوعہ خاکے ''ڈاکٹر سید عباس متقی ایک ادب نواز و بذلہ سنج شخصیت'' سے ماخوذ۔

(۵۶) راقم الحروف کو دیے گئے انٹرویو مورخہ ۲۹/ دسمبر ۲۰۱۵ء کو بمقام مکان مسجد عثمانِ غنیؓ سید عباس متقی نے یہ بات بتائی۔

(۵۷) بحوالہ بیسٹ اردو ٹیچر ایوارڈ جاری کردہ اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش (خود مختار ادارہ حکومت آندھرا پردیش) حیدرآباد، حوالہ نمبر 137/C/BUTA/UAAP/07-08 بتاریخ 06-06-2009:

(۵۸) بحوالہ توصیف نامہ کارنامہ حیات ایوارڈ (مجموعی خدمات) جاری کردہ اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش (خود مختار ادارہ حکومت آندھرا پردیش) حیدرآباد جس پر ڈائرکٹر سکریٹری اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی دستخط ثبت ہے اور تاریخ: ۲۰/ جولائی ۲۰۱۲ء لکھی ہوئی ہے۔

(۵۹) کارنامۂ حیات ایوارڈ مشمولہ ناگفتہ بہ۔۲۰۱۳ء ص ۵۹۔

(۶۰) ''بھارت رتن'' کے ہم مستحق ہیں مشمولہ ہیں کو اکب کچھ۔۲۰۰۸ص ۱۲۳۔

(۶۱) Standard Twentieth Century Dictionary Urdu Into English Page number 401.

(۶۲) سید عباس متقی سے نجی انٹرویو مورخہ ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۵ء کے دوران یہ عقدہ کھلا۔

(۶۳) سید عباس متقی نے اپنے ایک نجی انٹرویو مورخہ ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۵ء کو یہ بات بتائی۔

(۶۴) راقم الحروف نے بھی ایک دفعہ ڈاکٹر سید عباس متقی کے ساتھ اس بینک پر حاضری دی ہے اور مینیجر نے کہا کہ عبدالمصور اسی یونیورسٹی کا طالب علم رہ چکا ہے۔اس کے بارے میں یونیورسٹی کو اطلاع دی گئی ہے۔یونیورسٹی کے ذمے داروں نے اس بات کا تیقن دیا کہ اس شخص سے رقم وصول ہونے کے بعد ہی ٹرانسفر سرٹیفیکٹ جاری کیا جائے گا۔

(۶۵) ڈاکٹر شیخ سعدی ارشد نے اپنے ایک انٹرویو مورخہ یکم جنوری ۲۰۱۶ء میں راقم الحروف کو یہ بات بتائی۔

(۶۶) ڈاکٹر ایم۔اے نعیم فیضی نے اپنے ایک انٹرویو مورخہ ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۵ء میں راقم الحروف کو یہ بات بتائی۔

(۶۷) شاکر بھائی نے اپنے ایک انٹرویو مورخہ ۳۰؍دسمبر ۲۰۱۵ء میں راقم الحروف کو یہ بات بتائی۔

(۶۸) ان نظموں کو سید عباس متقی کے فارسی شعری مجموعے ''مینا بدوش'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(۶۹) بحوالہ غیر مطبوعہ خاکہ بنام ''خاکہ متقی''، بقلم ڈاکٹر ایم۔اے نعیم فیضی۔

(۷۰) ایضاً ایضاً ایضاً۔

(۷۱) ناقص الطرفین روزنامچہ کے چند اوراق جس میں سید عباس متقی نے اپنی اجمالی طور پر سوانحی کوائف بیان کیے ہیں۔

(۷۲) مضمون ''ہم نے لوری سنائی''، روزنامہ منصف حیدرآباد میں مورخہ ۲۰؍نومبر ۲۰۱۴ء کو شائع ہوا۔ راقم الحروف نے سید عباس متقی سے اس کتاب کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت چاہی کہ جنھوں نے مجھ سے اجازت لی تھی میں ان کا نام بھول گیا اور ان کا موبائیل نمبر بھی محفوظ نہیں کر سکا۔ جب بھی وہ صاحب مجھ سے رجوع ہوں گے یا کسی وسیلے سے کتاب مجھ تک پہنچے گی میں آپ کو ضرور دکھاؤں گا۔

(۷۳) راقم الحروف کو ڈاکٹر سید عباس متقی نے ۱۴؍جنوری ۲۰۱۶ء کو اپنے انٹرویو بمقام منجلی بیگم کی حویلی میں یہ بات بتائی۔

(۷۴) ناقص الطرفین روزنامچہ کے چند اوراق جس میں سید عباس متقی نے اپنی اجمالی طور پر سوانحی کوائف بیان کیے ہیں۔

(۷۵) ایضاً ایضاً ایضاً۔

(۷۶) ناقص الطرفین روزنامچہ کے چند اوراق جس میں سید عباس متقی نے اپنی اجمالی طور پر سوانحی کوائف بیان کیے ہیں۔

(۷۷) ایضاً ایضاً ایضاً۔

(۷۸) ایضاً ایضاً ایضاً۔

(۷۹) سید عباس متقی کو توثیق قاری النکاح درگز رسعید آباد تحت قضائت سرکار قلعہ محمد نگر بارہ محلات مورخہ ۱۴؍ذالحجہ ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۷؍جون ۱۹۹۱ء موصول ہوا تھا۔ جس کی کاپیاں سید عباس متقی کے علاوہ جناب معتمد صاحب محکمے مال وقف سکریٹریٹ حکومت آندھرا پردیش اور جناب

معتمد صاحب اسٹیٹ وقف بورڈ آندھرا پردیش کو بھی پہنچائی گئیں تھیں۔ دارالاقضاء کے لیٹر ہیڈ پر نشان مثل کاتب نمبر ۸۰، نشان مثل مکتوب الیہ نمبر ۶ اور نشانہ مجاریہ نمبر ۹۸۰ درج ہے۔

(۸۰) راقم الحروف کے ایک سوال پر کہ آیا ناچیز نے لوگوں سے سنا ہے کہ آپ جامعاتی سطح پر لکھے جانے والے مقالوں کو کثیر رقم لے کر رقم کرتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ کے جواب میں یہ بات بتائی۔

(۸۱) ناقص الطرفین روزنامچہ کے چند اوراق جس میں سید عباس متقی نے اپنی اجمالی طور پر سوانحی کوائف بیان کیے ہیں۔

(۸۲) ایضاً ایضاً ایضاً۔

(۸۳) بحوالہ سید عباس متقی کے نجی کتب خانے سے موصولہ غیر مطبوعہ خاکہ جو خودان پر لکھا گیا ہے بنام ''سید عباس متقی: منفرد شخصیت، مختلف پہلو'' از محمد حمید الدین (ریشم باغ)۔

(۸۴) راقم الحروف کو سید عباس متقی نے اپنے ایک انٹرویو مورخہ ۱۱رجنوری ۲۰۱۶ء کو بمقام مکان مسجد عثمانِ غنیؓ میں یہ بات بتائی۔

﴿دوسرا باب﴾

سید عباس متقی کی علمی خدمات

مال و زر کچھ بھی نہیں لعل و گہر کچھ بھی نہیں
چاہیے بس پختگی اے متقی کردار میں
سید عباس متقی

اس باب میں ہم سید عباس متقی کی تدریسی اور علمی خدمات کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

علمی خدمات کی ابتدا:

ڈاکٹر عباس متقی جب ساتویں جماعت میں تھے تو ٹیوشن پڑھایا کرتے تھے۔یہیں سے ان کی علمی خدمات کا آغاز ہوتا ہے۔اس کے بعد ان کے ایک دوست جناب شفیق پرویز نے اپنے وثوق سے مولوی تقی الدین صاحب کے مدرسے ’نوا پرائمری اسکول‘ میں مدرس کی جائیداد پراُن کا تقرر کروایا۔سید عباس متقی اس ضمن میں کہتے ہیں کہ اُنھیں اچھی طرح یاد ہے کہ جب وہ ساتویں جماعت میں تعلیم پا رہے تھے اور ٹیوشن بھی پڑھایا کرتے تھے۔اس کے بعد اُن کا تقرر مولانا حمید الدین عاقل حسامی صاحب کے مدرسے میں مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۸۰ء کو بحیثیت مدرس ہوا اور تقریباً سات سال تک وہ وہاں اردو پڑھاتے رہے۔

ڈاکٹر عباس متقی نے اے۔کے۔ایم اورینٹل پی جی کالج (ایوننگ) کاچی گوڑہ حیدرآباد، مسلمہ حکومت آندھراپردیش وملحقہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد جو کہ انجمن خادم المسلمین کی جانب سے چلایا جانے والا ایڈیڈ کالج ہے، میں چار تعلیمی سالوں (۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۷ء) تک بحیثیت اردو لکچرر بلامعاوضہ خدمت انجام دی۔

سرکاری مدارس:

ڈاکٹر عباس متقی نے اپنے شباب کا ایک معتد بہ زمانہ اِدھر اُدھر خانگی مدرسوں میں پڑھاتے ہوئے گزار دیا۔بعد ازاں ۱۹۸۸ء میں انھیں اردو پنڈت گریڈ II کی ملازمت مل گئی اور ان کا تقرر گورنمنٹ ہائی اسکول سیتارام پیٹ حیدرآباد میں ہوگیا۔وہاں پر وہ تدریسی

خدمات انجام دیتے رہے اور مدتوں بعد ۱۰/اکتوبر ۲۰۰۹ء کو انھیں گریڈ II سے گریڈ I پر ترقی دی گئی۔اس سلسلے میں ۹/اکتوبر ۲۰۰۹ء کو انھیں ان کی خدمات کے اعتراف میں گریڈ II سے گریڈ I میں ترقی دیے جانے کے تعلق سے ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل آفیسر ضلع حیدرآباد کی جانب سے خط موصول ہوا جس میں سید عباس متقی اردو پنڈت کو گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول مغل پورہ نمبر ۳ چار مینار منڈل سے اسکول اسسٹنٹ اردو کی حیثیت سے گورنمنٹ ہائی اسکول مغل پورہ نمبر ۳ چار مینار زون میں مورخہ ۱۰/اکتوبر ۲۰۰۹ء کو جائزہ لینے کی ہدایت دی گئی۔حکم نامہ ملاحظہ فرمائیے:

> ".....You are requested to join on relief in the new promotion post on 10-10-2009. Failing which they will for feit their right for promotion in the present and in the furture as per G.O. Ms. No. 193 GAD dt:23-04-1999.The Concerned Head Master/Mandal Educational Officer is requested to relieve the above teacher immediately with instructions to join at their new post."(۱)

اس کے بعد سید عباس متقی جنوری ۲۰۱۱ء کو یہیں سے وظیفۂ حسن خدمت پر سبک دوش ہو گئے۔

نصابی کتب:

ڈاکٹر عباس متقی نے نصابی کتابوں کی تیاری کے سلسلے میں بھی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔جب وہ گورنمنٹ اپّر پرائمری اسکول سیتارام پیٹ ،نٹراج نگر، حیدرآباد میں تدریسی خدمت انجام دے رہے تھے تب انھیں ڈائرکٹر اسکول ایجوکیشن حکومت آندھرا پردیش حیدرآباد کی جانب سے جماعت ہشتم کے زبان اول (اردو) کی نصابی کتب مرتب کرنے کے سلسلے میں حکم نامہ موصول ہوا جو درجِ ذیل ہے:

> "The Director of School Education, A.P., Hyderabad is pleased to appoint provisionally the following Writers/Editors for the prepration of the manuscripts/Textbook(s) of Classes VI Urdu Media 1st Language according to the MEP 1986 for introduction during the year under the scheme of Nationalistation of Text books."(۲)

دراصل یہ حکم نامہ بحیثیت مرتبین سید عباس متقی ایم۔اے،ایم۔فل، پی ایچ۔ڈی، کے

ساتھ محمد نسیم الدین فریسؔ ایم ۔اے ، بی ۔ایڈ ، ایم ۔فل ، اسکول اسسٹنٹ گورنمنٹ پرائمری اسکول سیتارام باغ ، قدیم فیل خانہ ، ملا پلی ، حیدرآباد کو بھی موصول ہوا علاوہ ازیں محترم ملک ساغر حسین ایم ۔اے ۔، ایم ۔ایڈ لکچرر آندھرا مہیلا سبھا کالج آف ایجوکیشن عثمانیہ یونیورسٹی کیمپس کو ایڈیٹر کی حیثیت سے منتخب کیا گیا تھا۔

اس طرح جہد مسلسل اور بچوں کی نفسیات کے پیش نظر ''اردو کی چھٹی کتاب'' کے نام سے جماعت ششم کے لیے زبان اول اردو کی ریڈر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ جس کی پہلی اشاعت ۱۹۹۴ء میں عمل میں آئی ۔اس طرح دوسری ۱۹۹۵ء، تیسری ۱۹۹۷ء، چوتھی ۱۹۹۸ء، پانچویں ۱۹۹۹ء، چھٹی ۲۰۰۰ء، ساتویں ۲۰۰۱ء، آٹھویں ۲۰۰۳ء، نویں ۲۰۰۴ء، دسویں ۲۰۰۵ء اور گیارھویں ۲۰۰۶ء میں شائع ہوکر نصابی تکمیل کو پورا کرتی رہی۔ ممکن ہے ۲۰۰۶ء کے بعد بھی اس کی اشاعتیں ہوئی ہوں، لیکن راقم الحروف کو جو نسخہ دستیاب ہوا ہے اس کی رو سے ۲۰۰۶ء آخری اشاعت قرار پاتی ہے۔

کتاب 60GSM سفید کاغذ پر شائع کی گئی ہے ۔سرورق 140GSM سفید کاغذ پر تیار کیا گیا ہے، جس کے اگلے ورق پر جلی حروف میں ''اردو کی چھٹی کتاب'' اس کے نیچے مرتبین اور مرتبین کی حیثیت سے دائیں جانب ڈاکٹر سید عباس متقی ایم ۔اے ، ایم ۔فل ، پی ایچ ۔ڈی ۔ اور بائیں جانب نسیم الدین فریسؔ ایم ۔اے ، بی ۔ایڈ ، ایم ۔فل ۔لکھا ہوا ہے اور ان دونوں ناموں کے نیچے مزید جلی حروف میں ایڈیٹر اور ایڈیٹر کی حیثیت سے ملک ساغر حسین ایم ۔اے ، ایم ۔ایڈ لکچرر آندھرا مہیلا سبھا کالج آف ایجوکیشن اور اس کے نیچے دائیں طرف آرٹسٹ کا نام ایڈورڈ راجو اور بائیں طرف کتابت کرنے والے محمد نورالدین تحریر ہے ۔آرٹسٹ اور کتابت کے بیچوں بیچ ایک لوٹا نما تصویر ہے جس پر بیل بوٹے اور اس کے منہ پر ناریل رکھا ہوا ہے جس کے دونوں طرف ناریل کے چھلکے اس طرح تراشے گئے ہیں جس طرح موز کے نیم چھلکے اتارے جاتے ہیں ۔کتاب کے سرورق پر سب سے نیچے زیر نگرانی : اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش اور اس کے مساوی نیچے ناشر : حکومت آندھرا پردیش ، حیدرآباد جلی حروف میں کتابت کیا گیا ہے جس کے فوراً نیچے آخری عبارت ایک مستطیل خانے میں "Free Distribution A.P. Government" لکھ دیا گیا ہے تاکہ شہریوں کو پتا چلے کہ یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی

جانب سے اسکولوں میں مفت فراہم کی جاتی ہے۔

کتاب کی تدوین اور موضوع میں تنوع پیدا کرنے کی غرض سے مرتبین کے علاوہ ایک چیف ایڈیٹوریل بورڈ کی تشکیل کی گئی ہے جس میں ڈاکٹر اشرف رفیع پروفیسر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی صدر کی حیثیت سے ہیں جب کہ ڈاکٹر علی احمد جلیلی رکن اور محمد مسعود بن سالم اسپیشل آفیسر اردو رکن کے نام نامی کو صفحہ نمبر vi پر لکھ دیا گیا ہے۔

صفحہ نمبر viii پر نصاب میں شامل نثری اور شعری موضوعات کی فہرست دی گئی ہے اور خانوں کی مدد سے بتایا گیا ہے کہ کس مہینے میں کیا کیا پڑھایا جائے اس طرح جون تا مارچ کا سارا منصوبہ تیار کر دیا گیا ہے تا کہ معلمین کو عمل آوری کے لیے بغلیں جھانکنے کی ضرورت نہ رہے۔

نصاب کو ترتیب دیتے وقت حصہ شاعری میں ایک غزل اور سات نظمیں۔

(۱) حمد۔

(۲) ایک زندہ زبان ہے اردو۔

(۳) ہمارا ہندوستان۔

(۴) ایک گائے اور ایک بکری۔

(۵) جھینگر اور شہد کی مکھیاں۔

(۶) برسات کی بہاریں اور

(۷) بہار کے موضوعات پر نظمیں شامل ہیں۔

علاوہ ازیں نظم کی ایک اور صنف رباعیات بھی شامل ہیں۔

حصہ نثر میں حیدرآباد کی سیر،

امیر خسرو،

سری رام ساگر پراجکٹ،

مرزا نے کرکٹ کھیلا،

گول گنبد،

خان عبدالغفار خاں،

چاند کا سفر،

شہد کی مکھی،

متوازن غذا،

دوردرشن،

انصاف کی چھڑی،

پودوں کی اہمیت،

گرونا نک،

ایک وصیت،

بی اماں،

صبح کی آمد اور

قومی یک جہتی جیسے موضوعات کو شامل کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں ایک وہمی نامہ ڈراما اور کہاوتیں نصاب میں شامل کر کے مضامین میں تنوع کو یقینی بنایا گیا ہے۔

اس طرح کتاب ۱۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ سید عباس متقی اور نسیم الدین فریسؔ (موجودہ پروفیسر آف اردو اور ڈین اسکول آف لینگویجس ،لنگوسٹکس اینڈ انڈولوجی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی) نے بچوں کی نفسیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور ان کے معیار کے پیش نظر نصاب کو مرتب کیا ہے جس میں ایک طرف اللہ کی حمد وثنا کی جارہی ہے تو دوسری طرف سکھوں کے پیشوا گرو نانک سے بھی واقف کروایا جارہا ہے۔

جہاں بچوں میں اردو زبان کو ایک زندہ زبان ہے کا نعرہ دیا جارہا ہے وہیں وطن سے محبت کا سبق بھی پڑھایا جارہا ہے۔ کتاب میں ایک طرف اردو شاعری غزل، نظم اور نظم کی دیگر صنف رباعیات شامل کر کے بچوں کے اخلاق کو سنوارا جارہا ہے تو دوسری طرف نظموں کا انتخاب عین بچوں کی سمجھ بوجھ اور لیاقتوں کے تار چھیڑتا ہے۔

بچوں کو اپنے پیشواؤں اور رہنماؤں سے بھی تعارف کرایا گیا ہے جن میں امیر خسرو، خان عبدالغفار خاں، بی اماں نہایت اہم مضامین ہیں۔

تاریخ و جغرافیہ ہندوستان کے بعض گوشوں کو وا کرتے ہوئے گول گنبد، حیدر آباد کی سیر اور سری رام ساگر پراجکٹ کو شامل کرلیا گیا ہے۔

سائنس کے موضوعات میں شہد کی مکھی، متوازن غذا، پودوں کی اہمیت اور صبح کی آمد نہایت جامع موضوعات ہیں۔

طلبہ میں قومی یک جہتی کا درس نہایت ضروری ہے کیوں کہ آج کے بچے کل کا مستقبل ہوتے ہیں۔ ہمارا ملک سیکولر ہے اور سیکولرزم کے لیے قوم ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ کھیل کود سے متعلق مرزا نے کرکٹ کھیلا اہم اور سائنسی، سیاسی، سماجی شعور بیدار کرنے کے لیے چاند کا سفر، ایک وصیت، انصاف کی چھڑی، دوردرشن اور سری رام ساگر پراجکٹ قابل ذکر ہیں۔

اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی نگرانی میں حکومت آندھرا پردیش حیدر آباد کی جانب سے شائع کردہ کتاب ''اردو زبان کی پہلی کتاب'' جسے جناب مظہر رضا اور ڈاکٹر بیگ احساس نے مرتب کیا تھا اور جس کے ۱۹۹۴ء تا ۲۰۰۵ء بارہ ایڈیشن منظر عام پر آئے تھے، میں سید عباس متقی کی ایک نظم ''چڑیا گھر'' شامل نصاب ہے۔ اسباق کی ترتیب کے لحاظ سے یہ نظم پندرھواں سبق قرار پاتی ہے۔ آرٹسٹ ایڈورڈ راجو نے نہایت ہی پرکشش ہاتھی، چیتا، گینڈا، دریائی گھوڑے اور پنجرے میں مقید ببر اور اپنے پروں کو کھولے مور کی تصاویر تیار کی ہیں جب کہ کاتب محمود سلیم نے اشعار کو جلی حروف میں خوش نویسی کی ہے۔ نظم کے اشعار اس طرح ہیں۔

ابا چڑیا گھر لے جانا — ہاتھی چیتا شیر دِکھانا
پیاری چڑیوں کا وہ گانا — چڑیا گھر لے جاکے سنانا
یہ دریائی گھوڑا ہے — یہ گینڈے کا جوڑا ہے
یہ لنگور ہیں یہ بندر ہیں — یہ سب پنجروں کے اندر ہیں
یہ ہرنیں ہیں پیاری پیاری — قید میں لگتی ہیں دُکھیاری
اُلو، چیل، کبوتر، شکرا — بطخیں، قازیں، سارس، بگلہ

مور کو دیکھو ناچ رہا ہے ریچھ کو دیکھو بھاگ رہا ہے
چڑیا گھر میں سب حیواں ہیں شکر خدا کا ہم انساں ہیں

(۳)

سید عباس متقی کو نصابی کتابوں کی ترتیب جدید کے مواقع ملتے رہے چناں چہ اسسٹنٹ پراجکٹ ڈائرکٹر حکومت آندھرا پردیش جناب ایم ۔ ناگرجنا آئی اے ایس کی جانب سے ۱۲؍جون ۲۰۰۱ء کو آرڈر دستیاب ہوا جس میں A.P. DPEP. Hyderabad کی ہدایت پر Revision of Urdu Text Books کے لیے کارگاہ (Workshop) کے انعقاد اور اس میں شرکت کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ اقتباس اس طرح ہے:

> "The Editorial Board, Constituted to revise the Urdu Text Books of Primary Classes Proppsed a schedule of Workshop revise the Urdu Text Books of Primary Classes in the Workshop held on 28th, 29th, May 2001 in the conference hall, O/o the Director of School Education A.P. Hyderabad. In view of the above, the members of Editorial Board and Authors as shown in the Annexure (I) are requested to Attend the Workshop as shown in the Annexure (II) by 9:00 a.m at the above venue."(۴)

لیٹر کے مطابق Annexure I میں چیر پرسن ڈاکٹر اشرف رفیع اور چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے ڈاکٹر مصطفی کمال، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد کے اسمائے گرامی ہیں جب کہ ایڈیٹروں کے ناموں میں ڈاکٹر رحمت یوسف زئی اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد، جناب مسعود بن سالم ایجوکیشن کنسلٹنٹ، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد اور جناب ایم ۔ اے منان ڈائرکٹر اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش حیدرآباد ہیں۔

List of Writers, 3rd Text Book Urdu کی حیثیت سے ڈاکٹر نجم السحر لکچرر آئی اے ایس ای ۔ ماں صاحبہ ٹینک حیدرآباد، جناب سید اصغر حسین لکچرر ڈی آئی ای ٹی وقارآباد، ڈاکٹر عباس متقی اردو پنڈت گورنمنٹ بوائز پبلک اسکول مغل پورہ، حیدرآباد، جناب

خواجہ عمر مؤظف لکچرر اور محترمہ رفیعہ اعجاز صدیقہ سینیئر لکچرر ڈی آئی ای ٹی میدک کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

ڈاکٹر بی آر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی:

سید عباس متقی نے جہاں حکومت آندھرا پردیش کے اسکول ایجوکیشن کے لیے اپنی علمی خدمات دی ہیں وہیں انھوں نے ڈاکٹر بی آر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی کے لیے بھی خدمات انجام دی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انھیں صدر شعبہ اردو و کوآرڈینیٹر اردو میڈیم پروگرام جامعہ ہذا کی جانب سے ایک لیٹر موصول ہوا تھا جس میں انھیں بی۔اے سال دوم کے اردو نصاب میں شامل چار یونیٹوں پر کام کرنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ چناں چہ

اکائی ۷ رشید احمد صدیقی کے مزاحیہ مضمون چار پائی،

اکائی ۸ پروفیسر احمد بخاری پطرس کے طنزیہ و مضاحیہ مضمون کتّے،

اکائی ۹ کنہیالال کپور کے مضمون گھر یاد آیا اور

اکائی ۱۰ مشتاق احمد یوسفی کے مایہ ناز مضمون جنونِ لطیفہ پر خامہ فرسائی شامل ہے۔

اس سلسلے میں پہلی میٹنگ میں شرکت کے لیے کہا گیا اور انھیں چار یونٹ پر کام کرنے کی درخواست کی گئی۔ لیٹر سے اقتباس دیکھیے:

> "We seek your esteemed Co-Operation and help in devoloping our course meterial. I am by the direction of the Vice-Chancellor please to inform you that you have been nominated as course wirter for 2nd year B.A. Urdu to kindly accept our offer and attend the first meeting of the course team on 25-07-2001 at 11:00am in Dr.BRAOU Campus, Road No.46, Jublee Hills, Hyderabad. We have allotted you the following units for writing in self instructional style Units 7,8,9 and 10......"(۵)

اس طرح ڈاکٹر بی آر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی حیدرآباد کے تین سالہ ڈگری کورس میں سال دوم کے ''اردو ادب نثر'' بلاک i تا vi اور اکائی 1 سے 25 کا احاطہ کرتی ہے جس کے مدیر ڈاکٹر محمد شوکت حیات پروفیسر شعبۂ اردو ڈاکٹر بی۔آر۔امبیڈکر یونیورسٹی حیدرآباد ہیں۔

اس طرح یہ کتاب پہلی بار ۲۰۰۲ء میں شائع کی گئی دوسری مرتبہ ۲۰۰۵ء تیسری مرتبہ ۲۰۰۶ء چوتھی دفعہ ۲۰۰۹ء پانچویں ۲۰۱۰ء بارہشتم ۲۰۱۱ء اورنویں شائع کردہ تعداد ۸۰۰ کا پیاں ۲۰۱۳ء میں شائع ہوئیں۔ غالباً اس طرح ۲۰۱۴ء یا ۲۰۱۵ء میں بھی اشاعتیں عمل میں آئی ہوں گی لیکن ناچیز کی رسائی نہیں ہو پائی ہے۔

مسٹر چندرا کی گرافکس، اردو کمپوٹر کمپوزنگ محمد خواجہ مخدوم محی الدین نے کی ہے جب کہ جملہ حقوق ڈاکٹر بی۔آر۔امبیڈکر اوپن یونیورسٹی حیدرآباد اے۔پی انڈیا کے نام محفوظ ہیں اور واضح طور پر لکھا گیا ہے:

> ''اس کتاب کا کوئی حصہ کسی بھی شکل میں ڈاکٹر بی۔آر۔امبیڈکر اوپن یونیورسٹی کی تحریری اجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔''(۶)

ڈاکٹر عباس متقی کی تحریر کردہ اکائی نمبر ۷ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ رشید احمد صدیقی ہندوستان کے مشہور مزاح نگار ہیں۔ وہ بظاہر بہت سنجیدہ نظر آتے ہیں لیکن جب لکھتے ہیں تو ان کے قلم سے پھلجھڑیاں چھوٹنے لگتی ہیں۔

رشید احمد صدیقی کے مضمون ''چارپائی'' کو سمجھانے کے لیے ڈاکٹر عباس متقی نے زبان سادہ سہل اور رواں استعمال کی ہے تاکہ طلبہ وطالبات بہ آسانی سمجھ سکیں۔

ڈاکٹر عباس متقی کو اکائی ۸ پروفیسر احمد بخاری پطرس کے مضمون ''کُتّے'' کا فنی تجزیہ کرنے اور طلبہ میں مزاح کا ذوق پیدا کرنے کی غرض سے دیا گیا تھا۔ موصوف نے یہ ذمے داری بخوبی نبھائی ہے۔ انھوں نے خوب صورت انداز میں پروفیسر احمد بخاری پطرس کی مختصر حیات اوران کے ادبی کارناموں کا تعارف کرواتے ہوئے ان کے فن کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

چوں کہ ڈاکٹر عباس متقی فطرۃً بذلہ سنج واقع ہوئے ہیں، اس لیے انھوں نے اپنی تدریس کے طریقِ کار کو پُرمزاح بنانے کے لیے اس سبق کا آغاز ایک لطیفے سے کیا ہے۔ لطیفہ دیکھیے:

> ''ایک دن مرزا داغ دہلوی نماز پڑھ رہے تھے۔ ان کے ایک دوست ان سے ملنے چلے آئے۔ ملازمہ نے کہہ دیا کہ حضرت نماز پڑھ رہے ہیں یہ سن کہ وہ جانے لگے۔ نماز سے فارغ ہوکر داغ انھیں لینے لپکے اور کہا حضرت آپ جارہے ہیں۔ میں نماز پڑھ رہا تھا لاحول نہیں۔''(۷)

اس کے بعد انھوں نے پطرس بخاری کا مختصر تعارف اور کارناموں کا ذکر کر کے اس مضمون کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر عباس متقی نے کنہیا لال کپور کے مضمون ''گھر یاد آیا'' کو اکائی ۹ میں سمجھایا ہے جس میں کنہیا لال کپور نے اپنی طنز نگاری کے جوہر دکھائے ہیں اور کہیں کہیں مزاح کی چاشنی بھی پیدا کی ہے۔ یہ مضمون بمبئی اور بمبئی کے حالات پر طنز و مزاح کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ جس میں کنہیا لال کپور نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ بمبئی ایک خوب صورت شہر ہے لیکن وہاں کے لوگ اپنی مصروفیتوں کے باعث قدرے روکھے اور بے مہر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی اس مجبوری کے پیش نظر یہ مضمون منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ اس طرح اس مضمون میں ایک طرف ان سے ہمدردی دکھائی گئی ہے تو دوسری طرف وہاں کے حالات پر طنز کے نشتر چلائے گئے ہیں۔

۱۰ ویں اکائی میں مشتاق احمد یوسفی کے مضمون ''جنون لطیفہ'' کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ جنون لطیفہ دراصل چٹپٹے کھانوں کا شوق رکھنے والے ایک آدمی کی آپ بیتی ہے۔ اچھے کھانوں کا رسیا ہے لیکن اس کے باورچی اسے اتنے ہی بُرے اور بدمزہ کھانے کھلاتے ہیں۔ وہ اپنے تمام سابقہ باورچیوں کی روداد غم سناتا ہے کہ کس طرح اس نے باروچیوں کے نازونخرے سہے ہیں۔

ڈاکٹر عباس متقی نے حسب سابق پہلے مشتاق احمد یوسفی کا مختصر تعارف کروایا ہے۔ اس کے بعد متن ''جنون لطیفہ'' رقم کر کے اس پر تنقیدی روشنی ڈالی ہے۔ ان کی زبان نہایت سلیس، سادہ، رواں اور عام فہم ہے جس سے طلبہ و طالبات بغیر استاد کے خود پڑھ سکتے ہیں اور امکانی سوالوں کے جوابات دینے کے اہل ہو جاتے ہیں۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے اسٹیڈی سنٹر:

آزادی کے بعد ہندوستان میں اردو کے فروغ سے متعلق قومی نوعیت کے چند ہی بنیادی اور اہم کام انجام پا سکے۔ ان میں سے ایک مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی کا قیام ہے جو کہ سب سے نمایاں اور تاریخی نوعیت کا حامل ہے۔ اس فیصلے کے ساتھ ہی بانی وائس چانسلر پروفیسر شمیم

جیراجپوری نے اپنی حکمت عملی سے مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر اردو یونی ورسٹی کو ایک باوقار جامعہ کی جو شکل دی ہے وہ اعلیٰ سطح پر اردو تعلیم کے ارتقاء کا مہتم بالشان کارنامہ ہے۔

اردو یونی ورسٹی کے قیام کے ساتھ ہی عرصہ دراز سے سہولتوں سے محروم اردو والوں کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا اور یہ مطالبہ کیا جانے لگا کہ فوری طور پر یونی ورسٹی میں تعلیم کا آغاز ہو جب کہ کوئی یونی ورسٹی اپنے قیام کے پہلے سال کسی تعلیمی پروگرام پر عمل نہیں کر پاتی لیکن پروفیسر شمیم جیراج پوری نے فوری طور پر ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر اوپن یونی ورسٹی کے ساتھ ایک معاہدے کے تحت قرارداد مفاہمت پر دستخط کر کے ان کا نصابی مواد مقررشدہ معاوضے پر مستعار لیا اور اس طرح پہلے ہی سال ۹۹۔۱۹۹۸ء میں اردو یونی ورسٹی میں فاصلاتی طرز پر بی۔ اے کے آغاز کا تاریخ ساز فیصلہ کیا گیا۔ اس طرح فاصلاتی طرز پر بی۔ اے کے آغاز سے نوزائیدہ اردو یونی ورسٹی میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ پروفیسر شمیم راجیر جپوری نے اس دوررس نتائج کے حامل دانش مندانہ اقدام کے ذریعے قومی اردو یونی ورسٹی کے دائرہ عمل میں یک لخت سارے ملک کو شریک کر لیا اور آبادی کے اعتبار سے اردو والوں کے ایثار کی کمزوری کو انھوں نے اردو یونی ورسٹی کی طاقت میں تبدیل کر لیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ملک گیر سطح پر فاصلاتی طرز کے اسٹڈی سنٹرس قائم کیے گئے۔

ڈاکٹر عباس متقی نے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے اسٹڈی سنٹر نمبر 0203 پرنس شاہکار کالج فار ویمن، پرانی حویلی حیدرآباد کے قیام کے ساتھ ہی بحیثیت اکیڈیمک کونسلر اپنی خدمات انجام دیں۔

جب تک ڈاکٹر عباس متقی پرنس شاہکار میں پڑھاتے رہے طالبات ان سے مستفیض ہوتی رہیں ان کے پڑھانے کا انداز اس درجے علم افزا ہوا کرتا تھا کہ دوسری کلاس کے طلبہ بھی تحصیل علم کے لیے ان کی کلاس میں آ کر ان کا لکچر سننے لگتے تھے۔ جب ۲۰۰۰ء میں انھیں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے اسٹڈی سنٹر ممتاز کالج سے آفر آیا تو پرنس شاہکار اسٹڈی سنٹر کی خدمات کو خیرباد کر کے یہاں آ کر اپنی خدمات پیش کیں اور آج سولہ سال سے اپنی خدمات بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ اس بابت موصوف کہتے ہیں:

''اس زمانے میں پرنس شاہکار اسٹیڈی سنٹر اور ممتاز کالج اسٹیڈی سنٹر سے فی پیریڈ ایک سو پچاس (Rs. 150/-) روپے معاوضہ ملا کرتا تھا اور اب اس معاوضے کو بڑھا کر فی پیریڈ دوسو (Rs.200/-) روپے ملا کرتے ہیں۔ کلاسس کا آغاز سال میں ایک دفعہ بالعموم مئی سے شروع ہوتا ہے اور تیس اتوار تک جاری رہتا ہے۔ اس طرح تیس پیریڈ کا معاوضہ سال میں ایک دفعہ چیک کی شکل میں ملتا ہے۔ پہلے پہل پرنس شاہکار اسٹیڈی سنٹر اور ممتاز کالج میں بی۔اے کو پڑھانے کی ذمے داری دی گئی تھی لیکن بعد میں بجائے بی۔اے کے ایم۔اے پڑھانے کی ذمے داری تفویض کی گئی ہے اور یہ سلسلہ تا ہنوز جاری ہے۔''(۸)

شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ:

ڈاکٹر عباس متقی کو زبان فارسی ان کے لڑکپن ہی سے پسند رہی۔ اسی لیے وہ اردو میں پی ایچ۔ڈی کی سند حاصل کرنے کے بعد فارسی کی طرف رجوع ہوئے اور شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ میں ایم۔اے (فارسی) میں داخلہ لے لیا اور دو سالہ کورس کے کامیاب انعقاد کے بعد انھیں گولڈ میڈل کا مستحق قرار دیا گیا۔ اس طرح اسی شعبے میں ان سے بحیثیت مدرس ان کی خدمات لی گئیں۔ جس سے وہ بے حد خوش تھے۔ انھوں نے ایک مضمون ''شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ میں ہماری خدمات'' کے نام سے قلم بند کیا جس میں موصوف نے اپنی خدمات کی ابتدا سے سبکدوش ہونے تک مفصل اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ فرمایے:

''زبان فارسی خواہ کشور ایران کی سرکاری زبان ہی کیوں نہ ہو لیکن ہم اسے اپنی زبان، اپنے باپ دادا کی زبان بلکہ دل کی گہرائیوں سے خانگی، مادری، پدری، برادی، خوہر بلکہ ازدواجی زبان نہ صرف سمجھتے ہیں بلکہ دل سے تسلیم کرتے ہیں۔ اس زبان کی شیرینی نے ہمیں اپنے لڑکپن سے اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے اور یہ دیوانگی تو اس عہد مبارک میں اپنی حدوں کو چھونے لگی جب ہم نے ایم۔اے (فارسی) میں داخلہ لیا اور دو سالہ کورس کے بعد بحمد للہ تعالیٰ امتیاز کامیابی حاصل کرتے ہوئے گولڈ میڈل'' حاصل کیا۔ ستارۂ اقبال بلندی پر تھا استاد گرامی قدر پروفیسر رفیق فاطمہؓ نے ''اولاد فاطمہؓ کے ساتھ اپنی ''رفاقت بے کراں'' کا ثبوت

دیا اور ہمیں معا جزوی تدریس پر تقرر فرمالیا اور اس طرح ہمیں فی پیریڈ ایک سو پچاس روپے کی آمدنی بھی ہوگئی۔''(۹)

شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ کی عارضی ملازمت کا سلسلہ چند سالوں تک چلتا رہا اور جب پروفیسر تنویر احمد خدانمائی صدر شعبہ فارسی ہوئے تو سید عباس متقی اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔

سید عباس متقی نے ایم۔فل فارسی میں داخلہ لے کر نہایت کدوکاوش کے بعد مقالہ قلم بند کرلیا تھا لیکن بدقسمتی سے مقالہ داخل دفتر نہ کرسکے اور صدر شعبۂ فارسی سے موصوف کے تعلقات بگڑنے کی وجہ سے انھیں تدریسی خدمات سے بھی سبکدوش کردیا گیا۔اس سلسلے میں وہ رقم طراز ہیں:

''شعبۂ فارسی میں افادہ واستفادہ کا سلسلہ جاری رہا اور ہم نے اسی عہد شیریں میں کئی ایک تحقیقی مقالے لکھے اور کئی ایک تحقیقی مقالوں پر سیر حاصل مقدمات وتقاریظ قلم بند کیں، کئی ایک نظمیں کہیں اور کئی ایک رومان پرور غزلوں کا مجموعہ پیش کیا۔ الحمدللہ ہمیں ان تین سالوں میں دامے، درمے، سخنے، قدمے فارسی کی خدمات کا موقع حاصل رہا، بہت خوش تھے کہ جہاں ایم۔اے کیا تھا وہیں ایم۔اے کو پڑھا بھی رہے تھے لیکن چار دن کی چاندنی کے بعد اندھیری رات کا آنا بھی شاید ضروری ہے اور پھر سادات پر تو اندھیری رات کچھ پہلے ہی آجایا کرتی ہے۔ایک دن اچانک ہمارے شاگرد رشید جناب فریداللہ شریف جنھیں ہم واقعۃً شریف آدمی ہی سمجھتے ہیں ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ جامعہ عثمانیہ کے شعبہ فارسی کی اس جزوقتی خدمات سے علیٰحدہ ہوجائیں تو یہ جائیداد مجھے مل سکتی ہے۔ہم نے یہ سوچا کہ ممکن ہے کہ صدر شعبہ نے ہمیں اس کارِ تدریسِ فارسی جس کا معاوضہ محض فی پیریڈ ڈیڑھ سو روپیے ہو نجات دلا کر کنج عزلت میں مشغولِ ذکرِ حق کردینا چاہتے ہوں اور اپنے شاگرد کو یہ خدمت دلا کر ایک شریف آدمی پر احسان فرمانا چاہتے ہوں، تاہم ہم بھی زندہ دلانِ حیدرآباد سے وابستہ ایک شریف آدمی ہیں اور اپنے سینے میں واقعی ایک زندہ اور اعلیٰ ظرف دل رکھتے ہیں ہم تو یہاں تک بھی چاہتے ہیں کہ فریداللہ شریف ہماری کرسیٔ تدریس پر کجا خود صدر شعبہ کی کرسیٔ صدارت پر براجمان ہوں اور مہینے کے مہینے زبان وادبیات فارسی کی خدمت انجام دے کر ایک آدھ لاکھ روپیہ ماہوار تنخواہ حاصل کریں۔یہ کڑوے لفظ ہم پر سحر دجّال کی طرح ٹوٹ پڑے اور ہمارے ہاتھوں سے طوطے اڑ گئے اور اڑ کر شاخ آز پر جا بیٹھے۔''(۱۰)

تجوید قرآن مجید کا درس:

ڈاکٹر عباس متقی کو تجوید وقرأت کی تعلیم دینے کا شوق رہا ہے۔انھوں نے اپنی بیویوں، دوستوں،شاگردوں،قرابت داروں کے علاوہ اپنے ہم کاروں کو بھی تجوید وقرأت کا درس دیا ہے۔چناں چہ جب تک وہ گورنمنٹ ہائی اسکول سیتارام پیٹ میں مصروف کار رہے چھٹی کے بعد وہاں کے گورنمنٹ ٹیچروں کو بھی تجوید وقرأت کی تعلیم دیا کرتے تھے اسی طرح جب ان کا تبادلہ گورنمنٹ ہائی اسکول مغل پورہ نمبر۳ پر ہوا تو حسب سابق وہ چھٹی کے بعد وہاں کے اساتذہ کو جو تجوید پڑھنا چاہتے تھے انھیں تعلیم دیتے اور جو اساتذہ خوش نویس بننا چاہتے تھے انھیں خوش نویسی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔بے شمار ٹیچروں نے ان سے فن خوش نویسی اور فن صحیح نویسی حاصل کی ہے اور خاص بات یہ ہے کہ ڈاکٹر عباس متقی نے کسی سے کبھی بھی فیس طلب نہیں کی۔

ڈاکٹر عباس متقی نے جب تک وہ مسجد حافظ نگر میں بحیثیت خطیب رہے فجر کی نماز کے بعد فقہ کی مدتوں تعلیم دیتے رہے۔

فارسی زبان کا درس:

ڈاکٹر عباس متقی کو نہ صرف فارسی علوم کی تحصیل سے دلچسپی ہے بلکہ وہ فارسی سکھانے پر بھی ہمیشہ آمادہ رہتے ہیں۔چناں چہ ایک مدت تک انھوں نے اسکالرس،ہائی اسکول تالاب کٹے میں ہر اتوار کو درس تعلیم فارسی کا اہتمام کیا ہے ان کی تعلیم وتربیت کی وجہ سے کچھ نوجوانوں نے فارسی میں ید طولیٰ حاصل کیا جن میں فہیم الدین مرحوم اور معز الدین کے نام بطور خاص لیے جاسکتے ہیں۔کچھ خواتین نے بھی ان سے زبان فارسی کے تحصیل کے سلسلے میں رجوع کیا ہے اور بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔بعض خواتین کو ڈاکٹر عباس متقی نے بذریعہ فون بھی فارسی سکھائی ہے۔

ادبی محفلوں اور سمیناروں میں شرکت:

ڈاکٹر عباس متقی مختلف ادبی محفلوں میں طنز و مزاح پر مشتمل انشائیے اور فکاہیے سنا کر داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔آپ کی تحریریں جہاں پر کشش ہوتی ہیں وہیں آپ کا طرز تقریر بھی جاذب نظر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کو ہندوستان بھر سے دعوت نامے موصول ہوتے ہیں۔

یہ اور بات ہے کہ موصوف جہاں جاتے ہیں وہاں کی روداد قلم بند نہیں کر لیا کرتے ، یہی نہیں دعوت ناموں کی بھی خیر نہیں رہتی ۔ ہاں اگر توصیف نامہ مل جائے تو فریم کی نذر ہو کر دیوار یا کسی تھیلی کی نذر ہو جاتا ہے ۔ اگر رقم کی صورت میں ''خیرات سیمینار (۱۱)'' مل جائے تو خیر سے آنت کی نذر ہو جاتی ہے ۔ راقم الحروف کو حاجی غلام محمد آعظم ایجوکیشن ٹرسٹ ، کے ۔ بی ۔ ہدایت اللہ روڈ ، آعظم کیمپس نیو مودی خانہ ، پونے سے ایک دعوت نامہ نہایت خستہ حالت میں ردی سے دستیاب ہوا ہے جس کی تحریر اس طرح ہے :

''مجھے یہ بتاتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ حاجی غلام محمد آعظم ایجوکیشن ٹرسٹ ، پونے کے زیر اہتمام بروز اتوار مورخہ ۲۶ / فروری ۲۰۰۶ ء کو آعظم کیمپس پونے میں ''اردو ادب میں طنز و مزاح ، ماضی ، حال اور مستقبل'' کے موضوع پر ایک روزہ سیمینار کا انعقاد عمل میں آرہا ہے ۔ مجوزہ سیمینار میں آنجناب کو مقالہ (شاعری) یا مقالہ (نثر پر) یا انشائیہ / خاکہ پیش کرنے کی دعوت دی جارہی ہے ۔ آپ کی شرکت سیمینار کے معیار اور وقار میں اضافے کا باعث ہوگی ۔ اس سلسلے میں مبلغ -/2000 (دو ہزار روپیہ) آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ تشکر پیش کیے جائیں گے ۔ مہمان نوازی ہمارے ذمہ ہوگی ۔ امید ہے آپ اسے شرف قبولیت بخشتے ہوئے اپنی منظوری سے مطلع فرمائیں گے ۔'' **(۱۲)**

کارگاہوں میں شرکت :

سید عباس متقی نے اپنی تدریسی خدمات کے زمانے میں بہت سی کارگاہوں میں شرکت کی ہے اور نصاب میں شامل سرگرمیوں کے علاوہ نصابی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے ۔ راقم الحروف کو جو Attendance Certificates دستیاب ہوئے ہیں ، ان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے ۱۵ / جون ۲۰۰۱ ء Workshop میں شرکت کی تھی جو نصابی کتابوں کی تجدید کاری سے متعلق تھی ۔

اسی طرح ڈاکٹر عباس متقی نے ۲۷ / جون ۲۰۰۱ ء سے ۲۸ / جون ۲۰۰۱ ء تک دو روزہ ورک شاپ میں شرکت کی تھی جو ان کے لیے اہمیت کا حامل ہے ۔

ڈاکٹر عباس متقی کا ورک شاپ میں شرکت کرنے کا سلسلہ چلتا رہا اور انھوں نے ۱۶/جولائی ۲۰۰۱ء سے ۱۷/جولائی ۲۰۰۱ء تک دوروزہ کارگاہ میں اسی سلسلے کی ایک کڑی کو پورا کرنے کے لیے شرکت کی تھی۔

راقم الحروف کو مورخہ ۳۱/جولائی ۲۰۰۳ء کا کورس ڈائرکٹر اینڈ ٹیکسٹ بک ڈیولپمنٹ آفیسر کی جانب سے جاری کردہ صداقت نامۂ حاضری دستیاب ہوا جس کی رو سے سید عباس متقی نے جماعت اول اور دوم کے نصاب کی تجدید کے سلسلے میں مذکورہ کارگاہ میں شرکت کی تھی۔

اس سلسلے کی کڑی کو مکمل کرتے ہوئے انھوں نے چار روزہ ورک شاپ برائے فروغ اردو نصابی کتب جماعت اول اور دوم کے سلسلے میں شرکت کی تھی۔

اس مطالعے سے یہ اندازہ لگانا کار دشوار نہیں کہ سید عباس متقی نے بڑی فعّال زندگی گزاری ہے۔ موصوف نے درس و تدریس کے علاوہ مختلف جہتوں پر علمی خدمات انجام دی ہیں۔

حوالے:

(۱)The letter number RC.No.11652/B4/Promotions/2009-2 dated:09-10-1999, issued by District Educational Officer,Hyderabad Dist.

(۲)The Appiontment Order bearing RC.No.71/TI/1990 dated:03-12-1991, and the reference was: The Director,Urdu Academy Hyderabad Lr.No.827/UAAP/91-92dated:21-11-1991, issued by Superintendent of SchoolEducation A.P. Hyderabad.

(۳) حکومت آندھرا پردیش حیدرآباد سے شائع کردہ جماعت اول کے لیے ''اردو زبان کی پہلی کتاب'' بارھویں اشاعت ۲۰۰۵ء کے صفحہ نمبر ۸۷ سے ماخوذ۔

(۴)The letter bearing RC.No.2052/DPEP/B6/2001 dated:12-06-2001 issued by Superintendent Order of the State Project Director. A.P. DPEP Hyderabad.

(۵)The letter bearing No. 40/FA/2001 dated:30-06-2001 issued by Prof. M.S. Hayat by the direction of Vice-Chancellor Dr.BRAOU.

(۶) ڈاکٹر بی آر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی کے بی۔اے کے نصاب میں شامل کتاب سے ماخوذ۔

(۷) ڈاکٹر بی آر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی کے سال دوم (تین سالہ ڈگری) نصاب کے صفحہ ۱۰۲ اور ۱۰۳ سے ماخوذ۔

(۸) سید عباس متقی نے مورخہ ۱۰ر فروری ۲۰۱۶ء کو بمقام بڑی اہلیہ کے مکان میں انٹرویو کے دوران ان خیالات کا اظہار کیا۔

(۹) بحوالہ سید عباس متقی کے مضمون ''شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ میں ہماری خدمات۔

(۱۰) بحوالہ سید عباس متقی کے مضمون ''شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ میں ہماری خدمات'' مشمولہ۔

(۱۱) سید عباس متقی نے معاوضہ سمینار، و اجلاس کو ''خیرات سمینار'' یا ''خیرات اجلاس'' اپنے مختلف مضامین میں استعمال کیے ہیں۔

(۱۲) بحوالہ دعوت نامہ مورخہ ۳۰ر جنوری ۲۰۰۶ء بنام سید عباس متقی جس پر محترم منور پیر بھائی صاحب کی دستخط ثبت کی گئی ہے۔

☆☆☆

﴿تیسرا باب﴾

سید عباس متقی کی ادبی خدمات

متقی کہنے لگا ہے آپ کو ہر آدمی
خوب دیوانہ زمانے کو بنایا آپ نے

سید عباس متقی

سید عباس متقی کے تحقیقی مقالوں کا تنقیدی جائزہ:

سید عباس متقی نے تحقیقی کام بہت کم کیا ہے ۔شعری ونثری تخلیقات ہی ان کا سرمایۂ حیات ہے۔انھوں نے ایم ۔فل اور پی ایچ ۔ڈی اسناد کے حصول کے لیے جامعہ عثمانیہ سے اپنے نگران کاروں کی نگرانی میں جو کام کیا ہے وہی کام ان کا تحقیقی ہے ۔ ماسوا ان کے انھوں نے کوئی تحقیقی کام نہیں کیا۔ ذیل میں موصوف کے ایم ۔فل اور پی ایچ ۔ڈی کے مقالوں کا تنقیدی جائزہ لیا جارہا ہے۔

ایم ۔فل کا مقالہ
’’قاضی احمد علی قاضی حیات اور کارنامے‘‘

سید عباس متقی نے نومبر ۱۹۸۸ء میں برائے ایم ۔فل اپنا مقالہ بعنوان ’’قاضی احمد علی قاضی حیات اور کارنامے‘‘ رقم کیا تھا۔جس کے نگران، ان کے استاد ڈاکٹر ابوالفضل سید محمود قادری پروفیسر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ تھے۔

اس مقالے کو سید عباس متقی نے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے جن میں پہلے باب کا عنوان ’’فرخندہ بنیاد حیدرآباد میں اردو شعروادب کا پس منظر‘‘ دوسرا باب ’’قاضی احمد علی قاضی کی حالات زندگی‘ ‘تیسرا باب شاعر کی ’’شخصیت‘‘ پر مشتمل ہے۔ چوتھا باب ’ ’دبستان شمس الدین فیض کی روایت‘‘ سے متعلق ہے جس میں قاضی صاحب کے ہم عصر شعرا کا ذکر کیا گیا ہے۔ پانچویں باب میں قاضی احمد علی قاضی کی ’’غزل گوئی، رباعی گوئی اور دیگر اصناف سخن‘‘ پر بحث کی گئی ہے۔

سید عباس متقی نے اس مقالے کی ترقیم کے لیے ۳۵ کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور قاضی احمد علی قاضی کے تین دواوین سے مدد لی ہے اور تین مقالہ جات سے استفادہ کیا ہے جن میں پروفیسر لئیق صلاح کا ’’میر شمس الدین فیض حیات اور کارنامے‘‘ الہام واحدی کا مقالہ

''شاب اورنگ آبادی حیات اور کارنامے'' اور محمد عبدالباسط خان کے مقالے ''ٹھاکور داموورز کی شخصیت اور فن'' سے استفادہ کیا ہے۔

سید عباس متقی نے اس مقالے میں نہایت سلیس اور شستہ زبان استعمال کی ہے۔ تصوف پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ حرف اولین میں یوں رقم طراز ہیں:

''شہر حیدرآباد کو اس بات پر فخر حاصل ہے کہ یہاں ایک ایسی جامعہ ہے جس کی بدولت اردو میں تحقیقی، علمی، تنقیدی اور تخلیقی کارہائے بے شمار انجام پائے اور اس جامعہ عثمانیہ کی بدولت ہی ایسے ایسے شاعر و ادیب منظر عام پر آئے جس کو گرد روز و شب نے اوجھل کر دیا تھا۔ وہ عنبر معروف ہستیاں جن کا تذکرہ محض ان کے خانوادوں ہی تک محدود تھا۔ آج دنیائے ادب میں معروف ہی نہیں مقبول بھی ہیں۔ ان ہی ہستیوں میں ایک شاعر قاضی احمد علی قاضی ہیں جو باوجود یہ کہ استاد کل میر شمس الدین محمد فیض کے شاگردوں میں ہونے کے ادبی تذکروں اور تاریخ میں اپنا صحیح مقام حاصل نہ کر پائے۔ چند ایک نے فیض کے شاگردوں میں ان کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان کے فن کے بارے میں بہت کم لکھا گیا۔'' (۱)

قاضی احمد علی قاضی کے مقالے کی ترقیم سے قبل سید عباس متقی نے قاضی صاحب کا شجرہ ٔطریقت کچھ اس طرح رقم کیا ہے:

شجرۂ طریقت قاضی احمد علی قاضی

۱۔ حضرت رحمت للعلمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ حضرت امیر المومنین علی ابن طالب رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

۵۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

۶۔ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ

۷۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

۸۔ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ

۹۔ حضرت امام علی موسیٰ رضا رحمتہ اللہ علیہ

۱۰۔ حضرت شیخ سری لقطی رضی اللہ عنہ

۱۱۔ حضرت شیخ دین معروف کرخی قدس سرّہٗ

۱۲۔ حضرت شیخ جنید بغدادی قدس سرّہٗ

۱۳۔ حضرت شیخ ابو بکر شبلی قدس سرّہٗ

۱۴۔ حضرت شیخ ابوالفرح (رحمۃ اللہ علیہ) یوسف طرطوسی

۱۵۔ حضرت شیخ ابوالحسن ہنکاری رحمۃ اللہ علیہ

۱۶۔ حضرت شیخ ابی سعید مبارک رحمۃ اللہ علیہ مخزومی

۱۷۔ حضرت شیخ سید محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۸۔ حضرت شیخ سید تاج الدین عبد الرزاق شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۔ حضرت شیخ سید امام الدین شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۲۰۔ حضرت شیخ سید محمد شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۲۱۔ حضرت شیخ سید میراں یونس شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۲۲۔ حضرت شیخ سید عبد الرحمٰن شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۲۳۔ حضرت شیخ سید یوسف شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۲۴۔ حضرت شیخ سید میراں یونس شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۲۵۔ حضرت شیخ سید بدر الدین شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۲۶۔ حضرت شیخ سید برہان الحق شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۲۷۔ حضرت شیخ سید شمس الدین شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۲۸۔ حضرت شیخ سید میراں شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۲۹۔ حضرت شیخ سید امین الدین علی شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۳۰۔ حضرت شیخ سید مولانا شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۳۱۔ حضرت شیخ سید مخدوم شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۳۲۔ حضرت شیخ سید برہان الدین شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۳۳۔ حضرت شیخ سید ابراہیم علی شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

۳۴۔ حضرت شیخ سید حافظ میر شمس الدین محمد فیض شاہ قادری رحمتہ اللہ علیہ

۳۵۔ حضرت شیخ غلام نبی شاہ صدیقی القادری کمبل پوش رحمتہ اللہ علیہ

۳۶۔ حضرت شیخ شاہ صدیقی القادری المتخلص بہ قاضی رحمتہ اللہ علیہ

قاضی احمد علی قاضی کے شجرۂ نسب کے بارے میں نے بڑی کدو کاوش سے ان اسماء کو قلم بند کیا ہے جو ان کے باپ دادا سے شروع ہو کر خلیفہ اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ تک پہنچتا ہے اور وہ شجرہ کچھ اس طرح ہے:

شجرۂ نسب قاضی احمد علی قاضی

۱۔ خلیفہ اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم

۵۔ حضرت عبداللہ

۶۔ حضرت ابوبکر ثانی

۷۔ حضرت ابوفضل

۸۔ حضرت ابونصیر الدین عبداللہ

۹۔ حضرت ابوالقاسم محمود

۱۰۔ حضرت شیخ بندہ آزاد

۱۱۔ حضرت شیخ علی خراسانی

۱۲۔ حضرت شیخ احمد علی آزردہ

۱۳۔ حضرت شیخ جنید الکمیلی

۱۴۔ حضرت شیخ معین الدین ابوذرہ

۱۵۔ حضرت نور الدین ابوالفتح

۱۶۔ حضرت شیخ مخلص الدین بحری

۱۷۔حضرت شیخ محمد ظہیر الدین ابونصیر
۱۸۔حضرت ابوالفتح احمد
۱۹۔حضرت محمد ابوبکر
۲۰۔حضرت شیخ قاسم
۲۱۔حضرت شیخ حسین ہادی
۲۲۔حضرت شیخ سعید الدین
۲۳۔حضرت قاضی حمید الدین جنیدی
۲۴۔حضرت محمد ابوبکر بکری
۲۵۔حضرت قاضی احمد خضر
۲۶۔حضرت قاضی علاؤ الدین
۲۷۔حضرت قاضی حمید الدین البحری
۲۸۔حضرت قاضی محمد شرف الدین
۲۹۔حضرت قاضی محمود صدیقی قادری
۳۰۔حضرت عبدالغفار صدیقی القادری
۳۱۔حضرت عبدالمنان صدیقی القادری
۳۲۔حضرت قاضی ابوالفتح صدیقی
۳۳۔حضرت قاضی احمد خضر ثانی
۳۴۔حضرت قاضی شیخ محمد یسین صدیقی البغدادی
۳۵۔حضرت قاضی رضا صدیقی
۳۶۔حضرت قاضی علاؤ الدین صدیقی القادری کمبل پوش
۳۷۔حضرت قاضی شیخ عبدالقادر صدیقی
۳۸۔حضرت شیخ عبدالنبی محتسب
۳۹۔حضرت شیخ عبدالقادر محتسب

۴۰۔حضرت قاضی محمد سبز علی

۴۱۔حضرت غلام نبی شاہ صدیقی القادری کمبل پوشش (مسجد صحرائی شادنگر)

۴۲۔حضرت شیخ احمد علی صدیقی القادری المتخلص بہ قاضیؔ (۲)

سید عباس متقی نے اس مقالے میں حیدرآباد کے شعرو ادب کا پس منظر دکھاتے ہوئے سلطنت آصفیہ کے تمام بادشاہوں کے احوال وکوائف بیان کیے ہیں اور اُس عہد کے شعرا کا بھی تفصیل وار ذکر کیا ہے۔اپنے مقالے کی ابتدا میں وہ یوں رقم طراز ہیں:

''سرزمین دکن میں سلطنت آصفیہ نے جو علم وفن کی خدمت کی ہے وہ تاریخ کے جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں۔سلطنت آصفیہ ایک خود مختار حکومت تھی۔اس مملکت کے بادشاہوں کے پاس دولت کی فراوانی کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ سے خاص دلچسپی تھی۔آصف جاہ اول سے نواب میر عثمان علی خاں کے زمانے تک زبان اور ادب کی کچھ ایسی خدمت کی گئی ہے جس کی نظیر شائد ہی مل سکے۔سلطنت آصفیہ کے قیام کے بعد اردو شعروسخن کا پہلا دور ۱۷۲۷ء سے ۱۷۷۸ء تک قرار پاتا ہے۔اس پچاس سالہ دور میں نواب میر قمرالدین خاں نظام الملک آصف جاہ اول،نواب ناصر جنگ شہیداورنواب نظام الملک آصف جاہ ثانی یکے بعد دیگرے حکمران رہے۔خانوادہ آصفیہ کے یہ تین حکمران علم وفضل اور شعروادب کے دل دادہ اور پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔آصف جاہ اول کے دور میں کئی شعرا،علماو صوفیا مختلف مقامات سے آکر دربار سے منسلک ہوئے۔آصف جاہ اول المتوفی ۱۱۶۱ھ م ۱۷۴۷ء کے بعد ناصر جنگ نے سلطنت کی باگ دوڑ سنبھالی لیکن انھیں تین سال سے زیادہ مدت تک حکمرانی کا موقع نہیں ملا۔ناصر جنگ فطری شاعر تھے۔فنون لطیفہ،موسیقی اور مصوری سے دلچسپی رکھتے تھے۔عربی اور فارسی کے علاوہ سنسکرت پر بھی عبور تھا۔ناصر جنگ کا دربار بھی عالموں،شاعروں اورادیبوں کی آماج گاہ رہا۔ناصر جنگ کا تعلق اورنگ آباد کے بجائے زیادہ تر حیدرآباد سے رہا لیکن اگر انھیں طویل مدت تک حیدرآباد میں قیام کا موقع مل گیا ہوتا تو حیدرآباد پھر سے علم وفن کا بہت بڑا مرکز بن جاتا۔''(۳)

دبستان فیض سے متعلق سید عباس متقی نے اپنے مقالے میں عمومی طور پر معروف شعرائے کرام کا احاطہ کیا ہے جن میں بدرالدین خاں تمیز،شرف جنگ فیاضؔ،سید احمد علی عصرؔ،قاضی احمد علی قاضیؔ،حفیظ یاسؔ،گردھاری پرشاد باقیؔ،سنیل پرشاد خرّم،بچولعل تمکینؔ،بہاری لعل رمزؔ وغیرہ

قابل ذکر ہیں۔ حضرت میر شمس الدین فیضؔ کے تلامذہ کے بارے میں سید عباس متقی نے ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ کے حوالے سے لکھا ہے:

''حضرت فیضؔ کے جملہ تلامذہ پر نظر ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ذوق سخن اور کمال فن کے لحاظ سے جہاں ان کے چار مسلمان شاگرد بدرالدین خاں تمیز، مشرف جنگ فیاضؔ، میر احمد علی عصرؔ اور حفیظ الدین یاسؔ اس کائنات تلامذہ کے عناصر اربع تھے۔ اس طرح گردھاری پرشاد باقیؔ، سنبل پرشاد خرمؔ، بچو لال تمکینؔ اور بہاری لعل رمزؔ ہندو شاگردوں کی دنیا کے عناصر اربع سمجھے جاسکتے ہیں لیکن ان عناصر اربعہ میں ایک اور شاعر کا اضافہ ہونا لازمی ہے جو اب تک محققین کی نگاہوں سے اوجھل رہا اور وہ شاعر ہے۔ ''قاضی احمد علی قاضیؔ'' جس کے کئی ایک دیوان مخطوطے کی شکل میں اور کئی ایک نثری کام مطبوعہ کتب کی شکل میں ملتی ہیں۔ قاضیؔ نے فیضؔ کے گھر میں پرورش پائی، فیضؔ، قاضیؔ کے نہ صرف استاذ تھے بلکہ مربی و محسن بھی۔ یہاں تک کہ قاضیؔ کی شادی بھی موصوف نے اپنے خاص مرید کی صاحب زادی سے کروائی اور اس مرحلے میں خود پیش پیش رہے۔ اس طرح قاضیؔ کے اندر اپنے استاذ کی تمام تر خوبیاں کسی نہ کسی حد تک ہمیں نظر آتی ہیں۔'' (۴)

اس طرح سید عباس متقی کے ایم۔فل کا یہ مقالہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

پی ایچ۔ڈی کا مقالہ

''آزادی کے بعد طنز و مزاح کا تہذیبی و سماجی پس منظر''

سید عباس متقی چوں کہ خود بھی ایک مزاح نگار ہیں اور مزاح کی چاشنی سے ان کی فکر مالا مال ہے اور وہ طنز کے تیر چلانے کا گُر جانتے ہیں اور بزلہ سنجی ان کے رگ و پئے میں جاں گزیں ہے۔

موصوف نے اپنی پی ایچ۔ڈی کے لیے تحقیقی موضوع ''اردو ادب میں طنز و مزاح کا سماجی اور تہذیبی پس منظر'' انتخاب کیا ہے۔

یوں تو انھوں نے پی ایچ۔ڈی میں داخلہ حاصل کر لیا اور ڈاکٹر حبیب ضیاء ریڈر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کی نگرانی میں مقالے کی تکمیل کی۔ انھوں نے اپنے مقالے میں طنز و مزاح کی بتدریج ترقی پذیر قدروں کو اجاگر کیا ہے بلکہ اس عہد کے اس ماحول کی بھی نقشہ کشی کی ہے جو طنز و مزاح کے لیے سازگار ثابت ہوئے۔

اس مقالے میں سید عباس متقی نے جو زبان برتی ہے وہ نہایت اعلیٰ وارفع ہے درآں حالیکہ پی ایچ۔ڈی کے مقالہ نگاروں کو اس درجے اعلیٰ زبان، مشکل محاورے اور فصیح نہج استعمال کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔انھیں تو صرف اپنی تحقیق کو دلائل و براہین کی روشنی میں آسان، سہل اور رواں اسلوب میں بیان کردینا کافی ہوتا ہے۔اسکالروں پر لازم ہے کہ وہ معیارزبانی کا لحاظ رکھے لیکن تخلیق سے زیادہ تحقیق ہونا چاہیے۔یہ سید عباس متقی کی انفرادیت ہے کہ وہ تحقیق کا کام کریں یا خود کوئی تخلیقی مضمون قلم بند کریں ان کے سامنے بلند معیار اور منفرد اسلوب پیش نظر رہتا ہے۔

سید عباس متقی نے اپنے مقالے کو آٹھ ابواب میں منقسم کیا ہے جو بالترتیب اس طرح ہیں۔باب اول ''سماج اوراس کی ہیئت تشکیلی''، باب دوم ''طنز ومزاح کی ماہئیت''، باب سوم ''طنز ومزاح کے ارتقا میں مغل سلطنت کے زوال کے اثرات''، باب چہارم ''فورٹ ولیم کالج''، باب پنجم ''مرزا غالبؔ کی مزاح نگاری کا سماجی اور تہذیبی پس منظر''، باب ششم ''طنز ومزاح کے ارتقا میں اودھ پنچ کی خدمات''، باب ہفتم ''علی گڑھ تحریک'' اور باب ہشتم ''ترقی پسند تحریک'' کے علاوہ آخر میں تجزیہ پیش کیا ہے اور کتابیات درج کی ہیں۔

سید عباس متقی نے ان عناوین کو مدنظر رکھتے ہوئے گویا اپنے دائرۂ تحریر میں ہندوستان کی اس بساط کو سمونے کی کوشش کی ہے جو طنز ومزاح کی پہچان رکھتے ہیں۔انھوں نے ابتدائیہ میں مقالہ ہذا کی ترقیم کے دوران پیش آئے مشکل کٹھنائیوں کا ذکر کیا ہے:

> ''اس مقالہ کی ترقیم کے دوران مشکل یہ پیش آئی کہ طنز ومزاح نگاروں کی یا تو نگارشات ملتی تھیں یا پھر ان کے حالات ملتے تھے لیکن سماجی اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ بہت کم مواد ملتا تھا۔چناں چہ تاریخ جو کہ علیحدہ جنس تھی اسے پڑھنا پڑا اور طنز ومزاح نگاروں کی نگارشات کا الگ مطالعہ درکار رہا اور پھر ان دونوں عناوین کے باہمی ارتباط سے گویا یہ مقالہ مزین ہوا ہے۔'' (۵)

ان کے اس اقتباس سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے مقالے کی تکمیل کے لیے نہایت عرق ریزی سے کام کرتے ہوئے اپنے موضوع سے انصاف کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ طنز کے ساتھ مزاح کو گڈ مڈ کیا جاتا ہے جس کا منشا یہی ہوتا ہے کہ طنز کے گھونٹ مزاح کی چاشنی میں نوش کیے جائیں تا کہ پیغام بھی پہنچ جائے اور برا بھی نہ لگے یہی طنز و مزاح کا پہلو پورے اردو ادب پر فوقیت رکھتا ہے۔ سید عباس متقی نے پیش لفظ میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جب ہم سماج کا بغور مطالعہ اور سماج سے منسلک لطائف کا مشاہدہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خود ہنسنا اہم کام نہیں جتنا دوسروں کو ہنسانا اہم کام ہے۔ چناں چہ اس دنیا میں بہت کم انسان ایسے ہیں جو دوسروں کو خوش رکھنا یا کم از کم خوش دیکھنا چاہتے ہوں اور یہ انسان کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ وہ دوسروں کو مسکراتا دیکھے۔ بعض کم ظرف انسان ایسے ہوتے ہیں جو کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتے۔ کسی کو ہنستے یا قہقہے لگاتے دیکھتے ہیں تو ان کی تیوڑیاں چڑھ جاتی ہیں اور ان کے ابرو میں گرہیں پڑھ جاتی ہیں۔ دنیا کے سب سے عظیم انسان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی کو ہنستا ہوا دیکھو تو ''اضحک اللہ سنّک'' (خدا تجھے مدام ہنستا مسکراتا رکھے) کیوں کہ ہنستے مسکراتے رہنا نہ صرف صحت جسمانی کے لیے ضروری ہے بلکہ ذہنی و قلبی فرحت کا باعث بھی بنتا ہے۔''(۶)

اب یہاں مقالے کے ابواب پر یکے بعد دیگرے روشنی ڈالی جائے گی۔

سید عباس متقی نے پورے مقالے میں کہیں بھی اردو ادب جو اس موضوع کا کلیدی لفظ ہے پر علاحدہ گفتگو نہیں کی ہے حالاں کہ ادب کی تعریف اس کی ابتدا اور ارتقا پر سیر حاصل گفتگو کی جاسکتی تھی لیکن انھوں نے علاحدہ باب بنانے کی بجائے ''سماج اور اس کی ہیئت تشکیل'' کے باب میں لکھا ہے:

''ادب زبان کے بغیر ممکن نہیں اس سبب ادب اور معاشرے میں جو ربط قائم ہوگا اس کی بنیاد بہرصورت زبان ہوگی۔ زبان ادبی تخلیقات کو جنم دیتی ہے اور ادبی تخلیقات معاشرے اور تمدن کی گہرائی و گیرائی کا پتا دیتی ہیں۔ جب ہم کسی ادبی شہ پارے کو دیکھتے ہیں تو گویا اس دور کی تہذیب، تاریخ، عادات و اطوار، نشست و برخواست بلکہ ماکولات و مشروبات سے تک واقف ہوتے ہیں۔ یہ واقفیت دراصل وسیلے کے ذریعے وجود میں آئی اور وسیلہ زبان اور زبان دانی ہے۔ اب جب کہ معاشرے کی عکاسی ادب کے ذریعے ممکن ہوسکی تو ادیب یا شاعر نے اظہار خیال پہ ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ماضی اور حال کے ارتباط کو بھی ظاہر کیا۔ ثالثاً حال اور مستقبل کے رشتے بھی وضع کیے۔ ثالثاً خود اپنی فکر کے سانچے پیش کیے اور موجودہ جو عدم اعتدالی ہے اس کا بیان جاری رکھا رابعاً ان تمام

پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے، جو ایک معاشرے کے لیے عدم اعتدالی کے سبب ناپسندیدہ ہیں، نئی راہیں دکھائیں۔ نئی روشنی بتائی، نیا طور سکھایا اس طرح ادب ایک نئی اور ترقی یافتہ تہذیب سے آشنا ہونے لگا۔ اب اس مقدمے کے بعد یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ادب معاشرے کے لیے نہ صرف اظہار و ابلاغ کی حد تک ضروری ہے بلکہ ثقافتی ترقی کے لیے بھی ناگزیر ہے۔''(۷)

یقیناً ادب ثقافتی ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔ چناں چہ اس اقتباس میں ادب کی داخلی اور خارجی کیفیات کی جانب سیر حاصل اشارے کیے گئے ہیں۔

ادب کا ذکر چھڑتے ہی ادیب کے بارے میں بات کرنا بھی بے حد ضروری ہو جاتا ہے کیوں کہ ادب اور ادیب کے بارے میں مختلف نقاط نظر سامنے آتے ہیں۔ ہمیں اس کی بحث میں گئے بغیر یہی کہنا ہے کہ ادیب واعظ یا مصلح نہیں ہوتا بلکہ گردش دوراں کے واقعات خوب صورت الفاظ میں ادا کرنے کا ملکہ رکھتا ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ ادیب کو خدائے پاک نے ملکہ اظہار کی جو نعمت بخشی ہے اسے بروئے کار لاتے ہوئے معاشرے کو بگڑنے سے بچانے اور ثقافت کی کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے واعظانہ روش اختیار کرنا چاہیے۔

سماج اور اس کی ہیئت تشکیل:

سید عباس متقی نے اپنے مقالے کا پہلا باب یہی رکھا ہے، جس پر انھوں نے مفصل نہ صحیح مختصر اور مفید گفتگو کی ہے۔ موصوف کے اس باب کے مطالعے کے بعد پتا چلتا ہے کہ انھوں نے تاریخی اور حوالہ جاتی کتابوں سے صرف ان ہی اقتباسات کو لینا ضروری سمجھا جو مقالے کے اس باب کی توضیح کر سکتے ہوں۔ انھوں نے بے جا اور غیر ضروری اقتباسات سے گریز کیا ہے اور ان اقتباسات کو اپنی زبان میں بیان کرتے ہوتے سماج اور اس کی ہیئت تشکیل پر روشنی ڈالی ہے:

''ہندوستان کے سماج کی خصوصیت رہی ہے کہ وہ مختلف ادوار میں مختلف چھوٹی دیہی اور قصباتی اور کبھی کبھی علاقائی وحدتوں میں بٹا رہا ہے یہ تقسیم بڑی حد تک خود کفالتی رہی ہے اور یہ اکائیاں اپنی انتظامی اور اقتصادی ضرورتیں پوری کر لیتی تھیں اور ان کی لسانی اور ادبی انفرادیت بھی ہوتی تھی اور کبھی کبھی مذہبی اور تہذیبی بھی۔ ہندوستان میں سماج کی ان بکھری ہوئی اکائیوں کو کسی ایک وحدت میں پرونے کا کام بار بار ہوا ہے عرب، ترک، ایرانی اثرات عام ہونے سے قبل بھی یہ عمل کسی نہ کسی شکل میں جاری رہا

مگران اثرات کے عام ہونے کے بعد یہ عمل زیادہ تیز ہوگیا۔ترک ایرانی اثرات کے ہندوستان کا رخ کرنے کی بڑی وجہ سیاسی سے زیادہ اقتصادی اور تجارتی تھی۔عرب اور اس کے دور خلافت کے خاتمے کے بعد ترک ایرانی اور مغل مغربی اور وسط ایشیا میں تاجر کی حیثیت سے ہی نمایاں نہ تھے بلکہ خشکی اور سمندری تاجرانہ راستوں پر قبضہ ہونے کی وجہ سے یہی لوگ یورپ اور افریقہ کے بازاروں تک ایشیائی مصنوعات پہنچاتے تھے اور تینوں برآعظموں کے درمیان تہذیبی اور فکری رابطے بہم پہنچاتے تھے۔''(۸)

انسان اپنی انفرادیت کے لحاظ سے معاشرے کے بغیر زندگی گزارنے سے مجبور ہے جب حضرت آدم اپنی انفرادی شناخت کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکے تو ان کی آل اولاد کیا خاک معاشرے کے بغیر زندگی بسر کرے گی۔ ہوا، پانی اور غذا کے ساتھ ہی اس کی اہم ترین ضرورت سماج، معاشرہ اور زبان و ادب ہے۔ چناں چہ معاشرہ انسان کے ان تمام خواہشات کا احترام کرتا ہے اور انھیں بہ حسن وخوبی انجام دیتا ہے، جو کہ بہ حیثیت فرد اس کی نجی ضرورت بھی ہے اور حق بھی۔سید عباس متقی لکھتے ہیں:

''ادب سے معاشرہ حسین خوابوں پرورش کرتا ہے اور دنیا کے رنج والم سے ایک گونہ سکون محسوس ہوتا ہے۔ادیب اور شاعر فن کار اور مصور، ڈراما نگار و مزاح نگار آدمی کو اس کی پستیوں، پریشانیوں، حیرانیوں اور تلخ مصروفیتوں سے نکال کر کچھ دیر اس کے لیے تفریح کا سامان مہیا کرتے ہیں تاکہ ناآسودگی کا تسلسل منقطع ہو اور اس تعطل کے سبب مکرر حیات کی مصروفیتوں میں آدمی جٹ سکے۔یہ ادب کا احسان ہے اور شعرا و ادبا کی کرم فرمانیاں۔''(۹)

ایک سوال ذہن میں یہ آسکتا ہے کہ آیا جو ادب منظر عام پر آیا ہے وہ مکمل سماج کا مرہون ہے یا خود ادیب کی کاوش وجدان کا ثمرہ ہے۔اس سلسلے میں سید عباس متقی کہتے ہیں:

''یہاں اس سوال کے جواب میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ادب اگرچہ سماج کا آئینہ دار ہوتا ہے لیکن یہ بات متحقق ہوچکی ہے کہ ادب کے وقوع پذیر ہونے کا سہرا ادیب کے سر جاتا ہے۔ وہی خالق، وہی محرک، وہی تجربہ کار گردانا جاتا ہے۔ایک زمانے کے معاشرے کو سمجھنے کے لیے ادب کا مطالعہ ضروری ہے اور ادب کا مطالعہ ادیب کا مرہون منت ہے۔''(۱۰)

اس طرح سید عباس متقی نے پہلے باب میں سماج اور اس کی ہیئت تشکیلی کو آٹھ صفحات میں احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، جو اجمالی ہی صحیح مدلل طور پر پیش کرنے کی سعی سمجھی جاسکتی ہے۔

مقالے کا دوسرا باب ''طنز و مزاح کی ماہیئت'' پر منحصر ہے جس میں نے نہایت تندہی سے طنز و مزاح کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اگر چہ یہ باب بارہ صفحات پر مشتمل ہے لیکن اس میں انھوں نے منصفانہ طور پر طنز و مزاح پر روشنی ڈالی ہے اور باب کی ابتدا اس طرح کی ہے:

> ''ہماری زندگی طنز و مزاح کے بغیر ادھوری ادھوری لگتی ہے۔ بغیر لطافتوں کے ہماری زبان اجڑی اجڑی معلوم ہوتی ہے۔ ہم سننے کے لیے مجبور ہیں اسی لیے ان تمام جھوٹی سچی باتوں کو قبول کرتے ہیں۔ جنھیں دیکھ کر، پڑھ کر یا سن کر ہنسی آجائے۔ ہم لکھتے پڑھتے ہیں اگر وہ طنز و ظرافت سے مملو نہیں تو اس میں لذت بخشی کا کوئی سامان بھی نہیں۔ ادبی ظرافت ہی سے اقوام کا معیار بھی معلوم ہوتا ہے۔ طنز و مزاح سے مملوشہ پارے ادب کے ارتقا میں مدو معاون ثابت ہوتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ طنز و تبسم کی ابتدا کہاں سے ہوئی۔'' (۱۱)

ہنسی کی بنیاد دراصل وہ جذبات ہیں جو ایک فرد کے قلب میں خود بخود پیدا ہوتے ہیں اور بعض اوقات بیرونی اثرات سے ان میں تموج پیدا ہوتا ہے جس سے ہنسنے کی بنیاد غیر مستحسن جذبات گردانی جاتی ہے۔ سید عباس متقی لکھتے ہیں:

> ''جس ہنسنے کی بنیاد غیر مستحسن جذبات سمجھی گئی ہے اس کے متن سے ظرافت اور اس سے متعلق جملے سے اجزا کی پیدائش بھی ہوتی رہی ہے۔ طنز، بذلہ سنجی، پھبتی، فقرہ بازی وغیرہ سب اسی ہنسنے ہنسانے کی مختلف صورتیں یا علامتیں ہیں۔ گویا ہنسنا ایک برگد کا درخت ہے جس کی جٹائیں خود رفتہ رفتہ ایک درخت بن گئیں۔ سایہ کی لطافت و نزاکت کا مزہ پا کر اہل علم اور اہل طبع حضرات سب ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔'' (۱۲)

ہنسنے میں شعور کو بڑا دخل رہا ہے۔ چناں چہ ہنسنے ہنسانے نے انسان کے جس شعور کو بلندی اور بام عروج عطا کیا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ اس کو قائم رکھنے اور آگے بڑھانے کے لیے ظرافت کو علمی وادبی سانچے میں ڈھالا جائے۔

بیسویں صدی کے آغاز سے قبل انسانی فکر کی تاریخ میں مزاح کے مسئلے پر دو نہایت دلچسپ نظریے ملتے ہیں۔ سید عباس متقی نے یہاں ان نظریوں کو اپنے باب میں شامل کرلیا، جن

میں سے ایک نظریے یونان کے مفکرِ اعظم ارسطو اور سترھویں صدی کے انگریز مفکر تھامس ہابز کا ہے اور دوسرا نظریہ جرمن فلاسفر امانوئل کانٹ کا ہے جسے بعد میں شوپنہار نے اپنے نظریے میں سمولیا ہے۔ پہلے نظریے کے خالق نے ہنسی کی توضیح کرتے ہوئے لکھا:

''ہنسی کسی کمی یا بدصورتی کو دیکھ کر معرض وجود میں آتی ہے جو درد انگیز نہ ہو اسی طرح سترھویں صدی عیسوی میں ہابز نے بھی یہی نظریہ پیش کیا۔'' (۱۳)

دوسرے نظریے کے خالق رقم طراز ہیں:

''ہنسی کچھ نہیں سوائے اس جذبہ افتخار یا احساس برتری کے جو دوسروں کی کمزوری یا اپنی گزشتہ خامیوں سے تقابل کے باعث معرض وجود میں آتا ہے۔'' (۱۴)

ہنسی کے متعلق دوسرے نظریہ کی توضیح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ہنسی کے متعلق دوسرا نظریہ ایمونیول کانٹ کا ہے جس کے مطابق ہنسی اس وقت نمودار ہوتی ہے جب کوئی چیز ہوتے ہوتے رہ جائے اور ہماری توقعات اچانک ایک بلبلے کی طرح پھٹ کر ختم ہو جائیں۔ کانٹ کے اس نظریہ کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ ہماری توقعات ایک غبارے کے اندر ہوا کی مانند لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی ہوتی ہے اور ہم کسی خاص نتیجے پر بڑی بے تابی سے پہنچ رہے ہوتے ہیں کہ اچانک غبارے میں ایک چھید ہو جاتا ہے اور ہماری امیدوں کا سارا دباؤ غبارے کو پھیلانے کی بجائے اس سوراخ کے راستے پھوٹ نکلتا ہے۔ یہ پھوٹ نکلنا ہی ہنسی کہلاتا ہے اور یہ ہنسی نہ صرف باعث فرحت ہوتی ہے بلکہ بعض وقت متعدی بھی۔'' (۱۵)

سید عباس متقی کے ماخوذہ ان نظریات اور ان کی توضیحات سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ طنز، مزاح کے لیے ایسا ہی ناگزیر ہے جیسے صحت تام کے حصول کے لیے خاص مواقع پر عمل جراحی، عمل جراحی سے جس طرح مریض ایک خاص طرح کی راحت حاصل کرتا ہے بعینہ ایک پر اثر طنز بھی باعث راحت ہوتا ہے اگرچہ وہ اپنی ذات میں کتنا ہی شدید اور تلخ کیوں نہ ہو۔

اس کے بعد تیسرا باب ''طنز و مزاح کے ارتقا میں مغل سلطنت کے زوال کے اثرات'' کو محیط ہے۔ انھوں نے اس باب کو تقریباً گیارہ صفحات پر بکھیرا ہے اور مختلف دلائل و براہین سے مغل سلطنت کے زوال کے اثرات اور طنز و مزاح کے ارتقا پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر

طرف شدید سیاسی ابتری اور زبردست بدامنی کا دور دورہ تھا۔قتل و غارت گیری ،لوٹ مار اور چوری ڈاکے سے لوگوں کی زندگی اجیرن ہوگئی تھی جن لوگوں پر شہری نظم ونسق بحال رکھنے کی ذمے داری تھی وہ خود جرائم کے مرتکب تھے دربار کوتوالی اور عدالت میں رشوت ستانی کا بازار گرم تھا۔بعض شعرانے رشوت کی علی الاعلان طلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بات ظاہر کی ہے کہ اس دور میں قانون اور انصاف ایک ڈھکوسلا بن گیا تھا۔

سید عبا متقی نے مختلف شاعروں کے کلام کے حوالوں سے اس دور کے حالات کی نقشہ کشی کی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے جن شعرا کے کلام سے استفادہ کیا ہے ان کے ناموں میں میرؔ، مصحفیؔ،سوداؔ، راغبؔ، راسخؔ، حسرتؔ، ہدایتؔ، نظیرؔ، حاتمؔ، جوھریؔ، آصفؔ، تجلیؔ، کمالؔ، جرأتؔ، مبینؔ، ظہیرؔ، غالبؔ، داغؔ، محسنؔ، سالکؔ، عیشؔ، کوکبؔ، تشنہؔ، سوزاںؔ، عیشیؔ، آزردہؔ، عاقلؔ، عزیزؔ، عباسؔ، مہدیؔ، ہنرؔ، تجملؔ وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔سید عباس متقی رقم طراز ہیں:

> ''۱۸۵۷ء ہندوستان کی تاریخ میں ایک فیصلہ کن موڑ تھا۔اس باب میں جو شہر آشوب ملے ہیں ان میں زیادہ تر دہلی والوں کی داستان غم کا بیان ہے۔لارڈ لیک نے ۱۸۰۳ء میں دہلی پر قبضہ کیا تھا۔چناں چہ یہاں تقریباً چون (۵۴) برس سے انگریزی عمل داری تھی لیکن ملک کے دوسرے مقبوضہ علاقوں کی طرح دہلی والوں کی بہت بڑی تعداد انگریزی نظم ونسق سے ذہنی توافق پیدا نہیں کرسکتی تھی اور لال قلعہ اپنی سابقہ شان وشوکت کھودینے کے باوجود ثقافتی زندگی کا مرکز تھا۔اسی لیے بعض شہر آشوبوں میں مغلیہ خاندان کے خاتمے اور لال قلعے کے اجڑنے پر رنج اور افسوس کا اظہار ملتا ہے۔'' (۱۶)

اس طرح اس باب میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے اثرات سے پنپنے والے طنز ومزاح پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

مقالے کے چوتھے باب پر'' فورٹ ولیم کالج'' کا عنوان لکھا گیا ہے،جس کی ابتدا میں انھوں نے اردو زبان کی ابتدا کے متعلق پیش کیے گئے نظریوں سے صرف نظر اپنی توضیحات پیش کیں ہیں:

> ''اردو زبان کی پیدائش فروغ اور تہذیب کے بارے میں ایک اہم نکتہ یہ تصور کیا گیا ہے کہ یہ زبان کسی منصوبہ بندی کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ ایک لالہ خودرو ہے۔جس نے اپنی غذا عوام سے

حاصل کی اور اپنے اثمار بلا امتیاز خواص وعوام میں تقسیم کیے۔ اردو کا اولین روپ کاروباری زبان کی صورت میں ابھرا لیکن ادبی زبان سب سے پہلے شاعری میں نمایاں ہوئی اور اسے ابتدائی فروغ جنوبی ہند میں حاصل ہوا۔ زمانی اعتبار سے شاعری کے مقابلے میں ادبی نثر بہت عرصے کے بعد ظہور میں آئی اور اس کے ارتقا کا اولین اہم مرکز کلکتہ بنا جو دلی سے خاصے فاصلہ پر ہندوستان کے مشرقی حصے میں واقع ہے۔'' (۱۷)

اس طرح سید عباس متقی نے فورٹ ولیم کالج کی تحریک سے اس کے قیام تک کا احاطہ کیا ہے۔ اس پورے باب میں جو سات صفحات پر مشتمل ہے کہیں بھی فورٹ ولیم کالج کے قیام سے اردو طنز ومزاح کو کیا فروغ ملا ہے اس سے بحث نہیں کی گئی۔ انھوں نے صرف سماجی اور تہذیبی پس منظر پر ہی روشنی ڈالی ہے۔

اس کے بعد مقالے کا پانچواں باب ''مرزا غالبؔ کی مزاح نگاری کا سماجی اور تہذیبی پس منظر'' شروع ہوتا ہے جو آٹھ صفحات کو محیط ہے، جس میں موصوف نے مرزا غالبؔ کے اشعار کے حوالوں سے اور ان کے خطوط کی روشنی میں مرزا غالبؔ کی مزاح نگاری اور طنز کے نشتروں کی نشان دہی کی ہے۔ وہ مرزا غالب کے خطوط کی بابت لکھتے ہیں:

''غالب کے خطوط ان کے دور کی عکاسی کرتے ہیں اور اس وقت کے سماجی اور تہذیبی ماحول کی چغلی کھاتے ہیں۔ غالب نے غدر کا ہنگامہ دیکھا تھا۔ مسلمانوں کی شدید ترین تباہی کے وہ چشم دید گواہ تھے۔ نوابوں اور جاگیرداروں کے زوال کے مشاہد تھے۔ افراتفری اور لاچاری، بے بسی ومجبوری کے عالم میں انھوں نے سانس لی تھی، لیکن وضع دار کو نباھنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ وہ تبسم بانٹتے رہے، قہقہے بکھیرتے رہے، زندہ دلی سے زندگی کو اختتام تک پہنچایا، ضعیفی کے عالم میں جب کہ لوگ چڑ چڑے ہوجاتے ہیں۔ ایک عالم اضطراب ہوتا ہے۔ برہمی کی کیفیت سے دوچار رہتے ہیں لیکن مرزا نے اصول وروایات، اسباب وعلل سے قطع نظر درازی عمر کے باوجود بذلہ سنجی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا، تا مرگ شگفتہ گو رہے۔'' (۱۸)

مرزا غالبؔ کے خطوط میں اپنے دور کی عکاسی ملتی ہے اور اپنے دلی جذبات اور نجی احساسات کا نہایت قرینے سے اظہار ملتا ہے۔ وہ اپنے دور کی شکایت بھی کرتے ہیں اور اپنے عہد کا رونا بھی روتے ہیں لیکن اس لطافت سے کہ اس رونے پر بے ساختہ ہنسی آجائے۔ یہ ان کے قلم کی انفرادی خصوصیت ہے۔

سید عباس متقی نے نمونے کے طور پر مرزا غالبؔ کے خطوط سے اقتباسات نقل کیے ہیں، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موصوف نے مرزا غالبؔ کے خطوط کا بغائر مطالعہ کیا ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''مرزا غالبؔ کے مکاتب کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انھوں نے طنز کو اپنا شعار نہیں بنایا۔ اگر وہ اپنے دور کے سماجی اور تہذیبی اقدار پر طنز کرنے کو روا جانتے اور تاریخ کی بدلتی ہوئی صورت سے سمجھوتہ کرتے تو شاید اردو ادب کے طنزیہ مضامین میں ایک بیش بہا اضافہ ہوتا چناں چہ انھوں نے مغلیہ سلطنت کے زوال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور انگریزوں کی حکمرانی کی شروعات کو بھی ملاحظہ کیا۔ انھوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی کے زوال پر آنسو تو بہائے لیکن نئی حکومت کی جبر آسا حکایتوں پر کوئی طنز نہیں کیا۔ ان کے مکاتیب سماجی حالات کے آئینہ دار ہیں، جنھیں پڑھ کر کچھ امواج تبسم ضرور پیدا ہو جاتی ہیں لیکن اس وقت کے شاہی کروفر اور نظام انگلستان پر کوئی ہلکا سا طنز بھی نہیں کہ پڑھ کر احساس زیاں جاگ اٹھے۔ مرزا کو آزادی ملک سے کوئی لگاؤ نہیں تھا وہ اپنی قوم کے عروج کے کما حقہ، متمنی بھی نہیں تھے۔ غالبؔ کی شخصیت بجائے خود اک طنز ہے کہ جب تک وہ سلطنت مغلیہ کے نمک خوار رہے بہادر شاہ ظفر کی شان میں قصائد لکھے اور جب دلی پر انگریزی پرچم لہرانے لگا تو انگریزوں کی شان بیانی شروع کر دی۔ غالبؔ نے وقت کا ساتھ دیا زندگی کو زندہ دلی سے گزارنے کو سرمایہ حیات سمجھا۔'' **(۱۹)**

سید عباس متقی کے ان خیالات کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غالبؔ کے خطوط میں ظرافت کی پاکیزگی اور نکھری مثالیں تو بکثرت ملیں گی مگر ان کے ہاں سماجی شعور نہیں ملے گا نیز تمدنی یا تعمیری اقدار کو ابھارنے کی سعی نہیں ملتی۔ ظہیر احمد صدیقی کی تنقید سے ان خیالات کی توثیق ہو جائے گی:

''غالبؔ کے ہاں طنز کے مقابلے میں ظرافت کی چاشنی بہت زیادہ ہے نیز ان کی برجستگی اور بے تکلفی میں سماجی شعور کی کمی ہے۔ سماجی حالات کا نقشہ تو ملتا ہے مگر اس کی بے تکلفی کو اجاگر کرنے اور تمدنی یا تعمیری اقدار کو ابھارنے کی کوشش نہیں ملتی۔ ان کے ہاں زندگی کی رفتار تو نظر آتی ہے مگر اس میں حرکت پیدا کرنے کا رجحان نہیں۔ اس کا سبب بھی ظرافت کے بنیادی اقدار کے تصور کی عدم موجودگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب کی بے پناہ شعوری صلاحیتیں بھی ظرافت کو فن کے پایہ تک نہ پہنچا سکیں۔'' **(۲۰)**

الغرض کہ سید عباس متقی نے اس باب میں مرزا غالب کی مزاح نگاری کا سماجی اور تہذیبی پس منظر بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور انھوں نے طنز کو صحت جسمانی کے لیے ناگزیر قرار دیا ہے اور سماج کے لیے اسے ضروری گردانا ہے ہم ان کی اس بات سے متفق ہیں۔ واقعی جہاں طنز وتبسم کی کرنیں ہوں گی وہیں فکر بھی اپنی جادوگری دکھائے تو ادب کو چار چاند لگ سکتے ہیں۔

چھٹے باب میں سید عباس متقی نے طنز و مزاح کے ارتقا میں اودھ پنچ کی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ وقعی طنز و مزاح کا دور جدید اودھ پنچ کا مرہون منت ہے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اردو ادب میں اسی رسالے نے طنز و مزاح کے میدان میں قدم رکھا اور اس صنف کو بام عروج تک پہنچایا۔ یہی وہ رسالہ تھا جس میں مزاحیہ شعرا نظم اور اس کی دیگر اصناف میں اپنی فطری ظرافت اور طنز کا اظہار کیا کرتے تھے اور نثر نگاروں نے اس مزاحیہ ادب کو فروغ دیا۔ شروع میں عباس متقی نے اودھ پنچ کے متعلق رائے دیتے ہوئے لکھا ہے:

> ''اودھ پنچ کا اولین مقصد زمانے میں جو عدم اعتدالی ہے اس کا قلع قمع کرنا تھا۔ اس اخبار کا یہ بھی منشا رہا کہ بتدریج ہندوستان اصلاح کی جانب ہو اور جو کمزور پہلو یہاں کے سماج اور سیاست میں نکل آئے ہیں ان سے آگاہی حاصل ہو جس کے نتیجے میں ایک بہتر سماج منظر عام پر آئے۔ طنز کے ساتھ ساتھ ظرافت کا چسکہ بھی بہت ضروری تھا کہ بغیر شکر کوٹ کیے انسان کڑوی گولیاں حلق سے نہیں اتار سکتا۔ اگرچہ کہ اودھ پنچ کے بالمقابل اور بھی اخبار طنز و ظرافت کے نمونے لیے صفحہ ادب وصحافت پر نمودار ہوئے لیکن وہ کماحقہ چل نہ سکے۔ مثلاً انڈین پنچ، بمبئی پنچ، بانکے پور پنچ وغیرہ۔ اس دور کے سماجی اور تہذیبی انحطاط میں اودھ پنچ نے جو اپنی خدمات پیش کی ہیں وہ سحر کاری کے مثل قرار دی جاسکتی ہیں۔ چوں کہ اس اخبار میں ایک عام شخص کی تفریح کا پورا پورا سامان تھا اس لیے اودھ پنچ کا جلد ہی طوطی بولنے لگا۔'' **(۲۱)**

سید عباس متقی کے اس اقتباس سے پتا چلتا ہے کہ اودھ پنچ میں عوامی تفریح کا سامان ہوا کرتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ طنز و مزاح پر مشتمل یہ رسالہ دیر تک جاری رہا۔

ظرافت انسان کے اندرون ایک لطیف کیفیت کو برانگیختہ کرتی ہے جسے عرف عام میں خوش مذاقی یا شگفتگی کہتے ہیں اور جب یہ چیز اپنے دائرہ مدود سے باہر قدم رکھتی ہے تو پھکڑ پن

سے عبارت ہو جاتی ہے جو طبائع لطیف کو کھلتی ہے۔ مسکرانا اور ہنسنا انسان کا فطری حق ہے اس حق کو وہ کبھی شعور کے ساتھ تو کبھی لاشعوری میں حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہ وہ اندرونی کیفیات ہیں جن کے متعلق معروف طنز نگار کرشن چندر لکھتے ہیں:

''انسان اسی لیے اشرف المخلوقات ہے کہ وہ ہنستا ہے اور جو لوگ ہنستے نہیں مجھے ان کے اشرف المخلوقات ہونے میں بھی شبہ ہے، کیوں کہ ذی روح افراد میں انسان ہی ایک ایسی ہستی ہے جو حسِ مزاح رکھتی ہے۔'' **(۲۲)**

اسی مناسب سے غلام احمد فرقت کاکوروی لکھتے ہیں:

''ہنسی جس سے ظرافت کے پودے کی آبیاری ہوتی ہے ایک فطری جذبہ ہے جو مخصوص لمحات زندگی میں ہر انسان میں پایا جاتا ہے۔'' **(۲۳)**

اس دور کی پاکیزہ اور ستھری تہذیب وتمدن سے آراستہ اگر کوئی ظرافت اور بذلہ سنجی سے مملو تحریر کہیں نظر آتی ہے تو وہ مرزا غالبؔ کے خطوط ہیں۔ ان خطوط میں نجی مسائل کو ظرافت کے سانچے میں اس انداز سے ڈھالا گیا ہے کہ خطوط بجائے خود ظریفانہ مضامین ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایک ایک جملے سے بذلہ سنجی اور ذہانت و فطانت آشکارا ہوتی ہوئی قاری کو محظوظ کیے بغیر نہیں رہتی۔ ان خطوط میں نہ پھبتیاں ہیں نہ طعن وتشنیع، ایک طرح کی سلیس اور آسان گفتگو ہے جو طبیعت میں گدگداہٹ سی پیدا کرتی ہے اور دراصل حقیقی ظرافت یہی ہے کہ تحریر پڑھنے والے کے اندر ایک لطیف گدگداہٹ پیدا ہو۔ وہ دلچسپی اور انہماک سے پڑھتا رہے زیر لب مسکراتا رہے۔ شوخی اور بذلہ سنجی اسے داد دینے پر مجبور کرتی رہے۔ لطافت اور بے ساختگی وہ جو دعوت غور وفکر دے اور جو باعث مسرت ہو۔

اودھ پنچ خالص لطیف مزاح سے عاری ہے۔ یہ دوسروں کو رلاتا بھی ہے اور ہنساتا بھی اودھ پنچ دراصل اس دور کی غمازی کرتا ہے جہاں بے تکلفی کے دوائر نہایت وسیع تھے۔ پھکڑ پن، تہذیب کا آئینہ دار تھا۔ بے اعتدالی کوئی عیب متصور نہیں کی جاتی تھی، لیکن اودھ پنچ کا کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے اردو زبان کو تصنع کی غیر فطری طرز تحریر سے نجات بخشی اور سادگی و بے تکلفی عطا کی۔

اودھ پنچ کی زبان اور سلاست وروانی، بذلہ سنجی اور ظرافت میں جن لوگوں نے اپنے قلم کو وقف کر دینے کی حد تک خدمت کا بیڑا اٹھایا اور لگاتار برسہا برس تک خدمت کرتے

رہے۔ان میں منشی سجاد حسین کے علم ظرافت کے زیر سایہ مرزا مچھو بیگ المعروف بہ ستم ظریف، حضرت احمد علی شوق، پنڈت تربھون ناتھ ہجر، نواب سید محمد آزاد، بابو جوالا پرشاد برق، منشی احمد علی کمنڈوی، حضرت اکبر حسین اکبرالہٰ آبادی نظر آتے ہیں۔جنھوں نے اپنی شاعری اور اپنے مضامین سے زبان اردو کو نیا موڑ دیا۔اودھ پنچ کی ایک خاص خوبی یہ بھی تھی کہ اس میں بلا لحاظ مذہب وملت اور رنگ ونسل میں تفاوت نہیں برتا جاتا تھا۔بلکہ یہ ہندو مسلم اتحاد کا آئینہ دار تھا۔چناں چہ سید عباس متقی لکھتے ہیں:

''اودھ پنچ کی قابل تعریف بات یہ ہے کہ اس نے ہندو مسلم اتحاد پر کافی زور صرف کیا اس میں ہر نزاع کو ظرافت کا پہلو دے کر ٹال جاتا، چناں چہ ہولی اور بسنت کے زمانے میں اس پرچے کا رنگ لال اور زعفرانی ہوا کرتا تھا۔تاکہ بسنت ومحبت کے جذبات ہوئیدا ہوں اور اس لحاظ سے ساقی نامے اور ترانے مدتوں شائع ہوتے رہتے۔''(۲۴)

اودھ پنچ کے اخلاص اتحاد کے ثبوت میں یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ وہ انڈین نیشنل کانگریس کا محض اسی سبب حامی تھا کہ وہ قومی اتفاق کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی۔اسی وجہ سے اس پرچے کے مدیر اول منشی سجاد حسین کانگریس سے تادم آخر منسلک رہے۔۱۹۸۸ء میں جب کہ سرسید، راجا شیو پرشاد وغیرہ کانگریس کا تختہ الٹنے کی کوشش میں مصروف تھے تو اودھ پنچ نے اس تحریک قومی کا ساتھ دیا۔

سید عباس متقی نے اودھ پنچ میں لکھنے والوں میں سے اکبرالہٰ آبادی، پنڈت رتن ناتھ سرشار اور ریاض خیرآبادی کے احوال اور ان کی طنز ومزاح نگاری کے نمونے پیش کیے ہیں۔

اس طرح دلائل اور حوالوں کے ساتھ سید عباس متقی نے طنز ومزاح کے ارتقا میں اودھ پنچ کی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔کیا ہی اچھا ہوتا کہ اودھ پنچ کے ساتھ ساتھ ماہ نامہ ماہ نامہ شگوفہ حیدرآباد کو بھی شامل کرتے۔جس وقت یہ مقالہ سپرد قلم کیا جارہا تھا۔اس وقت ماہ نامہ شگوفہ بھی پورے آب وتاب کے ساتھ حیدرآباد دکن سے شائع ہورہا تھا۔اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس دور میں ہندو پاک سے نکلنے والے طنز ومزاح پر مشتمل ماہنامے اور رسائل میں ماہ نامہ شگوفہ اپنی ایک شناخت قائم کرچکا تھا۔

سید عباس متقی نے مقالے کا ساتواں باب ''علی گڑھ تحریک'' کے نام سے رکھا ہے۔جس میں انھوں نے علی گڑھ تحریک کی ابتدا پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔اس باب کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ علی گڑھ تحریک کا بیج ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے برانگیختہ ہوا تھا۔اگر یہ جنگ نہ ہوتی تو شاید اس تحریک کے متحرک اول سرسید احمد خاں کی زندگی کا دھارا مختلف سمت میں رواں ہوتا اور وہ اپنی پرانی شہرت میں ہی آسودگی محسوس کرنے لگتے۔سرسید احمد خاں انقلاب دہلی سے قبل علمی ،ادبی ،سیاسی اور تہذیبی حلقوں میں متعارف ہو چکے تھے اور انھوں نے رفاہ عام کے اموراور تصنیف وتالیف کے کاموں میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔چناں چہ ۱۸۴۱ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک انھوں نے پندرہ کتابیں تالیف کیں ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سرسید کو مذہب اور تاریخ سے یکساں دلچسپی تھی اور ان کا تفکر سائینسی اندازنظر اور علوم مفیدہ کی ترویج کے لیے کوشاں تھا۔سرسید کی ذات میں قدامت اور جدیدیت دونوں کا امتزاج موجود تھا۔انھوں نے مسلمانوں کے روشن ماضی سے عظمت و رفعت کا تصور حاصل کیا لیکن اس تصور میں رنگ آمیزی مغربی علوم سے کی چناں چہ ان کی شخصیت سے ایک ایسی تحریک پھوٹی جس نے مسلمانِ ہند کو اپنی جداگانہ حیثیت کا احساس دلا دیا۔

سرسید پر راجا رام موہن رائے کے اثرات سے انکار ممکن نہیں۔ڈاکٹر محمد اشرف ''سرسید اور سیاسیات ہند'' میں رقم طراز ہیں:

> ''مغربی تہذیب انگریزی تعلیم پارلمنٹری طرز حکومت ،اصلاح معاشرت ،مذہبی آزادی، حقیقت پسندی، اخبار نویسی حتی کہ سادہ طرز تحریر شاید ہی کوئی ایسا عقیدہ ہو جس میں سرسید قدم بہ قدم راجا رام موہن رائے کے نہ چلے ہوں۔''(۲۵)

سرسید نے راجا رام موہن رائے کے مانند نئے علوم کے لیے ذہن کی کھڑکیاں کھلی رکھیں اور برہمو سماج کے انداز میں علی گڑھ تحریک چلائی تو اس کی کامیابی کے لیے اسکولس، کالجز، انجمنیں اور اخبارات جاری کیے اور حکومت سے براہ راست تصادم میں قوت ضائع کرنے کی بجائے اسے تعمیری مقاصد میں صرف کیا۔چناں چہ سرسید علی گڑھ تحریک کا سرمایہ قیادت ایک ایسی تحریک سے اخذ کیا جو اس سے قبل اہل ہند کے شعور اور لاشعور پر مثبت انداز میں اثر ڈال چکی تھی۔

سر سید کے دو اہم کارنامے غازی پور مدرسہ اور سائنٹی فک سوسائٹی کا قیام ہے۔ مدرسے کا مقصد نونہالان وطن کو نئی تعلیم سے روشناس کرانا تھا اور سوسائٹی کا مقصد بالغوں کو علوم نو سے متعارف کرانا تھا۔ انگریزی تعلیم چوں کہ مذہب کے خلاف تصور کی جارہی تھی اس لیے اس سوسائٹی نے علمی اور تاریخی کتابوں کو اردو زبان میں منتقل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ سر سید اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں یونانی اور اطالوی زبان کے تراجم نے کتنا اہم کردار ادا کیا تھا۔ ہندوستان میں دلی کالج کی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی نے دوررس نتائج پیدا کیے تھے۔ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے سر سید یہی اہم کردار سائنٹی فک سوسائٹی کے ذریعے سرانجام دینا چاہتے تھے۔

علی گڑھ سائنٹیفک سوسائٹی کا قیام معنوی طور پر علی گڑھ تحریک کا نقطہ آغاز ہے۔ یہ اتنا بڑا اقدام تھا کہ ملک کے طول و عرض میں متعدد ادارے علی گڑھ سائنٹیفک سوسائٹی کے طور پر قائم ہوئے۔ سید عباس متقی، ڈاکٹر سید عبداللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کی اشاعت کو ادبی لحاظ سے سفر لندن کی یادگار شمار کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر عابد حسین نے اسے سر سید کے مقاصد کا ترجمان اور ان کی آرزوں اور حوصلوں کا آئینہ کہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علی گڑھ تحریک بکھری ہوئی صورت میں تو سائنٹیفک سوسائٹی کے قیام کے زمانے ہی میں معرض عمل میں آگئی تھی اور سر سید نے مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد بھی شروع کردی تھی تاہم جب سر سید لندن سے واپس آئے تو یہ تحریک اپنی منضبط صورت میں رونما ہوئی اور تہذیب الاخلاق نے اس تحریک کے نظریات کی تبلیغ اور مقاصد کی تکمیل میں اعلی خدمات سرانجام دیں اور اس کے پہلے پرچے میں جو اغراض و مقاصد بیان کیے گئے ان میں علی گڑھ تحریک کے منشور کے بعض اساسی اجزا بھی شامل تھے۔'' **(۲۶)**

مذکورہ اقتباس کو پڑھنے کے بعد ہمیں حالی کی حیات جاوید سے معلوم ہوتا ہے کہ سر سید نے ۱۸۶۹ء میں سفر لندن اختیار کیا تھا۔ اس سفر کے دوران سر سید زندگی کے خوش گوار تجربے سے دوچار ہوئے جس نے ان کے فکر و عمل کا سارا دھارا بدل دیا۔ مغرب کے عینی مشاہدے نے سر سید پر یہ اسرار کھولے کہ اہل یورپ کی ترقی عیسائیت کی مرہون منت نہیں بلکہ اس کا راز ذہنی قوت اور

طبعی علوم کی تحصیل میں پوشیدہ ہے۔مغرب کے طریقہ تعلیم نے سر سید کو بالخصوص متاثر کیا اور وہ لندن میں قیام کے دوران ہی ایک دار العلوم کا خواب دیکھنے لگے جہاں کیمرج کے طرز پر تعلیم کا اہتمام ہو سکے۔

اس باب میں سید عباس متقی نے مختلف دلائل و براہین کے ساتھ علی گڑھ تحریک کی ابتدا، ارتقا اور اس کے اغراض مقاصد پر گفتگو کی ہے اور سر سید کے رفقا کے ساتھ ساتھ ان کے مخالفین کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔علی گڑھ تحریک کے مخلص رفقا کا ذکر کرتے ہوئے سید عباس متقی لکھتے ہیں:

> ''علی گڑھ تحریک کے گرو ہمدرد، مخلص اور ایثار پیشہ رفقا کا حلقہ جمع ہونا شروع ہو گیا۔ سر سید خوش قسمت تھے کہ انھیں جو رفقائے تحریک ملے ان سب میں تصنیفی صلاحتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔اس دور میں تحریک نے نہ صرف ادب پیدا کیا بلکہ بہت سے ادیبوں کی خفیہ صلاحیتوں کو بھی بیدار کیا اور ایک ولولہ تازہ سے انھیں قومی مسائل اور علی گڑھ تحریک میں حصہ لینے پر آمدہ کر لیا۔آگے بڑھنے سے قبل سر سید علی گڑھ تحریک کے ان نامور رفقا کا تذکرہ ضروری ہے جن میں نواب محسن الملک، چراغ علی، نواب وقار الملک، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، مولوی نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ، مولوی وحید الدین سلیم، عبدالحلیم شرر کے نام سرفہرست ہیں۔علی گڑھ تحریک کا دائرہ اثر صرف رفقا سر سید تک محدود نہیں تھا بلکہ بہت سے ادبا جو اس تحریک سے متعلق نہیں تھے اس کے اثرات کو قبول کرنے پر مائل ہوئے۔ان میں سید احمد دہلوی، مولوی سمیع اللہ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔'' (۲۷)

علی گڑھ تحریک نے جس علمی فضا کو پروان چڑھایا تھا اس کے اثمار سر سید کی زندگی ہی میں سامنے آنا شروع ہو گئے تھے چناں چہ علی گڑھ کالج کے جو طلبہ نمایاں ہوئے ان میں اس تحریک کی صحت مند روایات کو آگے بڑھانے کی پوری صلاحیت موجود تھی ان میں سے خواجہ غلام الثقلین، مولوی عبدالحق، مولوی عزیز مرزا اور عنایت اللہ خاں دہلوی، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علی گڑھ تحریک سر سید کا خواب زرین تھا اور اس خواب کو تعبیر میں لانے کے لیے جن لوگوں نے نسل بعد نسل کارنامے انجام دیے ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ان میں حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر، ظفر علی خاں، حبیب الرحمٰن شیروانی، عبد الماجد دریابادی، طفیل احمد منگلوری جیسے مشہور زمانہ لوگ شامل ہیں۔جنھوں نے سیاست، صحافت اور ادب کو بطور خاص متاثر کیا ہندوستان کی قومی زندگی پر جاویدانہ نقوش مرتب کیے۔تعلیم کے میدان میں خوانہ غلام

السیدین ،خواجہ منظور حسین ،ڈاکٹر ذاکر حسین ،مولانا احسن مارہروی ،رشید احمد صدیقی ،پروفیسر مجیب علی اور الیاس برنی منظر عام پر آئے ۔انھوں نے اس علی گڑھ تحریک کو ایک اسلوب حیات بنالیا تھا۔خالص ادبی زوایئے سے علی گڑھ نے محفوظ علی بدایونی،خوشی محمد ناظر،عبد الرحمٰن بجنوری،سجاد حیدر یلدرم،سجاد انصاری،مہدی افادی،قاضی عبد الغفار کو پیدا کیا اور ان سب نے اردو کو موضوعات اور اسالیب بیان کے تنوع سے مالا مال کر دیا۔

علی گڑھ تحریک نے جہاں ایسے ہونہار سپوت دیے ہیں وہیں علی گڑھ تحریک کو متشدد ناقدین کا سامنا بھی رہا۔چناں چہ سید عباس متقی لکھتے ہیں کہ علی گڑھ تحریک چوں کہ فعال تحریک تھی اور ایک واضح نصب العین کے لیے عمل جد و جہد کر رہی تھی اس لیے اس کے خلاف شدید رد عمل کا اظہار ہوا۔داخلی سطح پر تحریک کے چند رفقا نے قائد تحریک سر سید احمد خاں سے مذہبی اور تعلیم امور میں اختلاف کیا اور خارجی سطح پر تحریک کے بعض متشدد ناقدین نے اس کے معاشرتی ،تہذیبی اور سیاسی نظریات کے خلاف آواز اٹھائی،اول الذکر کے اختلاف کا انداز شائستہ تھا لیکن موخر الذکر طبقے نے پھبتی اور ہجو کا انداز اختیار کیا اور طعن و تمسخر میں اختلافات کو بھی درخور اعتنا نہ سمجھا۔

علی گڑھ تحریک کے خلاف رد عمل کے دو زاویئے اہم ہیں۔

(۱) سنجیدہ زاویہ (۲) غیر سنجیدہ زاویہ

(۱) سنجیدہ زاویہ۔جس میں محسن الملک ،مولوی علی بخش شرر،سید امداد علی،شبلی نعمانی اور کسی حد تک مولوی نذیر احمد دہلوی شامل ہیں۔

(۲) غیر سنجیدہ زاویہ۔جس میں اودھ پنچ کے مضمون نگار سجاد حسین ،اکبر الہٰ آبادی ، مچھو بیگ ستم ظریف اور سید محمد آزاد وغیرہ کا نام اہم ہے۔

محسن الملک کا اختلاف عملی کم اور نظری زیادہ تھا۔ان پر ابتدا میں مولوی علی بخش شرؔر کے خیالات کا غلبہ تھا۔لیکن جب وہ سر سید کے قریب آئے تو غلط فہمیاں رفع ہوگئیں اور وہ ان کے قومی کاموں میں نہ صرف شریک ہوگئے بلکہ ان کی وفات کے بعد اس تحریک کے لیے ان کے ایثار اور محنت کو سب سے زیادہ سراہا گیا۔شبلی کی جدیدیت اور فکر و نظر کا انقلاب سر سید کی توجہ اور

علی گڑھ تحریک کا بلا واسطہ نتیجہ ہے۔ندوہ کی تحریک پر علی گڑھ تحریک کے گہرے اثرات موجود ہیں۔چناں چہ سر سید سے شبلی کے اختلافات نہ صرف حیرت انگیز ہیں بلکہ ان کی نوعیت بھی واضح نہیں۔مولانا شبلی نعمانی اظہار رائے کے حامی تھے اور سر سید اختلاف رائے برداشت نہیں کرتے تھے۔

نذیر احمد کے اختلاف کی نوعیت فکری تھی لیکن اس کی جہت مثبت تھی۔چناں چہ انھوں نے شبلی کی طرح علم بغاوت بلند کرنے کے بجائے اپنی فکری انفرادیت کو تحفظ دیا لیکن سر سید سے تعاون کی فضا کو منتشر نہ ہونے دیا۔نذیر احمد کے ناولوں میں سر سید کی نیچریت اور عقلی انتہا پسندی کا خاکہ خوب صورتی سے اڑایا گیا اور ان کے بعض کرداروں میں سر سید کی شخصیت بھی نظر آتی ہے۔

مولوی علی بخش شرر اور مولوی امداد العلی سر سید کے ایسے مخالفین میں سے تھے جو نیک نیتی سے سر سید کے نقطہ نظر سے متفق نہیں تھے۔علی بخش کا اختلاف کا شاخسانہ محض جدت اور بدعت کے نقوش تھے۔انھوں نے سر سید کی شکل میں ایک نئے فتنہ نیچریت کا خطرہ محسوس کیا اور اس کے خلاف صف آرا ہو گئے۔چناں چہ شہاب ثاقب اور تائید اسلام میں انھوں نے سر سید کے نظریات سے واضح اختلاف کیا۔وہ دور چوں کہ مناظرے کا دور تھا اس لیے مولوی علی بخش کے لہجے میں کھرا پن موجود ہے اور وہ نکتہ روی سے قاری پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس رویے کے خلاف سر سید کے ہاں بددلی کا رجحان تو پیدا ہوا لیکن اس نے کسی منفی جذبے کی صورت اختیار نہیں کی۔

علی گڑھ تحریک کے خلاف طنز و مزاح سے بھر پور وار اودھ پنچ اخبار نے کیا۔اودھ پنچ اخبار میں وہ سب طنز و مزاح نگار شامل تھے جو صورت واقعے کو طنزیہ انداز سے دیکھتے اور اس کی مضحک صورت سے قارئین کو ہنسنے اور تحریک کا مضحکہ اڑانے پر مائل کرتے تھے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اودھ پنچ کے پیش نظر اگر تلقین اور اصلاح کا کوئی مقصد تھا تو ظرافت کے گرد پوش میں ملفوف تھا۔علی گڑھ تحریک پر اس خبار کے وار اس لیے زیادہ ہوئے کہ اودھ پنچ کے مدیر منشی سجاد حسین ، کانگریس کے حامی تھے اور سر سید اس کے نکتہ چیں ، چناں چہ سجاد حسین نے سر سید کے خلاف غلط فہمیاں پھیلانے اور انھیں طعن و تشنیع کا شکار بنانے کے لیے ایک

مستقل محاذ قائم کیا اور اس میں اودھ پنچ کے مضمون نگاروں کو بھی شریک کر لیا۔ سجاد حسین کے مزاج میں توازن اور اعتدال کی شدید کمی اور زہرناکی کا عنصر وافر مقدار میں موجود ہے۔ بلا واسطہ خطابیہ انداز میں ان کا مزاج ابتذال کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ بلا شبہ منشی سجاد حسین قدیم تہذیب کے قائل تھے۔ لیکن اپنی تحریروں میں انھوں نے پرخچے اڑائے اور رائے سخن سر سید کی طرف نظر آتا ہے۔

مجموعی طور پر اودھ پنچ کی تحریک نے علی گڑھ کی تحریک کی عقلیت کو طنز ومزاح سے رد کرنے اور تہذیبی احساس کو تردید و تنقیص سے بحال کرنے کی کوشش کی اور یہ مثبت عمل نہیں تھا۔ اودھ پنچ کے مزاج میں چوں کہ تماشے کا عنصر زیادہ تھا اس لیے اسے بہت جلد قبول عوام حاصل ہو گیا۔ لیکن سر سید کی نظر چوں کہ مستقبل پر تھی اور انھوں نے عملی، ادبی اور تہذیبی قدروں کی تجدید کی تھی، اس لیے علی گڑھ تحریک کے امکانات مستقبل کی نسل پر زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکے۔ وقت کا تناظر بدلتے ہی اس کی قدر و قیمت کم ہوگئی اور آج اودھ پنچ کا تذکرہ علی گڑھ تحریک کے تاریخی حوالے سے کیا جاتا ہے۔ سید عباس متقی رقم طراز ہیں:

> ''علی گڑھ تحریک کی مخالفت کا آخری زاویہ بیسویں صدی میں ابھرا اور یہ ابوالکلام آزاد تھے۔ شبلی کے اختلافات پر ذاتیات کا دبیز غلاف چڑھا ہوا ہے اور اس کے برعکس ابوالکلام کا اختلاف چوں کہ فکری تھا اس لیے یہ زیادہ حقیقی نظر آتا ہے۔ ابوالکلام کی فکر شبلی کے زیر اثر جوان ہوئی۔ چناں چہ ابوالکلام آزاد یورپ کی علمی سرگرمیوں کے اعتراف کے باوجود تہذیبی سطح پر ترقی کی نئی رو کو قبول نہیں کرتے انھوں نے ''الہلال'' میں علی گڑھ تحریک کے تعلیمی، مذہبی، تہذیبی اور تمدنی نقطہ نظر کی مسلسل مخالفت کی اور ہندوستانی مسلمانوں کے زوال پر توجہ دینے کی بجائے اتحاد ملت اسلامیہ کے لیے فضا ہموار کرنے کی سعی کی۔ ابوالکلام آزاد سر سید کی تعبیر مذہب سے بھی اختلاف رکھتے تھے۔ چناں چہ انھوں نے گہرے وثوق سے یہاں تک کہہ دیا کہ علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کو ''عضو شل'' بنا دیا ہے۔ علی گڑھ تحریک سے ابوالکلام آزاد کے اختلاف کا ایک زاویہ ادبی نوعیت کا بھی ہے۔ سر سید نے اردو نثر کو سائنسی اسلوب عطا کیا تھا۔ ابو الکلام آزاد نے اس سادگی پر شعریت کا مرصع غلاف چڑھا دیا اور نثر کو جذباتی اظہار کا وسیلہ بنا دیا۔ الہلال اور تذکرہ کی نثر اجزائے تند و کثیف کا مجموعہ ہے اور یہ سر سید کے اسلوب کی معنوی اور صوری ضد ہے۔ ابوالکلام نے سحر جلال پیدا کرنے کے لیے فارسی

اور عربی کے نامانوس الفاظ کو فراوانی سے استعمال کیا اور یوں ''انوار سہیلی'' اور ''فسانہ عجائب'' کی زبان کو دوبارہ جاری کرنے کی کوشش کی۔اس میں شبہ نہیں کہ الہلال نثر میں مغز واستخوان دونوں موجود ہیں تاہم اس پر ابوالکلام کا علم اور ان کی خطابت حاوی ہے اور یہ اردو نثر کو اک مرتبہ پھر ماضی بعید کی طرف لے جانے کی ترغیب دیتی ہے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ ابوالکلام ''غبار خاطر'' میں سادگی اور سہل ممتنع کی کیفیت پیدا کرنے پر مائل ہوگئے اور انھوں نے ''تہذیب الاخلاق'' کی خدمات کا اعتراف بھی کیا ہے۔''(۲۸)

اس میں کوئی شک نہیں کہ سرسید نے جو خواب دیکھا تھا وہ ان کی زندگی میں شرمندہ تعبیر نہیں ہوا تاہم قوم کے دل میں جداگانہ حیثیت کا جو احساس پیدا ہوا تھا درحقیقت اسی نے مسلمانوں کو پستی سے نکالنے میں معاونت کی،مسلمانوں میں نیا تعلیمی شعور پیدا کیا اور اس کی تقلید میں لاہور، پشاور، کراچی وغیرہ میں قومی کالجوں کا قیام عمل میں آیا۔

سرسید کے رفقا میں سے حالؔی نے نئی شاعری کو کروٹ دی،نذیر احمد نے ناول کا اولین اسلوب پیدا کیا۔شبلی نے تاریخ نگاری کا معیار قائم کیا۔محسن الملک اور ذکاءاللہ نے صحیفہ نگاری کو عروج بخشا۔شرر نے تاریخ کو ناول کا پیکر عطا کیا اور خود سرسید نے مقفیٰ اور مسجع عبارت سے کنارہ کشی اختیار کر کے اردو کو عقلی علوم کی زبان بنادیا۔

سید عباس متقی نے آگے ظفر علی خاں ،خواجہ حسن نظامی ،سجاد حیدر یلدرم، ملارموزی، شوکت تھانوی، پطرس بخاری،مرزا فرحت اللہ بیگ اور رشید احمد صدیقی کے احوال وکوائف بیان کرتے ہوئے علی گڑھ تحریک میں ان کے مقام ومرتبے کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے نیز وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ان اشخاص کی تخلیقات میں سے اقتباسات بھی دیے ہیں۔

سید عباس متقی نے آٹھواں اور آخری باب ترقی پسند تحریک کے عنوان سے باندھا ہے جس میں ترقی پسند تحریک اور اس سے وابستہ امور پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے اس عہد کا طنز و مزاح کے میدان میں جو مقام متعین کیا جاسکتا ہے اسے وقت کے مختلف مزاح نگاروں کے حوالے سے بیان کرنے کی سعی کی ہے اور خلیل الرحمٰن اعظمی اور عزیز احمد کی کتابوں کے حوالے سے ترقی پسند تحریک اور ترقی پسند ادب پر گفتگو کی ہے۔

آخر میں ''تجزیہ'' کے عنوان سے مختصر مگر جامع طور پر محاکمہ قلم بند کیا ہے جس میں سرسری طور پر ان امور کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ اردو ادب میں طنز و مزاح کا سماجی و تہذیبی پس منظر کیا ہے؟ اور ماضی میں کیا رہا ہے؟ جس کے لیے وہ لکھتے ہیں کہ اردو ادب میں طنز و مزاح کا آغاز اردو شاعری کا مرہون منت ہے۔ سب سے پہلے شعرا نے طنز و مزاح کی جانب توجہ کی اور ہجویات اور شعر آشوب کے ذریعے مزاح اور طنز کو نمایاں مقام عطا کیا۔ اگر چہ ابتداءً ظرافت اور طنز کے ساتھ ساتھ گالی گلوچ اور پھکڑ بازی، پھبتیوں کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ بہر حال طنز و مزاح نے اسی راہ سے ترقی کی منزل پائی ہے۔ اس کے بعد کتابیات دی گئی ہیں۔

اس طرح سید عباس متقی کا پی ایچ۔ ڈی مقالہ اردو میں طنز و مزاح کے سفر کی وضاحت میں ایک اہم رول ادا کرتا ہے۔

سید عباس متقی بحیثیت صحافی:

صحافی عربی زبان کا لفظ ہے جو ''صحف'' سے مشتق ہے عربی میں ''صَحَفَ'' بروزن فَعَل کے علاوہ معنوی اعتبار سے صحیفہ یعنی کتاب، رسالہ، ورق، لکھا ہوا صفحہ یا وہ چھوٹی کتابیں جو بعض پیغمبروں (حضرت ابراہیمؑ وحضرت موسیٰؑ وغیرہ) پر نازل ہوئیں ہیں، کے بھی آتے ہیں جس کی جمع صحف آتی ہے اور عربی مادہ ''صحف'' سے صحافت اور صحافی جیسے مشتقات نکلتے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں صحافت کے معنی اس طرح دیے گئے ہیں:

> ''جدید عربی میں اخبار کے لیے ''جریدۃ'' کی اصلاح مستعمل ہے اس کا مترادف صحیفہ ہے جو بہ صورت واحد کم استعمال ہوتا ہے لیکن اس کی جمع ''صحف'' کا استعمال جرائد کی بہ نسبت عام ہے۔'' **(۲۹)**

اردو انسائیکلو پیڈیا (جلد سوم) میں صحافت کا مفہوم اس طرح ملتا ہے:

> ''اخبارات و رسائل اور خبر رساں اداروں کے لیے خبروں اور خبروں پر تبصروں وغیرہ کی تیاری کو صحافت کا نام دیا جاتا ہے یوں تو صحافت کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ انسانی تاریخ لیکن جدید دور کی مطبوعہ صحافت کے فن نے پچھلے تین سو سال میں مختلف منزلوں سے گزر کر موجودہ شکل اختیار کی ہے۔'' **(۳۰)**

معلوم یہ ہوا کہ ''صحافت'' سے مراد ایسا مطبوعہ مواد، جو مقررہ وقتوں کے بعد شائع ہوتا ہو اور یہی اصلاح اردو اور فارسی میں رائج ہے جب کہ انگریزی میں صحافت کو Journalism کہا جاتا ہے جو "Journal" سے ماخوذ ہے اور جرنل سے مراد روزآنہ حساب کا بہی کھاتہ یا روزنامچے کو کہتے ہیں۔اس طرح Journal کو ترتیب دینے والا Journalist یا صحافی کہلاتا ہے۔

ایسے صحافی جو اس پیشے کو ذریعہ معاش بناتے ہوں انھیں Working Journalist کہا جاتا ہے اور جو صحافی جز وقتی طور پر کام کرتے ہیں یا کسی ایک اخبار سے وابستہ نہیں رہتے بلکہ مختلف اخبارات میں مضامین ،فیچر، کالم، انشائیے، فکاہیے، خاکے یا رپورتاژ وغیرہ لکھتے ہوں انھیں آزاد صحافی Freelance Journalist کہا جاتا ہے۔ چناں چہ سید عباس متقی بھی آزاد صحافی کی حیثیت سے اپنی ایک شناخت رکھتے ہیں اور انھوں نے حیدرآباد کے نام ور روزناموں میں اپنی تخلیقات جن میں مضامین، انشائیے، فکاہیے، تبصرے اور خاکے وغیرہ شامل ہیں، وقتاً فوقتاً شائع کروائیں ہیں جن میں روزنامہ رہنمائے دکن، روزنامہ سیاست، روزنامہ منصف، روزنامہ صدائے حسینی، ماہ نامہ شگوفہ، ماہ نامہ قومی زبان، ماہ نامہ آندھراپردیش اور ماہ نامہ سب رس وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مذکورہ اخبارات اور رسائل میں سے روزنامہ صدائے حسینی، روزنامہ عوام، روزنامہ منصف، ماہ نامہ شگوفہ، ماہ نامہ آندھراپردیش ، ماہ نامہ سب رس اورسہ ماہی پھولبن حیدرآباد میں موصوف کی تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں، جن کی تفصیلات آگے صفحات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

یہاں پر سید عباس متقی کی ان تخلیقات کی فہرست دی جارہی ہے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہیں:

نشان سلسلہ	مضمون کا نام	نفس مضمون
1	آچاریہ پرمود کرشن جی	مزاحیہ
2	آل انڈیا ریڈیو یا خیرات گھر	طنزیہ
3	آنا انسپکٹر کا اور کرنا اس کا انسپکشن	مزاحیہ
4	آنجہانی یزید جی	مزاحیہ
5	آنے والے کو آنا ہوگا	مزاحیہ

6	ارمغان ادب از ڈاکٹر عصمت جہاں	تبصرہ
7	اسپاٹ ویلویشن کیمپ یا میدان قیامت	مزاحیہ
8	استادوں سے استادی	طنزیہ
9	اشرفیاں لٹیں کوئلوں پر مُہر	مزاحیہ
10	اعظمیات کا شاعر از سید شاہ قاضی اعظم علی صوفی قادری	تبصرہ
11	اُف یہ آٹو والے	مزاحیہ
12	اُف! یہ برقع پوش شیاطین	مزاحیہ
13	الامین ایجوکیشنل سوسائٹی	مزاحیہ
14	اللہ رکھے! اللہ رکھا بھی خوب ہیں	مزاحیہ
15	انتخابات سے فسادات تک	طنزیہ
16	انٹرویو	مزاحیہ
17	انسان کامل	ایضاً
18	ایک الّو کی سرگزشت	ایضاً
19	ایک مضمون	ایضاً
20	باپ کا خط بیٹے کے نام	ایضاً
21	باز آ باز آ اے قادیانی باز آ	ایضاً
22	باہر کا چکر	ایضاً
23	بت خانہ خلیل از ڈاکٹر علی احمد جلیلی	تبصرہ
24	بچاؤ مجھے میرے ماموں سے	مزاحیہ
25	بچاؤ ہمیں ’’چندہ‘‘ سے	ایضاً
26	بچاؤ ہمیں صدارت سے	ایضاً
27	بچاؤ ہمیں علماء سے	ایضاً

28	بڑی باتیں۔چھوٹے لوگ	ایضاً
29	بڑی دیر کردی نکاح کرتے کرتے	طنزیہ
30	بڑے بے آبرو ہو کر خدا کے گھر سے ہم نکلے	مزاحیہ
31	بڑے میاں تو برے میاں	ایضاً
32	بشنویداے زنانِ کشمیری	ایضاً
33	بھاگ متی کے شہر سے ممتاز محل کے شہر تک	ایضاً
34	بھلا تھا کتنا اپنا بچپن	ایضاً
35	بھیڑ حیدرآباد کی	ایضاً
36	بیچلرس کوارٹرس	ایضاً
37	بیگ احساس، احساس کا علم بردار	خاکہ
38	بیل کی فریاد	مزاحیہ
39	پانی	ایضاً
40	پروفیسر انورالدین (نامکمل)	خاکہ
41	پروفیسر بشیر احمد نحوی صاحب کا ایک مضمون۔۔۔	مزاحیہ
42	پروفیسر رفیع رؤف	خاکہ
43	پروفیسر زیب حیدر	خاکہ
44	پروفیسر محمود قادری	خاکہ
45	پنڈت دامودر پنت ذکی	مزاحیہ
46	پہلو	ایضاً
47	پہلی امامت	ایضاً
48	پہلی سے پہلے پہلی کے بعد	ایضاً
49	پھٹا نوٹ	ایضاً

50	پیچھے آپا جان کے	ایضاً
51	پیشۂ تدریس	ایضاً
52	پیکر علم و عمل ڈاکٹر عزیز بانو	خاکہ
53	تاریخ گوئی ایک فن	سنجیدہ
54	تحقیقات از محمد نسیم الدین فریس	تبصرہ
55	ترانے	سنجیدہ
56	تفریح گنڈی پیٹ کی	مزاحیہ
57	تھیٹر	ایضاً
58	تیری یاد آئی۔۔۔	ایضاً
59	تین آرزو میں کٹ گئے تین انتظار میں	ایضاً
60	ٹھوکریں کھانے کو ہم رہ گئے	ایضاً
61	ٹی وی پہ ہیں حضرت میاں	ایضاً
62	جام بہ لب	ایضاً
63	جامہ زیبی بھی عجب چیز ہے	ایضاً
64	جدید فارسی ادب کا ایک منفرد قلم کار صادق حیات	خاکہ
65	جسیکا لا کا قاتل بے قصور ہے	مزاحیہ
66	جشن میلادؐ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں	سنجیدہ
67	جلیل اور ان کا فن	ایضاً
68	جناب قاضی سید عزیز الدین صابر	خاکہ
69	جناب محمد عباس انصاری سکندر مضمون	سنجیدہ
70	جنت بھی گئی ہاتھ سے اور تلنگانہ بھی نہ ملا	مزاحیہ
71	جو بھی پیار سے ملا ہم اسی کے ہو لیئے	ایضاً

72	جئے تلنگانہ	ایضاً
73	چاندنی	ایضاً
74	چائے	ایضاً
75	حانم دورں ہیں یہ ہندوستان ہمارا	ایضاً
76	حجرہ نور	ایضاً
77	حضرت علی احمد جلیلی۔ مین آف دی لائف	خاکہ
78	حضرت ''مروہ'' مرحوم ومغفور	سنجیدہ
79	حضرت مودودی کا ایک انٹرویو کچھ تشریحات کچھ تصریحات	ایضاً
80	حق مغفرت کرے کہ 'مزاح کار' مرد تھا	مزاحیہ
81	حکیم حاذق مظفرالدین سعید	خاکہ
82	حکیم مرزا قاسم علی اخگر	خاکہ
83	حنا ربانی سے حنا کرنولی تک	مزاحیہ
84	حمید عادل کا ایک مایہ ناز مضمون	سنجیدہ
85	حیدرآباد کے خطباء	ایضاً
86	حیدرآباد کے شہودِ ابیض	ایضاً
87	حیدرآباد کی جامعات میں تحقیق	طنزیہ ومزاحیہ
88	خادماوں کی خدمت میں	ایضاً
89	خانقاہوں میں ہیں اب دنبے یا بیل	ایضاً
90	خانوادۂ حسامیہ ایک تعارف	سنجیدہ
91	خدا بچائے اس کرکٹ سے	مزاحیہ
92	خدا بچائے ان سالوں سے	ایضاً
93	خدا بچائے ان وتجیلیشن سے	ایضاً

94	خدا جھوٹ نہ بلوائے	ایضاً
95	خدائی روبوٹ	ایضاً
96	خط بنام ڈاکٹر ام۔اے نعیم صاحب	سنجیدہ
97	خطاب متقی بانی حج میوزیم کی یاد میں	ایضاً
98	خواجہ حافظ شیرازی کی ایک رومانی غزل اور اس غزل کا روحانی تجزیہ	تبصرہ/تجزیہ
99	خودکشی کے طریقے	مزاحیہ
100	خوش نویسی ایک فن شریف	ایضاً
101	خوشبو کے سفر میں ہم ندارد	ایضاً
102	خوشیوں کا دن	ایضاً
103	خیالات عقیل پر ایک خیال	تبصرہ
104	دارا سنگھ ایک شریف انسان، ایک عظیم پہلوان	خاکہ
105	دارالعلوم حیدرآباد میں افتتاح درس بخاری، ایک رپورتاژ	رپورتاژ
106	دانتوں سے دل تک	مزاحیہ
107	دختر درزن کا سینا دیکھ کر	ایضاً
108	''دست فرہاد'' از شاذ تمکنت	تبصرہ
109	دعوت طالب	سنجیدہ
110	دعوت کی خوشی	مزاحیہ
111	دفترِ شگوفہ	ایضاً
112	دِلاسہ	ایضاً
113	دلیر مہندی نے کیا ''پاپ'' کیا ہے	ایضاً
114	دودھ	ایضاً
115	دیکھیں حنا کیا رنگ لاتی ہے	ایضاً

116	دیوانے غالبؔ	ایضاً
117	دیہات کا لڑکا	ایضاً
118	ڈاکٹر عصمت جہاں کی کتاب ''ارمغان ادب'' ایک شمع درخشاں	تبصرہ
119	ڈاکٹر نعیم کی دعوت	سنجیدہ
120	ڈاکٹر عقیل ہاشمی کی تاریخ گوئی	تبصرہ
121	ڈبل ڈاکٹر	مزاحیہ
122	ڈرتا ہوں میں چوہے سے کہ۔۔۔	مزاحیہ
123	ذرا سامنے تو آؤ چھلیے !	ایضاً
124	ذود خفگی	ایضاً
125	رات کے مریض	طنز و مزاح
126	راہول شیر! ہم انسان نہیں ہیں	مزاحیہ
127	رب کا شکر ادا کر بھائی	ایضاً
128	رشدی ایک باؤلا کتا	طنزیہ
129	رنگ لائے گی یہ مخطوطہ شناسی اپنی	سنجیدہ
130	۔۔۔رنگ و بوئے دیگر است	مزاحیہ
131	ریچھ کی فریاد	ایضاً
132	زیورات برائے ''پہن'' نہ کہ برائے ''رہن''	ایضاً
133	زنجیرہ	ایضاً
134	سارے جہاں سے اچھا۔۔۔	ایضاً
135	سالا	ایضاً
136	سپاس نامۂ ہیچ مدان	ایضاً
137	سچن تنڈولکر ۲۲ گز اور ۲۴ سال	خاکہ

138	سحری کرو اٹھو	مزاحیہ
139	سلطنت آصفیہ میں فارسی شعر و ادب کی ترویج و اشاعت	سنجیدہ
140	سلمان خان ایک ہمدرد انسان	خاکہ
141	سمینارٌ جدید، رزقٌ جدید	طنزیہ
142	سیتا پھل	مزاحیہ
143	سونا نہ ہوا	ایضاً
144	سونے کے انڈے سینے والی کھڑک مرغی	ایضاً
145	سیر گلبرگہ	سنجیدہ
146	سیر ہم درویشوں کی	مزاحیہ
147	شاگرد کے نام	ایضاً
148	شامت اعمال۔ جب ہے شاعر بنے	ایضاً
149	شاہد عدیلی کی نظم (رمضان)	سنجیدہ
150	شمس العلماء نواب عزیز جنگ ولا	خاکہ
151	شیرازہ افکار	تبصرہ
152	شیر و سو رہا ہے	مزاحیہ
153	شیروں کی نام رکھائی	ایضاً
154	شیلا کی جوانی اور ہمارا بڑھاپا	ایضاً
155	ضیاء الاصلاف المعروف بہ کوہ قاف	ایضاً
156	ضیاء شعر و سخن حضرت ضیا عرفان	تبصرہ
157	طلاق ایک مکروہ دیوار	ایضاً
158	عارف حفیظ کے نام ایک کھلا خط	ایضاً
159	عالم اعظمی کی ''کھڑکی'' کا جائزہ ادبی جھرونکوں سے	تبصرہ

160	عشرت جہاں برفت زہر عشرت جہاں	خاکہ
161	عصمت جہاں	خاکہ
162	عقد ثانی	مزاحیہ
163	عہدہ ذلیل القدر	ایضاً
164	عید ملاپ	ایضاً
165	غالب اور انفرادیت	ایضاً
166	غرور دھن سے سر کفن تک	ایضاً
167	فاضل آباد	ایضاً
168	فارسی سیکھی ہے تیل بیچیں گے	ایضاً
169	فارسی ضرب الامثال اور ان کی افادیت	سنجیدہ
170	فاروق ظہیر اسیر گیسوئے سخن	تبصرہ
171	فسادات اور کرفیو	مزاحیہ
172	فلم ''میرا سایہ'' کے وہ مکالمے جو فلم بین نے نہیں سنے	ایضاً
173	فیٹ	ایضاً
174	قلم	ایضاً
175	قلم کی سجدہ ریزیاں از پروفیسر محمد علی اثر	تبصرہ
176	قومی عہد میں فلمی گیت	مزاحیہ
177	۔۔۔۔کا جنازہ ہے بڑی دھوم سے نکلے	ایضاً
178	کتّے کی پکار	ایضاً
179	کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی!	ایضاً
180	کرفیو اور فسادات	ایضاً
181	کرفیو، فساد، افوائیں، اور ہم	ایضاً

182	کرفیو کے کرشمے	ایضاً
183	کرنا شرارت سلمان عابد کا، ہونا پریشان، رشید الدین تاج مڑکی کا اور ٹھہرنا مورد الزام عباس متقی کا کے بیان میں	طنزیہ
184	کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری	مزاحیہ
185	کیا اختلاف امت رحمت نہیں؟	سنجیدہ
186	کیا ہم ہنسنا بھول گئے ہیں	مزاحیہ
187	کیرم بورڈ	مزاحیہ
188	گدھے	ایضاً
189	گڑمبہ	ایضاً
190	لو بم	ایضاً
191	''لہو کی آنچ'' دانشوروں کی نظر میں از ڈاکٹر علی احمد جلیلی	تبصرہ
192	لیلیٰ ڈان	مزاحیہ
193	لیلیٰ کے خطوط از ڈاکٹر امیر عارفی	تبصرہ
194	لینے کے دینے	مزاحیہ
195	مبارک بادی سے مذمت بازی تک	ایضاً
196	ماڈرن ہال سے کورنٹین تک	ایضاً
197	متانت اور نرگسیت کا پیکر مغنی تبسم	خاکہ
198	متقی صرف ہمارا تخلص ہے	مزاحیہ
199	مجھے اغوا کرلو	ایضاً
200	محبوب کی مہندی	ایضاً
201	محترمہ اودیش رانی کا ایک مضمون	سنجیدہ
202	محمد حمید الدین عاقل حسامی مواعظ اور مضحکات	خاکہ

203	محمد زین العابدین عابد: ایک خاموش شاعر، ایک خلیق انسان	خاکہ
204	محمد علی اثر سے محمد قلی قطب شاہ تک	سنجیدہ
205	''مدح و قدح دکن'' ایک مطالعہ	تبصرہ
206	مرا شہر چوراں سوں	مزاحیہ
207	مرزا تف تف	ایضاً
208	مرزا اسد اللہ	سنجیدہ
209	مرزا دھن گیر آز	مزاحیہ
210	مرزا رستم بیگ	ایضاً
211	مرزا عجیب الھیت بیگ کی تقریر	ایضاً
212	مسائل روحانی	ایضاً
213	مسلمانوں میں شرح پیدائش کا اٹب	ایضاً
214	مشورہ سلمان عابد کو	ایضاً
215	مغرور شاگرد کے نام عاجز استاد کا خط	ایضاً
216	من آنم کے نمی دانم	ایضاً
217	ملبوسات	ایضاً
218	مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی چشم تخیل	ایضاً
219	مولانا الحاج محمد حمید الدین عاقل حسامی مواعظ اور مضحکات	خاکہ
220	مولوی	خاکہ
221	مہاراجہ کشن پرشاد شاؔد اور ان کی فارسی غزلیات	تبصرہ
222	مہرباں ہو کے بلالو۔۔۔	مزاحیہ
223	میر کارواں از مشتاق احمد یوسفی	تبصرہ
224	میرا قصور کیا ہے	مزاحیہ

225	میری شادی کرادو	ایضاً
226	میرے محبوب میں کیا نہیں	ایضاً
227	میں داماد ہوں	ایضاً
228	میں فلک نما نہیں دیکھوں گا	ایضاً
229	ناصر	خاکہ
230	ناصر توکل	خاکہ
231	نامعلوم مجاہد اردو کے نام معلوم مجاہد اردو کا پیام	مزاحیہ
232	نہ کہیں مزار ہوتا	ایضاً
233	نئے جانور کا دودھ	ایضاً
234	نیم حکیم	ایضاً
235	نیم سفر	ایضاً
236	وعدہ	ایضاً
237	وفاداروں کی نمائش	ایضاً
238	وہ آ گئے	ایضاً
239	ہاں! ہم بھی معزز ہیں	ایضاً
240	ہمارا بستہ	ایضاً
241	ہمارا جہاز	ایضاً
242	ہمارا سسرال	ایضاً
243	ہماری چھتری	ایضاً
244	ہماری موٹر سائیکل	ایضاً
245	ہماری نظامت	ایضاً
246	ہمارے بچے	ایضاً

247	ہم آدمی ہیں پاجامانہیں	ایضاً
248	ہم اختلاف رکھتے ہیں	ایضاً
249	ہم اردو پنڈت ہیں	ایضاً
250	ہم باہر نہیں گئے	ایضاً
251	ہم پروفیسر نہیں ہیں	ایضاً
252	ہم پیدائشی عاشق ہیں	ایضاً
253	ہم جگالی کر رہا ہوں	ایضاً
254	ہم ڈاکٹر نہیں ہے	ایضاً
255	ہم نے زو دیکھا	ایضاً
256	ہم نے مکان بیچا	ایضاً
257	ہمیں پاداش سے ڈراتے ہوں	طنزیہ
258	ہمیں تنہا چھوڑ دو	مزاحیہ
259	ہنس مکھ راج یونیورسٹی	سنجیدہ
260	ہوائی فائرنگ	مزاحیہ
261	یہ درندے نیاز کیا جانے	ایضاً
262	یوسف سرمست ایک مشفق استاد	خاکہ

آل انڈیا ریڈیو:

ابتدا میں انگریزی حکومت کے تحت چلائے جانے والے ہندوستانی نشریاتی ادارے کو انڈین اسٹیٹ براڈ کاسٹنگ سروس (I.S.B.S) کہا جاتا ہے جو ادارۂ محکمہ صنعت و مزدور کے تحت کام کیا کرتا تھا۔ اس ادارے کا پہلا کنٹرولر Fielder نامی ایک انگریز عہدیدار ہوا کرتا تھا جسے ادارے کا مذکورہ نام پسند نہ آیا۔ اس نے کافی غور و خوض کے بعد اس کا نام انڈین اسٹیٹ براڈ کاسٹنگ سروس (I.S.B.S) کی بجائے آل انڈیا ریڈیو (A.I.R) تجویز کیا تو پہلے پہل

اس کی سخت مخالفت کی گئی لیکن ہندوستان کے وائسرائے لارڈلن لتھگو نے بھی اس تجویز کو پسند کیا اس طرح AIR یعنی آل انڈیا ریڈیو کو قطعیت دی گئی۔ اس طرح ریڈیو کی اجمالی تاریخ کا جائزہ ضروری قرار پاتا ہے:

''ہندوستان میں ٹائمز آف انڈیا اور ڈاک وتار کے محکمے نے بمبئی میں اگست ۱۹۲۱ء میں نشریات کا آغاز کیا تھا اس طرح ایڈیو سیٹ بتانے والوں اور ریڈیو اسٹیشن چلانے کے لیے حکومت نے مارچ ۱۹۲۳ء میں لائسنس جاری کیے اسی سال بنگال کے ریڈیو کلب نے اپنی نشریات کا آغاز کیا۔ مئی ۱۹۲۴ء میں مدراس پریسیڈنسی ریڈیو کلب قائم ہوا۔ مارچ ۱۹۲۶ء میں انڈین براڈ کاسٹنگ کمپنی کا قیام عمل میں آیا اور حکومت نے اس کے ساتھ معاہدے پر دستخط کیے اس طرح یکم اپریل ۱۹۳۰ء سے نشریات راست حکومت کی نگرانی میں آ گئیں اسی تاریخ سے انڈین اسٹیٹ براڈ کاسٹنگ سروس کا آغاز ہوا۔ ۳؍فروری ۱۹۳۵ء سے حیدرآباد میں نظام کی حکومت کے تحت ریڈیو اسٹیشن کام کرنے لگا۔ ۸؍جون ۱۹۳۶ء سے انڈین اسٹیٹ براڈ کاسٹنگ سروس (ISBS) کو آل انڈیا ریڈیو (AIR) کے نام سے تبدیل کر دیا گیا۔ یکم اپریل ۱۹۵۰ء کو AIR نے ٹریونڈرم، میسور، حیدرآباد اور اورنگ آباد کے خانگی ریڈیو اسٹیشنوں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ اس سے قبل یہ اپنے طور پر راجاؤں اور نظام کی حکومت کے تحت چلتے تھے۔ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کے دہوں میں کئی AIR کے اسٹیشن شروع کیے گئے اور روزآنہ نشریات کی بنیاد پر مقامی زبانوں میں پروگرام اور خبریں پیش کی جاتی رہیں اور دلی کے اسٹیشن سے تقریر، موسیقی، فیچر اور ڈراموں کے قومی پروگراموں کا آغاز بھی ہوا۔ اس طرح ۲۱؍جولائی ۱۹۶۹ء سے نوجوانوں کے لیے نشریات کا ایک علاحدہ چینل یووا وانی کے نام سے شروع کیا گیا۔'' **(۳۱)**

ہندوستان میں نشریاتی اداروں بالخصوص آل انڈیا ریڈیو کے پھیلاؤ سے ملک بھر میں مختلف شعبوں میں انقلابات رونما ہوئے اس طرح ہندوستان کے باشندوں کے ذہنی شعور کو پروان چڑھانے میں ریڈیو نے اہم رول ادا کیا۔

سید عباس متقی نے آل انڈیا ریڈیو کے چینل یووا وانی کے پروگرام ''نیرنگ'' میں مختلف موضوعات پر طنز و مزاح پر مشتمل Short Stories اور Talks پیش کیے ہیں۔ راقم الحروف کو موصولہ مواد کی رو سے انھیں پہلا پروگرام پیش کرنے کا موقع ۹؍ستمبر ۱۹۸۶ء کو دیا گیا لیکن

سید عباس متقی نے گفت وشنید کے دوران کہا ہے کہ اس سے پہلے بھی مواقع ملے ہیں لیکن ریکارڈ کی عدم دستیابی کے سبب ۹ر ستمبر ۱۹۸۶ء سے ہی ریڈیائی خدمات تسلیم کی جائیں گی۔

سید عباس متقی جب ۱۹۸۶ء میں اردو پنڈت ٹریننگ کورس کر رہے تھے تو ان کے اساتذہ محترم مسعود بن سالم صاحب اور ان کی استانی قمر سلطانہ صاحبہ نے ایک پروگرام ریڈیو میں پیش کرنے کا سارے تلامذہ کو حکم دیا۔ چنانچہ اس موقع پر سید عباس متقی نے بھی اپنا ایک مضمون ''ہمارا گھر'' پیش کیا تھا جسے جناب اسلم فرشوری نے بے حد پسند کیا اور انھیں یواوانی پروگرام میں پیش کیا اور ذاں بعد نیرنگ پروگرام میں مستقل طور پر پروگرام پیش کرنے کے مواقع فراہم کیے اس طرح سید عباس متقی نے سال ہا سال تک نیرنگ میں اپنے مزاحیہ مضامین پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے رہے۔

سید عباس متقی عرصہ دراز تک آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے وابستہ رہے انھوں نے مختلف موضوعات پر Homorous Short Stories اور Radio Homorous Talks نشر کی ہیں جو عوام میں بے حد مقبول ہوئیں۔

راقم الحروف کو کافی کوششوں کے بعد جو ریکارڈ دستیاب ہوا ہے وہ نہایت ہی قلیل ہے۔ ان میں سے بہت سے Talks/Short Story branch All India Radio (Govt. of India)Hyd. سے موصولہ مراسلے ہیں۔ سید عباس متقی کی بموجب کئی اور مراسلے دست بردہ زمانہ کی نذر ہو گئے ہیں، جو موصول ہوئے ہیں ان کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

نشان	پروگرام کا نام	موضوع کا نام	تاریخ نشر وساعت	وقفہ (منٹوں میں)	نشرگاہ (حیدرآباد)	اعزازیہ
1	ذرا مسکرایئے	خدا بچائے سڑکوں سے	9-9-86 (8-25 AM)	15	AIR	Rs.50/-
2	ذرا مسکرایئے	شادی خانے سے دواخانے تک	12-5-87 (8-25 AM)	10	AIR	Rs.50/-
3	ذرا مسکرایئے	-	6-10-87 (8-25 AM)	10	AIR	Rs.50/-

Rs.50/-	AIR	10	9-2-88 (8-25 AM)	۔	ذرا مسکرائیے	4
Rs.50/-	AIR	10	3-1-89 (8-25 AM)	۔	نغمہ اور تبسم	5
Rs.100/-	AIR	10	9-1-89 (9-30 PM)	۔	۔	6
Rs.100/-	AIR	10	23-10-89 (9-30 PM)	۔	۔	7
Rs.100/-	AIR	10	12-2-90 (9-30 PM)	۔	۔	8
Rs.100/-	AIR	10	11-6-90 (9-30 PM)	۔	۔	9
Rs.100/-	AIR	10	8-10-90 (9-30 PM)	حیدرآباد کی سڑکیں	۔	10
Rs.100/-	AIR	6	14-1-91 (9-30 PM)	مرزا جی کا دیوان خانہ	۔	11
Rs.100/-	AIR	7	22-4-91 (9-30 PM)	اشرفیاں لٹیں اور کوئلوں پر مہر	۔	12
Rs.100/-	AIR	7	5-8-91 (9-30 PM)	یہ منہ اور مسور کی دال	۔	13
Rs.100/-	AIR	7	30-12-91 (9-30 PM)	ناچ نہ آئے آنگن ٹیڑھا	۔	14
Rs.100/-	AIR	7	6-4-92 (9-30 PM)	ہماری پہلی تقریر	۔	15
Rs.100/-	AIR	7	13-7-92 (9-30 PM)	چمچہ گری سیاست میں	۔	16
Rs.100/-	AIR	8	19-10-92 (9-30 PM)	یہ بڑھاپا آتا کیوں ہے؟	۔	17
Rs.250/-	AIR	7	14-3-93 (8-45 PM)	کم گوئی کے فوائد	۔	18
Rs.250/-	AIR	8	7-3-93 (9-30 PM)	بڑی باتیں چھوٹے لوگ	۔	19
Rs.250/-	AIR	8	31-12-93 (9-30 PM)	مجھے ان سالوں سے بچاؤ	۔	20

21	شامت اعمال	جب ہم شاعر بنے	9-5-94 (9-30 PM)	8	AIR	Rs.250/-
22	-	میر کارواں مشتاق یوسفی	6-9-94 (9-30 PM)	8	AIR	Rs.250/-
23	-	مجھے ان سالوں سے بچاؤ	2-1-95 (9-30 PM)	8	AIR	Rs.250/-
24	-	پچھلے ۳۶۵ دن کا کیا کروں	31-12-95 (9-30 PM)	8	AIR	Rs.250/-
25	-	مرزا جی کا دیوان خانہ	25-3-96 (9-30 PM)	15	AIR	Rs.250/-
26	-	الٹی ہوگئیں سب تدبیریں	8-10-97 (9-30 PM)	10	AIR	Rs.250/-
27	-	بڑے میاں تو بڑے میاں	13-9-99 (9-30 PM)	10	AIR	Rs.350/-
28	-	-	15-2-2001 (9-30 PM)	10	AIR	Rs.500/-

یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ مذکورہ تفصیلات کے سوا کچھ نہیں ملا۔ میں نے بڑی مشکل سے سید عباس متقی کی پرانی فائیلوں سے یہ تھوڑی سی معلومات حاصل کی ہیں۔ اگر یہ گفتگو تحریری شکل میں مل جاتی تو اس پر تنقیدی نظر ڈالی جاسکتی تھی۔

ٹیلی وژن:

سید عباس متقی کے ٹی۔ وی پر انٹرویو لیے گئے۔ چناں چہ ۱۹۹۵ء میں گورنمنٹ نے ٹی۔ وی پر دوردرشن کے تحت طنز و مزاح کے عنوان سے ایک انٹرویو منعقد کیا تھا جس میں سید عباس متقی کے علاوہ ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال، نریندر لوتھر اور مسیح انجم نے حصہ لیا تھا اور طنز و مزاح کے ارتقا سے متعلق گفتگو کی گئی تھی۔

دوسری مرتبہ سید عباس متقی سے ایک انٹرویو منصف ٹی وی پر پیش کیا گیا۔ انٹرویو لینے والی محترمہ تسنیم جوہر تھیں اور سید عباس متقی نے اپنی ایک مختصر سی نظم اور اپنے طنزیہ مضمون کا ایک حصہ پیش کیا تھا۔

رہنمائے دکن:

سید عباس متقی نے روزنامہ رہنمائے دکن حیدرآباد کے لیے پہلے پہل بہت کچھ لکھا اور بہت کچھ شائع کروایا اس طرح ان کے کچھ مضامین رہنمائے دکن میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے

رہے ہیں لیکن ان کا ایک مضمون ''اس جگہ حج میوزیم تھا کیا ہوا'' ایسا ہے جو ان کے حیدرآبادی مشاہیر کے تئیں خلوص پر دال ہے۔ اس مضمون کو سید عباس متقی نے اپنے مربی اور بزرگ دوست جناب محمد حسین اظہر بانی حج میوزیم کے بارے میں قلم بند کیا تھا۔ جو دراصل ان کے حاجیوں کے تئیں خدمات رہی ہیں انھیں جمع کر کے ایک مبسوط تحریری شکل دی تھی۔ اس طرح وہ مضمون خادم الحجاج کی خدمت میں خراج تحسین تسلیم کیا گیا۔

روزنامہ سیاست:

روزنامہ سیاست حیدرآباد میں سید عباس متقی نے بہت کچھ لکھا ہے چناں چہ شاعری، تحقیق، تنقید، تبصرے اور مزاحیہ مضامین وغیرہ وغیرہ۔ محبوب حسین جگر سید عباس متقی کے اسلوب تحریر کو بے حد پسند فرماتے تھے۔ بعض دفعہ وہ تبصرے کے لیے کتابیں دیا کرتے تھے اور چالیس روپیے اس کا معاوضہ بھی دیا کرتے تھے اس طرح بہت سے کتابوں پر سید عباس متقی نے اپنے تبصرے پیش کیے ہیں۔ ایک مرتبہ سید عباس متقی نے جگر صاحب سے اپنے دیرینہ مراسم کا ذکر کرتے ہوئے بتایا:

> ''میں اور ڈاکٹر نسیم الدین فریس روزنامہ سیاست جایا کرتے اور اپنی تخلیقات پیش کیا کرتے تھے۔ جگر صاحب میری تحریروں کو کافی پسند کرتے تھے اور وہ کتابیں بھیج کر ان پر تبصرے کرواتے تھے اور چالیس روپیے معاوضہ بھی دیا کرتے تھے چناں چہ میں نے ڈھیر ساری کتابوں پر تبصرہ کر کے تبصرہ نگاروں میں اپنا نام شامل کرلیا ہوں۔'' **(۳۲)**

سید عباس متقی کے بے شمار تبصرے روزنامہ سیاست میں شائع ضرور ہوئے ہیں لیکن انھوں نے اس کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا۔ ویسے انھوں نے اپنا بیشتر سرمایہ محفوظ کرنے کی کوشش تو ضرور کی لیکن ایک وقت جب ان کے گھر کی چھت موسلا دھار بارش کی وجہ سے گر پڑی تو انھوں نے اپنا ذخیرہ اپنے اقارب کے ہاں رکھواتے وقت بہت سا ریکارڈ رحمت باراں کی نذر ہو گیا۔ دراصل سید عباس متقی اپنے قلمی دستاویزات فونٹین پن سے لکھ چھوڑنے کے عادی ہیں۔ جس سے ان کا ریکارڈ جہاں دیرپا قائم رہتا ہے وہیں پانی سے بچائے رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

روزنامہ صدائے حسینی:

سید عباس متقی نے اپنے دوست دیرینہ سید جعفر علی کے اخبار روزنامہ صدائے حسینی حیدرآباد کے لیے بھی اپنی خدمات پیش کی ہیں اور وقتاً فوقتاً صدائے حسینی میں اپنی تخلیقات شائع کروائی ہیں۔ چوں کہ ان کی فارسی نظموں کو صدائے حسینی میں جگہ مل جایا کرتی ہے۔ اس لیے سید عباس متقی نے اپنی فارسی نظموں کو اس اخبار میں شائع کروا کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر جب کہ ڈاکٹر انورالدین سابق پروفیسر وصدر شعبہ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد نے انھیں اپنے گھر مدعو کیا تو سید عباس متقی نے حکم انوری کے عنوان سے فارسی میں ایک نظم لکھی اور مدیر صدائے حسینی میں انھیں شائع کیا۔ اسی طرح امام خمینی پر جب سید عباس متقی نے ایک نظم لکھی تھی وہ نظم بھی صدائے حسینی نے نہایت تزک واحتشام سے شائع کیا تھا۔ جب بھی وہ کوئی خاص مضمون یا نظم فارسی میں لکھتے ہیں تو اسے ضرور روزنامہ صدائے حسینی حیدرآباد کے نذر کیا کرتے ہیں۔

روزنامہ صدائے حسینی حیدرآباد میں سید عباس متقی کی تخلیقات

نشان	نفس مضمون	تخلیقات	مورخہ
1	نظم (فارسی)	روز عید آمد	۱۱ر ستمبر ۲۰۱۱ء
2	انشائیہ	نابالغ ابا	۱۱ر ستمبر ۲۰۱۱ء
3	انشائیہ	حلم والے حلیم کیا جانیں	۱۴ر اگست ۲۰۱۱ء

روزنامہ ہمارا عوام:

روزنامہ ہمارا عوام حیدرآباد جب نکلنا شروع ہوا تو مدیر ہمارا عوام نے حیدرآباد کے چنندہ قلم کاروں کو اپنے دفتر میں مدعو کیا اور ان مدعو افراد میں سید عباس متقی کے ساتھ پروفیسر محمد بیگ احساس، پروفیسر محمد نسیم الدین فریس، محترمہ قمر جمالی کو بھی بطور خاص مدعو کیا تھا اور سید عباس متقی کو ہر منگل ایک مضمون ''چنگاریاں'' کے عنوان سے لکھنے کی فرمائش کی گئی تھی چنانچہ سید عباس متقی نے جب تک روزنامہ ہمارا عوام حیدرآباد جاری رہا اپنی ادبی خدمات جاری رکھیں۔ جس کے عوض انھیں ماہانہ ایک ہزار روپیے بطور معاوضہ ملا کرتا تھا۔ اس طرح ایک معتد بہ مواد چنگاریاں کی عنوان سے جمع ہو گیا۔

روزنامہ ہمارا عوام حیدرآباد میں سید عباس متقی کی فکاہیہ نگاری

نشان	طنزیہ ومزاحیہ مضمون بہ عنوان جنگاریاں	مورخہ
1	چنگاریاں (آزادی نے اردو کو کیا دیا۔ زندگی یا موت)	۱۹/اگست ۱۹۹۷ء
2	چنگاریاں (مریخ)	۲۶/اگست ۱۹۹۷ء
3	چنگاریاں (کوہِ نور کی واپسی)	۲/ستمبر ۱۹۹۷ء
4	چنگاریاں (پرنس ڈائنا)	۹/ستمبر ۱۹۹۷ء
5	چنگاریاں (ہارن)	۱۶/ستمبر ۱۹۹۷ء
6	چنگاریاں (جشن مجتبیٰ حسین)	۲۳/ستمبر ۱۹۹۷ء
7	چنگاریاں	۳۰/ستمبر ۱۹۹۷ء
8	چنگاریاں (کتّا)	۷/اکتوبر ۱۹۹۷ء
9	چنگاریاں (انا)	۱۴/اکتوبر ۱۹۹۷ء
10	چنگاریاں (جس کی لاٹھی اس کی بھینس)	۲۱/اکتوبر ۱۹۹۷ء
11	چنگاریاں (سونا سستا ہو گیا)	۲۸/اکتوبر ۱۹۹۷ء
12	چنگاریاں (ماں)	۴/نومبر ۱۹۹۷ء
13	چنگاریاں (جانوروں پہ رحم انسانوں پہ ستم)	۱۱/نومبر ۱۹۹۷ء
14	چنگاریاں (مٹی کھاؤ مٹی کھلاؤ)	۱۸/نومبر ۱۹۹۷ء
15	چنگاریاں (کرے کوئی بھرے کوئی)	۲/دسمبر ۱۹۹۷ء
16	چنگاریاں (بچے)	۹/دسمبر ۱۹۹۷ء
17	چنگاریاں (ابھی تو ہم جوان ہیں)	۲۳/دسمبر ۱۹۹۷ء
18	چنگاریاں (شادی)	۳۰/دسمبر ۱۹۹۷ء
19	چنگاریاں (آمد رمضان المبارک)	۶/جنوری ۱۹۹۸ء
20	چنگاریاں (پیاز)	۱۳/جنوری ۱۹۹۸ء
21	چنگاریاں (لیڈر)	۲۰/جنوری ۱۹۹۸ء
22	چنگاریاں (خودکشی)	۳/فروری ۱۹۹۸ء
23	چنگاریاں	۱۰/فروری ۱۹۹۸ء
24	چنگاریاں	۱۳/فروری ۱۹۹۸ء

25	چنگاریاں (سیاست میں ہجوم)	۱۷ر فروری ۱۹۹۸ء
26	چنگاریاں	۲۲ر فروری ۱۹۹۸ء
27	چنگاریاں	۳ر مارچ ۱۹۹۸ء
28	چنگاریاں	۱۰ر مارچ ۱۹۹۸ء
29	چنگاریاں	۱۷ر مارچ ۱۹۹۸ء
30	چنگاریاں	۲۴ر مارچ ۱۹۹۸ء
31	چنگاریاں	۷ر اپریل ۱۹۹۸ء
32	چنگاریاں	۱۴ر اپریل ۱۹۹۸ء
33	چنگاریاں	۲۸ر اپریل ۱۹۹۸ء
34	چنگاریاں	۵ر مئی ۱۹۹۸ء
35	چنگاریاں	۱۲ر مئی ۱۹۹۸ء
36	چنگاریاں	۱۹ر مئی ۱۹۹۸ء
37	چنگاریاں	۲۶ر مئی ۱۹۹۸ء
38	چنگاریاں	۲ر جون ۱۹۹۸ء
39	چنگاریاں	۱۶ر جون ۱۹۹۸ء
40	چنگاریاں	۲۳ر جون ۱۹۹۸ء
41	چنگاریاں	۳۰ر جون ۱۹۹۸ء
42	چنگاریاں	۷ر جولائی ۱۹۹۸ء
43	چنگاریاں	۱۴ر جولائی ۱۹۹۸ء
44	چنگاریاں	۲۱ر جولائی ۱۹۹۸ء
45	چنگاریاں	۲۸ر جولائی ۱۹۹۸ء
46	چنگاریاں	۴ر اگست ۱۹۹۸ء
47	چنگاریاں	۱۱ر اگست ۱۹۹۸ء
48	چنگاریاں	۱۸ر اگست ۱۹۹۸ء
49	چنگاریاں	یکم ر ستمبر ۱۹۹۸ء
50	چنگاریاں	۸ر ستمبر ۱۹۹۸ء

51	چنگاریاں	۱۵ر ستمبر ۱۹۹۸ء
52	چنگاریاں	۲۲ر ستمبر ۱۹۹۸ء
53	چنگاریاں	۲۹ر ستمبر ۱۹۹۸ء
54	چنگاریاں	۶ر اکتوبر ۱۹۹۸ء
55	چنگاریاں	۲۰ر اکتوبر ۱۹۹۸ء
56	چنگاریاں	۲۷ر اکتوبر ۱۹۹۸ء
57	چنگاریاں	۳ر نومبر ۱۹۹۸ء
58	چنگاریاں	۱۰ر نومبر ۱۹۹۸ء
59	چنگاریاں	۱۷ر نومبر ۱۹۹۸ء
60	چنگاریاں	۲۴ر نومبر ۱۹۹۸ء
61	چنگاریاں	یکم ر دسمبر ۱۹۹۸ء
62	چنگاریاں	۲۲ر دسمبر ۱۹۹۸ء
63	دکھنی اردو شاعری میں طنز و مزاح	۱۹ر جولائی ۲۰۰۱ء
64	مرزا کے عناصر	۱۹ر جولائی ۲۰۰۱ء

یہ عرض کردوں کہ اس کالم کا کوئی رکارڈ موجود نہیں ہے۔ بڑی وجہ یہ ہے کہ روز نامہ 'عوام' اب بند ہو چکا ہے اور اس کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ یہ ایک مختصر سا کالم ہوا کرتا تھا جس میں کسی عصری موضوع پر اظہار خیال کیا جاتا تھا۔ اسلوب اس کالم کا طنزیہ و مزاحیہ تھا۔ سید عباس کے پاس اس کے تراشے بھی نہایت خستہ حالت میں ہیں جن کا مطالعہ کر کے اس پر کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔

روز نامہ منصف:

روز نامہ منصف حیدر آباد نے مسلسل سید عباس متقی کی تخلیقات کو شائع کیا ہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے ۔سید عباس متقی منصف میں اس وقت سے لکھ رہے ہیں جب منصف اخبار جناب محمود انصاری مرحوم و مغفور کی ادارت میں نکلا کرتا تھا۔ کم و بیش ۴۰ سالوں سے عباس متقی اس اخبار سے جڑے ہوئے ہیں اور بلا معاوضہ مسلسل اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں۔ آئینہ شہر میں ہر پندرہ دن میں ایک دفعہ سید عباس متقی کا موجودہ حالات پر مبنی ایک مضمون شائع ہوتا ہے جسے منصف نہایت سلیقے سے شائع کرتا ہے۔

سید عباس متقی اس بات پر شاداں وفرحاں ہے کہ معاوضہ ملے نہ ملے وہ منصف کے از حد شکر گزار ہیں کہ ان کی تحریریں شایان شان شائع ہوتی ہیں۔

نشان	نفس مضمون	تخلیقات	مورخہ
1	خاکہ	مولانائے دکن	۲۴/جنوری۱۹۸۳ء
2	طنزومزاح	چائے	۲۵/جولائی۱۹۸۴ء
3	ایضاً	کھٹمل	۲۵/جنوری۱۹۸۷ء
4	خاکہ	بنام تنویر منیار سلمہٗ	۱۸/اپریل۱۹۹۸ء
5	تبصرہ	نوک جھونک	۶/جنوری۱۹۹۹ء
6	طنزومزاح	خدا بچائے ان ویجیلیشن سے	۸/مارچ۱۹۹۹ء
7	ایضاً	ہم تو چلے پردیس ہم پردیسی ہوگئے	۴/نومبر۱۹۹۹ء
8	ایضاً	آپ تو جنگل کے راجہ ٹھہرے	۱۶/فروری۲۰۰۰ء
9	ایضاً	آمدِ کلّو۔ہلّو ہلّو	۱۳/اپریل۲۰۰۰ء
10	ایضاً	سٹّہ	۱۸/اگست۲۰۰۰ء
11	ایضاً	دل کے درد سے گھٹنے کے درد تک	۱۵/نومبر۲۰۰۰ء
12	ایضاً	بلِ آیا بلبلایا	۱۵/فروری۲۰۰۱ء
13	ایضاً	دکھ اٹھائے جو بتوں نے تو خدایاد آیا	۱۰/مارچ۲۰۰۱ء
14	ایضاً	ہم بھی اگر بچّے ہوتے	۲۳/مارچ۲۰۰۱ء
15	ایضاً	بچّے لو بچّے	۷/مئی۲۰۰۱ء
16	ایضاً	انسان ہے اب بھی بندر	۲۱/مئی۲۰۰۱ء
17	ایضاً	چلتے ہیں تو شکا گو چلیے	۵/جون۲۰۰۱ء
18	طنزومزاح	سرِ تسلیم خم ہے جو مزاج باپ میں آئے	۲۹/جون۲۰۰۱ء
19	ایضاً	جو مزاج باپ میں آئے	۲۹/جون۲۰۰۱ء
20	ایضاً	وہ دن بھول گئے	۲۴/ستمبر۲۰۰۱ء
21	ایضاً	بازیچۂ اطفال ہے دنیا میرے آگے	۲۵/جولائی۲۰۰۲ء

22	ایضاً	یہ بھارت پہ خرّم کا احسان ہے	۲۲/اگست ۲۰۰۲ء
23	ایضاً	نوسو چوہے پورے ہوگئے ''حج'' کو جانا ہے باشاہ	۲۹/اگست ۲۰۰۲ء
24	ایضاً	محنت کش انسان جاگ اٹھا، لوٗ بھارت' کے بھاگ جگے	۵/ستمبر ۲۰۰۲ء
25	ایضاً	کون سنتا ہے فغان استاد اور وہ بھی بہ زبان استاد	۱۹/ستمبر ۲۰۰۲ء
26	ایضاً	یہ پیٹھ بریکر ہے کہ اسپیڈ بریکر	۲۶/ستمبر ۲۰۰۲ء
27	ایضاً	یہ بند بھی کیا بند ہے ادھر بند ہے اُدھر بند ہے	۳/اکتوبر ۲۰۰۲ء
28	ایضاً	پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر	۱۰/اکتوبر ۲۰۰۲ء
29	ایضاً	ہمیں تو لوٹ لیا مل کے پولیس والوں نے	۱۷/اکتوبر ۲۰۰۲ء
30	ایضاً	صفی کچرے کے لڑکے کو غذا ملتی ہے کچرے سے	۲۴/اکتوبر ۲۰۰۲ء
31	ایضاً	کہوں کس سے میں کہ کیا ہے سگ رہ بری بلا؟	۳۱/اکتوبر ۲۰۰۲ء
32	ایضاً	ترے در و بام پر وادیٔ ایمن کا نور	۵/دسمبر ۲۰۰۲ء
33	ایضاً	مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ	۲۳/جنوری ۲۰۰۳ء
34	ایضاً	سڑکیں تو بہت صاف ہیں دل صاف نہیں	۲۰/فروری ۲۰۰۳ء
35	ایضاً	صوفی منش جہاں میں پرندہ ہے کبوتر	۶/مارچ ۲۰۰۳ء
36	ایضاً	بابو! سمجھو اشارے، ہارن پکارے، پم پم پم	۱۳/مارچ ۲۰۰۳ء
37	ایضاً	آنسو بہا بہا کر پانی کو رو رہے ہیں	۲۰/مارچ ۲۰۰۳ء
38	ایضاً	پھر چلی ہے ریل اسٹیشن سے لہراتی ہوئی	۲/اکتوبر ۲۰۰۳ء
39	ایضاً	کتابوں سے بڑھ کر نہیں دوست کوئی	۱۶/اکتوبر ۲۰۰۳ء
40	ایضاً	محکمہ تعلیمات یا محکمہ تعطیلات	۲۳/دسمبر ۲۰۰۳ء
41	ایضاً	ہیں اور بھی دنیا میں دھنیے	۲۰/اگست ۲۰۰۴ء
42	ایضاً	ہوئے ہم جو مر کے رسواء	یکم/مارچ ۲۰۰۵ء
43	ایضاً	سلام خوش نویس کو آخری سلام	۱۲/مارچ ۲۰۰۵ء
44	ایضاً	جادوگرسیاں	۱۸/مارچ ۲۰۰۵ء
45	تبصرہ	شگوفہ سال نامہ جنوری 2005ء خصوصی مطالعہ	۲۰/مارچ ۲۰۰۵ء

46	طنز و مزاح	عجب ہے یہ لباس پارسائی	۲۲/مارچ ۲۰۰۵ء
47	ایضاً	وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ	۳۱/مارچ ۲۰۰۵ء
48	ایضاً	امیتابھ بچن کے اشتہارات	۱۵/اپریل ۲۰۰۵ء
49	ایضاً	پرانا شہر یا پیلا شہر	۲۵/اپریل ۲۰۰۵ء
50	ایضاً	دیکھو مگر میک اپ اتار کے	۲۶/جولائی ۲۰۰۵ء
51	ایضاً	ہم تو تیرے عاشق ہیں صدیوں پرانے	۵/فروری ۲۰۰۷ء
52	تقابلی جائزہ	مرزا غالب کی فارسی شاعر پر مرزا بیدل کے اثرات	۱۵/فروری ۲۰۰۷ء
53	خاکہ	تیری ''مونچھوں'' کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے	۲۰/ستمبر ۲۰۰۷ء
54	طنز و مزاح	ممبروں کا ہراج	۲۲/جولائی ۲۰۰۸ء
55	ایضاً	بھارت رتن کے ہم مستحق ہیں	۱۳/اگست ۲۰۰۸ء
56	ایضاً	کیف بی بی کے نام ایک کھلا خط قسط اول	۱۲/ستمبر ۲۰۰۸ء
57	ایضاً	کیف بی بی کے نام ایک کھلا خط قسط دوم	۱۳/ستمبر ۲۰۰۸ء
58	ایضاً	حِلم والے حلیم کھاتے ہیں	۲۳/ستمبر ۲۰۰۸ء
59	ایضاً	خانگی مدارس یا ٹکسال	۲۳/اکتوبر ۲۰۰۸ء
60	ایضاً	حمیت کا جوتا خباثت کے سر	۲۹/دسمبر ۲۰۰۸ء
61	ایضاً	یوم عاشقاں یا یوم احمقاں	۲۱/فروری ۲۰۰۹ء
62	ایضاً	استاد ہر دل عزیز ڈاکٹر عزیز بانو	۲۶/فروری ۲۰۰۹ء
63	خاکہ	ٹیکنو کریٹ شاعر یوسف روش	۲/جولائی ۲۰۰۹ء
64	طنز و مزاح	ہم نے گولڈ میڈل حاصل کیا	۱۹/جولائی ۲۰۰۹ء
65	ایضاً	پیرس سے بلاوا آیا ہے	۱۵/اکتوبر ۲۰۰۹ء
66	ایضاً	ہاں! ہم ''ایڈیٹ'' ہیں	۲۶/جنوری ۲۰۱۰ء
67	ایضاً	کہ من شیر ہستم	۲۳/اگست ۲۰۱۰ء
68	ایضاً	منی نیک نام ہی کب تھی	۱۶/دسمبر ۲۰۱۰ء
69	ایضاً	اور پا نالغت فارسی کا	۱۹/جنوری ۲۰۱۱ء

70	خاکہ	قصہ ایک عبقری شخصیت سے ملاقات کا	۲۰/جنوری ۲۰۱۱ء
71	طنز ومزاح	آؤ پھر شادی کریں (قسط اول)	۱۸/فروری ۲۰۱۱ء
72	ایضاً	یاد تھیں جتنی دعائیں صرف کرکٹ ہوگئیں	۱۶/اپریل ۲۰۱۱ء
73	خاکہ	دیو آنند (قسط دوم)	۲۱/دسمبر ۲۰۱۱ء
74	خاکہ	عجیب شخص ہے (پہلی قسط)	۱۶/فروری ۲۰۱۲ء
75	خاکہ	عجیب شخص ہے (آخری قسط)	۲۳/فروری ۲۰۱۲ء
76	خاکہ	قاری ایم۔ ایس خان ایک مشفق دوست، ایک مخلص قلم کار	۲۹/مارچ ۲۰۱۲ء
77	طنز ومزاح	کاغذ کی فریاد (قسط اول)	۴/اپریل ۲۰۱۲ء
78	خاکہ	قاری ایم۔ ایس خان ایک مشفق دوست، ایک مخلص قلم کار دوسری اور آخری قسط	۵/اپریل ۲۰۱۲ء
79	طنز ومزاح	ایک شادی۔ ایک نظم	۳/مئی ۲۰۱۲ء
80	ایضاً	بزم سعدی یا نام نہاد بزم سعدی (قسط اول)	۱۷/مئی ۲۰۱۲ء
81	ایضاً	بزم سعدی یا نام نہاد بزم سعدی (قسط اول)	۱۸/مئی ۲۰۱۲ء
82	ایضاً	مٹھائی کا ڈبہ اور مولانا روم کا شعر	۲۳/مئی ۲۰۱۲ء
83	خاکہ	یادِ مغنی عذاب ہے یارب	۲۴/مئی ۲۰۱۲ء
84	طنز ومزاح	شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ میں ہماری خدمات	۱۹/جولائی ۲۰۱۲ء
85	ایضاً	پتا نہیں تیواری اور کس کے ڈیڈی ہیں	۹/اگست ۲۰۱۲ء
86	ایضاً	آلو کا قورمہ اور شکریہ کی ایک نظم	۹/اگست ۲۰۱۲ء
87	خاکہ	چاند بھائی: تیری خدمت سے نہیں ملتی کسی کی خدمت	۲۳/اگست ۲۰۱۲ء
88	طنز ومزاح	دعوت شیر خرما در شعبۂ فارسی از طرف پروفیسر عزیز بانو	۶/ستمبر ۲۰۱۲ء
89	ایضاً	راج بھون سے ہمارے گھر تک کچرا ہی کچرا	۲۰/ستمبر ۲۰۱۲ء
90	ایضاً	ہم بھی اگر کتے ہوتے	۴/اکتوبر ۲۰۱۲ء
91	ایضاً	سرکس کا شیر (قسط اول)	۱۸/اکتوبر ۲۰۱۲ء
92	ایضاً	سرکس کا شیر (قسط دوم)	۲۵/اکتوبر ۲۰۱۲ء

93	ایضاً	پچاس کروڑ کی معشوقہ	۸/نومبر۲۰۱۲ء
94	ایضاً	زن سبزی فروش	۲۹/نومبر۲۰۱۲ء
95	ایضاً	مرغ کی فریاد	۲۰/دسمبر۲۰۱۲ء
96	ایضاً	اقبال کا شاہین اور ہمارا کبوتر	۱۰/جنوری۲۰۱۳ء
97	ایضاً	جادوگرسیاں	۳۱/جنوری۲۰۱۳ء
98	خاکہ	صادق حیات جدید فارسی ادب کا ایک منفرد قلم کار	۱۴/فروری۲۰۱۳ء
99	طنزومزاح	''بھینس'' کے دودھ سے ''دامودر یادو'' کے دودھ تک	۲۸/فروری۲۰۱۳ء
100	خاکہ	الحاج محمد عبدالباسط خان: خدمت وخلوص کا پیکر	۱۴/مارچ۲۰۱۳ء
101	سفرنامہ	سفرنامہ کشورایران	۱۴/مارچ۲۰۱۳ء
102	طنزومزاح	مکھی کی فریاد	۴/اپریل۲۰۱۳ء
103	ایضاً	کیٹ ونسلیٹ کے نام ایک کھلا خط	۶/مئی۲۰۱۳ء
104	ایضاً	ہمارا گھر	۹/مئی۲۰۱۳ء
105	ایضاً	شیطان سے ایک ملاقات	۲۳/مئی۲۰۱۳ء
106	ایضاً	یہ بھی ایک مثالی شادی ہے	۱۳/جون۲۰۱۳ء
107	خاکہ	رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز	۲۷/جون۲۰۱۳ء
108	طنزومزاح	مودی مجنون سگِ دنیائے دون	۱۷/جولائی۲۰۱۳ء
109	ایضاً	سنیما کا کریز	۱۸/جولائی۲۰۱۳ء
110	ایضاً	کشور شام آہ! اکنون کشورِ تاریک شد	یکم/اگست۲۰۱۳ء
111	ایضاً	ہم آزاد ہیں	۱۵/اگست۲۰۱۳ء
112	ایضاً	بچاؤ ہمیں پڑوسیوں سے	۲۲/اگست۲۰۱۳ء
113	ایضاً	آسارام مفت ہوئے بدنام	۳/ستمبر۲۰۱۳ء
114	ایضاً	کارنامۂ حیات	۱۲/ستمبر۲۰۱۳ء
115	ایضاً	تم نہ جانے کس جہاں میں کھوگئے!	۱۰/اکتوبر۲۰۱۳ء
116	تبصرہ	معین الاولیاء	۲۴/اکتوبر۲۰۱۳ء

117	طنز ومزاح	مرزا نے اپنا بنگلہ دکھایا	۳۱/اکتوبر۲۰۱۳ء
118	خاکہ	پیکراخلاص وعمل قاضی سید عزیزالدین صابر	۱۴/نومبر۲۰۱۳ء
119	طنز ومزاح	"BEN-HUR" معصوم بچپن معصوم یادیں	۲۸/نومبر۲۰۱۳ء
120	ایضاً	تہلکہ درتہلکہ	۱۲/دسمبر۲۰۱۳ء
121	ایضاً	سارے جہاں میں دھوم ہمارے کچن کی ہے	۲۰/فروری۲۰۱۴ء
122	تبصرہ	گیلے پتوں کا شاعر: رؤف الدین شاکر	۶/مارچ۲۰۱۴ء
123	طنز ومزاح	دینی، تعلیمی وصنعتی تنظیم کی جانب سے ہماری تہنیت	۲۰/مارچ۲۰۱۴ء
124	ایضاً	کاہلوں کی انجمن	۳/اپریل۲۰۱۴ء
125	ایضاً	کفن کا ٹکڑا	۱۷/اپریل۲۰۱۴ء
126	ایضاً	وکٹوریہ میٹرنٹی ہاسپٹل: یہیں تو ہم نے جنم لیا تھا	۳/مئی۲۰۱۴ء
127	ایضاً	انگلی میں داغ لگا بیٹھے۔۔۔	۱۵/مئی۲۰۱۴ء
128	ایضاً	خون آدم سے نہیں ہے کوئی بھی پرچم بزرگ	۲۹/مئی۲۰۱۴ء
129	ایضاً	آپ کاج مہا کاج	۱۲/جون۲۰۱۴ء
130	خاکہ	بڑے گھر کی بیٹی پروفیسر حبیب ضیاء	۲۶/جون۲۰۱۴ء
131	طنز ومزاح	چیونٹی کی فریاد	۲۴/جولائی۲۰۱۴ء
132	ایضاً	لذتوں کا ثواب باقی ہے	۷/اگست۲۰۱۴ء
133	ایضاً	شرم تم کو مگر نہیں آتی	۲۱/اگست۲۰۱۴ء
134	ایضاً	گِدھ جو عنقا ہو گئے	۴/ستمبر۲۰۱۴ء
135	ایضاً	قرض بھی دینا کتے اور قتل بھی ہونا کتے	۲۵/ستمبر۲۰۱۴ء
136	ایضاً	موت کا ایک دن معین ہے۔۔۔	۹/اکتوبر۲۰۱۴ء
137	ایضاً	جادوگرسیاں	۲۳/اکتوبر۲۰۱۴ء
138	ایضاً	بایاں ہاتھ	۶/نومبر۲۰۱۴ء
139	ایضاً	ہم نے لوری سنائی	۲۰/نومبر۲۰۱۴ء
140	خاکہ	عزم وعمل کا پیکر: مظفرالنساء ناز	۴/دسمبر۲۰۱۴ء

141	طنز و مزاح	بخال ہندوش بخشم ھمہ ''یاقوت پورہ'' را	۱۸/ دسمبر ۲۰۱۴ء
142	ایضاً	ہم نے پھر انٹرویو دیا اور پھر فیل ہو گئے	یکم/ جنوری ۲۰۱۵ء
143	ایضاً	بشنواز ''کاغذ'' شکایت می کند	۱۵/ جنوری ۲۰۱۵ء
144	تبصرہ	جناب امیر احمد خسرو ''دستِ دعا'' کے آئینے میں	۲۹/ جنوری ۲۰۱۵ء
145	طنز و مزاح	ایک مسافر ایک حسینہ	۱۹/ فروری ۲۰۱۵ء
146	ایضاً	زوجہ عمران شدر یحام خاں	۵/ مارچ ۲۰۱۵ء
147	ایضاً	بات کُتّے کی۔۔۔ذات کُتّے کی	۱۹/ مارچ ۲۰۱۵ء
148	ایضاً	وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے	۲/ اپریل ۲۰۱۵ء
149	ایضاً	اللہ دلوائے گا تو لیوے گا	۱۶/ اپریل ۲۰۱۵ء
150	ایضاً	کوہِ نور کی واپسی	۳۰/ اپریل ۲۰۱۵ء
151	ایضاً	غزل کے تین گیت	۱۷/ جون ۲۰۱۵ء
152	ایضاً	گاڑی والے گاڑی دھیرے ہانک رے	۲۵/ جون ۲۰۱۵ء
153	ایضاً	ہم کو چھٹی نہ ملی، اُس نے سبق یاد کیا	۳۰/ جولائی ۲۰۱۵ء
154	ایضاً	آیا اب بھی ہیں بیٹیاں منحوس؟	۱۳/ اگست ۲۰۱۵ء
155	ایضاً	دیوار کی آنکھیں	۲۷/ اگست ۲۰۱۵ء
156	ایضاً	تیل قندیل (پہلی قسط)	۱۰/ ستمبر ۲۰۱۵ء
157	ایضاً	تیل قندیل (دوسری قسط)	۲۴/ ستمبر ۲۰۱۵ء
158	ایضاً	بیل کرتا ہے عرض یوں احوال	۸/ اکتوبر ۲۰۱۵ء
159	ایضاً	دعوتِ منور (زندہ دلان حیدرآباد کے ادبی اجلاس میں پڑھا گیا مضمون)	۲۲/ اکتوبر ۲۰۱۵ء
160	ایضاً	آمدم بر سر بیت الخیال	۵/ نومبر ۲۰۱۵ء
161	ایضاً	گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا	۱۵/ نومبر ۲۰۱۵ء
162	ایضاً	مرزا حجت الکھیکھڑی	۳/ دسمبر ۲۰۱۵ء
163	ایضاً	گھوڑے تیری تقدیر پہ دل ہلتا ہے (پہلی قسط)	۱۸/ دسمبر ۲۰۱۵ء

164	ایضاً	گھوڑے تیری تقدیر پہ دل ہلتا ہے (دوسری قسط)	۱۹/دسمبر ۲۰۱۵ء
165	ایضاً	دلیپ کمار کو پدما وبھوشن، اعزاز یا توہین (پہلی قسط)	یکم جنوری ۲۰۱۶ء
166	ایضاً	دلیپ کمار کو پدما وبھوشن، اعزاز یا توہین (دوسری قسط)	۲/جنوری ۲۰۱۶ء
167	ایضاً	دو پھول جو مرجھا گئے	۷/جنوری ۲۰۱۶ء
168	تبصرہ	اردو کی آسان قواعد بیک نظر	۱۷/جنوری ۲۰۱۶ء
169	طنز و مزاح	شادی خانے سے جیل خانے تک	۲۱/جنوری ۲۰۱۶ء
170	تبصرہ	غوث خواہ مخواہ اور ان کے۔۔۔	۲۸/جنوری ۲۰۱۶ء
171	طنز و مزاح	یہ خودکشی کے میلے	۴/فروری ۲۰۱۶ء
172	ایضاً	شام ذائقہ	۱۸/فروری ۲۰۱۶ء
173	ایضاً	پروفیسر نسیم الدین: بن گئے ''مانو'' کے ڈین	۳/مارچ ۲۰۱۶ء
174	ایضاً	لیو خطبہ	۱۷/مارچ ۲۰۱۶ء
175	ایضاً	زلفیں پیچاں سے قدحِ پیچ	۲۱/اپریل ۲۰۱۶ء
176	ایضاً	رائچور، حیدرآباد میں ہیں	۱۹/مئی ۲۰۱۶ء
177	ایضاً	شادی خانے سے دواخانے تک	۳/جون ۲۰۱۶ء
178	ایضاً	مرغ کی کہانی مرغ کی زبانی	۲۳/جون ۲۰۱۶ء
179	ایضاً	ہم حیدرآباد اور نیو ریارک	۴/اگست ۲۰۱۶ء
180	ایضاً	ہم حیدرآباد اور نیو ریارک	۸/ستمبر ۲۰۱۶ء
181	ایضاً	ہم حیدرآباد اور نیو ریارک	۲۲/ستمبر ۲۰۱۶ء
182	ایضاً	ہم حیدرآباد اور نیو ریارک	۶/اکتوبر ۲۰۱۶ء
183	ایضاً	ہم حیدرآباد اور نیو ریارک	۲۰/اکتوبر ۲۰۱۶ء
184	ایضاً	ہم حیدرآباد اور نیو ریارک	یکم/دسمبر ۲۰۱۶ء
185	ایضاً	ہم حیدرآباد اور نیو ریارک	۱۵/دسمبر ۲۰۱۶ء

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ مذکورہ مضامین میں سے اکثر مضامین مجموعوں کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ چناں چہ ہم نے ان کا مطالعہ ان کے اسلوب بیان کے ذیل میں کیا ہے۔

ماہ نامہ شگوفہ:

ماہ نامہ شگوفہ حیدرآباد جو زندہ دلان حیدرآباد کا ترجمان اور ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال کی ادارت میں نومبر، دسمبر ۱۹۶۸ء سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔جس میں سید عباس متقی نے بے شمار مضامین، خاکے اور مزاحیہ نظمیں چھپی ہیں اور مدیر شگوفہ نے نہایت اہتمام سے انھیں شائع کیا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۸۵ء میں زندہ دلان حیدرآباد کے جلسے میں پہلی مرتبہ سید عباس متقی کو پیش کیا گیا۔اس کے بعد سے تا حال وہ مسلسل زندہ دلان حیدرآباد کے ادبی اجلاس میں شریک ہوتے رہے ہیں اور اپنا کوئی مزاحیہ مضمون سنا کر داد و تحسین حاصل کرتے آ رہے ہیں۔ان کے مضامین نہ صرف عمدہ ہوتے ہیں بلکہ موصوف کے پڑھنے کا انداز اس میں چار چاند لگا دیتا ہے۔اس طرح عموماً ان کا مضمون قارئین کو اور سامعین کو بہت ہی پسند آتا ہے نتیجتاً لوگ انھیں دل کھول کر داد دیے بغیر نہیں رہتے جس سے ان کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔اس طرح سید عباس متقی ماہ نامہ شگوفہ حیدرآباد سے ۱۹۸۵ء سے برابر وابستہ ہیں اور مسلسل اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں۔

(غزلیں)

نشان	مصرع اولیٰ	جلد	شمارہ	ماہ و سال	صفحہ نمبر
1	چپکے چپکے رات دن مسجد کو جانا یاد ہے	۲۱	۵	مئی ۱۹۸۸ء	۳۶
2	لوگ کہتے ہیں کہ مجھ کو کام کی عادت نہیں	۲۱	۵	مئی ۱۹۸۸ء	۳۶
3	کیوں غریبوں پر یوں ڈھاتے ہو غضب	۴۵	۱۱	نومبر ۲۰۱۲ء	
4	ڈاڈا ڈاکٹر ماما میں کیا کہوں تتا تین دن سے بخار ہے	۴۹	۹	ستمبر ۲۰۱۶ء	۲۲

(نظمیں)

نشان	مصرع اولیٰ	جلد	شمارہ	ماہ و سال	صفحہ نمبر
1	پھر چلی موٹر مری گرتی سے لہراتی ہوئی (میری موٹر)	۲۰	۱۲	دسمبر ۱۹۸۷ء	۴۸
2	میرا بڈھا شاہ جوان بڈھا نکو بولو گے (میرا بڈھا شاہ جوان)	۳۷	۱۱	نومبر ۲۰۰۴ء	۱۴

3	گر بر آید امتحان، خوان خوان شگوفہ خوان بخوان (شگوفہ بخوان)	۴۴	۱۲	دسمبر ۲۰۱۱ء	۵۳
4	ہے دن یہ جمعرات کا کچھ دے دے اتارا (ایک جلوے کا سوال ہے بابا)	۴۸	۱	جنوری	۶۸
5	ہکلا مریض	۴۹	۹	ستمبر ۲۰۱۶ء	۲۲

(قِطعات)

نشان	مصرع اولیٰ	جلد	شمارہ	ماہ وسال	صفحہ نمبر
1	فلر کو بوگس نے اپنی آن دی (قطعہ تاریخ وفات بوگس حیدرآبادی)	۲۴	۷	جولائی ۱۹۹۱ء	۵۴
2	لگ گئی شاید زمانے کی نظر (قطعہ تاریخ وفات مصطفیٰ کمال کے بھائیوں کے انتقال پر)	۲۸	۸	اگست ۱۹۹۵ء	۵۴
3	ناز تھا اپنی وجاہت پر جسے (قطعہ تاریخ وفات محمد سلیمان)	۳۹	۳	مارچ ۲۰۰۶ء	۵۵
4	بش کو جوتے ہوں مبارک زیدی کو خوش بختیاں (قطعہ تاریخ بش پر زیدی کے جوتا پھینکنے کے بیان میں)	۴۲	۱	جنوری ۲۰۰۹ء	۷۳
5	پریشد پیمانہ طنز و مزاح (قطعہ تاریخ وفات یوسف ناظم)	۴۲	۸	اگست ۲۰۰۹ء	۶۶
6	اینگلو پرشین (دیدہ ہر اسمارٹ فیچر گل بگو)	۴۹	۱۱	نومبر ۲۰۱۶ء	۳۵

(فکاہیے، انشائیے اور طنزیہ و مزاحیہ مضامین)

نشان	مضمون کا نام	جلد	شمارہ	ماہ وسال	صفحہ نمبر
1	ہمارا گھر	۱۹	۱۰	اکتوبر ۱۹۸۶ء	۱۸
2	مہرباں ہو کے بلالو	۲۰	۳	مارچ ۱۹۸۷ء	۵۴
3	خدا بچائے سڑکوں سے	۲۰	۶	جون ۱۹۸۷ء	۲۳
4	تلاش روزگار (سلور جوبلی مزاحیہ مضمون مقابلہ کا انعام اول)	۲۰	۱۲	دسمبر ۱۹۸۷ء	۲۰
5	گدھے	۲۱	۴	اپریل ۱۹۸۸ء	۲۰

6 گرانی	۲۱	۸	اگست ۱۹۸۸ء	۲۷
7 کھٹمل	۲۱	۹	ستمبر ۱۹۸۸ء	۲۹
8 شادی خانے سے دواخانے تک	۲۱	۱۲	دسمبر ۱۹۸۸ء	۲۰
9 مرد تو سارے۔۔۔۔	۲۲	۳	مارچ ۱۹۸۹ء	۲۱
10 التوا کی وائی وا کہتے ہیں	۲۲	۵	مئی ۱۹۸۹ء	۲۱
11 بسکہ دشوار ہے	۲۲	۸	اگست ۱۹۸۹ء	۲۱
12 خدا بچائے کرکٹ سے	۲۲	۱۲	دسمبر ۱۹۸۹ء	۲۱
13 ایک ہنگامہ پر موقوف الیکشن	۲۳	۲	فروری ۱۹۹۰ء	۳۳
14 کٹی عمر ہوٹلوں میں	۲۳	۴	اپریل ۱۹۹۰ء	۲۲
15 وہ سید عباس متقی مغنی تبسم کہتے ہیں (خاکہ)	۲۳	۱۰	اکتوبر ۱۹۹۰ء	۲۲
16 طالب لکیروں کا سوداگر (خاکہ)	۲۴	۱۔۲	جنوری،فروری ۱۹۹۱ء	۹۷
17 مرا شہر لوگاں سوں	۲۴	۴	اپریل ۱۹۹۱ء	۲۳
18 انتخابات سے فسادات تک	۲۴	۷	جولائی ۱۹۹۱ء	۱۳
19 بیل جیتا ہے بہر کیف	۲۴	۱۲	دسمبر ۱۹۹۱ء	۱۳
20 کچرا	۲۵	۱۔۲	جنوری،فروری ۱۹۹۲ء	۴۹
21 دفتر شگوفہ	۲۵	۳	مارچ ۱۹۹۲ء	۳۵
22 سالا	۲۶	۱	جنوری ۱۹۹۳ء	۲۵
23 آؤ کب بولیں	۲۶	۵	مئی ۱۹۹۳ء	۲۵
24 وضو کو مانگ کے پانی	۲۶	۹	ستمبر ۱۹۹۳ء	۲۵
25 اگر یہ بڑھاپا آتا کیوں ہے	۲۶	۱۱	نومبر ۱۹۹۳ء	۲۵
26 کیا ہم احسان فراموش ہیں	۲۷	۵	مئی ۱۹۹۴ء	۲۶
27 مجھے کتابیں نہ دو	۲۷	۸	اگست ۱۹۹۴ء	۱۹
28 ڈرتا ہوں میں چوہے سے کہ	۲۸	۱۔۲	جنوری،فروری ۱۹۹۵ء	۶۹
29 کھاؤ قسم	۲۸	۵	مئی ۱۹۹۵ء	۱۷
30 بستر	۲۹	۱۔۲	جنوری،فروری ۱۹۹۶ء	۶۳
31 ریورس گیر	۲۸	۱۱	نومبر ۱۹۹۶ء	۹

32	لو یہ سال بھی گیا	۳۰	۲۔۱	جنوری،فروری ۱۹۹۷ء	۶۵
33	کچرا	۳۰	۹	ستمبر ۱۹۹۷ء	۱۱۶
34	بچاؤ ہمیں ہمارا جشن منانے والوں سے	۳۱	۳	مارچ ۱۹۹۸ء	۲۹
35	لواب ہم بھی کروڑ پتی ہوگئے	۳۱	۶	جون ۱۹۹۸ء	
36	سیکل	۳۱	۱۰	اکتوبر ۱۹۹۸ء	۱۵
37	ڈاکٹر بابا	۳۲	۲۔۱	جنوری،فروری ۱۹۹۹ء	۵۱
38	خدا بچائے ان ویجیلیشن سے	۳۲	۷	جولائی ۱۹۹۹ء	۱۹
39	سو میں سے بارہ	۳۲	۱۱	نومبر ۱۹۹۹ء	
40	درد کولھا نے پریشان کردیا	۳۳	۲۔۱	جنوری،فروری ۲۰۰۰ء	۶۳
41	گدھ عنقا ہوگئے	۳۴	۲۔۱	جنوری،فروری ۲۰۰۱ء	۳۵
42	مردم شماری سے مردم آزاری تک	۳۵	۲۔۱	جنوری،فروری ۲۰۰۲ء	۲۵
43	زاہد شراب پینے دے ''ڈولے''۔۔۔	۳۶	۱۱	نومبر ۲۰۰۳ء	۱۷
44	ہمیں سے محبت ہمیں سے لڑائی	۳۷	۱	جنوری ۲۰۰۴ء	۴۷
45	لال لگام	۳۷	۱۰	اکتوبر ۲۰۰۴ء	۵
46	سو پشت سے ہے پیشہ آبا گداگری	۳۸	۲	فروری ۲۰۰۵ء	۹
47	مردم شماری سے مردم آزاری تک	۳۸	۷	جولائی ۲۰۰۵ء	۱۷۳
48	خلوص اور خشبو کا آدمی الیاس بھائی (خاکہ)	۳۹	۶	جون ۲۰۰۶ء	۳۸
49	یہیں تو ہم نے جنم لیا تھا	۴۰	۲	فروری ۲۰۰۷ء	۳۹
50	سیکھی ہے مہ رخوں کے لیے۔۔۔	۴۰	۶	جون ۲۰۰۷ء	۲۱
51	تہذیب رواں سے ایک ملاقات	۴۰	۱	جنوری ۲۰۰۸ء	۶۹
52	آدمی ہیں پاجامہ نہیں	۴۰	۳	مارچ ۲۰۰۸ء	۴۰
53	ہم بھی اگر کتے ہوتے	۴۰	۴	اپریل ۲۰۰۸ء	۴۰
54	ممبروں کا ہراج	۴۰	۹	ستمبر ۲۰۰۸ء	۴۰
55	ہم نے گولڈ میڈل لیا	۴۰	۱۲	دسمبر ۲۰۰۸ء	۴۰
56	حمیت کا جوتا خباثت کے سر	۴۲	۱	جنوری ۲۰۰۹ء	۸۵
57	میرے اللہ تو بھائی سے بچانا مجھ کو	۴۲	۵	مئی ۲۰۰۹ء	

58 میرے بیٹے کو حقارت سے نہ دیکھو صاحب	۴۲	۷	جولائی ۲۰۰۹ء	
59 فن کا تارا جو ڈوب گیا	۴۲	۸	اگست ۲۰۰۹ء	۶۶
60 مرغ کی فریاد	۴۳	۲	فروری ۲۰۱۰ء	۹
61 ڈبل ڈاکٹر	۴۳	۱۲	دسمبر ۲۰۱۰ء	۵۷
62 حلم والے حلیم کیا جانیں	۴۴	۹	ستمبر ۲۰۱۱ء	۱۶
63 عجیب شخص ہے	۴۴	۱۱	نومبر ۲۰۱۱ء	۳۰
64 کیف بی بی کے نام ایک کھلا خط	۴۵	۱	جنوری ۲۰۱۲ء	۶۹
65 سید عباس متقی۔ بہ یک نظر (تعارف)	۴۵	۱۱	نومبر ۲۰۱۲ء	۳۳
66 من خوب می شناسم سید عباس متقی را	۴۵	۱۱	نومبر ۲۰۱۲ء	۳۵
67 کچرا	۴۵	۱۱	نومبر ۲۰۱۲ء	۳۶
68 سرکس کا شیر	۴۵	۱۱	نومبر ۲۰۱۲ء	۴۰
69 سنیما کا کریز	۴۵	۱۱	نومبر ۲۰۱۲ء	۴۶
70 میرا مزاج لڑکپن سے۔۔۔	۴۵	۱۱	نومبر ۲۰۱۲ء	۴۹
71 مکھی کی فریاد	۴۶	۱	جنوری ۲۰۱۳ء	۴۹
72 آؤ پھر شادی کریں	۴۶	۱۲	دسمبر ۲۰۱۳ء	۱۳
73 جامہ زیبی بھی۔۔۔	۴۷	۱	جنوری ۲۰۱۴ء	۵۹
74 موت کا ایک دن معین ہے	۴۷	۱۱	نومبر ۲۰۱۴ء	۳۵
75 گاڑی والے گاڑی دھیرے	۴۸	۷	جولائی ۲۰۱۵ء	۱۹

ماہ نامہ شگوفہ کا گوشۂ عباس متقی:

ماہ نامہ شگوفہ حیدرآباد نے نومبر ۲۰۱۲ء میں سید عباس متقی کا گوشہ نکالا تھا جس میں ان کے چھے مضامین کچرا، سرکس کا شیر، سنیما کا کریز، میرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ ہے کے ساتھ ساتھ ایک غزل اور ان پر تحریر کردہ ایک مضمون بہ عنوان سید عباس متقی بیک نظر پیش کر کے ان کی خدمت میں خراج تحسین پیش کیا تھا۔ اس پرچے میں سید عباس متقی کے دو اساتذہ پروفیسر یوسف سرمست اور پروفیسر محمد علی اثر نے سید عباس متقی کی شخصیت اور فن پر سیر حاصل گفتگو کی تھی۔ محترمہ رفیعہ منظور الامین اور مدیر شگوفہ نے ان کی مزاح نگاری کا تفصیل سے جائزہ لیا تھا۔

دیگر ادبی رسائل کے لیے سید عباس متقی کی خدمات:

سہ ماہی پھولبن حیدرآباد میں سید عباس متقی کی مطبوعہ تخلیقات

نشان	نام	جلد	شمارہ	مہینے و سال	صفحہ نمبر
1	ہر شئے سے یہی آتی ہے صدا سبحان اللہ سبحان اللہ	۳	۱	جنوری، فروری، مارچ ۲۰۱۵ء	۵
2	داد ملت را حیات بے ثبات (قطعہ تاریخ وفات پروفیسر شروانی)	۳	۲	اپریل، مئی، جون ۲۰۱۵ء	۳
3	ہمارا گھر	۳	۲	اپریل، مئی، جون ۲۰۱۵ء	۷

دو ماہی ظرافت بنگلور میں سید عباس متقی کی مطبوعہ تخلیقات

نشان	نام	جلد	شمارہ	مہینے و سال	صفحہ نمبر
1	بکرے کی کہانی بکرے کی زبانی	۴	۲۵	جون تا اگست ۲۰۰۹ء	۷۴

ماہ نامہ سب رس:

ماہ نامہ سب رس حیدرآباد میں سید عباس متقی نے بہت زیادہ مضامین نہیں لکھے۔ لیکن جو بھی لکھا ہے وہ یا تو ایک آدھ تحقیقی مضمون ہے یا پھر کوئی تبصرہ۔ موصوف نے ڈاکٹر محی الدین قادری زور پر ایک مضمون قلم بند کیا تھا جسے سب رس نے نہایت اہتمام سے شائع کیا تھا۔ اس طرح عزیز احمد جلیلی کی ایک کتاب پر بھی سید عباس متقی نے ایک مبسوط تبصرہ قلم بند کر کے شائع کروایا تھا۔

ماہ نامہ سب رس حیدرآباد میں سید عباس متقی کے مضامین

نشان	مضمون کا نام	ماہ و سال	صفحہ نمبر
1	نقوش زور	نومبر ۱۹۹۶ء	

ماہ نامہ آندھرا پردیش حیدرآباد میں سید عباس متقی کے طنزیہ و مزاحیہ مضامین

نشان	مضمون کا نام	ماہ و سال	صفحہ نمبر
1	بس کے دشوار ہے تحقیق کا آسان ہونا	ستمبر ۱۹۹۵ء	۴۲
2	ہماری اسناد جعلی نہیں	اپریل ۱۹۹۶ء	۲۸
3	ہماری اسناد جعلی نہیں	مئی ۱۹۹۶ء	۲۸
4	کچرا	مارچ ۱۹۹۹ء	۲۴
5	حکیم مرزا عجیب بیگ	نومبر ۱۹۹۹ء	۲۸

مقایسۂ غالب (۲۰۱۳ء) کا تنقیدی مطالعہ:

سید عباس متقی نے اردو سے پی ایچ۔ڈی کرنے کے بعد جامعہ عثمانیہ ہی سے ایم۔اے۔فارسی میں گولڈ میڈل کے مستحق قرار دیے گئے اور ان کی اعلیٰ تخلیقی و تعلیمی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے انھیں شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ میں بحیثیت جز وقتی لکچرر فارسی کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔اسی دوران وہ جہاں شعبۂ فارسی میں لکچرر کی خدمات پر مامور تھے وہیں وہ ایم۔فل فارسی کے طالب علم تھے۔

سید عباس متقی نے اپنے بعض مضامین میں لکھا ہے کہ انھیں ایم۔فل فارسی میں مقالہ داخل رکھنے سے باز رکھا گیا ہے۔وجہ جو بھی رہی ہو یہ نا انصافی جوان کے ساتھ ہوئی ہے۔نہیں ہونی چاہیے تھی۔

پیش نظر کتاب ''مقایسۂ غالب'' دراصل ان کا تحقیقی و تنقیدی مقالہ ہے جس کو انھوں نے فارسی سے ایم۔فل کے حصول کے لیے لکھا تھا۔جب ایم۔فل نہیں ہو پایا تو انھوں نے نہایت تعجیل کے ساتھ اسے کتابی شکل دی۔ویسے کام اچھا ہوا ہے۔کتاب کی ضخامت بھی ۱۶۰ صفحات تک پہنچ گئی ہے۔ٹائیٹل صفحہ بھی دیدہ زیب ہے اور بیک ٹائیٹل بھی عمدہ ہے جن میں ایک طرف مرزا غالب کی تصویر ہے تو دوسری جانب خود تصویر بنے بیٹھے ہیں۔گویا لباس، چہرہ بشرہ اور انداز و اسلوب سے ایسا معلوم پڑتا ہے کہ دونوں معاصرین ہوں یا کم از کم جونیر و سنئیر والا معاملہ تو ضرور ہوگا لیکن ایسا نہیں ہے۔

مقایسۂ غالب میں سید عباس متقی نے مرزا اسداللہ خاں غالب کے فارسی اور اردو کلام کا تقابلی جائزہ لیا ہے۔اس طرح انھوں نے کتاب کو پانچ ابواب میں منقسم کیا ہے۔باب اول زندگی نامہ مرزا اسداللہ خاں غالب، باب دوم تاریخچۂ شعرائے فارسی در ہند، باب سوم شعر مرزا غالب بہ یک نظر جس میں غزلیات فارسی اور اردو، قطعات فارسی اور اردو، مثنویات فارسی اور اردو، قصیدہ ہائے فارسی اور اردو کے علاوہ رباعیات فارسی اور اردو کو جگہ دی ہے۔باب چہارم مقایسہ شعر فارسی و اردو اور باب پنجم میں کتابیات لکھے ہیں۔

سید عباس متقی نے پہلا باب مرزا غالب کی حیات پر لکھا ہے۔دوسرا باب ہندوستان میں شعرائے فارسی کی تاریخ پر مبنی ہے۔خوب ہے۔تیسرا باب مرزا غالب کے کلام کا تقابلی جائزہ

ہے۔ بہت عمدہ ہے لیکن اس باب میں مرزا غالب کے کلام کو جمع کر دینے سے بہتر تھا کہ مرزا غالب کے کلام فارسی اور اردو کا تقابلی جائزہ لیا جاتا اور ثابت کیا جاتا کہ کلام اردو بہتر ہے یا بقول مرزا کلام فارسی ان کے کلام اردو سے بہتر ہے۔ اس کے لیے باوثوق حوالوں اور اقتباسات کے ذریعے ثابت کیا جاتا تو ٹھیک تھا۔ چوتھا باب اردو اور فارسی شاعری کا جائزہ بھی اچھا ہے جب کہ کتابیات کو پانچویں باب میں شامل کرلیا گیا ہے جو تحقیق کی رو سے غلط ہے اور جب کتابیات پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ بھی ناموزوں طریقے سے ترتیب دیے گئے ہیں۔

ایک کام بہت عمدہ ہوا ہے کہ مقایسہ غالب کے ساتھ (فارسی) بھی دے دیا گیا ہے اور کتاب میں تمام عبارتیں اور نتائج وغیرہ کو فارسی زبان ہی میں ادا کیا گیا ہے اور آخر میں مرزا غالب کے کلام فارسی و اردو کا مختصر تقابلی جائزہ لیا ہے جسے محاکمہ یا مجموعی جائزہ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ آخر صفحے پر قطعہ تاریخ صوری بتقریب طباعتِ مقایسہ غالب لکھ دیا ہے جس سے ۲۰۱۳ء نکلتا ہے۔

غالب عبقریِ ہند گفت شعرِ فائقہ
کہ ذہن و قلبِ متقی چہ گیر دند ذائقہ
کلامِ فارسی ببیں مکالمہ، مبالغہ
کلامِ لشکری بگو تفکرو تکابرہ
فارسی کلام را چہ خوب ہست جائزہ
عیسویِ سیزدہ کہ طبع شد مقائسہ

کمپیوٹر کتابت انور پاشاہ یعنی خود سید عباس متقی نے خوب سے خوب تر کی ہے۔ صفحات ۱۶۰ ہونے کی وجہ سے بھی قیمت ۔/۳۰۰ روپے ہے، جسے دائرہ پریس چھتہ بازار حیدرآباد سے شائع کیا گیا ہے۔ پیش لفظ کے ابتدا میں سید عباس متقی لکھتے ہیں:

''خاکسار، خدائے لم یزل کے حضور سجدۂ شکر بجالاتا ہے کہ آج میری چوتھی فارسی کتاب بہ عنوان ''مقایسہ غالب'' زیورطبع سے آراستہ ہوچکی ہے۔ مرزا غالب کے کلام سے میں اپنے لڑکپن کے زمانے سے والہ وشیدا ہوں۔ آرزو تھی کہ میری ایک آدھ کتاب مرزا غالب کا کلام سے انتساب پالے اور میرا نام بھی ان لوگوں میں لکھا جائے جو اپنی بے بساطی وکم مائیگی کے باوصف، واصف کلام غالب ہیں۔ اس

مقالے کی تحقیق کے سلسلے میں مجھے مرزا غالب پر لکھی گئی بیشتر فارسی اور اردو کتابوں کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنا پڑا نیز خود ان کے فارسی و اردو کلام کا تفصیلی اور تقابلی جائزہ لینا پڑا۔ اس تقابلی جائزے کے بعد جو نتیجہ خاکسار کے نزدیک برآمد ہوا وہ خود مرزا کے معروف خیال بلکہ دعویٰ کے مغائر ثابت ہوا کہ ؎

فارسی بین تا بہ بنی نقش ہائے رنگ رنگ
بگزر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است

درحقیقت مرزا کا اردو کلام خواہ وہ غزل ہو کہ رباعی، نظم ہو کہ قصیدہ، بہرطور ان کے فارسی کلام سے بدرجہا بہتر قرار پاتا ہے۔ یہ میری اپنی تحقیق کے نتائج ہیں، نقد و اعتراض کے دروازے محققین کے لیے ہنوز وا ہیں اور طرف دارانِ غالب کو نقد و بصر کا آفاقی حق حاصل ہے۔'' (۳۳)

اس کے بعد انھوں نے مقالے کو زیور طباعت سے آراستہ کرنے میں جن لوگوں نے ان کی مدد و نصرت کی ہے ان کا شکریہ ادا کیا جن میں موصوف کے دونوں بڑے فرزندان سید عبدالمجید شعیب اور سید عبدالنافع خبیب کے علاوہ ان کے بھانجے اور دوست ڈاکٹر شیخ سعدی ارشد شامل ہیں۔ سید عباس متقی نے عارف حفیظ صاحب کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کیا ہے جس نے تزئین میں ان کا ہاتھ بٹایا۔

سید عباس متقی نے اپنی اس کاوش کو اپنی ایک استانی ڈاکٹر سیدہ عصمت جہاں، اسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ فارسی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے نام معنون کرتے ہوئے خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ موصوفہ فارسی زبان کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں شب و روز سرگرداں ہیں۔

آخر میں نہایت ہی خلوص کے ساتھ ان قاریان فارسی زبان کے تئیں التماس کرتے ہیں:

''در آخر، خاکسار فارسی زبان کے لائق اسکالرس اور استادان زبان فارسی سے ملتمس ہوں کہ اگر اس مقالہ میں کہیں کوئی زبان و بیان کی غلطی پائیں یا تحقیقی سقم ملاحظہ فرمائیں تو فوراً میری اصلاح فرمائیں، میں حد درجہ شکر گزار رہوں گا۔'' (۳۴)

مجموعی اعتبار سے دیکھیں تو ایک اچھا کام ہوا ہے جسے عام کرنے کی ضرورت ہے چوں کہ مرزا غالب پر اس نوعیت کا کام ہونا بھی بڑی بات ہے۔

اس مطالعے سے سید عباس متقی کی ادبی خدمات اجمالاً ہمارے سامنے ہویدا ہو جاتے ہیں۔ان میں اخبار، ریڈیو اور ٹیلی وژن پر پیش کیے گئے ان کے مضامین کی تفصیل ملتی ہے۔ریڈیو اور ٹیلی وژن کے لیے جو کچھ لکھا گیا اس کا نام ونشاں کہیں نہیں ہے۔البتہ اخباروں خاص طور پر منصف (حیدرآباد) میں شائع شدہ مضامین کا ایک بڑا حصہ اب بھی ان کے مضامین کے مجموعوں میں محفوظ ہے۔علاوہ ازیں، ان کی ادبی سرگرمیوں کا بھی اس باب میں تفصیلی ذکر ملتا ہے۔

ادبی انجمنوں کے قیام میں سید عباس متقی کا حصہ:

سید عباس متقی نے بعض سوسائٹیوں میں اپنی خدمات انجام دی ہیں جب کہ دو تین سوسائٹیوں کے قیام میں انھوں نے کلیدی رول ادا کیا ہے، جن میں اردو سوسائٹی حیدرآباد کا قیام، بزم سعدی شیرازی حیدرآباد کا قیام، انجمن قلم کاران دکن کا قیام اور زندہ دلانِ حیدرآباد کے لیے خدمات قابل ذکر ہیں۔

اردو سوسائٹی حیدرآباد کا قیام:

سید عباس متقی نے ۱۹۸۳ء میں اردو سوسائٹی حیدرآباد کی بنیاد رکھی جس کا مقصد اردو زبان وادب کا فروغ تھا چناں چہ اس سوسائٹی کے زیر اہتمام نعتیہ مشاعرے طرحی وغیر طرحی اور ادبی اجلاس ہوا کرتے تھے۔اس سلسلے میں ۲۶ / مارچ ۱۹۹۵ء کو محمد منزل مدینہ نگر یاقوت پورہ میں ۱۰ بجے دن بروز یک شنبہ ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں انھوں نے اردو سوسائٹی حیدرآباد کی تشکیل میں اضافے کیے اس طرح اراکین مجلس شوریٰ اور اراکین عاملہ پر مشتمل سوسائٹی تشکیل دی جس کی رو سے سید عباس متقی صدر اردو سوسائٹی نام زد کیے گئے اور جناب وہاج الدین صدیقی نائب صدر منتخب ہوئے جب کہ شریک معتمد اور نائے معتمد کے لیے بالترتیب جناب عمر احمد شفیق اور جناب قاری طیب پاشاہ قادری کے نام ملتے ہیں اور قازن کی حیثیت سے جناب رشید احمد کا نام سید عباس متقی سے موصولہ دستاویز میں نمایاں ہوتا ہے۔اس طرح اراکین عاملہ کی تعداد نو عدد قرار دی گئی ہے:

(۱) جناب سلام خوش نویس

(۲) جناب محمد مظہر خوش نویس

(۳) ڈاکٹر شفیق پرویز ایم بی بی ایس (عثمانیہ)

(۴) جناب اشفاق الحسن ہاشمی ایم ایس سی، ایم ایڈ

(۵) جناب وہاب

(۶) جناب محمد الیاس

(۷) جناب محمد مجتبیٰ قادری

(۸) جناب محمد علی سلیم اور

(۹) جناب ریاست علی تاجؔ

اس سوسائٹی کے معتمد عمومی جناب محمد نسیم الدین فریسؔ تھے۔ راقم الحروف نے سید عباس متقی سے اس سلسلے میں گفتہ شنید کی تو انھوں نے اس ضمن میں کہا:

''اردو سوسائٹی کے زیر اہتمام نعتیہ مشاعرے اور ادبی اجلاس ہوا کرتے تھے اور یہ مشاعرے و اجلاس میرے غریب خانے پر منعقد ہوتے تھے، عموماً مشاعروں کی صدارت میرے استاد حضرت علی احمد جلیلی مرحوم فرمایا کرتے تھے۔ اردو سوسائٹی کے مشاعروں میں حیدرآباد کے معروف شعرا نے شرکت کی اور ادبی اجلاسوں میں مشہور قلم کاروں نے اپنے مضامین پیش کیے۔ اس سوسائٹی کے تحت نوخیز شاعروں اور نئے پڑھنے والوں کی ہمت افزائی کی جاتی رہی۔ مشاعرے طرحی و غیر طرحی دونوں ہوا کرتے تھے اور انوکھی انوکھی طرحیں دی جاتی تھیں۔ مشاعروں میں رحمٰن جامی، عقیل ہاشمی، نسیم الدین فریس، طالب خوندمیری، رحیم الدین توفیق، طیب پاشاہ قادری وغیرہ نے اپنا کلام سنا کر خوب داد و تحسین حاصل کی جبکہ مضامین پیش کرنے والوں میں پروفیسر حبیب ضیا، پروفیسر محمد علی اثر، پروفیسر یوسف سرمست، پروفیسر اکبر علی بیگ، ڈاکٹر عقیل ہاشمی، جناب ریاست علی تاج، محترمہ قمر جمالی، جناب سلام خوش نویس، جناب قاضی انجم عارفی، جناب رحیم الدین توفیق، جناب ناصر الدین احمد، ڈاکٹر نسیم الدین فریس، جناب علی احمد جلیلی وغیرہ جیسی برگزیدہ و برجستہ شخصیتیں شامل ہیں۔'' (۳۵)

سوسائٹی کے قیام کے بعد کئی ادبی اجلاس منعقد ہوئے جن میں سید عباس متقی کی کتابوں کی رسم رونمائی بھی انجام دی جاتی رہی۔ سید عباس متقی کی طنز و مزاح پر مشتمل تصنیف ''لگے

ہاتھوں‘‘ اردو سوسائٹی وعروج سوسائٹی کے زیر اہتمام مورخہ ۹ ردسمبر ۲۰۰۷ء کو انجام پائی، جس کی مفصل رو داد روز نامہ سیاست حیدرآباد میں ۱۱ر دسمبر ۲۰۰۷ء کو، روز نامہ منصف حیدرآباد میں ۱۳ر دسمبر ۲۰۰۷ء کو اور روز نامہ اعتماد حیدرآباد میں ۱۱ر دسمبر ۲۰۰۷ء کو تصور کے ساتھ شائع ہوئی۔روز نامہ سیاست میں شامل روداد کی سرخی اور ذیلی سرخی اس طرح ہے۔

’’شگفتہ قلم ڈاکٹر عباس متقی کی طنز و مزاح نگاری، منفرد اسٹائیل‘‘

ذیلی سرخی:

’’لگے ہاتھوں‘‘ کی رسم اجراء، رحیم الدین انصاری و ڈاکٹر حسن الدین کا خطاب‘‘

اس کے بعد اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

’’حیدرآباد۔۱۱ دسمبر (راست) اردو دنیا میں طنز و مزاح کے عنوان سے حیدرآباد کو مرکزیت حاصل ہے۔یہیں سے طنز و مزاح نگاروں نے اپنی پہچان بنائی ہے۔ان میں ایک نام ڈاکٹر سید عباس متقی کا بھی ہے۔ڈاکٹر متقی نے حیدرآباد میں طنز و مزاح کی روایت نہ صرف باقی رکھا ہے بلکہ اس روایت کو آگے بڑھانے میں اپنی فنی اور معیاری خدمات پیش کی ہیں۔ان کا طنز تیکھا اور مزاح شائستہ ہوتا ہے۔ان کی شخصیت کی طرح ان کا اسلوب بھی منفرد ہے۔وہ ’’کچرا‘‘ جیسے معمولی عنوان کو اپنے افکار سے بالائے بام پر پہنچا دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔انھوں نے اردو ادب کی گراں بہا خدمات انجام دی ہیں اور ربع صدی سے مسلسل لکھ رہے ہیں۔اب تک ان کی دس کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔تاہم جیسی کہ ان کی قدر ہونی چاہیے تھی نہ ہوئی اور وہ جس مقام کے مستحق تھے انھیں نہ مل سکا۔یقیناً ان کی زبان معیاری ہے بلکہ مزاحیہ مضامین میں ایسی زبان نقش اول کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اگر وہ نئی نسل کی ذہنی سطح کا خیال رکھیں تو یہ نسل بھی ان کے مضامین سے استفادہ کرسکتی ہے۔ان خیالات کا اظہار ادب وانشا کے پارکھ اور دانشور کر رہے تھے۔جب کہ اردو گھر مغلپورہ میں ۹ر دسمبر کی شام عباس متقی کی کتاب ’’لگے ہاتھوں‘‘ کی تقریب رونمائی منعقد ہوئی۔اس جلسہ کی صدارت صدر نشین اردو اکیڈیمی آندھراپردیش جناب محمد رحیم الدین انصاری نے کی اور ڈاکٹر حسن الدین احمد ریٹائرڈ آئی اے ایس آفیسر نے رسم رونمائی انجام دی اور اپنا پر مغز مضمون پیش

کیا۔ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس ریڈر شعبہ اردو مولانا آزاد اردو یونیورسٹی ،ڈاکٹر مصطفیٰ کمال مدیر شگوفہ، پروفیسر یوسف کمال سابق صدر شعبہ جیالوجی جامعہ عثمانیہ و سابق ڈائرکٹر اے ائی آر سی پروفیسر رحمت یوسف زئی سابق صدر شعبہ اردو حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی اور ممتاز آرکیٹکٹ جناب طالب خوندمیری نے اپنے خطابات سے سامعین کو محظوظ کیا۔ڈاکٹر عباس متقی نے ''سیکھی ہے مہ رخوں کے لیے ہم نے فارسی'' سنا کر داد و تحسین حاصل کی۔ بعدازاں صدر جلسہ جناب محمد رحیم الدین انصاری نے عباس متقی کی باغ و بہار شخصیت پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے دیرینہ تعلقات کا اظہار کیا اور چند ایک شگفتہ واقعات سے سامعین کو محظوظ کیا اور اعلان کیا کہ سامعین کرام کو اردو اکیڈیمی کی جانب سے ''لگے ہاتھوں'' کا ایک نسخہ مفت تقسیم کیا جائے گا۔ڈاکٹر فخر عالم آعظمی نے نہایت خوش اسلوبی سے کارروائی چلائی اور ان ہی کے شکریہ پر یہ طنز و مزاح کی تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔''(۳۶)

اس طرح سید عباس متقی کے طنزیہ و مزاحیہ مضامین پر مشتمل کتابوں کی رسم اجرا ردو سوسائٹی حیدرآباد کے زیر اہتمام انجام دی جاتی رہی ۔اس طرح ان کے دو مزاحیہ مضامین پر مشتمل کتابیں کی رسم رونمائی ایک ہی ساتھ انجام دی گئی ،جس کی رپورٹنگ روزنامہ منصف حیدرآباد نے ۲۶ ردسمبر ۲۰۱۳ء شائع کی ہے،جس کی سرخی اس طرح ہے:

''ڈاکٹر عباس متقی نے طنزیہ و مزاحیہ ادب کو نیا اسلوب اور معیاری زبان دی''

ذیلی سرخی:

''اردو سوسائٹی کے زیر اہتمام ''ٹک ٹک دیدم'' اور ''من خوب می شناسم'' کی تقریب رسم اجراء'' اس کے بعد رپورٹنگ اس طرح ہے:

''حیدرآباد۔۲۵ ستمبر (راست) ڈاکٹر سید عباس متقی نے اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے طنز و مزاح کو اختیار کیا اور طنز و مزاح کو نیا اسلوب اور معیاری زبان دی۔وہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی بڑی باتیں کہہ جاتے ہیں۔ان کی گفتگو کو سمجھنے کے لیے قاری کے معیار کو بھی اونچا ہونا چاہیے۔ان کی زبان شستہ و شائستہ ہوتی ہے۔انھیں بات سے بات پیدا کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ان کا مزاح ہنسنے پر اور ان کا طنز سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔انھوں نے کبھی معیار و اسلوب سے سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ توصیف و ستائش

سے مبریٰ تا ہنوز اپنی روش منفرد پر گامزن ہیں۔ ان خیالات کا اظہار ادبأو ناقدین نے اس وقت کیا جب ان کی دو کتابوں من خوب می شناسم اور ٹک ٹک دیدم کی تقریب رونمائی ۲۳ ستمبر کو اردو گھر میں انجام پائی۔ حنیف ڈھاکلی نے قرأت کلام شریف اور نعت شریف سے محفل کا آغاز کیا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال نے ''من خوب می شناسم'' کی رسم رونمائی انجام دی اور پھر ''ٹک ٹک دیدم'' کی رسم رونمائی کو انجام دیا گیا۔ شریف اسلم (جدہ) فاروق عارفی اور ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریسؔ (مانو) نے مہمانان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی اور اپنے زرین خیالات کا اظہار کیا۔ جلال عارف اور شبینہ فرشوری نے ڈاکٹر عباس متقی کی شخصیت اور فن پر اپنے مبسوط اور دلچسپ مضامین پیش کیے۔ ڈاکٹر متقی نے اپنا مزاحیہ مضمون ''جادو گر سیاں'' سنا کر محفل کو زعفران زار کر دیا۔ اس موقع پر صاحب کتاب کی کثرت سے گل پوشی کی گئی۔ حنیف ڈھاکلی معتمد اردو سوسائٹی کے شکریہ پر اس بزم مزاح کا اختتام عمل میں آیا۔'' **(۳۷)**

سوسائٹی قائم کرنے کا خیال:

ایم۔اے۔ کرنے کے بعد خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ ایک ادبی انجمن بنائی جائے اور لوگوں کو مدعو کیا جائے تا کہ وہ اپنی نگارشات پیش کر سکیں۔ نسیم صاحب نے حامی بھری اور پہلا اجلاس سید عباس متقی کے مکان پر جس میں ڈاکٹر بیگ احساس نے شرکت کی اور اجلاس کی صدارت کی تھی بعد میں ایک اجلاس ڈاکٹر انور الدین کے مکان پر ہوا جس میں عقیل ہاشمی نے شرکت کی تھی۔ ایک اور اجلاس نسیم الدین کے مکان واقع آصف نگر میں منعقد ہوا۔

اس طرح اردو سوسائٹی حیدرآباد کے زیر اہتمام کئی مشاعرے منعقد ہوئے جن میں دو ایک مشاعروں کی روداد پیش کی جاتی ہے:

''حیدرآباد۔ ۲۶ / مارچ (راست) حیدرآباد طنز و مزاح کی روایات و پاسداری کا مرکز رہا ہے اور اردو سوسائٹی نے طنزیہ و مزاحیہ ادب کی آبیاری کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔ تبسم ریز و قہقہہ بردار محافل اس بات کی غماز ہیں کہ نوجوانوں میں طنز و مزاح کو سمجھنے کی کما حقہ صلاحیت موجود ہے۔ ان خیالات کا اظہار ڈاکٹر محمد علی اثر ریڈر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی نے کیا جو اردو سوسائٹی کے ادبی اجلاس سے ڈاکٹر سید عباس

متقی کے مکان پر منعقد محفل سے خطاب کر رہے تھے۔ڈاکٹر اثر نے اس اجلاس میں پیش کیے گئے مضامین پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر سید عباس متقی طنز ومزاح کی ارتقائی منزلیں طئے کر رہے ہیں۔ان کی پہچان بعض وقت مشکل ہو جاتی ہے کہ وہ بیک وقت شاعر،ادیب،تاریخ گو،تنقید نگار،خاکہ نگار کے علاوہ طنز ومزاح نگار کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں لیکن ان کی مزاح نگاری ان کے تمام فنون پر غالب ہے۔ڈاکٹر نسیم الدین فریس تحقیق کے آدمی ہیں لیکن طنز ومزاح بھی خوب لکھتے ہیں۔ڈاکٹر حبیب ضیاء ایک منجھی ہوئی مزاح نگار ہیں،وہ معمولی باتوں کو اپنے پیرایہ بیان سے غیر معمولی بنادیتی ہیں۔جناب رحیم الدین توفیق کی تازہ تصنیف کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر اثر نے کہا کہ توفیق صاحب کا قلم اس قحط الرجال کے دور میں غنیمت ہے۔انھوں نے طنز ومزاح کی روایت کو نہایت خلوص سے سنبھال رکھا ہے۔جناب طیب پاشاہ قادری نے قرات پیش کی۔معتمد اردو سوسائٹی الحاج حنیف ڈھاکلی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔اردو سوسائٹی کے صدر ڈاکٹر سید عباس متقی نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں اردو کی موجودہ صورتحال پر طنز ومزاح کے حوالے سے گفتگو کی۔حیدرآباد میں طنز ومزاح کی روایت کے استحکام پر زور دیا کہ اس میکدہ کے پرانے بادہ کش اٹھتے جارہے ہیں ان کی جگہ لینے والا کوئی نظر نہیں آتا۔انھوں نے نوجوان قلم کاروں کو ترغیب دی اور کہا کہ وہ اس جولان گاہ میں منزلیں سر کریں طنز ومزاح کا میدان خالی خالی نظر آتا ہے۔اردو داں طبقے اور دانش مندان ادب کا کام ہے کہ لکھنے والوں کی نہ صرف ہمت افزائی فرمائیں بلکہ سرپرستی سے غفلت نہ برتیں کہیں ایسا نہ ہو کہ دکن جو طنز ومزاح کا گہوارہ رہا ہے،تہی دامن ہو جائے۔ڈاکٹر وثیق الرحمٰن نے اردو سوسائٹی کی خاموش خدمت کی ستائش کی اور منتخب اشعار سے سامعین کو محظوظ کیا۔جناب وہاج الدین صدیقی نے سیاسی ماحول کی اردو دشمنی کو ہدف بناتے ہوئے کہا کہ بعض اردو والے خود اردو دشمنی پر کمر بستہ ہیں اور اردو میڈیم سے تعلیم حاصل کرنے کو پست ہمت کرتے ہیں۔مہمان

خصوصی جناب سید اسمٰعیل حسینی موظف استاذ دی نیو پروگریسیو ہائی اسکول نے اپنے شاگرد سید عباس متقی سے دیرینہ تعلق کا اظہار کیا اور ان کے مقدمہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اس بزم میں طنز و مزاح کو دیکھنے کے بعد یہ یقین نہیں ہوتا کہ دکن سے طنز و مزاح کا چل چلاؤ ہے یا طنز و مزاح لکھنے والوں کا فقدان ہو گیا ہے۔ سید انور حسین سابق طالب علم دی نیو پروگریسیو اسکول نے جناب سید اسمٰعیل حسینی کی اور سید عباس متقی نے پروفیسر حبیب ضیاء کی گلپوشی کی۔ ڈاکٹر نسیم الدین فریس نے ''کوا چلا ہنس کی چال'' سید عباس متقی نے ''خراٹے شاہ'' جناب رحیم الدین توفیق نے ''چچا'' اور پروفیسر حبیب ضیاء نے ''حیدرآباد کے فقیر'' مضامین سنا کر محفل کو زعفران زار کر دیا۔ بیگم رؤف رحیم نے اپنی مزاحیہ غزل سے اور طیب پاشاہ نے سنجیدہ غزل سے سماں باندھ دیا۔ معتمد اردو سوسائٹی جناب حبیب ڈھاکلی نے اجلاس کی کاروائی چلائی اور اپنے پسندیدہ اشعار سے سامعین کو محظوظ کیا اور انہی کے شکریہ پر محفل کا اختتام عمل میں آیا۔'' **(۳۸)**

اردو سوسائٹی حیدرآباد کا ایک اور ادبی اجلاس جناب سلام خوش نویس کی صدارت میں مورخہ ۲۸ ؍نومبر کو بمقام محمد منزل مدینہ نگر یاقوت پورہ حیدرآباد میں عمل میں آیا۔ جس کی روداد، روزنامہ سیاست حیدرآباد سے ماخوذ ہے:

''حیدرآباد۔ ۲۸ ؍نومبر۔ اردو سوسائٹی کے زیر اہتمام ایک ادبی اجلاس کا اہتمام بصدارت جناب سلام خوش نویس، محمد منزل مدینہ نگر یاقوت پورہ عمل میں آیا، اس ادبی اجلاس کا آغاز حافظ محمد علی بانی و مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم کی قرات کلام مجید سے ہوا۔ جناب میاں بھائی اور جناب شیخ سیادت علی لکچرر محبوب نگر نے مہمانان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی، پہلا انشائیہ بہ عنوان ''قصہ دس ہزار روپیوں کا'' جناب محمد ناصر الدین احمد لکچرر انگریزی شاداں کالج نے پیش کیا جس میں ایک چشم دید واقعے کو نہایت خوش اسلوبی سے قلم بند کیا گیا تھا، اس انشائیے میں مسلمانوں کی آئے دن فضول خرچیوں کا جائزہ لیا گیا اور طنز کے پیرائے میں حکمت و عظمت کے موتی لٹائے

گئے ،اس میں یہ دکھایا گیا کہ ولیمے کی دعوت مسنونہ میں احمق لوگ کس طرح تھرکتے ہوئے نیم عریاں جسموں پر اپنی دولت لٹانے کو فخر و مباہات سے تعبیر کرتے ہیں، جناب سیادت حسین علی لکچرر نے اپنا مضمون ''سوچ'' پیش کیا جس میں لطیف پیرائے میں اس حرفی لفظ کے ظاہر و باطن سے بحث کی گئی، مضمون نگار نے منتخبہ اشعار کے ذریعے ''سوچ'' میں ادب کے لولو و مرجان لٹانے کی کوشش کی ہے جسے ادب میں ایک وقیع اضافہ متصور کیا گیا۔ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے اپنا مزاحیہ مضمون ''مرزا موسیقی اور پیاز'' سنا کر محفل کو گرما دیا جس میں پیازی گرانی کا شاخسانہ نہایت خوب صورتی سے پیش کیا ،فریس نے مرزا کی شہرۂ آفاق شخصیت کو موسیقی کے حوالے سے نہایت تیکھے انداز سے پیش کیا اور داد تحسین حاصل کی ،سید عباس متقی نے سامعین کے اسرار پر زندہ دلانِ حیدرآباد کے ادبی اجلاس میں پڑھا گیا مضمون ''سیکل'' پیش کیا اور محفل کو زعفران زار کر دیا سامعین نے ایک ایک فقرے پر دل کھول کر قہقہے لگائے اور ایک ایک جملے پر داد دی اس مضمون میں ''سیکل'' کی گویا مزاحیہ تاریخ اور بوقلموں جغرافیہ پیش کیا گیا ،ادیب نے ابتدا میں یہ کہا کہ پطرس کے بعد سیکل پر قامہ فرسائی گویا خود پطرس کی سیکل چلانے کے مترادف ہے، جناب سلام خوش نویس، ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس اور جناب میاں بھائی نے سیر حاصل تبصرے کرتے ہوئے کہا کہ اب ہندو پاک کے طنز ومزاح لکھنے والے انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ یہ میدان خالی ہے پرانے بادہ کش رکھے جارہے ہیں، نئے لکھنے والوں کو اس میدان میں کارہائے نمایاں انجام دینا چاہیے،طنز ومزاح کے ذریعے سماج کی خدمات انجام دی جاسکتی ہیں،طنز ومزاح نگاروں نے طنز ومزاح کو جہاں ختم کیا تھا عباس متقی نے وہاں سے ابتدا کی ہے ان کا الگ انداز و منہاج ہے، زبان کی تخلیقی مزاح، لطافت اور نزاکت نیز ادبی اپچ اور مذہبی حیت ان کے مزاح کو دوآتشہ بنادیا ہے۔ادیبوں کو چاہیے کہ گوشہ نشینی اختیار نہ کریں بلکہ نئے زمانے کے تعلق سے خود کو ہم آہنگ کرتے ہوئے ترقی کی راہ اختیار

کریں، سامعین کا کام ہے کہ ادیبوں کا کما حقہ تعاون کریں اور ان کے قلمی کار ناموں کو عوام تک پہنچانے میں ان کی مدد کریں۔'' (۳۹)

زندہ دلانِ حیدرآباد کے لیے خدمات:

آزادی ہند کے بعد سرزمین حیدرآباد (دکن) پر بلکہ سارے ہندوستان میں طنز ومزاح لکھنے والوں کی تعداد میں خاصی کمی آگئی جس کی اہم وجہ تقسیم ہند اور اس دوران ہوئے خونین فسادات اہم سبب بنے جس نے اکثر ادیبوں کی تحریروں اور بیشتر شعرا کے کلام موزوں کو تلخ وتند کر دیا تھا۔ یوں بھی ہندوستان میں طنز ومزاح لکھنے والوں کا کوئی باضابطہ مرکز یا پلیٹ فارم نہیں تھا۔ حیدرآباد میں آزادی ہند کے تین برس بعد یعنی ۱۹۵۰ء میں فائن آرٹس اکیڈیمی کا قیام عمل میں آیا لیکن یہ رقص وموسیقی اور ڈرامے کے میدان تک محدود تھا البتہ یہاں لوگ وقتاً فوقتاً باہم مل بیٹھتے تھے لیکن یہ نشستیں ایک خاص طبقے تک ہی محدود تھیں۔

جناب ایاز انصاری کے مزاحیہ مشاعرہ ''زندہ دلانِ حیدرآباد'' منعقدہ ۹/ جنوری ۱۹۶۱ء (۲) کا نقش عوام میں خوش آئند رہا چنانچہ اس کے بعد حیدرآباد میں طنز ومزاح کی ایک باقاعدہ بزم کے قیام کا خیال پیدا ہوا۔ سید مصطفیٰ کمال نے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے فائن آرٹس اکیڈیمی کے اراکین ومجلس شوریٰ سے گفت وشنید کی اور بارہا اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔ ابتدا میں تو ان کے اس خیال پر توجہ ہی نہیں دی گئی جب انھوں نے بار بار طنز ومزاح کے علیحدہ شعبہ کے قیام پر اصرار کیا اور اس کی افادیت پر روشنی ڈالی تو ایک برس بعد فائن آرٹس اکیڈیمی حیدرآباد کے ایک شعبہ کی حیثیت سے زندہ دلانِ حیدرآباد کا قیام ۱۹۶۲ء میں عمل میں لایا گیا۔

ادارہ ''زندہ دلانِ حیدرآباد'' کا دفتر معظم جاہی مارکیٹ کے قریب واقع مشہور عمارت ''مجرد گاہ'' پر واقع ہے ہاں اس کے کمروں میں ضرور تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں کے ابتدا میں کمرہ نمبر ۱۷ آباد کیا گیا پھر کمرہ نمبر ۱۸ میں دفتر بنایا گیا اس کے بعد کمرہ نمبر ۱۹ کو بھی اپنی پناہ میں لے لیا گیا اور موجودہ کمرہ نمبر ۳۱ کو اپنا مسکن بنائے ہوئے ہے جس میں شگوفہ کا دفتر بھی واقع ہے جہاں ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال اس کمرہ سے زندہ دلانِ حیدرآباد کے تمام امور بھی انجام دیتے ہیں۔

اس طرح ''زندہ دلانِ حیدرآباد'' کے زیر اہتمام پہلا مشاعرہ ریاستی سطح پر ۱۷؍مارچ ۱۹۶۲ء کو نو بجے شب گلشن حبیب اردو ہال حمایت نگر حیدرآباد میں منعقد ہوا۔ شری نریندر لوتھر ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ نے اس مشاعرے کا افتتاح کیا تھا۔ صدارت کے فرائض دکنی زبان کے مزاحیہ شاعر علی صائب میاں نے ادا کیے۔ رگھوبنسی نرمل نے معتمد مشاعرہ کے فرائض انجام دیے۔ شعرا میں علی صائب میاں، رگھوبنسی نرمل، محمد حمایت اللہ، سلیمان خطیب، سرور ڈنڈا، مسافر نلگنڈوی، مرزا مصطفیٰ علی بیگ، سرپٹ حیدرآبادی، احمد اللہ قادری، مخلص حیدآبادی، گربڑ حیدرآباد، بوگس حیدرآبادی، مرشد خلیل، گستاخ حیدرآبادی کے نام قابل ذکر ہیں۔

زندہ دلانِ حیدرآباد کی سالانہ تقاریب اور کانفرنسوں کے رپورتاژ اخبارات، رسائل بالخصوص ماہنامہ شگوفہ میں انعقاد کے فوری بعد شائع ہوا کرتی ہیں۔ جن میں سید عباس متقی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں یعنی ہر ادبی اجلاس میں سید عباس متقی کے مزاحیہ مضمون کو سامعین اور ناظرین ذوق وشوق سے سنتے ہیں اور دل کھول کر ان کی پزیرائی کی جاتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ زندہ دلان کے ادبی اجلاسوں میں ان کے طنزیہ و مزاحیہ مضامین کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ زندہ دلان حیدرآباد کے ترجمان ماہنامہ شگوفہ حیدرآباد میں جہاں ان کے مزاحیہ مضامین شائع ہوتے ہیں، وہیں ان کی مزاحیہ شاعری کو بھی جگہ دی جاتی ہے۔ یہی نہیں سید عباس متقی کے کتابیں زندہ دلانِ حیدرآباد کے سلسلۂ اشاعت کی اہم مطبوعات ہیں۔

زندہ دلانِ حیدرآباد کی مطبوعات میں تا حال ۴۶ کتابیں شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ ابتدائی تین کتابیں زندہ دلان کی کلی امداد سے شائع ہوئیں ہیں بعد ازاں جزوی اعانت دی گئی۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

مطبوعات زندہ دلانِ حیدرآباد

نشان	کتاب کا نام	نفس مضمون	صاحب کتاب کا نام	ماہ وسال	تعداد	ضخامت	قیمت
۱	نشتر و مرہم	شاعری	رضا نقوی واہی	۲۴؍فروری ۱۹۶۸ء	۱۰۰۰	۱۶۰	۳/۵۰
۲	گھوکرو کے کانٹے	شاعری	علی صائب میاں	۱۹۶۸ء	۱۰۰۰	۶۴	۱/۵۰
۳	یہ ایک تبسم	شاعری	برق آشیانوی	۱۹۷۱ء	۱۰۰۰	۱۶۰	۳/

۴	تیرنیم کش	مزاحیہ مضامین	بھارت چند کھنہ	فروری ۱۹۷۲ء	۱۰۰۰	۳۰۰	۵/
۵	مکرّر ارشاد	مزاحیہ کلام	برق آشیانوی	۱۹۷۲ء	۱۰۰۰	۱۱۱	۴/
۶	مزاح شریف	مضامین	رشید قریشی	اپریل ۱۹۷۳ء	۱۰۰۰	۱۴۴	۳/۵۰
۷	مزاج پرسی	مضامین	نرنیدر لوتھر	ستمبر ۱۹۷۳ء	۱۰۰۰	۱۲۰	۳/۵۰
۸	چھیڑ چھاڑ	مزاحیہ مضامین	پرویز یداللہ مہدی	۱۹۷۴ء	۱۰۰۰	۱۴۴	۶/
۹	ساٹے اور سماٹے	مزاحیہ مضامین	یوسف ناظم	نومبر ۱۹۷۵ء	۱۰۰۰	۱۴۴	۶/
۱۰	کیوڑے کا بن	مزاحیہ دکنی شاعری	سلیمان خطیب	دسمبر ۱۹۷۵ء	۱۰۰۰	۲۳۰	۱۲/
۱۱	فقط	”	یوسف ناظم	دسمبر ۱۹۷۵ء	۱۰۰۰	۱۴۴	۶/
۱۲	گل و گلزار	مضامین	خواجہ عبدالغفور	اگست ۱۹۷۶ء	۱۰۰۰	۱۲۷	۶/
۱۳	در پردہ	مزاحیہ مضامین	مسیح انجم	دسمبر ۱۹۷۶ء	۱۰۰۰	۱۳۲	۶/
۱۴	کیا نام نہ ہوگا	مضامین	بھارت چند کھنہ	۱۹۷۸ء	-	-	-
۱۵	سمن زار	مضامین	خواجہ عبدالغفور	دسمبر ۱۹۷۸ء	۱۰۰۰	۱۲۸	۸/
۱۶	انڈین کا جو	طنزیہ مضامین	عاتق شاہ	۱۹۸۰ء	-	-	-
۱۷	خواہ مخواہ	مزاحیہ مضامین	رشید الدین	۱۹۸۰ء	۱۰۰۰	۱۱۲	۱۰/
۱۸	فکر تونسوی شخصیت اور طنز نگاری	شخصیت	نصیرالدین احمد بوگس		-	-	-
۱۹	ہنستے ہنستے	مزاحیہ مضامین	برق آشیانوی	۱۹۸۱ء	-	-	-
۲۰	البتہ	مزاحیہ مضامین	یوسف ناظم	۱۹۸۱ء	-	-	-
۲۱	چند کلیاں نشاط کی	مزاحیہ مضامین	محمد برہان حسین	۱۹۸۱ء	۵۰۰	۹۹	۸/
۲۲	گویم مشکل	طنزیہ مزاحیہ مضامین	ڈاکٹر حبیب ضیا	دسمبر ۱۹۸۱ء	۱۰۰۰	۱۷۶	۱۲/
۲۳	سنی سنائی	مزاحیہ مضامین	لئیق صلاح	مارچ ۱۹۸۱ء		۱۰۸	۱۰/
۲۴	چنانچہ	مزاحیہ مضامین	مسیح انجم	۱۹۸۳ء	۱۰۰۰	۱۲۸	۱۲/
۲۵	الف تحاشا	مزاحیہ مضامین	نرنیدر لوتھر	۱۹۸۵ء	۱۰۰۰	۱۷۳	۱۶/
۲۶	نمی دانم	طنزیہ مزاحیہ کلام	رشید عبدالسمیع جلیل	فروری ۱۹۸۸ء	۸۰۰	۱۴۴	۲۰/
۲۷	انیس بیس	مزاحیہ مضامین	ڈاکٹر حبیب ضیاء	۱۹۸۸ء	-	۹۴	۱۶/
۲۸	دکنی رگیں	مزاحیہ مضامین	ڈاکٹر عباس متقی	۱۹۸۹ء	۵۰۰	۱۱۲	۲۰/
۲۹	آئی۔ایم۔سوری	طنزیہ مزاحیہ کلام	مرزا مصطفیٰ علی بیگ	نومبر ۱۹۹۳ء	۱۰۰۰	۱۷۶	۸۰/
۳۰	طرفہ تماشہ	طنز و مزاح	مسیح انجم	۱۹۹۳ء	۱۰۰۰	۱۷۶	۴۰/
۳۱	چھٹی انگلی	طنز و مزاح مضامین	ڈاکٹر عباس متقی	۱۹۹۳ء	۳۰۰	۱۱۲	-
۳۲	کچوکے	مزاحیہ مضامین	پرویز یداللہ مہدی	۱۹۹۳ء	۱۰۰۰	۱۲۷	۶۵/
۳۳	نقوش تاباں عہد آصف سابع	تاریخ دکن وحیدرآباد	سید داؤد اشرف	دسمبر ۱۹۹۴ء	۵۰۰	۱۲۰	۱۰۰/
۳۴	واہ حیدرآباد	مزاحیہ مضامین	ڈاکٹر عابد معز	جنوری ۱۹۹۴ء	-	۱۲۸	۶۰/
۳۵	تو تو میں میں	مزاحیہ ڈرامے	پرویز یداللہ مہدی		۱۰۰۰	۱۳۲	۱۰/

۳۶	سگ گزیدہ	مزاحیہ مضامین	ڈاکٹر عابد معز	جنوری ۱۹۹۵ء	ـ	۱۲۷	۶۰/
۳۷	میری بلا سے	طنز و مزاحیہ مضامین	ڈاکٹر سید عباس متقی	۱۹۹۶ء	۵۰۰	۱۱۲	۱۰۰/
۳۸	جو مژگاں اٹھائیے	''	ڈاکٹر حبیب ضیاء	۲۰۰۱ء	ـ	۱۰۴	۱۰۰/
۳۹	حرف اعتبار	تاریخ حیدرآباد	سید داؤد اشرف	۲۰۰۱ء	ـ	ـ	ـ
۴۰	بزور آمد	مزاحیہ مضامین	سید طالب زیدی	مئی ۲۰۰۱ء	۵۰۰	۱۷۹	۱۲۵/
۴۱	دھن مڑی	مزاحیہ شاعری	حمایت اللہ	دسمبر ۲۰۰۱ء	ـ	۱۴۳	۱۲۰/
۴۲	گستاخی معاف	مزاحیہ مضامین	خان۔ ایم۔ اے	ـ	ـ	ـ	ـ
۴۳	نوک جھوک	مزاحیہ مضامین	روف رحیم	ـ	ـ	ـ	ـ
۴۴	چونچلے	مزاحیہ مضامین	سلطان سبحانی	۲۰۰۸ء	ـ	ـ	ـ
۴۵	ڈرتا ہوں آئینے سے	''	ڈاکٹر عباس متقی	۲۰۰۳ء	۵۰۰	۱۱۲	۱۰۰/
۴۶	لگے ہاتھوں	''	ڈاکٹر عباس متقی	۲۰۰۷ء	۵۰۰	۱۱۲	۵۰/
۴۷	ہیں کواکب کچھ	''	ڈاکٹر عباس متقی	۲۰۰۸ء	۶۰۰	۱۲۸	ـ
۴۸	ٹک ٹک دیدم	''	ڈاکٹر عباس متقی	۲۰۱۱ء	۶۰۰	۱۱۲	۲۰۰/
۴۹	من خوب می شناسم	''	ڈاکٹر عباس متقی	۲۰۱۲ء	۶۰۰	۱۱۲	۲۰۰/
۵۰	ناگفتہ بہ	''	ڈاکٹر عباس متقی	۲۰۱۳ء	۶۰۰	۱۴۴	۳۰۰/
۵۱	گپ شپ	''	ڈاکٹر عباس متقی	۲۰۱۵ء	۶۰۰	۲۴۰	۱۳۵/

مذکورہ جدول کی رو سے سید عباس متقی کی دس کتابیں یعنی دکتی رگیں ۱۹۸۹ء، چھٹی انگلی ۱۹۹۳ء، میری بلا سے ۔۱۹۹۶ء، ڈرتا ہوں آئینے سے ۔۲۰۰۳ء، لگے ہاتھوں ۔۲۰۰۷ء، ہیں کواکب کچھ ۔۲۰۰۸ء، ٹک ٹک دیدم ۔۲۰۱۱ء، من خوب می شناسم ۔۲۰۱۲ء، ناگفتہ بہ ۔ ۲۰۱۳ء، گپ شپ ۔۲۰۱۵ء سلسلۂ زندہ دلانِ حیدرآباد کی مطبوعات ہیں۔ یہی نہیں موصوف سالہا سال سے زندہ دلان حیدرآباد کے رکن مجلس عاملہ ہیں۔

حوالے:

(۱) بحوالہ قاضی احمد علی قاضی حیات اور کارنامے مقالہ برائے ایم۔فل اردو مقالہ نگار سید عباس متقی ص ۱۔
(۲) بحوالہ شجرہ مملوکہ احمد علی صدیقی، نبیرہ قاضی احمد علی قاضی مشمولہ مقالہ برائے ایم۔فل اردو قاضی احمد علی قاضی حیات اور کارنامے مقالہ نگار سید عباس متقی ص ۵ تا ۷۔
(۳) بحوالہ مرقع سخن۔جلد دوم، ص ۵۸ مشمولہ مقالہ برائے ایم۔فل اردو'' شاب اورنگ آبادی، شخصیت اور فن از الہام واحدی'' ومشمولہ قاضی احمد علی قاضی حیات اور کارنامے مقالہ نگار سید عباس متقی ص ۱۲ اور ۱۳۔
(۴) بحوالہ داستان ادب حیدرآباد از ڈاکٹر زورؔ مشمولہ مقالہ برائے ایم۔فل اردو'' قاضی احمد علی قاضی حیات اور کارنامے'' مقالہ نگار سید عباس متقی ص ۲۳ اور ۲۴۔
(۵) بحوالہ'' اردو ادب میں طنز و مزاح کا سماجی وتہذیبی پس منظر'' مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی مقالہ نگار سید عباس متقی غیر مطبوعہ ص ۳۔
(۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۔
(۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۰۔
(۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۶۔
(۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۱۔
(۱۰) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۲۔
(۱۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۳۔
(۱۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۳ اور ۱۴
(۱۳) سید عباس متقی نے یہ نظریہ وزیر آغا کی کتاب مزاح اور مزاح نگاری کے صفحہ نمبر ۲۶ سے اخذ کیا ہے۔

(۱۴) ایضاً ایضاً ایضاً۔

(۱۵) بحوالہ ''اردو ادب میں طنز و مزاح کا سماجی و تہذیبی پس منظر'' مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی مقالہ نگار سید عباس متقی غیر مطبوعہ ص ۱۸۔

(۱۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۱۔

(۱۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۹۔

(۱۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۷۔

(۱۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۵۰۔

(۲۰) اردو ادب میں طنز و ظرافت کا ارتقا از ظہیر احمد صدیقی مشمولہ علی گڑھ میگزین طنز و ظرافت نمبر ص ۹۰ اردو ادب میں طنز و مزاح کا سماجی اور تہذیبی پس منظر مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی غیر مطبوعہ مقالہ نگار سید عباس متقی ص ۵۱۔

(۲۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۵۴۔

(۲۲) مقدمہ شگوفہ زار۔مرتب خواجہ عبدالغفور، ص ۱۱۔

(۲۳) اردو ادب میں طنز و مزاح از غلام احمد فرقت کاکوروی، ص ۲۳۔

(۲۴) اردو ادب میں طنز و مزاح کا سماجی و تہذیبی پس منظر، ص ۶۴، مقالہ نگار سید عباس متقی مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی (اردو) جامعہ عثمانیہ حیدر آباد۔

(۲۵) سرسید اور سیاسیات ہند از ڈاکٹر محمد اشرف مرتبہ نسیم قریشی، ص ۱۷۲۔مشمولہ غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی ''اردو ادب میں طنز و مزاح کا سماجی و تہذیبی پس منظر''، ص ۹۲۔

(۲۶) اردو ادب میں طنز و مزاح کا سماجی و تہذیبی پس منظر، ص ۹۴، مقالہ نگار سید عباس متقی مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی (اردو) جامعہ عثمانیہ حیدر آباد۔

(۲۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۹۹۔

(۲۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۰۵۔

(۲۹) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔

(۳۰) اردو انسائیکلو پیڈیا (جلد سوم)۔
(۳۱) PGDMTU کورس نمبر ۴۲۳ یونیورسٹی آف حیدرآباد، ص ۹، ۱۰، ۱۱ سے ماخوذ۔
(۳۲) راقم الحروف کو سید عباس متقی نے اپنے ایک نجی انٹرویو، مورخہ ۲۸/ جنوری ۲۰۱۶ء میں یہ بات بتائی۔
(۳۳) مقایسۂ غالب از سید عباس متقی ص ۵۔
(۳۴) مقایسۂ غالب از سید عباس متقی ص ۶۔
(۳۵) بحوالہ نجی انٹرویو مورخہ ۱۳/ اگست ۲۰۱۵ء بمقام مکان سید عباس متقی میں راقم الحروف کو یہ انٹرویو دیا۔
(۳۶) روزنامہ سیاست حیدرآباد مورخہ ۱۲/ دسمبر ۲۰۰۷ء۔
(۳۷) روزنامہ منصف حیدرآباد مورخہ ۲۶/ ستمبر ۲۰۱۳ء صفحہ ۲۔
(۳۸) روزنامہ منصف حیدرآباد مورخہ ۲۷/ مارچ سال ندارد۔
(۳۹) روزنامہ سیاست حیدرآباد مورخہ ۲۸/ نومبر سال ندارد۔

☆☆☆

چوتھا باب

سید عباس متقیؔ بہ حیثیت شاعر

مئے الفت کے پیمانے گل تازہ کے نذرانے
متاعِ زندگی ہے متقیؔ یہ شاعری اپنی
سید عباس متقیؔ

اس باب کو ہم نے تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں سید عباس متقی کے ذوقِ سخن وری کے ارتقا کو پیش کرنے کے باوصف ان کی اہم تخلیقات کا عمومی تعارف پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں ان کی شاعری کے فنی مطالعے کا آغاز شاعری کے خارجی لوازمات کے تنقیدی مطالعے سے کیا ہے اور آخری حصے میں ان کے کلام کے داخلی پہلوؤں کا بالاستعیاب مطالعہ کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے ہم دیکھیں گے کہ سید عباس متقی میں شاعرانہ ذوق کی ابتدا کیوں کر ہوئی اور کیسے پروان چڑھی۔ موصوف کو اپنے لڑکپن ہی سے فلمی نغموں سے غیر معمولی دلچسپی رہی ہے۔ چناں چہ جب وہ فلمی نغمے سنا کرتے تو خود بھی ان ہی دھنوں پر گیت لکھنے لگے۔ اس زمانے میں معروف موسیقاروں نے فلموں کے لیے سریلی دھنیں بنائی تھیں جنھیں سن کر وہ محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ اس طرح وہ خود بھی شعر و شاعری کی طرف مائل ہو گئے۔ جب وہ پنجم جماعت میں تھے تو ان کے ہاں ایک معتد بہ گیتوں کا مجموعہ تیار ہو گیا تھا، جسے وہ نہایت سلیقے کے ساتھ ایک کاپی میں نوٹ کیا کرتے تھے اور اس کاپی کا نام ''گیتوں کی کاپی'' رکھا تھا۔

جب ذرا بڑے ہوئے تو ان کی طبیعت مائل بہ تغزل ہوئی اور وہ غزل کہنے لگے۔ اس طرح میٹرک میں آنے تک وہ موضوعاتی شعر کہنے کے علاوہ مختلف عناوین پر مسلسل اپنے خیالات قلم بند کرنے لگے تھے۔ پہلے پہل شعر گوئی کے لیے وہ کسی عنوان کا انتخاب کرتے اور پھر اس عنوان پر شاعری کرنے لگتے تھے۔ ان کے استاذ جناب سعد الدین قریشی نے انھیں علامہ اقبال کے کلام سے متعارف کروایا اور ان کے کلام کو بہ غور پڑھنے کی ہدایت دی تھی۔ اس طرح سید عباس متقی بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم اور ارمغان حجاز کی بیشتر نظموں سے استفادہ کرنے لگے۔

بی۔اے میں آنے کے بعد ان کا مزید شعرا سے تعارف ہوا اور جب انھوں نے مولانا الطاف حسین حالی کی شعر و شاعر پر تنقید پڑھی تو وہ شعر کی ماہیت اور نکتہ آفرینی سے متاثر ہو گئے۔ مولانا حمید الدین عاقل حسامی نے انھیں حیدر آباد کے معروف شاعر حضرت علامہ معزالدین ملتانی کے پاس

بھجوایا تا کہ وہاں سے سید عباس متقیؔ کے کلام پر اصلاح مل سکے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت معز الدین ملتانی جب تک بقید حیات رہے سید عباس متقیؔ نے انھیں اپنا کلام دکھایا اور اس پر اصلاح لی۔

ان کے انتقال کے بعد ڈاکٹر حمیرا جلیلی نے سید عباس متقیؔ کو اپنے چچا حضرت علی احمد جلیلی کے پاس پیش کر دیا جہاں وہ استاذ فن علی احمد جلیلی کے باضابطہ شاگردوں میں شمار کیے جانے لگے۔ پھر تو یہ سلسلہ سال ہا سال تک چلتا رہا۔ اس طرح سید عباس متقیؔ کے شعری مجموعے شائع ہوئے اور ان کا نام روشن ہوا۔ سید عباس متقیؔ نے ڈائری میں اپنے شاعری کی ابتدا کے متعلق کچھ سطور رقم کیے ہیں:

> ''بچپن ہی سے طبیعت شاعری کی طرف مائل رہتی تھی۔ سوچ بچار اور فکر اکثر میری ہم نوا ہوتیں۔ ذہن اکثر اڑان مارتا اور کچھ نہ کچھ نکات خیال کی گہرائیوں تک پہنچ جاتے۔ گویا شاعری مزاج ثانیہ بن گئی۔ اٹھتے بیٹھتے شعر موضوع ہونے لگے، فلمی گیتوں کی دھنوں پر اکثر مزاحیہ گیت لکھتا تھا۔ الحمد للہ آج پندرہ سال کے عرصے میں اس قابل ہوگیا ہوں کہ مشاعروں میں اساتذہ کے سامنے شعر پڑھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ میرے استاذ محترم مفسر قرآن حضرت علامہ معز الدین ملتانی القادری مدظلہ العالی نے بڑی محبت و شفقت سے فن عروض کے نکات سمجھائے اور میرے کلام پر تصحیح فرماتے رہے اور آج بھی حضرت ہی کا تلمیذ ہوں۔ نعت و حمد و منقبت اور اصلاحی نظمیں ان موضوعات پر کئی سو اشعار موزوں ہوئے ہیں۔''(۱)

سید عباس متقیؔ نے پہلے پہل جو شاعری کی تھی وہ کم مائگی کی شکار رہی۔ ایک طرح سے اس کلام کو ابتدائی مشق کہا جا سکتا ہے۔ اس عہد میں نہ وہ قافیے سے واقف تھے نہ ردیف سے اور نہ اوزان سے آگاہ تھے۔ اس طرح ان کے لڑکپن کی شاعری محض ایک ابتدائی مشق کے اور کچھ بھی نہیں تھی۔ ایک معنی میں ان کی ابتدائی شاعری کو ہم تک بندی کہہ سکتے ہیں۔

مشاعروں میں شرکت:

سید عباس متقیؔ طنزیہ و مزاحیہ نگار کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں اور انھوں نے زندہ دلان حیدرآباد کے ادبی اجلاسوں میں بارہا شرکت کی ہے لیکن ان کا پہلا عشق شاعری اور شاعری میں بھی نعتیہ شاعری رہا ہے اور جب انھیں کلام موزوں اصلاح دینے والے جید اساتذہ ملے تو وہ

مشاعروں میں شرکت کرنے سے گریز نہیں کیا۔اس طرح پہلی مرتبہ علامہ فاضلؒ کی یاد میں جو نعتیہ مشاعرہ مورخہ ۲۷/اپریل ۱۹۷۳ء میں منعقد ہوا تھا۔اس مشاعرے میں انھوں نے نعت شریف سنانے کی سعادت حاصل کی، جس کا ایک شعر انھیں آج بھی یاد ہے۔

آپؐ کے ساتھ صحابہ کو بھی رکھتا ہوں عزیز
ہے یہ ایمان کی پہچان رسول عربیؐ (۲)

موصوف کہتے ہیں کہ اس نعت شریف کو لوگوں نے اسے بے حد پسند کیا اور مکرر پڑھنے کا اصرار ہوتا رہا۔سید عباس متقیؔ کہتے ہیں کہ یہ ان کے استاذ محترم معزالدین ملتانیؒ کی تصحیح کا اثر تھا کہ انھوں نے مشاعرہ لوٹ لیا۔چناں چہ وہ اپنی ڈائری میں نعتیہ مشاعروں میں شرکت کی بابت لکھتے ہیں:

''اللہ کا فضل ہے کہ نعتیہ مشاعروں میں شرکت کا شوق ہے۔کبھی تو اپنے استاذ قبلہ ہی مدعو فرماتے ہیں۔اس طرح ناچیز کو بے ہوشؔ محبوب نگری ،اوجؔ یعقوبی،عبد الحفیظ ساکتؔ وغیرہ کے ساتھ نعتیہ اشعار پڑھنے کا شرف حاصل رہا۔'' (۳)

سید عباس متقیؔ اپنے مکان پر ماہانہ مشاعرے کا اہتمام کیا کرتے تھے اور اس کی ابتدا انھوں نے ۱۹۷۹ء میں کر دی تھی ۔ یہ مشاعرہ ہر ماہ کے دوسرے ہفتے کی شب میں مقرر کیا جاتا تھا تاکہ دوسرے دن اتوار کو لوگ چین کی نیند سو سکیں۔سید عباس متقیؔ نے اس کا تذکرہ بھی ڈائری میں لکھ چھوڑا ہے:

''الحمدللہ لوگوں میں نعت گوئی وغیرہ کا ذوق پیدا کرنے اور سخن فہمی کا چسکہ لگانے اور اردو کے فروغ کی غرض سے اپنے مکان پر ماہانہ مشاعرہ شروع کیا ہوں۔یہ سلسلہ ۶/اکتوبر ۱۹۷۹ء سے شروع ہو چکا ہے اور اب تک تین مشاعرے ہو چکے ہیں جس میں متعدد اصحاب علم زرین خیالات سے سامعین کو متاثر کرتے ہیں اور کوئی دو ڈھائی بجے شب مشاعرہ ختم ہوتا ہے۔لوگوں کی سہولت کے پیش نظر یہ مشاعرہ ہر ماہ دوسرے ہفتہ کی شب میں مقرر کیا جاتا ہے تاکہ دوسرے دن اتوار کو آرام لیا جا سکے۔'' (۴)

سید عباس متقیؔ کے پسندیدہ شعرا: سید عباس متقیؔ

سید عباس متقیؔ کو اساتذہ سخن میں مرزا اسداللہ خاں اسدؔ ثم غالبؔ، علامہ شیخ محمد اقبالؔ کا کا کلام بہت پسند ہے۔ شبیر حسن خاں جوشؔ بھی بہت محبوب ہیں۔ بعد کے شعرا میں امام الفن فصاحت جنگ جلیل، استاذ محترم علی احمد جلیلی، استاذ محترم معزالدین ملتانی اور مولانا حسام الدین فاضلؔ کا کلام بے حد محبوب ہے۔ موجودہ زمانے کے شعرا میں شکیلؔ بدایونی، ساحرؔ لدھیانوی، راجہ مہدی علی خاں، جاں نثار اخترؔ اور حیدرآباد کے معروف شعرا کا کلام بے انتہا پسند ہے۔

تسلیماً کثیراً (۱۹۸۹ء) کا تنقیدی مطالعہ:

سید عباس متقیؔ ایک ہمہ جہت شخصیت کا نام ہے انھوں نے اردو شاعری اور فارسی شاعری کی تقریباً تمام اصناف سخن اور نظم کی سبھی ہیئتوں میں طبع آزمائی کی ہے یہاں تک کہ ان کا کلام مختلف صنعتوں پر مشتمل ہے۔ یہی کیفیت موصوف کے نثری شہ پاروں میں بھی ملتی ہے لیکن ان کی طبیعت میں سنجیدگی سے زیادہ لااُبالی پن پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی تخلیقات کا کوئی مستند ریکارڈ نہیں رکھا۔ جن میں سب سے اہم ان کا نعتوں اور سلاموں کا مجموعہ ''تسلیماً کثیراً'' بھی ہے۔

راقم الحروف کو ان کا جو شعری مجموعہ دستیاب ہوا ہے وہ طبع زاد ضرور ہے لیکن مطبوعہ تراشوں کو انھوں نے سادہ کاغذات پر چسپاں کیا ہے جس کے نتیجے میں اوراق کے صفحات میں یکسانیّت نہیں ملتی۔ کتاب کا ٹائیٹل کیا ہے معلوم نہیں، سب ٹائیٹل پر کیا لکھا ہوا ہے پتا نہیں، اگلے صفحے پر کتاب کا نام، شاعر کا نام، سنہ اشاعت، قیمت اور ناشر کون ہے کچھ نہیں معلوم۔ جملہ حقوق آزاد ہیں یا کسی کے حق میں محفوظ ہیں جاننا مشکل ہے۔ تیسرے صفحے کا نمبر بھی فونٹین پین سے لکھا ہوا ہے جس کے نیچے ''انتساب'' والی ایک انچ کی پرچی چسپاں کی ہوئی ہے لیکن کس کے نام پر معنون ہے تحقیق طلب ہے۔ فہرست ندارد، ہاں لب کوثر کی سرخی تلے محمد نسیم الدین فریسؔ صاحب نے سیر حاصل گفتگو کی ہے لیکن ان کے صفحات کیا ہیں معلوم نہیں ہو پا رہے ہیں۔ جملوں کے تسلسل سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس کے بعد کون سا صفحہ پڑھیں گے جو چھے صفحات پر مشتمل ہے نیز ''احوال واقعی'' کے عنوان سے دو صفحات پر مشتمل سید عباس متقیؔ نے پیش لفظ لکھا ہے اور

ڈاکٹر علی احمد جلیلی کی تقریظ چار صفحات پر آگے کے صفحات پر پیسٹ کی گئی ہے جس کو ڈاکٹر جلیلی نے ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ میں قلم بند کیا تھا۔

اگلے صفحے پر جو پرچی چپکائی گئی ہے اس پر حمد اور اس کے اوپر صفحہ نمبر ۱۸ شائع کیا ہوا ہے صفحہ نمبر ۲۷ نہیں ہے صفحہ ۳۴ کرم خوردہ ہے صفحہ ۳۹ ندارد ۴۸، ۴۹، ۵۰ تینوں صفحات غائب ہیں لیکن آخر میں صفحہ ۴۸ پر ایک دعا تحریر کی ہوئی ہے۔ صفحہ نمبر ۴۸، ۴۹ اور ۵۰ پر تین سلام موجود ہیں مجموعی اعتبار سے کتاب ناقص الاول، ناقص الاوسط اور ناقص الآخر کے ساتھ ساتھ ناقص الفوقَ و ناقص التحتَ بھی ہے۔ ان چسپاں زدہ پرچیوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں ایک حمد دس نعوت اور بارہ سلام کے علاوہ ایک دعا بھی ہے۔

کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے جس کے پہلے حصے میں ایک حمد باری تعالیٰ کے علاوہ بارہ سلاموں کو شامل کیا گیا ہے اور دوسرا حصہ نعت رسولؐ پر مشتمل ہے اس طرح یہ حصہ تقریباً دس نعوت عالیہ اور ایک عدد دعا کو محیط ہے۔ دونوں حصوں کے مطالعے کے بعد سب سے پہلے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ سید عباس متقیؔ نے مختلف اساتذۂ سخن شعرا کے کلام پر تضمینیں لکھی ہیں۔ راقم الحروف کے اس قول کی توثیق ہمیں جناب نسیم الدین فریسؔ کے اس اقتباس سے ہو جاتی ہے:

> ''سلام اور نعت اردو اور فارسی کی خالص اسلامی اصناف ہیں۔ ان اصناف میں مولانا رومؔ، جامیؔ، قدسیؔ، اقبالؔ، حالیؔ، امیؔر مینائی اور ماہؔر القادری کی تخلیقات ہمارا ادبی اور تہذیبی ورثہ ہیں۔ متقیؔ کی نعتیہ شاعری بھی انھیں اساتذۂ ادب کے مطالعہ کا فیضان ہے۔ ان میں بعض سلام اور نعتیں اساتذہ کے مشہور و مقبول سلاموں اور نعتوں کے اوزان و زمینوں میں کہے گئے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اساتذہ کے فکر و تخیل نے جن زمینوں کو سیراب کیا ہے ان میں فن کے نئے گل کھلانا بے پناہ ذہانت اور تخلیقی اپج کا متقاضی ہوتا ہے۔ متقیؔ نے اساتذہ کی جن زمینوں میں طبع آزمائی کی ہے ان میں اکثر اشعار اس کی ذہانت اور تخلیقی اپج کا مظہر ہیں۔''(۵)

اس طرح حمد باری تعالیٰ موصوف نے حسرت موہانی کی حمد ''ہر مرغ چمن ہے نغمہ سرا

سبحان اللہ سبحان اللہ'' کی زمین میں ہے جس کے دو شعر پیش خدمت ہیں۔

؎ ہر شئے سے یہی آتی ہے صدا سبحان اللہ سبحان اللہ
ہر شئے میں خدا ہے جلوہ نما سبحان اللہ سبحان اللہ

دشمن جو زمانہ ہوتا ہے، اٹھ باندھ کمر کیوں روتا ہے
ہتھیار غریبوں کا ہے دعا سبحان اللہ سبحان اللہ (۶)

علاوہ ازیں دیگر سلاموں میں حسب ذیل سلاموں پر تضمینیں ہیں۔

؎ کرم جو آپؐ کا خیرالانام ہوجائے
ہم عاصیوں کا بھی آقا سلام ہو جائے (۷)

؎ یا نبیؐ سلام علیک
یا رسولؐ سلام علیک (۸)

؎ سلام اس پر کہ جس پر بھیجتا ہے خود سلام اللہ
سلام اس پر کہ ہے توصیف جس کی کل کلام اللہ (۹)

؎ مصطفیٰ جان ایماں پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ نور سبحان پہ لاکھوں سلام (۱۰)

تقریظ میں ڈاکٹر علی احمد جلیلی نے فن نعت گوئی اور سلام کے متعلق ساری توضیحات بیان کردی ہیں کہ فن نعت گوئی ایسی صنف ہے جس میں شاعر کو پوری طرح حب نبیؐ میں غرق ہونا اولین شرط ہے کیوں کہ نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اسی کیفیت کو ڈاکٹر علی احمد جلیلی لکھتے ہیں:

''نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ نعت کی تخلیق میں سب سے بڑی دقت الوہیت اور نبوت کے حدود سمجھنے کی بات ہے۔ اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت تک جا پہنچتا ہے اور اگر کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ ''تسلیماً کثیراً'' کے مصنف عباس متقی اس نکتہ سے واقف ہیں جبھی تو کہتے ہیں۔

ع بیان حسن محمدؐ ہے کوئی کھیل نہیں

ان کی نعتوں کے مطالعہ سے یہ خوشگوار انکشاف ہوتا ہے کہ انھوں نے عقیدت اور محبت کے اظہار میں ہوش بصیرت سے کام لیا ہے اور مشکل مقامات بھی سلیقے سے طئے کیے ہیں۔ نعت گوئی کو وہ اپنی بخشش کا سامان سمجھتے ہیں۔(۱۱)

الغرض کہ انھیں نہ صلے کی پروا ہے، نہ وہ ستائش کی تمنا رکھتے ہیں اور نہ ہی موصوف کو

شہرت کی چاہ ہے۔بس وہ جو بھی شغل انجام دیتے ہیں اس میں لِلّٰہیت ہوتی ہے۔

مثنوی نوال السبحان (۱۹۹۲ء) کا تنقیدی مطالعہ:

اس مثنوی کا اصل نام نوال السبحان فی مطالب سورۃ الرحمٰن ہے جو سید عباس متقی کی شاعری میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔اول تو یہ نظم کی مقبول عام صنف ہے نیز اس میں اپنے جذبات اور احساسات کو مکمل طور پر ڈھالا جا سکتا ہے دوسرے اس مثنوی کی حیثیت ترجمہ کی ہے۔جیسا کہ نام سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الرحمٰن کے مطالب کو مثنوی کی ہیئت میں ڈھالا گیا ہے۔

اس مثنوی کا کئی جہتوں سے مطالعہ کیا جا سکتا ہے جس میں ترجمہ نگاری کا سب سے اہم پہلو ہے۔کیوں کہ ترجمہ ایک منظّم اور مربوط وسیلہ ہے جس کے ذریعے مختلف زبانوں کے بولنے اور سننے والے دو یا دو سے زائد افراد تبادلہ خیال کر سکتے ہیں۔یعنی ایک زبان سے دوسری زبان میں خیالات، احساسات اور جذبات منتقل کرنے کے عمل کو ترجمہ کہتے ہیں اور یہ فن اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ انسان کی زندگی، اس لیے ترجمہ سبک، رواں اور عام فہم ہونا چاہیے۔کیوں کہ اچھا ترجمہ ایک فن کا درجہ رکھتا ہے۔ترجمہ لفظی بھی ہو سکتا ہے، آزاد بھی، بامحاورہ بھی کیا جا سکتا ہے اور منظوم بھی۔

نظم کا ترجمہ نظم میں بھی کیا جا سکتا ہے اور نثر میں بھی اسی طرح نثر کا ترجمہ نثر میں بھی ممکن ہے اور نظم میں بھی۔ترجمہ چاہے کوئی ہو، اس میں زبان کے مزاج کو اولین اہمیت حاصل ہے۔اصل متن کے الفاظ کا مناسب ترجمہ ہونا اور اصل تصنیف کی طرح پڑھے جانے کے قابل ہو تو کیا کہنے۔اسی لیے ایسے ہی ترجمے کو نگینہ جڑنے کا فن کہا گیا ہے۔اس خصوص میں حضرت علی احمد جلیلی رقم طراز ہیں:

> ’’ترجمہ اپنی جگہ ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتا ہے اس راہ میں بے شمار پیچ و خم آتے ہیں جہاں سے سلامت روی کے ساتھ گزرنا بہت بڑی بات ہے۔عام ترجموں سے قطع نظر جب قرآنی تراجم کی بات سامنے آتی ہے تو یہ راہ اور بھی دشوار گزار ہو جاتی ہے۔نثری ترجمہ کے مقابل میں منظوم ترجمہ کی بات تو اور بھی سوالیہ علامت بنتی ہے اس سلسلے میں عام خیال تو یہ ہے کہ قرآن کا منظوم ترجمہ ممکن ہی نہیں اس لیے اس تعلق سے زیادہ تر مفہوم القرآن یا ترجمان القرآن کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اور یہی واحد محتاط

طریقہ ہے۔''(۱۲)

سید عباس متقی نے غالباً پہلی بار ترجمہ نگاری کا کام کیا ہوگا اور جب کیا ہے تو نہایت ہی نفاست اور دیانت داری سے کیا ہے۔ انھوں نے اچھا کیا کہ اپنے ترجمہ نگاری کے فن کو ایک چھوٹی سی قرآنی صورت سے جلا بخشی وہ بھی مثنوی کی ہیت میں۔ چناں چہ یہاں مثنوی کے متعلق ضروری وضاحتیں ناگزیر ہو جاتی ہیں۔

مثنوی اصناف شاعری میں نظم کی وہ قسم ہے جس میں کوئی تاریخی واقعہ، عشقیہ داستان وغیرہ بیان کی گئی ہو۔ یہ ایرانیوں کی اختراع ہے۔ عربی میں یہ صنف نہیں پائی جاتی۔ حالاں کہ مثنوی عربی زبان کا لفظ ہے یہ لفظ مثنیٰ سے مشتق ہے۔ جس کے لغوی معنیٰ ''دو دو کیا گیا'' یا ''دو دو'' کے ہیں۔

اظہر علی فاروقی رقم طراز ہیں:

''عربی میں ثنا ان چار دانتوں کو کہتے ہیں جو دو اوپر اور دو نیچے الگ الگ دوسرے دانتوں کی بہ نسبت بڑے ہوتے ہیں اور اوپر والوں کو ثنا، عُلیا اور نیچے والوں کو ثنا سلفیٰ کہتے ہیں۔ اسی مادے کو باب تفعیل پر لے جا کر تثنیٰ یا تثنیہ جس کے معنی دو دو الگ کرنا ہیں۔''(۱۳)

مثنوی کی اس طویل اور درخشاں روایت کے پس منظر میں سید عباس متقی کی اس مثنوی نوال السبحان فی مطالب سورۃ الرحمٰن ہمارے سامنے آتی ہے۔ راقم الحروف جناب محمد نسیم الدین فریسؔ کی اس بات سے اتفاق کرتا ہے کہ اس مثنوی کے مطالعے کی تین واضح اور بین جہتیں موجود ہیں۔ اولاً مذہبی اعتبار سے یہ قرآن مجید کی ایک سورۃ کی تفسیر ہے، ثانیاً ادبی اعتبار سے صنف مثنوی کے خزاں رسیدہ چمن میں ایک نہال تازہ ہے اور ثالثاً یہ فنی اعتبار سے ترجمہ و تفسیر کے مسائل و مطالبات پر بحث و نظر کی متقاضی ہے۔

ابتدا میں سید عباس متقی نے سورۃ الفاتحہ کا منظوم ترجمہ پیش کیا ہے۔ قرآن مجید نے اس کو سَبۡعَ مِّنَ الۡمَثَانِي کہا ہے یعنی بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں۔ ان ہی سات آیات کو سید عباس متقی نے نظم کا پیرہن عطا کیا ہے۔ سورۂ رحمٰن کی طرح اس سورۃ کا شمار بھی نہ لفظی ترجمے میں ہوتا ہے اور نہ با محاورہ ترجمہ اس کے لیے صادق آتا ہے۔ ہاں اگر اس ترجمے کو

ترجمانی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ترجمانی دراصل ترجمے ہی کی ایک شکل ہے لیکن اس میں آزاد ترجمے کی آن بان اور شان پائی جاتی ہے۔ سورۂ فاتحہ کے سات آیات کو سید عباس متقیؔ نے جس طرح پیش کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حمد ساری ہے خدا کے واسطے — خالقِ ہر دوسرا کے واسطے
عالموں کا پالنے والا ہے وہ — دیکھنے اور بھالنے والا ہے وہ
خوگرِ رحم و کرم ہے اس کی ذات — سر بہ سر نورِ قدم ہے اس کی ذات
مالکِ روزِ جزا ہے بس وہی — مومنوں کا مدعا ہے بس وہی
کرتے ہیں اللہ کی ہم بندگی — چاہتے بھی ہیں مدد اللہ کی
راہ سیدھی اے خدا ہم کو چلا — راستہ اللہ والوں کا دکھا
جن پہ تیری رحمتیں نازل ہوئیں — جن پہ تری برکتیں نازل ہوئیں
جن پہ نازل تیرے انعامات ہیں — جن میں پوشیدہ تری عادات ہیں
راستہ اُن کا نہ تو ہرگز چلا — جن پہ ہے تیرا غضب چھایا ہوا
جن پہ تیری لعنتیں نازل ہوئیں — خوش نصیبی جن کو حاصل ہی نہیں
بدنصیبی سے جو گمراہ ہوگئے — راہ سیدھی جو نہ پائی کھو گئے (۱۴)

سورۂ فاتحہ کے بعد بغیر کسی تشریح و توضیح کے سید عباس متقیؔ نے سورۃ الرحمٰن کا منظوم ترجمہ آمنے سامنے پیش کر دیا ہے۔ سورۃ الرحمٰن قرآن حکیم کی نہایت معروف سورۃ ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ سورۃ پچپن نمبر پر آتا ہے جو قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ پارہ نمبر ۲۷ میں شامل ہے اور اس پارے میں سورۃ الرحمٰن ترتیب کے لحاظ سے چوتھے مقام پر ہے جس میں ۷۸ آیات ہیں اور یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ بعض سورتوں کی طرح اس سورۃ کا نام بھی سورۃ کے پہلے لفظ ''الرحمٰن'' پر ہی رکھا گیا ہے۔

سید عباس متقیؔ نے سورۃ الرحمٰن کی ابتدا سے پہلے تعوذ اور تسمیے کو بھی پیش کیا ہے۔ تعوذ کا ترجمہ دیکھیے۔

چاہتا ہوں میں پناہ ذوالجلال — شان ہے جس کی نہایت بے مثال

جس کے قبضے میں ہماری جان ہے جو ہمارا واقعی سلطان ہے
بے ادب مردود اس شیطان سے دوزخی کافر سے بے ایمان سے
نام اس شیطان کا ابلیس ہے کام بے ایمان کا تلبیس ہے
وعدہ و پیمان لے آیا بہم اس نے کھائی شان کبریٰ کی قسم
نسل انسانی سے اس کو بیر ہے آشنا لگتا ہے لیکن غیر ہے (۱۵)

اس کے بعد تسمیہ کے طور پر لکھا ہے۔

ابتدا اللہ سے کرتا ہوں میں
انتہا اللہ پر رکھتا ہوں میں (۱۶)

تعوذ اور تسمیہ دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ سید عباس متقی نے یہاں ٹھیٹ ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ اس کے مطالب کی منظوم تفہیم کی ہے، جیسا کہ جوش ملیح آبادی نے بھی سورۃ الرحمٰن کا منظوم ترجمہ کیا تھا۔ سید عباس متقی کو بھی یہ تحریک جوش ملیح آبادی کے منظوم ترجمے سے ہی ملی ہے جس کا برملا اظہار و اعتراف انھوں نے پیش لفظ میں کیا ہے:

> ''کچھ عرصے پہلے کی بات ہے کہ میرے دوست جناب ریاست علی تاج کے علم کدہ پر نعتیہ مشاعرہ منعقد ہوا تھا۔ اس مشاعرہ میں ایک نوجوان نے نہایت خوب صورت انداز میں جوش ملیح آبادی کا کلام سنایا جس میں سورۃ الرحمٰن کی کچھ آیتوں کی ترجمانی کی گئی، مجھے کلام نہ صرف پسند آیا بلکہ ایک تحریک پیدا ہوگئی کہ کیوں نہ سورۃ الرحمٰن کے مطالب کو مثنوی کی شکل میں نظم کر لیا جائے کہ یہ عین سعادت ہے چناں چہ یہ منظوم مطالب موقع بہ موقع نظم ہوتے رہے۔ اس کام کے طفیل میں تفسیر و تفہیم دیکھنے اور تشریحات و توضیحات کے مطالعہ کا شرف بھی حاصل ہوتا رہا اور اب یہ مثنوی کتاب کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ (۱۷)

جوش ملیح آبادی نے مکمل سورۃ الرحمٰن کو مخمس کی شکل میں نظم کیا ہے اور بندوں کی تعداد آٹھ ہے۔ اس طرح جوش نے سورۃ الرحمٰن کو آٹھ اجزا میں منقسم کر کے انھیں آٹھ حصوں پر مکمل سورۃ کو پیش کیا ہے اس طرح ابتدائی تیرہ آیتوں کے مفہوم کے لیے اس بند کی بندش کی ہے۔

اے فنا انجام انسان! کب تجھے ہوش آئے گا تیرگی میں ٹھوکریں آخر کب تک کھائے گا
اس تمرد کی روش سے بھی کبھی شرمائے گا کیا کرے گا سامنے سے جب حجاب اٹھ جائے گا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا (۱۸)

اس طرح تیرہ آیتوں کو پانچ مصرعوں میں بیان کر کے شاعری کے تمام آداب ملحوظ رکھتے ہوئے اختصار کا مظاہرہ کیا ہے، جب کہ سید عباس متقیؔ نے ان ہی تیرہ آیتوں کے لیے ۴۷ مصرعوں یعنی ۴۲ ابیات کا سہارا لیا ہے۔اس اعتبار سے جوشؔ اور متقیؔ کے خیالات اور ایجاز و امتیاز جداگانہ معلوم ہوتے ہیں۔ جوش نے آیت فَبِاَیِ اٰلآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کے مفہوم کو صرف ایک مصرعے میں پیش کیا ہے۔

ع کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا

جب کہ سید عباس متقیؔ نے اسی آیت کی توضیح کے لیے شروع میں چھے مصرعوں کا سہارا لیا ہے۔

اپنے رب کی نعمتوں کو یاد کر نام حق سے اپنے دل کو شاد کر
کب تک اپنے آپ پر اترائے گا اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا
اپنی من مانی جو کرتا جائے گا یاد رکھ اک دن بہت پچھتائے گا **(۱۹)**

اس کے ساتھ یہ آیت مکمل سورۃ میں ۳۱ مرتبہ دہرائی گئی ہے۔ چناں چہ جوش نے سارے ترجمے میں صرف ۸ دفعہ دہرایا ہے جب کہ سید عباس متقیؔ نے اس مفہوم کو ۳۱ مرتبہ دہرایا ہے اور سوائے پہلی دفعہ کے بقیہ ۳۰ مرتبہ صرف چار مصرعے یعنی دو اشعار بطور ٹیپ کے مصرعے دہرائے ہیں۔

سید عباس متقیؔ نے ابتدائی تین آیتوں کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

نام رب العالمین ''رحمٰن'' ہے جس نے سکھلایا ہمیں قرآن ہے
جس نے کی تخلیق ہر انسان کی پھر سکھائی گفتگو کس شان کی
لائقِ سجدہ اسی کی ذات ہے اس کے قبضے میں جہاں کی بات ہے **(۲۰)**

پانچویں آیت اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَان اور چھٹی آیت وَالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ یَسۡجُدَانِ کی ترجمانی کیا خوب ہے۔

اس کے سجدے میں ہیں یہ شمس و قمر
برگ و گل شاخ و ثمر تخم و شجر **(۲۱)**

دراصل اس سورۃ میں اللہ رب العزت نے اپنے کمالات دکھائے ہیں اور مومنوں کے لیے انعامات کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح آیت ۱ تا ۱۲ میں اللہ جل جلالہٗ وعم النوالہٗ کی بزرگی اور بڑائی کا بیان ہے جسے یعقوب سروش نے نہایت اختصار کے ساتھ قلم بند کیا ہے:

''اللہ سبحانہ بڑا مہربان ہے جس نے ہمیں قرآن کی تعلیمات سے بہرہ ور کیا اور جس نے انسان کو پیدا کیا اور طاقت گفتار سے نوازا، اسی کے حکم پر شمس و قمر ایک مقررہ حساب کے مطابق گردش کناں ہیں، ستارے اور درخت اُسی کے آگے سربسجود ہیں، اسی نے آسمان کو رفعتیں بخشیں اور اسی نے ساری کائنات کو بے لاگ عدل و انصاف کی میزان پر قائم کر دیا ہے، پس اس میں کسی قسم کا خلل نہ ڈالو۔ زندگی کے ہر شعبہ میں عدل و انصاف سے کام لو، انواع و اقسام کے پھلوں، کھجوروں اور طرح طرح کے اناج سے مالا مال یہ ساری دھرتی اس نے بنائی ہے، تو پھر اے جنو! اے انسانو! تم اپنے پروردگار کی آخر کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔''(۲۲)

سید عباس متقی نے اپنی مثنوی میں سورۃ الرحمٰن کی توضیح احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں کی ہے، کہیں کہیں ایک آیت کی تشریح کے لیے کئی اشعار لکھے ہیں۔ چناں چہ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝ کے لیے بارہ اشعار کی مدد لی ہے جس میں ترجمہ کے علاوہ احادیث نبوی ﷺ کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

مت گھٹاؤ تول تو لو ٹھیک ٹھیک — منہ جو اپنا کھولو، بولو ٹھیک ٹھیک
تولتے جو کم ہیں وہ بدکار ہیں — حق تعالیٰ کی نظر میں خار ہیں
عدل قائم، عدل پیغمبر سے ہے — روشنی جیسے شہہ خاور سے ہے
عدل قانونِ نبیؐ کا نام ہے — عدل میں جذبات کا کیا کام ہے
حکمتِ یزداں کجا انساں کجا — عقل انسانی کجا ایماں کجا
عقل ہو جب تابع حکم رسولؐ — عقل کو کچھ روشنی تب ہو وصول
حق ہے گویا صاحبِ ایمان سے — کام ہیں کچھ اور بھی میزان کے
کیا عبادت کیا ریاضت کیا عمل — ہر جگہ میزان دیں کا ہے دخل
خواہ وہ بیع و شری ہو یا حقوق — دین کے سب راستے ہیں باوثوق
حکم حاکم پر بھی ہے چھایا ہوا — آسمانوں سے ہے یہ آیا ہوا

شاہِ دیں کے عدل پر ہو کیوں نہ ناز ایک ہی صف میں محمود و ایاز
ہو جہاں میں ہر عمل انصاف سے کیا غرض حق کو دل نا صاف سے (۲۳)

اگلی آیتوں میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے کمالات بیان کیے ہیں اور اس کا سلسلہ آیت نمبر ۴۵ یعنی دوسرے رکوع تک جاری ہے۔ چودھویں آیت خلق الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ o کی ترجمانی صرف ایک شعر میں ملتی ہے۔

کھنکھناتی خاک سے انسان ہے
خاک کے پتلے میں گویا جان ہے (۲۴)

سترھویں آیت رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ o کو سید عباس متقی نے اس طرح نظم کیا ہے۔

حق تعالیٰ ہے خدائے مشرقین حق تعالیٰ ہے خدائے مغربین
مشرق و مغرب کا مالک بھی وہی خالق و مختار و ہالک بھی وہی
دونوں عالم کا وہ پالن ہار ہے قادر مطلق ہے وہ مختار ہے (۲۵)

یہاں اس آیت مبارکہ کا تذکرہ بھی کرنا ضروری ہے جس کے پڑھنے کے بعد انسان کو اپنی موت آخرت اور اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ آخر ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اسی آیت پر پہلا رکوع تمام ہوا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ o

اس آیت کی ترجمانی کے لیے سید عباس متقی نے پانچ اشعار کا سہارا لیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

جو زمیں پر ہے فنا ہوجائے گا یعنی گنبد کی صدا ہوجائے گا
یہ عناصر، آگ و خاک و باد و آب اک گماں ہوجائیں گے یہ مثلِ خواب
وہ فراعینِ زمانہ کیا ہوئے کیا صدا تھے وہ بہ صحرا ہوگئے
صاحب زر صاحبِ رعب و جلال جن کو آتا تھا نہ اوروں کا خیال
اک خیالِ بدنما سے ہو گئے ریت پر اک نقشِ پا سے ہوگئے (۲۶)

مجموعی اعتبار سے چودھویں آیت سے پینتالیسویں آیت تک جن کمالاتِ خداوند کا ذکر آیا ہے۔ انھیں یعقوب سروش نے اجمالاً اس طرح پیش کیا ہے:

''وہ مشرقوں اور مغربوں کا پروردگار ہے۔ وہی سمندروں میں اُونچے اُونچے جہاز چلاتا ہے اس وسیع وعریض کائنات کی ہر شئے فنا پذیر ہے۔ قائم ودائم رہنے والی ذاتِ مقدس صرف رب ذوالجلال کی ہے۔ صرف رب ذوالاکرام کی ہے۔ وہی ساکنانِ آسمان کا حاجت روا ہے۔ اُس کی شانِ کبریائی ہر لحہ نئی ہے۔ اے انسانو! اے جنّو! اپنے گناہوں کے پٹارے سے زمین کو بوجھل بنانے والو۔ ہم تمہارا حساب کتاب لینے کے لیے بہت جلد ہی فارغ ہونے والے ہیں۔ اگر تم ہماری گرفت سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو زمین و آسمان کی سرحدوں کو پاگر جاؤ۔ ہم بھی دیکھیں گے کہ تم میں کتنا دم خم ہے۔ جوں ہی بھاگنے کی کوشش کروگے آگ کا خوفناک شعلہ تم پر جھپٹ پڑے گا۔ ذرا سوچو! کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب قیامت کے دھماکوں سے آسمان جگہ جگہ سے ٹوٹ کر سرخ چمڑی کی طرح ہوجائے گا۔ آخرت میں کسی دھماکوں سے جن اور کسی انسان کے جرائم کے بارے میں پوچھ تاچھ کی ضرورت بھی نہ پڑے گی۔ وہاں مجرم اپنے چہرے سے ہی پہچان لیے جائیں گے۔ پھر انہیں بالوں اور پیروں سے پکڑ کر جہنم میں گھسیٹا جائے گا۔'' **(۲۷)**

۴۵ ویں آیت کے اختتام پر دوسرا رکوع مکمل ہوجاتا ہے اور اگلی آیات میں ہمیں اللہ کے انعامات واکرامات اور نعمتوں کا تذکرہ ملتا ہے اور یہ سلسلہ آیت نمبر ۷۷ تک جاری وساری ہے۔ دو باغ ہوں گے اور ان میں دو چشمے ہوں گے اور طرح طرح کے پھل کی دو دو قسمیں ہوں گی۔ یہ نعمتیں کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان عظیم نہیں ہیں؟ یقین ہے۔ یہاں قرآن مجید کے عربی متن کی بجائے اردو خلاصہ پیش کیا جارہا ہے تاکہ ان نعمتوں کو جان سکیں اور ان نعمتوں کو سید عباس متقی کس طرح نظم کیا ہے معلوم کرسکیں، پیش ہے اقتباس:

''اللہ سے ڈر کر زندگی گزارنے والے شخص کے لیے جنت میں دو باغ ہوں گے۔ ان میں دو چشمے رواں ہوں گے ہر پھل کی دو دو قسمیں ہوں گی۔ شہریانِ جنت دبیز ریشمی اَستر والے گدوں پر نہایت آرام سے بیٹھیں گے۔ بیش بہا نعمتوں کے ساتھ ساتھ ہیرے موتی جیسی دوشیزائیں ملیں گی۔ جُھکی جُھکی نظروں والی منتخب حسینائیں جن کو اس سے پہلے کسی نے بھی نہ چھوا ہوگا۔ ان دو باغوں ہی پر نعمتوں کا اتمام نہیں ہوگا بلکہ دو اور باغ بھی ملیں گے جن میں جابجا فوارے پھوٹ رہے ہوں گے۔ کھجور، انار اور دوسرے

طرح طرح کے ثمرات کی بہتات ہوگی۔خوب صورت اور خوب سیرت حوریں قیام گاہوں میں چشم براہ ہوں گی۔اللہ سبحانہ ان نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بار بار پوچھتا ہے کہ اتنا سب کچھ بخشنے کے بعد اپنے پروردگار کی کون سی نعمت،کون سی قدرت اور کون سے انعام کو جھٹلاؤ گے؟(اس تکرار سے جہاں یاد دہانی مقصود ہے وہاں اس سے کلام میں حسن و خوبی اور ایک وجد انگیز نغمگی بھی پیدا ہوتی ہے۔''(۲۸)

آخری آیت جس میں رب ذوالجلال والاکرام کی جنوں اور انسانوں سے مخاطبت ہے کہ اے جنو،اے انسانو!سن لو کہ رب جلیل کا نام بڑی برکت اور عظمت والا ہے یعنی تَبٰرَکَ اسۡمُ رَبِّکَ ذِی الۡجَلٰلِ وَالۡاِکۡرَامِ٥ کو سید عباس متقی نے یوں پیش کیا ہے۔ ؎

کتنا بابرکت ہے تیرے رب کا نام

واسطے جس کے بزرگی ہے تمام (۲۹)

سورۂ الرحمٰن کا ترجمہ ختم ہوتے ہی سید عباس متقی نے سورۂ زلزال،سورۂ لہب اور سورۂ اخلاص کے وضاحتی منظوم ترجمے پیش کیے ہیں جن میں بھی وہی روانی اور سلاست،سہل پسندی بدرجہ اتم موجود ہے۔سورۂ زلزال کے ابتدائی دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

جب ہلادی جائے گی ساری زمیں جب فنا ہوجائیں گے سارے مکیں

جو نہاں ہے وہ عیاں ہوجائے گا جو لکھا ہے سب بیاں ہوجائے گا (۳۰)

اس سورۃ کو سید عباس متقی نے سہل ممتنع میں پیش کیا ہے کہ پڑھنے والوں کو کسی قسم کی کوئی مشکل اور دقت پیش نہیں آتی۔اسی طرح سورۂ لہب کو احادیث نبویؐ کی روشنی میں وضاحت کے ساتھ پیش کیے ہیں جس کے اشعار ۳۲ ہیں یہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔آخر میں سورۂ اخلاص کو ۱۱۹ ابیات میں پیش کر دیا گیا ہے جس کے دو شعر اس طرح ہیں۔ ؎

یا محمدؐ آپ فرما دیجیے

مومنوں کے دل کو گرما دیجیے (۳۱)

کتاب کے صفحہ آخر میں سید عباس متقی کو قطعہ تاریخ طباعت مثنوی نوال السبحان فی مطالب سورۃ الرحمٰن کو فارسی زبان میں لکھنے کی سوجھی جس کے آخری مصرعے میں طباعت ۱۴۱۲ھ برآمد ہوتی ہے۔ ؎

متقیؔ بشنوز من سالِ طبع

نقدایماں مثنویِ متقی

۱۴۱۲ھ (۳۲)

کتاب کی بائیں پشت پر نام ور عالم دین حضرت محمد حمید الدین حسامی عاقلؔ کی تقریظ اور ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ سابق صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ و ڈین فیکلٹی آف آرٹس، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے تاثرات پُرکشش تحریر میں خوش نویسی کی گئی ہے۔ جن کے مطالعے سے مثنوی ہذا کی افادیت اور بڑھ جاتی ہے اور سند کے طور پر ایسی حوصلہ افزائی تقاریظ سید عباس متقیؔ کو علمی اور ادبی سرگرمیاں انجام دینے کا حوصلہ دیتی ہیں۔

الغرض مجموعی حیثیت سے کتاب ہذا انوکھی اور نادر کتاب ہے۔ فی زمانہ ایسے کام کا فقدان ہے حالاں کہ ایسا کام کرنا ہر شاعر کے لیے ممکن نہیں۔ کیوں کہ ہدایت ہر شاعر کے لیے نہیں ہوتی یہ کام وہی کر پاتا ہے جسے اللہ باری تعالیٰ انتخاب کرے اور ان منتخبہ ہستیوں میں سے ایک نام سید عباس متقیؔ کا بھی ہے۔

تنہائیاں (۱۹۹۳ء) کا تنقیدی مطالعہ:

سید عباس متقیؔ کا نام ادبی دنیا میں محتاج تعارف نہیں۔ وہ بیک وقت نثر نگار بھی ہیں اور شاعر بھی۔ لیکن انھوں نے بطور طنز و مزاح نگار جو نام کمایا ہے، اتنے کم عرصے میں شاید ہی کسی مزاح نگار نے اس قدر ترقی کے زینے طئے کیے ہوں۔

''تنہائیاں'' ان کا تیسرا شعری مجموعہ ہے جس میں انھوں نے اپنی اردو شاعری حمد، نعت کے علاوہ، غزلوں، نظموں اور گیتوں کو شامل کیا ہے۔ اس سے قبل ان کے دو شعری مجموعے تسلیماً کثیراً (۱۹۹۰ء) اور مثنوی نوال السبحان (۱۹۹۲ء) شائع ہو کر ادبی دنیا میں داد و تحسین حاصل کر چکے تھے۔

ابتدا میں سید عباس متقیؔ نے اس شعری مجموعے سے اپنی قلبی وابستگی کا ثبوت دیا ہے اور کیوں نہ ہو کہ شاعر کا ہر شعر شاعر کے لیے اپنی اولاد کی طرح عزیز ہوتا ہے اسی لیے شاعر اپنے کہے گئے کلام سے الفاظ کی تحریف کو بادل ناخواستہ گوارا کرتا ہے۔ یہاں الفاظ تحریف نہیں کیے گئے بلکہ توضیح تنہائیاں کی گئی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''تنہائیاں'' میرے قلبی احساسات اور نجی جذبات کا مظہر ہے یہ بہ ظاہر چند ایک، نظموں غزلوں اور گیتوں کا مجموعہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی صورت میں، میں نے اپنا دل پیش کیا ہے۔ میں نے اپنی تمام نگارشات میں خواہ وہ نثر ہو کہ نظم، حقیقت پسندی اور راست گوئی کو سرنامہ تحریک بنانے کی کوشش کی ہے۔ خلوص و پاکیزگی۔ طہارت و لطافت میرے جذبات کے ملبوسات ہیں جن لوگوں نے واقعتاً محبت کو سمجھا ہے، جانا ہے اور محسوس کیا ہے وہ میرے کلام سے کچھ زیادہ ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں اور خدانخواستہ جو محروم محبت ہیں اس کتاب کے دیکھنے سے ان کے دلوں میں بھی ان شاء اللہ ایک لطیف گدگداہٹ سی پیدا ہو جائے گی۔ عین ممکن ہے کہ وہ بھی کسی کو دل دے بیٹھیں یا کسی کا دل چُرا بیٹھیں۔ دل دیا جائے یا چرا لیا جائے دونوں ہی ثمراتِ حیات ہیں۔ میں ایک شاعر ہوں محبت میری زندگی، عشق میری حیات اور حسن سے وابستگی میری منزل ہے۔ رہ روانِ منزل شوق کے لیے ''تنہائیوں'' ایک بانگ درا ہے۔'' **(۳۳)**

اس شعری مجموعے کی ابتدا حمد باری تعالیٰ سے کی گئی ہے جو نہایت مختصر بحر میں ہے لیکن سید عباس متقی نے تعریف اس خدا کی بیان کی ہے جس نے یہ جہاں بنایا ہے چناں چہ حمد کا پہلا شعر اس طرح ہے۔ ؎

شہ رگ سے بھی قریں ہے اللہ تو یہیں ہے **(۳۴)**

اس شعر میں متقی نے اللہ کے وجود اور ہر جگہ موجود ہونے کی بات کئی ہے گویا قرآن حکیم کی آیت و **اِذا سأ لَکَ عبادی عنی فا نی قریب** کی ترجمانی کی ہے کہ اے نبی ﷺ اگر آپؐ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو فرما دیجیے کہ میں بہت قریب ہوں۔ اسی طرح مزید کہتے ہیں۔ ؎

کیا ذکر مرے دل کا رگ رگ میں تو مکیں ہے **(۳۵)**

اس طرح تمام اشعار نہایت سلیس، عام فہم اور سہل ممتنع کی بہترین مثالین ہیں اور ان اشعار میں حقائق کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ اشعار دیکھیے ؎

بندہ کو اپنے رب کا عرفان ہی نہیں ہے
ہر بات مصلحت ہے ہر حکم دل نشیں ہے
ہاتھوں کے تیرے صدقے جو چیز ہے حسیں ہے
تیری نوازشوں سے کوئی کمی نہیں ہے

آخر میں مقطع دل کو چھو لیتا ہے۔ ؎

ہر شعر متقیؔ کا تسبیح دل نشیں ہے **(۳۶)**

حمد خداوند کریم کے بعد خاتم النبیّن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نعت شریف کا نذرانہ پیش کیا گیا ہے۔حمد کی طرح نعت بھی چھوٹی بحر میں لکھی گئی ہے۔ایک بند دیکھیے۔ ؎

نور کا پیکر صلوٰۃ اللہ علیہ
شاہ بحر و بر صلوٰۃ اللہ علیہ
خاک کا بستر صلوٰۃ اللہ علیہ
پیٹ پر پتھر صلوٰۃ اللہ علیہ

مقطع میں لکھتے ہیں۔ ؎

متقیؔ جب انؐ کا سایہ سر پر ہو
کیا غم محشر صلوٰۃ اللہ علیہ **(۳۷)**

نعت رسول مقبول ﷺ کے بعد چالیس غزلیں شامل کی گئی ہیں جن کے متعلق محمد نسیم الدین فریس **(۳۸)** لکھتے ہیں:

''پیش نظر مجموعہ کی خاص خوبی اس کی اصلیت اور واقفیت ہے۔'' **(۳۹)**

غزلیات کے مطالعے کے بعد ہم پروفیسر نسیم الدین فریس کے اس قول کی تصدیق کیے بغیر نہ رہے سکے کہ انھیں جیسے جیسے دوشیزاؤں سے عشق ہوتا گیا اور وہ ناکام ہوتے گئے ویسے ویسے ان کی غزلوں میں جان پڑتی گئی اس طرح پہلے عشق کی روداد یوں لکھتے ہیں۔ ؎

مدت کے بعد دل کسی قاتل پہ آ گیا
آنکھوں کی راہ سے کوئی دل میں سما گیا **(۴۰)**

جب محبت میں تھک ہار کر شکست خوردہ حالت میں بیٹھتے ہیں تو خیالات کچھ اس طرح صفحہ قرطاس پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔

تباہ کردیا آخر تری محبت نے
کہیں کا مجھ کو نہ رکھا مری طبیعت نے
زمانے بھر سے میں صورت چھپائے پھرتا ہوں
ستم وہ ڈھائے ہیں مجھ پر تمہاری صورت نے (۴۱)

کہتے ہیں کہ عاشق اگر محبت میں ناکام ہوتا ہے تو پہلے شاعر بنتا ہے، وہ بھی غزل گو، شاعر بن کر تنہائیوں کا رونا روتا ہے۔ یہی صورت حال سید عباس متقیؔ کے ساتھ بھی ہوئی ہے۔

ایک افسانہ جو ہونٹوں میں دبا رکھا ہے ایک ارمان کہ سینے میں چھپا رکھا ہے
جاگتے دیر مقدر کو کہاں ہوتی ہے ہم نے یہ سوچ کے دروازہ کھلا رکھا ہے
دیکھا یہ ہے کہ انجام محبت کیا ہو داؤ پر ہم نے تو قسمت کو لگا رکھا ہے
جانے کیا بات سراپا میں ہے ترے اے دوست اس سراپا نے تو دیوانہ بنا رکھا ہے

مقطع تک پہنچتے پہنچتے سید عباس متقیؔ کی حسرتیں پکار اٹھتی ہیں۔

متقیؔ ہم کو تمنا ہے اسی صورت کی جس نے دنیا کو تمنائی بنا رکھا ہے
(۴۲)

سید عباس متقیؔ کی شاعری یاس کی شاعری کے زمرے میں رکھی جا سکتی ہے۔ کیوں کہ ان کے مقدر میں وصال معشوق کہاں؟ اب تو شاعری ہی سید عباس متقیؔ کی متاعِ زندگی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس غزل میں وہ تمام احساسات جو ایک نامراد عاشق کے دل میں پھوٹ پڑتے ہیں۔ سید عباس متقیؔ نے بیان کردیے ہیں۔

ہمیں معلوم کیا تھا دلگی ہے دلگی اپنی
نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں عجب ہے زندگی اپنی
مرے گھر کے مقدر میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا
اگرچہ دے رہے تھے چاند سورج روشنی اپنی

یہ تنہائی یہ آنسو یہ گھٹن یادوں کے یہ سائے
یہی اپنے سہارے ہیں یہی ہے زندگی اپنی
شمع جلتی رہی جلتی رہی بھڑکی، ہوئی خاموش
دوانے ہوگئے حد سے بڑھی جب آگہی اپنی
نہ منزل ہی ملی ہم کو نہ منزل دور تھی ہم سے
عجب تھی رہبری ان کی عجب تھی رہروی اپنی
مئے الفت کے پیمانے، گلِ تازہ کے نذرانے
متاعِ زندگی ہے متقیؔ یہ شاعری اپنی (۴۳)

اسی لیے ایک غزل میں کہتے ہیں۔

متقیؔ یوں ہی نہیں بد نامیاں
نقص ہے کچھ آپ کے کردار میں (۴۴)

سید عباس متقیؔ چاہتے ہیں کہ ہار کر جیتیں۔ اس لیے انھوں نے دوبارہ آنکھیں ملانے کی مشق شروع کردی۔

آنکھیں ملا ملا کے پلایا نہ کیجیے
گل اپنی انکھڑیوں کے کھلایا نہ کیجیے
آنکھیں بہک بہک کے ترستی ہیں رات دن
جلوؤں کو یوں مدام لٹایا نہ کیجیے
مدہوش ہو کے آپ کا دامن نہ تھام لوں
آنچل کو یوں ہوا میں اڑایا نہ کیجیے
بے تابیوں کے وقت یہ اچھا گریز ہے
دل مجھ غریب کا تو دکھایا نہ کیجیے
بجلی سی دوڑ جاتی ہے ٹھنڈک بکھیرتی
دانتوں کو انگلیوں میں دبایا نہ کیجیے

ان حسرتوں کے بعد انھیں ڈر ہے کہ کہیں دوسری محبت بھی پہلی کی طرح پہیلی نہ بنی رہے اس لیے یہ بھی کہتے ہیں۔

پہلے ہی اس غریب کا دل ہے دکھا ہوا
اب متقیؔ کو آپ ستایا نہ کیجیے (۴۵)

اگلی غزل میں کے ان اشعار پر غور کریں کیا کہتے ہیں۔

دل اگر ٹوٹا کہیں تو کیا ہوا
شہر میں کچھ خانقاہیں اور ہیں
اور ہوتے ہیں زمانے کے حدود
درد مندوں کی پناہیں اور ہیں

سید عباس متقیؔ ان حادثات کے بعد بھی عزم مصمم چاہتے ہیں۔

متقیؔ عزم مصمم چاہیے
آپ راہیں جتنی چاہیں اور ہیں (۴۶)

اس شعر میں سید عباس متقیؔ اپنی سرد مہری کا اعتراف کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

سرد مہری سے تری یہ گرمئ تقدیر ہے
جانتا ہوں میرے شعروں سے یہ سمجھا جائے گا (۴۷)

سید عباس متقیؔ کی غزلوں میں پیار و محبت کے جذبات بھی ملتے ہیں۔

چاند تارے ہوگئے ہیں فرشِ راہ
ہاتھ میرے جو تمہارے ہات ہے
اک زمیں پر آسماں پر ایک چاند
رات یہ کیسی انوکھی رات ہے (۴۸)

مجموعی اعتبار سے غزلیات میں سید عباس متقیؔ کی ناکام محبت کی روداد دیکھنے کو ملتی ہے۔ حالاں کہ غزل کا کینوس بہت وسیع ہے جس میں عاشقانہ مضامین کا بیان ہونا چاہیے علاوہ ازیں فلسفہ، تصوف، اخلاقیات، معرفت الٰہی، پند و نصائح، رموز حیات و ممات وغیرہ بھی غزل

کے دائرے میں آتے ہیں لیکن سید عباس متقیؔ کی غزلوں میں ان کا فقدان ہے۔ ''تم یاد جو آؤ گی تو میں شعر کہوں گا'' (تنہائیاں ص ۶۸) کی ترجمانی کرتی ہوئی غزلیں کہی گئی ہیں۔ بالآخر سید عباس متقیؔ نے اپنی تمناؤں کی حیات کو مختصر گردانا۔

کیا مختصر ہے مری تمناؤں کی حیات
گھونگھٹ اٹھانہ تھا کہ شبِ وصل ڈھل گئی (۴۹)

محبت اور پیار کے جذبات جب جب دنیا سے مفقود ہوئے ہیں تب تب فسادات و ہیجانات نے جنم لیا ہے اور اس کے برعکس جہاں جہاں محبت کارفرما رہی ہے وہاں وہاں برکات و فیوض کے دریا موجزن رہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''تنہائیاں'' محبت کا پیغام ہے جو، جواں دلوں کے نام ہے۔ میں نے جو محسوس کیا اور سوچا ہے وہ بلا کسی تردد و تکلف کے لکھ دیا ہے۔ اس کے تاثرات کیا ہیں اور کہاں تک میں نے کامیابی حاصل کی ہے یہ میں اپنے پڑھنے والوں پر چھوڑتا ہوں۔'' (۵۰)

سید عباس متقیؔ نے اپنی ان غزلوں میں قدیم آہنگ کو برقرار رکھا، اس میں غزل کے نئے رنگ کا امتزاج نہیں کیا۔ سید عباس متقیؔ نے ماضی میں غزل کی جس تہذیبی عمل داری قائم رہی اسے برابر قائم رکھا ان کی غزلوں میں واردات واحساسات کی وہی گونج ملتی ہے جو متقدمین و موخرین کے کلاسیکی غزلوں میں پائی جاتی ہے۔ جس کے متعلق ان کے استاذ ڈاکٹر علی احمد جلیلی لکھتے ہیں:

''رومانیت کا وہ تصور جس پر غزل کی خشت اول رکھی گئی تھی ان کے یہاں وافر موجود ہے لیکن سید عباس متقی کی معاملہ بندی بڑی معصوم، متین اور سنجیدہ ہے جو تہذیب کے دائرہ سے باہر قدم نہیں رکھتی۔ جذبات کے اظہار میں ضبط کا عالم یہ ہے کہ شعلہ بھڑکتا نہیں آنچ دے کر رہ جاتا ہے۔ اسے متوازن لہجہ کی شاعری کہہ سکتے ہیں۔ کلام میں فن کی ناہمواری نہیں ملتی یہ بڑی بات ہے۔'' (۵۱)

''تنہائیاں'' میں غزلیات کے بعد وافر مقدار میں مختلف موضوعات پر نظمیں ملتی ہیں اور ان کی تعداد ۵۸ ہے جن میں گیتوں کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ سید عباس متقیؔ کی زیادہ تر نظمیں پابند نظموں کی ہیئت میں پائی جاتی ہیں اور پابند نظم میں ہیئت کے اعتبار سے کچھ روایتی اصناف یا اسلوب کی پابندی کی جاتی ہے اور بحر کے استعمال نیز قافیوں کی ترتیب میں مقررہ اصولوں کا لحاظ بھی رکھنا پڑتا ہے۔

سید عباس متقی نے پہلی نظم جس کا عنوان اندیشہ ہے کو نظم معریٰ کی ہیئت میں لکھی ہے اور نظم معریٰ سے مراد ایسی نظم جو شروع سے آخر تک مصرعوں کے وزن کے تقاضوں کو تو پورا کرتی ہو لیکن مصرعے برابر ہوں مگر ردیف اور قافیوں کی پابندی سے آزاد ہو۔ نظم معریٰ کو ''غیر مقفی نظم'' بھی کہا جاتا ہے۔ نظم ''اندیشہ'' سے کچھ اشعار دیکھیے ۔

تو گلستاں ہے گل و لالہ دشمن تجھ میں
ترا وجود ہے اک اعتبار حسن و جمال
نہ کیوں میں اپنی نگاہوں سے چوم لوں تجھ کو
کبھی کبھی مرے دل میں یہ جاگتا ہے خیال
میں چاہتا ہوں کبھی تھام لوں تری باہیں
سناؤں گیت محبت کا تیرے کانوں میں
اور اپنے سر کو ٹکا دوں میں تیرے شانے پر
جگا دوں کوئی فسانہ تری نگاہوں میں
قرار دل کو کسی پل نہ چین آنکھوں کا
مدام تیرا تصور ہے تری باتیں ہیں (۵۲)

دوسری نظم ''تحفۂ عید'' میں سید عباس متقی نے ''صنعت توشیح'' استعمال کی ہے۔ ہر شعر کے پہلے مصرعے کے پہلے حرف کو جوڑنے سے ایک نام بن رہا ہے اور وہ ہے ''سعیدہ فاطمہ'' (۵۳) دراصل اس صنعت میں اشعار اس طرح لکھے جاتے ہیں کہ تمام مصرعوں کے پہلے لفظ کا پہلا حرف یا ہر شعر کے پہلے مصرع کے پہلے حرف کی ترتیب کے لحاظ سے ایک ساتھ ملا کر لکھا جائے تو کوئی نام یا کوئی عبارت بن جاتی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔

تیسری نظم ''پھول کی فریاد'' غزل کی طرز پر لکھی گئی ہے اس میں قوافی اور ردیف کی پابندی شروع سے آخر تک ملتی ہے۔

ایک گل رو کی محبت خوب تھی
چند لمحوں کی وہ صحبت خوب تھی (۵۴)

چوتھی نظم ''تنہائیاں'' چھے بندوں پر مشتمل ہے اور ایک ایک بند قطعہ کی ہیئت میں صرف چار مصرعوں پر مشتمل لکھی گئی ہے جس کا ایک بند پیش ہے۔

خدا کے واسطے مجھ سے جدا نہ تم ہونا
زمانہ لاکھ خفا ہو خفا نہ تم ہونا
کسی غریب نے چاہا ہے ٹوٹ کر تم کو
تمہیں وفا کی قسم بے وفا نہ تم ہونا (۵۵)

سید عباس متقی نے اسی نظم کے عنوان پر کتاب کا نام تجویز کیا ہے۔ اگلی نظم آنکھیں سہل ممتنع کی بہترین مثال سمجھی جاسکتی ہے جس کے دو شعر یوں ہیں۔

کتنی پیاری ہیں آپ کی آنکھیں
بحرِ مستی میں ڈوبتی آنکھیں
آپ کی باتیں پیار کی باتیں
آپ کی آنکھیں خواب کی آنکھیں (۵۶)

اس شعری مجموعے میں سید عباس متقی نے سات گیتوں کو شامل کیا ہے جو دراصل ہندی الاصل صنف ہے۔ اس طرح اردو زبان پر ہندی کے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں اس کا ایک نتیجہ گیت بھی ہے اور نظم کی طرح گیت میں کسی موضوع کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔

سید عباس متقی نے تمام گیتوں میں ایک گیت فلمی گیت سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔

پیاس آنکھوں کی بجھا لوں تو چلے جایئے گا
رنگ ہونٹوں سے چرالوں تو چلے جایئے گا (۵۷)

اس کے علاوہ ایک اور گیت ہے جو شاذ تمکنت کے گیت سے متاثر ہو کر انھوں نے لکھا تھا جس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے۔

میری آنکھوں میں رہو
مرے خوابوں میں رہو (۵۸)

یہ گیت قدر طویل ہے اور اس میں سید عباس متقیؔ نے اپنے فن کا اچھا مظاہرہ کیا ہے۔ایک نظم ''البم'' چودہ بندوں پر مشتمل ہے جس کا ہر بند چار مصرعوں پر منحصر ہے۔ایک نظم نظیر اکبرآبادی کی نظم ''روٹی نامہ'' سے متاثر ہوکر ''روٹیاں'' کے عنوان سے لکھی ہے لیکن وہ کیفیت نہیں پیدا ہوسکی جو نظیر کی نظم میں ہے۔ ؎

کتنی مزے کی آپ پکاتی ہیں روٹیاں

پھر کس خلوص دل سے کھلاتی ہیں روٹیاں (۵۹)

ایک نظم ''چانداور شاعر'' مکالماتی طرز پر ہے جس میں شاعر چاند سے مخاطب ہوتا ہے اور چاند مخاطِب کا بڑی خوبی سے جواب دیتا ہے لیکن اس نظم میں کوئی خاص بات ایسی نہیں جس کے سبب یہ نظم دل کو چھولے۔

غرض سید عباس متقیؔ نے اس شعری مجموعے میں جو کلام پیش کیا ہے وہ رومانی شاعری کے زمرے میں آتا ہے جو اردو زبان میں کوئی تازہ ایجاد یا اختراع نہیں۔ہاں ایک بات سید عباس متقیؔ کے کلام کے مطالعے کے بعد افشا ہوتی ہے کہ ان کی محبت میں آلودگی نہیں بلکہ پاکیزگی پائی جاتی ہے۔وہ صرف رومانی دنیا کی حسین وادیوں میں کھونا نہیں چاہتے بلکہ ان حسین یادوں کو بامعنی منزل سے ہمکنار کرنے کی جرات رکھتے ہیں اس سلسلے میں محمد نسیم الدین فریس لکھتے ہیں:

> ''خدا کے نام پر ایک ہوجانے کی بات اردو شاعری میں گویا کہ پہلی اور منفرد آواز ہے اور سید عباس متقیؔ ہی کا حق تھا کہ رومانس کو ہوس کے پنجے سے آزاد کرائیں۔''(۶۰)

سید عباس متقیؔ کے اس شعری مجموعے میں شامل نظموں کے متعلق ان کے استاذ علی احمد جلیلی کے اظہار خیال پر غور کرنے سے ہمیں سید عباس متقی کی شاعری کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''جہاں تک نظموں کا تعلق ہے ان کے موضوعات متنوع ہے۔ان نظموں کا مطالعہ یہ تاثر دیتا ہے کہ سید عباس متقیؔ غزل کی بہ نسبت نظم کے امکانات سے زیادہ واقف ہیں۔روانی اور بندش کے لحاظ سے یہ خاصی درست اور چست ہیں۔مجموعی طور پر ''تنہائیاں'' سید عباس متقی کی ادبی صلاحیتوں اوران کی خوش ذوقی کا مظہر ہے اور اس میں فکر سخن سے ان کی عمیق وابستگی کا جو خلوص کارفرما ہے وہ یقیناً قابل پزیرائی ہے۔''(۶۱)

سید عباس متقی کی یہ تخلیق ۱۹۹۳ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔ جس میں خوش نویسی کے فرائض آپ کے استاذ و سمدھی جناب محمد مظہر خوش نویس نے انجام دیے ہیں جب کہ سرورق قیصر سرمست نے تیار کیا اور تحریر سرورق ممتاز خوش نویس محترم سلام خوش نویس نے بنایا ہے۔

۱۹۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی دائرہ الکٹرک پریس چھتہ بازار حیدرآباد میں طباعت عمل میں آئی۔ کتابت عمدہ ہے لیکن طباعت ناقص ہے۔ ناشر کی حیثیت سے خود سید عباس متقی کا نام تحریر کیا ہوا ہے اور ملنے کا پتا بھی موصوف کا مکان ہی ہے۔ اس سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ انھوں نے اسے کمرشیل فروخت کے لیے شائع نہیں کیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ انھیں اردو اکیڈیمی سے مالی اعانت کی جاتی تا کہ دیدہ زیب ٹائیٹل کو ملٹی کلر اور عمدہ کاغذ پر شائع کیا جا سکتا تھا۔

آپ نے انتساب سعیدہ کے نام معنون کیا ہے اور جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں، ابتدا میں ڈاکٹر عقیل ہاشمی نے ''قطعات تاریخی'' کے عنوان سے دو قطعات لکھے ہیں جن سے کتاب کی سنہ اشاعت ۱۹۹۳ء برآمد ہوتی ہے اور اسی مناسبت سے دوسرا قطعہ تاریخ ۱۴۱۳ھ نکالا گیا ہے۔ قطعات بالترتیب اس طرح ہیں۔ ؎

خندہ زن ہے حسن کی دل بستگی تنہائیاں
دیدنی ہے عشق کی آشفتگی تنہائیاں
زینتِ راہِ محبت ہے، کلام، متقی!
باعثِ تسکین یاراں زندگی تنہائیاں

۱۹۹۳ء

خوش ادا خوش رنگ چلتی ہیں جونہی پروائیاں
دید کے قابل ہوئی ہیں حسن کی رعنائیاں
اضطرابِ شوق نے لیکن کہا مجھ سے عقیل
لطفِ ایام طرب دیتی ہیں یہ تنہائیاں

۱۴۱۳ھ

(بحوالہ تنہائیاں ص۱۰)

ڈاکٹر عقیل ہاشمی کے تاریخی قطعات کے بعد سید عباس متقی نے بھی اس فن میں طبع آزمائی کی ہے اور آخری صفحے پر قطعہ تاریخ طباعت ''تنہائیاں'' کے عنوان سے ۱۶ مصرعوں پر مشتمل طویل قطعہ تحریر کیا ہے جس میں درج ذیل شعر سے سالِ طباعت ۱۴۱۳ھ برآمد ہوتا ہے۔ ؎

مل گیا اک مصرع تاریخ طبع
گیت یہ تنہائیوں کے ہیں رقم

۱۴۱۳ھ

(بحوالہ تنہائیاں ص۱۹۲)

پیش لفظ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ سعیدہ فاطمہ نے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں کاغذ کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی۔ موصوف نے محترمہ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا ہے اور ان تمام خواتین وحضرات کا شکریہ ادا کیا ہے جن سے سید عباس متقیؔ کو ادبی تعاون ملا اور یہ فریضہ موصوف نے اس طرح ادا کیا ہے کہ اگر یہی سلسلہ چلتا رہے تو شکریہ ادا کرنے کا فن بھی غیر افسانوی ادب کی اہم صنف بن جائے گا۔

کتاب کی ابتدا ان ہی کے اس شعر سے ہوتی ہے۔ ؎

اپنی روداد مختصر لکھ دے
ایک افسانہ معتبر لکھ دے

المختصر یہ شعری مجموعہ ''تنہائیاں'' اردو کی رومانی شاعری کا نمونہ ہے اور رومانوی شعری ادب میں اضافے سے کم نہیں۔

فی ظلال البردہ (۱۹۹۶ء) کا تنقیدی مطالعہ:

فی ظلال البردہ سید عباس متقی کے رشحات قلم کا ایک عمدہ نمونہ ہے جو دراصل علامہ ابو عبداللہ شرف الدین محمد بن سعید بوصیری مصریؒ کے قصیدہ بردہ شریف کا منظوم مگر آزاد اردو ترجمہ ہے۔ سید عباس متقی نے اس سے قبل بھی تراجم کیے ہیں لیکن وہ، وہ تراجم تھے جو مثنوی کی ہیئت میں لکھے گئے اور نوال السبحان فی مطالب سورۃ الرحمٰن کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

علامہ شرف الدین محمد بن سعید بوصیریؒ مصر کے ایک قریہ بوصیر کے رئیس اعظم اور علوم عربیہ کے تبحر عالم جو فصاحت و بلاغت میں ایسے مشہور و معروف واقع ہوئے تھے کہ آپ کے زمانے میں آپ خود اپنی نظیر ہوا کرتے تھے اور علمائے عصر میں ایک شہرۂ آفاق ادیب و شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے تھے چناں چہ ابتدائی عمر ہی میں آپ اپنی خداداد قابلیت کا لوہا منوا چکے تھے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ سے لے کر علامہ شرف الدین محمد بوصیریؒ کے عہد تک عربی میں ہزاروں قصائد رقم کیے گئے ہوں گے اور سرکار دو عالم ﷺ کی شان اقدس میں جو بھی قصائد لکھے گئے ہیں ان میں علامہ بوصیریؒ کے قصیدے بردہ کو جس خاص شفقت سے نوازا گیا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس قصیدے کو خود سرورِ دو عالم حضرت محمد ﷺ نے علامہ بوصیریؒ کی زبانی سنے اور چادر انعام میں عطا فرمائی نیز بدنی و روحانی امراض سے نجات دے دی علاوہ ازیں اپنے نعت خواہوں میں منفرد اور ممتاز مقام سے سرفراز فرمایا۔ چناں چہ شمع رسالت مآبؐ کا وہ کون سا پروانہ ہے جو علامہ بوصیریؒ کی زبان سے کہا گیا قصیدہ نہ کہتا ہو۔

مولوی محمد حسین خاں نے قصیدہ بردہ شریف کا اردو ترجمہ کیا ہے جس کے مقدمے میں حضرت امام بوصیریؒ نے سبب تالیف کے متعلق جو کہا تھا اس کا بھی ترجمہ کرتے ہیں:

> ''مجھ پر فالج گرا۔ نیچے کا دھڑ بالکل نکمہ ہوگیا، میں نے نیت کی کہ نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک قصیدہ نظم کروں۔ چناں چہ جب اس قصیدے سے فارغ ہوا تو خواب میں دیکھا کہ آپؐ میرے بدن پر دست مبارک نہایت شفقت سے پھیر رہے ہیں۔ صبح کو اٹھا تو بالکل صحیح سالم تھا۔ نماز کے لیے گھر سے باہر نکلا تو ایک درویش کو دروازے پر کھڑا دیکھا اور اس نے مجھ سے کہا کہ جو قصیدہ تم نے نعت رسولؐ میں تصنیف کیا ہے ہمیں بھی سنا دو، میں نے کہا کون سا قصیدہ؟ میری تو تمام عمر نعت گوئی میں گزر گئی۔ درویش نے کہا وہ قصیدہ جس کا پہلا شعر یہ ہے۔
>
> اَمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِي سَلَمٍ مَزَجْتَ دَمْعاً جَرٰى مِنْ مُّقْلَةٍ بِدَمٍ
>
> میں بہت مستعجب ہوا کہ میں نے تو اب تک اس قصیدے کا ذکر بھی کسی سے نہیں کیا تھا، اس کو کس طرح خبر ہوگئی۔ درویش نے کہا کہ کل رات یہ قصیدہ جناب مصطفویؐ میں پڑھا گیا تھا اور آپؐ سن کر بہت محظوظ ہوئے تھے۔ میں نے اس درویش کو اس قصیدے کی ایک نقل دیدی اور یہ خبر رفتہ رفتہ تمام شہر قاہرہ میں مشہور ہوگئی۔'' (۶۲)

مولوی محمد حسین خاں نے جب اس قصیدے کو پڑھنا شروع کیا تو انھوں نے اس قصیدے کو عربی علم ادب کا ایک ادق اور مشکل نمونہ پایا اور گمان کیا کہ بغیر شرح کی مدد کے کوئی اچھا مستند عربی داں بھی اس کو نہیں سمجھ سکتا۔اس خیال کے آتے ہی خان صاحب نے مولانا جامی کی تقلید کر کے صاحب قصیدے کے مضامین اور خیالات کو اسی قافیہ میں حتی الوسع اسی ترتیب کے ساتھ اردو میں منتقل کیا۔

ابتدائے کار سے تا حال اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اسے روحانی فائدوں کے لیے حرز جاں بنایا جاتا رہا ہے ۔چناں چہ اس قصیدے سے فیضان کی بارشیں بھی ہوتی رہی ہیں۔اسے وظیفہ جان کر بھی پڑھا جاتا ہے،مقدس مقامات کے در و دیوار اس کے اشعار سے مزین رہتے ہیں۔شعرائے کرام نے اس قصیدے کی ہزاروں تضمینیں لکھیں،سینکڑوں شرحیں کی گئی ہیں۔

علامہ مصطفیٰ ابن عبداللہ المعروف بہ حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب کشف الظنون جلد دوم مطبوعہ استنبول۱۹۴۲ء میں اس بابت لکھا ہے کہ ان کی نگاہ میں عربی زبان میں قصیدہ بردہ کی چالیس شرحیں گزری ہیں جنھیں ہر دور کے معروف شعرا،ادبا،علما اور صوفیا نے تالیف کر کے اپنے ذوق کا ثبوت دیا ہے۔بیس تخمیسیں ، چودہ تسبیعیں ،نو تشطیریں اور کئی ایک تذئیلیں (۶۳) اور سینکڑوں تضمینیں لکھی جا چکی ہیں۔

ان کے علاوہ قصیدہ بردہ شریف کے متعدد تراجم دنیا کی اکثر زبانوں میں کیے گئے ،جن میں لاطینی ، جرمنی ،فرانسیسی ،انگریزی ، ملائی ، فارسی ،ترکی ، پنجابی اور اردو میں عمدہ ترجمے کیے گئے اور ان میں سے اکثر شائع ہو کر منظر عام پر بھی آ چکے ہیں۔

اردو تراجم کے ذکر کے ساتھ خاں بہادر محمد حسین خاں ،مولانا عزیز الدین بہاول پوری، مولانا نور بخش توکل مجددی، علی محسن صدیقی ،محمد فضل احمد عارف، پاکستان میں عبد اللہ ہلال صدیقی ، ہندوستان میں محمد فیاض الدین نظامی کے علاوہ سید عباس متقی وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔

صاحب قصیدہ علامہ شرف الدین بوصیریؒ نے قصیدہ بردہ کو دس فصلوں میں منقسم کیا ہے اور ہر فصل میں محمد رسول اللہ ﷺ کے محاسن بیان کیے ہیں اس طرح تمام حصوں میں اللہ کے رسول ﷺ کی پیدائش سے لے کر پردہ فرمانے تک کے احوال سے مختلف پہلوؤں کو بڑی خوبی

اور عقیدت سے نظم کیا ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ اس قصیدے کے اشعار صرف ''۱۶۲'' ہیں۔ اسی مناسبت سے مولانا عبدالرحمٰن جامی نے فارسی اور محمد فیاض الدین نظامی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے جب کہ سید عباس متقی نے ''۵۰۶'' اشعار تک وسعت دی ہے جس سے واضح طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سید عباس متقی نے لفظی ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ آزاد مگر منظوم خلاصہ پیش کر دیا ہے۔

کام خواہ کسی بھی طرح کیا گیا ہو۔ فصیح و بلیغ عربی متن کو دیگر زبانوں میں ترجمہ کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں جس کے لیے وہ تمام نفوس مبارکہ مبارک باد کے مستحق ہیں جنھوں نے اپنی عقیدت اور محبت رسول ﷺ کو اپنی اپنی زبانوں میں اپنی اپنی بساط کے لحاظ سے ترجمانی کی ہے۔

امام بوصیریؒ نے قصیدہ بردہ شریف کو ان عنوانات کے تحت دس فصلوں میں نظم کیا ہے۔

(۱) عشق و محبت رسول ﷺ (۲) خواہشات نفس کی مذمت (۳) ثنائے نور مجسم ﷺ

(۴) میلاد النبی ﷺ (۵) حضور انور ﷺ کے معجزات مبارکہ (۶) شرف قرآن مجید

(۷) معراج النبی ﷺ (۸) جہاد النبی ﷺ (۹) طلب مغفرت حضور ﷺ اور

(۱۰) مناجات و حاجات۔

عشق محبت رسولؐ:

صاحب قصیدہ نے اس فصل کو ''۱۲'' اشعار میں پیش کیا ہے جس کی ابتدا پہلے شعر سے ہو جاتی ہے یعنی ابتدائی بارہ اشعار اسی فصل کے ضمن میں ہیں، یعنی اپنے عشق رسول ﷺ کو انھوں نے جامع انداز میں پیش کرنے کے لیے صرف بارہ اشعار کا سہارا لیا، جس کے مفہوم کے لیے سید عباس متقی نے چوبیس ابیات نظم کیے ہیں۔ عربی متن سے پہلے شعر کو دیکھتے ہیں اور عبدالرحمٰن جامی و فیاض الدین نظامی کے اشعار ملاحظے کے بعد سید عباس متقی کے ترجمے پر نظر ڈالتے ہیں تو واضح طور پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فن ترجمہ بھی تخلیق سے کم نہیں بلکہ ترجمہ نگاری تخلیقی ادب پر بھاری ہے۔ موازنے کے لیے اشعار دیکھیے۔

اصل متن:

اَمِنْ تَذَكُّرِ جِيرَانٍ بِذِى سَلَمٍ   مَزَجْتَ دَمْعاً جَرىٰ مِنْ مُّقْلَةٍ بِدَمٍ

فارسی ترجمہ:

اے زیادِ محبت یارانت اندر ذی سلم
اشکِ چشم آمیختی باخواں رواں گشتہ بہم
جامیؔ ص۲۳

اردو ترجمہ:

کہا تمہیں یاد آگئے ہمسا یگان ذی سلم
خون کے آنسو جو آنکھوں سے رواں ہیں دمبدم
نظامیؔ ص۲۳

اردو ترجمہ:

اشکِ خونیں آنکھ سے بہتے ہیں تیری دمبدم
آرہے ہیں یاد کیا ہمسا یگانِ ذی سلم
عارفؔ ص۵

اردو ترجمہ:

ذی سلم کے خوب خو ہم سایگاں کیا تجھے باد آگئے جانِ جہاں
دم بدم آنکھوں سے بہتا ہے لہو حال تیرے دل کا کہتا ہے لہو
متقیؔ ص۱۳

اصل متن کے پہلے شعر کو نثر کریں تو یوں کہا جا سکتا ہے کیا تو نے مقام ذی سلم کے ہم سایوں کی یاد میں آنسوؤں کو جو تیری آنکھوں میں ہیں، خون سے ملا دیا ہے۔اس فصل کا آخری شعر۔

اِنِّی اتَّھَمْتُ نِصْحَ الشَّیْبِ فِیْ عَذَلٍ
وَّ اَلشَّیْبُ ابْعَدُ فَیْ نُصْحٍ عَنِ التُّھَمِ

یعنی بے شک میں بڑھاپے سے عار کرتا ہوں جو زبان حال کے ساتھ میرا ناصح ہے اور اس بڑھاپے کی نصیحت پر عمل کر کے ملامت سے محفوظ رہتا ہوں اس طرح بڑھاپے کے ہوتے ہوئے تکالیف سے نہ گزرنا بہت بعید ہے۔ان خیالات کو سید عباس متقی نے یوں بیان کیا ہے۔

یہ نصیحت اک جہاں دیدہ نے کی بدظنی جس سے کہ مجھ کو ہوگئی
وہ جہاں دیدہ کوئی جھوٹا نہ تھا پند میں اس کے کوئی دھوکہ نہ تھا
فی ظلال البردہ ص۱۴

ان اشعار کے ساتھ ہی پہلی فصل تمام ہوتی ہے۔

خواہشات نفس کی مذمت:

دوسری فصل سولہ ابیات پر مشتمل ہے جس میں خواہشات نفسانی کی مذمت کا بیان ہے۔ اس کے پہلے شعر کو سید عباس متقی نے اس طرح ترجمانی کی ہے۔ ؎

نفس کوئی نفسِ امارہ سا ہے دل نہیں سینے میں اک پارہ سا ہے
اتباع خواہش کے بے جانہ کر روح کو کرتی ہے یہ زیر و زبر
فی ظلال البردہ ص۱۴

امام بوصیریؒ نے ابتداء یوں کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے بے شک میرا نفس امارہ جو بدی کی طرف مائل کرتا ہے اپنی جہالت سے ڈرانے والے بڑھاپے کی نصیحت کو ہرگز حاصل نہیں کرتا۔ اسی طرح خواہشات نفسانی کو حدف ملامت بنایا ہے۔ اس طرح دوسری فصل کا اختتام

وَلَا تَـزَ وَّدْتَّ قَبْـلَ الْـمَـوْتِ نَـافِـلَةً
وَّ لَـمْ اُصَـلِّ سِوٰی فَـرْضٍ وَّ لَـمْ اَصُمِ

پر ہو جاتا ہے۔ سید عباس متقی دوسری فصل کو سلسلے وار ''۲۳'' اشعار میں نظم کیے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ سید عباس متقی بھی اپنے منظوم قصیدے کو ابواب میں تقسیم کرتے اور عربی متن کو آخر میں شامل کرنے کی بجائے آمنے سامنے پیش کر دیتے تو بات پوری طرح واضح ہو جاتی اور ترجمانی کا صحیح حق ادا ہو جاتا۔ بہر حال سید عباس متقی نے سولھویں شعر اور قصیدے کے تسلسل کے اعتبار سے اٹھائیس ویں شعر کو دو اشعار میں پیش کیا ہے۔ ؎

موت سے پہلے کبھی سوچا نہیں توشۂ عقبیٰ نوفل کا نہیں
جز فرائض کچھ نہیں ہے میرے سات جب کہ واجب مجھ ہیں صوم وصلوٰت
ہائے کیا مجھ سے ہوئی ہے یہ خطا سنت پیغمبر دیںؐ سے جفا
فی ظلال البردہ ص۱۶

میں نے موت سے پہلے نوافل کا کچھ بھی ذخیرہ نہیں کیا۔ نہ میں نے فرض نمازوں کے علاوہ کوئی نمازوں کا نظم کیا ہے اور نہ فرض روزوں کے سوا کچھ اور روزے میرے نامہ اعمال میں ہیں۔

ثنائے نور مجسمؐ:

امام بوصیریؒ نے تیسری فصل کو ثنائے نور مجسمؐ کے عنوان سے پیش کیا ہے اور ''۳۴'' اشعار میں ثنا خوانی فرمائی ہے جب کہ ان ''۳۴'' ابیات کو سید عباس متقی نے ''۸۹'' ابیات میں ترجمانی کی ہے۔ جس کے ابتدائی شعر اس طرح ہیں۔

آہ ساری شب جو کرتا تھا قیام　　لامکاں سے جس پہ آتا تھا سلام
پاؤں جسؐ کے سوج جاتے تھے مدام　　عرش پر لکھا ہوا ہے جسؐ کا نام
جو کبھی کھایا کبھی بھوکا رہا　　اور پتھر پیٹ پر باندھا رکھا
برگ گل سے بھی تھی نازک جس کی جلد　　چشمِ عالم نے نہ دیکھی ایسی جلد
جس کے قدموں میں تھے سونے کے پہاڑ　　حکم پر جس کے چلے آئے تھے جھاڑ

فی ظلال البردہ ص ۱۶

حضرت شرف الدین بوصیریؒ کے اصل متن کو پڑھتے جائیں تو (مذکورہ ترجمانی کیے گئے اشعار) کا مطلب یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ امام بوصیریؒ گویا کہہ رہے ہیں، میں نے ان طریق کار کو جب کہ تاریک راتوں میں شب بیداری کیا کرتا تھا اور جس سے میرے پاؤں میں ورم آجاتا تھا۔ ایسی مبارک عبادتوں کو مجھے اپنے اس مرض کی وجہ سے ترک کردینا پڑا۔ حالاں کہ ہم اس ذات کے نام لیوا ہیں جنھوں نے دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے بھوک کی شدت جھیل گئے اور شدت بھوک میں اپنے مبارک پیٹ پر پتھر باندھا ہے حالاں کہ اللہ کے حکم سے ان ﷺ کی خدمت اقدس میں سونے کے پہاڑوں نے حاضری دی لیکن آپ نے گوارا نہ کیا۔

امام بوصیریؒ نے خوب سے خوب تر کی تلاش اور جستجو میں پیارے حبیب ﷺ کی بکثرت حمد و ثناء کی۔ اس سلسلے کو برقرار رکھتے ہوئے جب ہم فصل کے اختتام تک پہنچتے ہیں تو سید عباس متقی کی ترجمانی پر رشک آتا ہے اور دل سے دعا نکلتی ہے کہ خدایا جس مقاصد کے تحت اس قصیدے کو نظم کیا گیا ان کے وہ مقاصد پورے ہوں۔

ایسی خوشبو عطر میں گل میں کہاں مہکے اس خوشبو سے کل باغ جناں
خوش نصیبوں کو ملے طیبہ کی بو بخت والوں کو ملے یہ آبرو
خاکِ تربت کو جو چومے خوش نصیب ان کی قسمت پر وہ جھومے خوش نصیب

فی ظلال البردہ ص۲۲

یعنی دنیا جہاں کی کوئی خوشبو ایسی نہیں جو نور مجسم رحمت عالم ﷺ کے جسم مطہر کی خوشبو کی برابری کر سکے، برابری تو درکنار اس خوشبو کا وہم وگمان کر سکے۔

میلاد النبیؐ:

میلاد النبی ﷺ کی فصل میں جناب بوصیریؒ نے نبی آخر الزماں ﷺ کی ولادت باسعادت اور اس کے بعد کے پیش آئے واقعات مبارکہ کو خوب صورتی سے پیش کیا ہے جس کے مطالعے سے قاری بے اختیار صاحب قصیدہ کے لیے دعائیں دینے لگتا ہے۔ اس فصل کے عربی اشعار ''۱۳'' ہیں جب کہ سید عباس متقی نے ان اشعار کی ''۳۴'' ابیات میں ترجمانی کی ہے۔

ہوگئے پیدا جو شاہِ دو جہاں بسکہ پیدا ہوگئیں سب خوبیاں
اول و آخر ہے نورِ مصطفیٰؐ اول و آخر ظہور مصطفیٰؐ
اول و آخر طہارت کا ظہور اول و آخر نظافت کا ظہور
اول و آخر محبت کا ظہور اول و آخر ہے رحمت کا ظہور
اہل فارس نے وہ سختی جان لی کیا خبر تھی جس نے ان کی جان لی
جلوہ فرما جب ہوا نورِ خداؐ قصرِ کسریٰ بہرِ سجدہ گر پڑا
پارہ پارہ ہوگیا شاہی محل روشنی میں کیا اندھیروں کا دخل
کفر میں ایماں سے پڑتا ہے خلل کفر کیا آرام پاتا کوئی پل
دونوں عالم میں جو ہے ایمان ہے اس پہ یہ طرہ مرا ایقان ہے

فی ظلال البردہ ص۲۲

پیارے نبی ﷺ کی جب ولادت ہوئی تو دونوں جہانوں میں اس کی خوشیاں منائی گئیں۔ اک پل میں باطل کی طاقتیں پاش پاش ہوگئیں قیصر وکسریٰ کے شاہی محلات سجدہ ریز ہوگئے اور بوسہ زمین کی سعادت پاگئے کہ جس پر انھیں ناز وغرور تھا۔ اسی طرح فارس کے آتش

کدے بجھ گئے اور بڑے بڑے صنم اپنے منہ کے بل گر پڑے۔ابھی ابھی ابر ہا کی فوج تہس نہس کردی گئی تھی۔ جہاں سارے جہانوں میں ذی روح مخلوقات نے حمد وثنا خوانی کی وہیں ریزہ ریزہ کنکر پتھر، پتہ پتہ بوٹا بوٹا الغرض ہر شئے بارگاہ لم یزال میں ثنا خواں تھی۔

اس فصل کے اختتام پر امام بوصیریؒ نے اپنے فن کا جو ہر دکھایا ہے جس کی اتباع سید عباس متقی نے بھی خوب کی ہے۔

دستِ پیغمبر سے تھے کنکر رواں   اور وہ کنکر تھے سب تسبیح خواں
دستِ پیغمبر سے تھے وہ یوں رواں   جیسے نکلے یونس تسبیح خواں

فی ظلال البردہ ص ۲۴

گویا حضور پر نور ﷺ نے ان سنگ ریزوں کو اس حال میں کہ گویا وہ آپ ﷺ کے دست مبارک میں تسبیح بیان کر رہے تھے، ایسے پھینکا جیسے اللہ رب العالمین نے حضرت یونس علیہ السلام کو شکم مچھلی سے باہر نکالا تھا۔

حضور انورؐ کے معجزات مبارکہ:

یوں تو اللہ نے آپ ﷺ کو کئی معجزے عطا فرمائے اور ہر معجزے کی مصلحت وہی خوب جانتا ہے۔امام بوصیریؒ نے اس فصل کی ابتدا میں اس تاریخی معجزے کا ذکر کیا ہے جو درختوں کے ضمن میں ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نے درختوں کو بلایا تو درخت بغیر پاؤں کے تنے کے سہارے سجدہ ریزی کی حالت میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً
تَمْشِیْ اِلَیْهِ عَلٰی سَاقٍ بِلَا قَدَمِ

اسی خیال کو سید عباس متقی نے بھی کیا خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے جس کی زبان سادہ، عام فہم اور رواں ہے۔

جب درختوں کو بلایا آپؐ نے   معجزہ گویا دکھایا آپؐ نے
سر جھکائے آگئے اشجار سب   سامنے آقا کے تھے سب باادب
پاؤں سے عاری تھے چلتے تھے مگر   سرورِ دیںؐ کا اشارہ تھا جدھر

پتے پتے نے کہی نعت نبیؐ ڈالیوں نے بھی کہی نعت نبیؐ
درمیانِ راہ تھا خط نہاں نقطے نقطے سے محبت تھی عیاں
فی ظلال البردہ ص۲۴

اسی طرح یہ فصل معجزات مبارکہ سے پُر ہے جس کو وسیلہ بنا کر صاحب قصیدہ نے اللہ رب العزت کو راضی کرنے کی سبیل نکالی ہے۔سید عباس متقی نے اس فصل کو اسی سلسلے کی کڑی کے طور پر ''۵۵'' اشعار میں پیش کیا ہے جب کہ اصل عربی اشعار صرف ''۱۶'' ہیں۔

شرفِ قرآن مجید:

القرآن الحکیم خود بذات خود زندۂ جاوید تا قیام قیامت بلکہ بعد قیامت زندہ و پائندہ رہنے والا معجزہ ہے چناں چہ امام بوصیریؒ نے اس فصل کو ''۱۷'' اشعار تک سمیٹا ہے اور اپنے مافی الضمیر کو قرطاس پر پیش کیا ہے۔جسے سید عباس متقی نے تقریباً ''۶۱'' اشعار میں ترجمانی کی ہے۔جس سے منتخب نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

چھوڑے دے مجھ کو نبی کے واسطے تا کھلاؤں پھول ان کی نعت کے
بس زباں پر ہو مری نعت نبیؐ ہے دو عالم سے بھلی نعتِ نبیؐ
نعت کہنے والے با تقدیر ہیں عشق شہہ کی بولتی تصویر ہیں
نعت خود قرآن میں بھی آئی ہے نعت خود اللہ نے فرمائی ہے
نعت پڑھتے ہیں خدا کے انبیاء نعت گو ہیں اولیا و اصفیاء
شاغل نعت نبیؐ اصحاب تھے نعت گو ان کے سبھی احباب تھے
بسکہ نعتِ مصطفیٰ میں ہو بسر نعت گو جنت میں جائے بے خطر
فی ظلال البردہ ص۲۸

معراج النبیؐ:

اس فصل میں سارا واقعہ معراج نظم کیا گیا ہے کہ شب معراج میں آپ ﷺ رات کو حرم مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک اس طرح تشریف لے گئے جس طرح چاند، رات کو تاریکیٔ شب میں چلتا ہے۔اس طرح اس فصل کو ''۱۳'' اشعار میں سمیٹا گیا اور سید عباس متقی نے ''۳۹'' اشعار

میں اس کی ترجمانی کی ہے۔جس کے اختتام پر سید عباس متقی نے مسلمانوں سے خطاب کیا ہے۔

اے مسلمانو! بشارت ہے سنو　　جس کو سن کر شکر خالق کا کرو
مل گیا مضبوط ہم کو ایک تھم　　تھم نہیں حق کا ہے وہ فضل و کرم
جب نبی خیرِ نبوت ہوگئے　　خیر سے ہم خیرِ امّت ہوگئے
فی ظلال البردہ ص ۳۴

جہاد النبیؐ:

دشمنان دین کے دل آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر سے ایسے ڈر گئے جیسے شیر کی آواز بکریوں کو بے خبری میں پریشان کر کے بھگا دیتی ہے۔ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے امام بوصیریؒ نے اس فصل کی تمہید باندھی اور ''۲۲'' اشعار میں جہاد النبی ﷺ پر جامع روشنی ڈالی ہے۔اسے سید عباس متقی نے قریب ''۶۱'' اشعار تک وسعت دی ہے۔سید عباس متقی نے پہلے شعر کی تشریح یوں کی ہے۔

بعثتِ نبویؐ سے اعدا ڈر گئے　　گویا جیتے جی وہ سارے مر گئے
کیا خبر تھی جس نے مردہ کر دیا　　مرنے والوں کو بھی زندہ کر دیا
شیر سے ڈرتی ہوں جیسے بکریاں　　ایسے ڈرتے ہیں نبیؐ سے دشمناں
فی ظلال البردہ ص ۳۵

اور آگے کفار اور منکران اسلام کا حشر بھی بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا کہ کئی بار قرآن مجید نے جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مقابلہ کرنے والوں کو ذلیل کیا ہے اور کئی دفعہ معجزات نے سخت ترین دشمن کو مغلوب کیا ہے۔چناں چہ اسی خیال کو سید عباس متقی نے بھی نظم کیا ہے۔

کیسے کیسے منکرِ شاہِ امم　　کیسے کیسے کافرانِ ذی حشم
ہوگئے سرکارؐ کے آگے ذلیل　　سرخروئی کی نہ کچھ پائی سبیل
یہ کلام اللہ کا برہان ہے　　یہ خدائے پاک کا اعلان ہے
صاحب قرآن ہی غالب رہے　　نفع خشک و تر کا وہ حالب رہے
کافی ہے ترے لیے یہ معجزہ　　یہ کمال و فضل اور یہ مرتبہ
فی ظلال البردہ ص ۳۸

طلب مغفرت حضور پُر نورؐ:

امام بوصیریؒ نے اس فصل کی شروعات میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کی مدحت کر کے اس کے ذریعے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی ہے اس سے پہلے میں نے شعر گوئی کو اہل دنیا کی خدمتوں میں پیش کر کے اپنی زندگی گنوائی ہے ان دونوں باتوں یعنی شعر گوئی اور خدمت اہل دنیا نے میری گردن میں ایسی بدھی ڈالی ہے جس کے انجام سے خوف زدہ ہوں اور سمجھتا ہوں کہ ان گناہوں کا ہار ڈال کر میں اس صدقے کے جانور کے مشابہ ہو جاؤں جو پٹہ ڈال کر ذبح کے لیے لیجایا جاتا ہے۔ اس فصل میں اپنے گناہوں اور ماضی کے وہ اعمال جو گناہ تو نہیں تھے لیکن نعت رسول مقبول ﷺ میں گزارتا تو بہتر تھا والے احساسات کی ترجمانی ہے اور ''۱۲'' اشعار میں انھیں پیش کیا گیا ہے جب کہ سید عباس متقی نے ''۲۸'' اشعار کا سہارا لے کر ہمیں اس خیال سے آشنا کرنے کی بھر پور کوشش کی ہے۔

مناجات وحاجات:

''۱۸'' اشعار پر مشتمل اس فصل میں امام بوصیریؒ نے مناجات کہی ہیں جسے ''۲۹'' اشعار میں سید عباس متقی نے دعائیہ کلمات ادا کیے ہیں اور آخر میں ان اشعار پر اپنی ترجمانی کا حق ادا کیا ہے۔

اے خدا تجھ سے ہے میری التجا اے خدا تجھ کو نبیؐ کا واسطہ
قاری بردہ پہ برسیں رحمتیں نیز شاعر پر ہوں طاری برکتیں
متقی پر اور اس کی آل پر ترجمانِ معنی و احوال پر

فی ظلال البردہ ص۴۲

سیدنا سید شاہ اعظم علی صوفی قادری نے حرف تعارف کے نام سے کتاب فی ظلال البردہ اور قصیدہ بردہ شریف کے متعلق اپنی معلومات کی روشنی میں جامع مقدمہ لکھا ہے چناں چہ انھوں نے قصیدہ بردہ، کتاب ہذا اور سید عباس متقی کے بارے میں اپنی رائے قائم کی ہے اور اس ترجمانی کے مطالعے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''مجھے اس ترجمہ کے کچھ حصوں کو پڑھنے کا موقع ملا جس کو پڑھنے کے بعد ایک وجدانی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور قاری آقائے نامدار محمد عربی ﷺ کی عشق و محبت کے بحر

ذخار میں غوطہ زن ہو جاتا ہے۔منظوم ترجمہ کے اشعار میں بڑی روانی، سلاست اور اثر پزیری کی کیفیت پائی جاتی ہے۔''(۶۴)

اعظم علی صوفی قادری کے بعد حسن الدین احمد نے اعتراف کیا ہے کہ زیر نظر ترجمہ کی زبان سلیس اور عام فہم ہے۔ سید عباس متقی نے قصیدہ بردہ کے مضامین کو اردو مثنوی کے پیکر میں ڈھالا ہے۔ جب کہ خود سید عباس متقی کتاب کے پیش عنوان میں لکھتے ہیں:

''مدتوں سے یہ تمنا دامن گیر تھی کہ قصیدہ بردہ شریف کا منظوم ترجمہ کرنے والے خوش نصیب شعرائے کرام کی فہرست میں میرا نام بھی شامل ہو جائے سو خدا نے یہ سعادت نصیب فرمائی۔ میں اس نعمت کے حصول پر خدا اور اس کے رسولؐ کے آگے ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں نیز اپنی اہلیہ اکرم النساء کا بے حد ممنون ہوں کہ موصوفہ نے اپنا زیور فروخت کر کے اس کتاب کی نشر و اشاعت میں میرا ہاتھ بٹا دیا۔''(۶۵)

ڈاکٹر نسیم الدین فریس نے سید عباس متقی کے اس فن پارے کا مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے۔ انھوں نے سید عباس متقی کی اس کاوش کو باعث اجر و ثواب گردانا اور فی ظلال البردہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''فی ظلال البردہ سید عباس متقی کی مہارت سخن، قدرت زبان اور زور بیان کا اچھا نمونہ ہے اس میں وہ صنف مثنوی کے فنی تقاضوں اور دیگر لوازمات جیسے روانی سلاست، ربط اور تسلسل وغیرہ کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہے ہیں۔ یہ مثنوی انھوں نے مثنوی کی مشہور بحر، بحر رمل شانز رکنی (فاعلاتن فاعلاتن فاعلات) میں لکھی ہے جو مثنوی مولانا رومؒ کی بحر ہے۔ عشق و عقیدت میں ڈوبے ہوئے مضامین زبان کی شیرینی لہجے کی گھلاوٹ اور بحر کی موسیقیت نے مل کر اس نظم میں کیف و سرور اور نغمہ و آہنگ کی پر اثر فضا تخلیق کی ہے۔ ایک زبان کے متن کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنا نہایت مشکل کام ہے اگر اس کے ساتھ نظم کی شرط بھی عائد کی جائے تو اس کام کی مشکلات کئی گنا بڑھ جاتی ہیں لیکن ان مشکلات اور موانعات کے باوجود متقی نے اپنے ترجمے میں شاعری کے حسن کے ساتھ نفس مضمون کو سمونے کی کامیاب کوشش کی ہے۔۔۔۔الخ۔''(۶۶)

سید عباس متقی نے انتساب اپنی بیگم اکرم النساء عرف سلطانہ کے نام معنون کیا ہے۔ عمدہ سرورق محترم سلام خوش نویس کی خوش نویسی ہے جب کہ محمد غالب خوش نویس نے اس قصیدے

مبارکہ کی کتابت کی ہے۔ سرورق پر ملکِ عرب کا جو نمونہ پیش کیا ہے اس فنکارانہ آرٹ کے ذمے دار قیصر سرمست ہیں۔ کتاب کی اشاعت ۱۹۹۶ء میں عمل میں آئی جس کی تعداد پانسو رہی اور ناشر کی حیثیت سے سید عباس متقیؔ کا نام نامی لکھا ہوا ہے اور جملہ حقوق بحق منصف محفوظ ہیں۔

سید عباس متقیؔ کی خوش نصیبی ہے کہ آپ کے استاذ ڈاکٹر علی احمد جلیلی نے قطعہ تاریخ نظم کی ہے جس سے ۱۹۹۶ء کا سال برآمد ہوتا ہے۔ ؎

وہ بصیری کی جو نعت پاک ہے بردہ شریف
اُس کا اردو پیرہن یہ واقعی کیا خوب ہے
طبع کی تاریخ کیا اچھی بر آمد یہ ہوئی
متقی کا ترجمہ بھی یہ علیؔ کیا خوب ہے

۱۹۹۶ء

(بحوالہ فی ظلال البردہ ص ۱۷)

اپنے استاذ محترم کی نکالی گئی قطعہ تاریخ کے بعد خود سید عباس متقیؔ نے بھی ''۱۲'' مصرعوں پر مشتمل قطعہ تاریخ لکھی دی ہے جس کے آخری شعر سے ۱۹۹۶ء نکلتا ہے۔ ؎

ماہ نکلا چرخ پر لے کر یہ سال
فی ظلال البردہ نعتِ مصطفیؐ

۱۹۹۶ء

(بحوالہ فی ظلال البردہ ص ۱۷)

سید عباس متقیؔ نہایت اہتمام سے ان سبھی حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے دامے درمے سخنے قدمے ان کا ہاتھ بٹایا ہے چناں چہ پیش لفظ کا نصف سے زائد حصہ اپنے شکریے اور ان کے دعاؤں کے لیے لکھا ہے جن میں اوپر بیان کیے گئے تمام اسماء کے علاوہ جناب عتیق اقبال، جناب سید انور علی، جناب محمد حنیف راحیل، محترمہ عفیفہ نہاں سلمہا، جناب محمد اصغر سلمہٗ اپنے اساتذہ کے علاوہ اپنے دوست ڈاکٹر نسیم الدین فریس کے بھی تہہ دل سے ممنون ہیں۔

رودِ دود (۲۰۰۱ء) کا تنقیدی مطالعہ:

سید عباس متقی نے رودِ دود کے نام سے ایک ایسی مسلسل نظم لکھی ہے جس میں شہر حیدر آباد کے بگڑے ہوئے حالات اور خود موصوف پر پڑی ہوئی بپتا، بدامنی وغیرہ کا بیان ہے۔

اصطلاح میں ایسی نظم کو شہر آشوب'' کہا جاتا ہے (جو اردو ادب کی متروک اصناف سخن میں سے ایک ہے) جس میں ملک کی تباہی و پریشان حالی، اخلاقی گراوٹ، بدنظمی اور مصیبتوں کا ذکر کیا گیا ہو۔ مرزا رفیع سوؔدا اور میر تقی میر کے عہد میں اس صنف کی روایت کافی توانا اور مستحکم رہی، لیکن آہستہ آہستہ اس صنف کی مقبولیت کم ہو گئی۔

شہر آشوب کے لیے کوئی مخصوص ہیئت اور فارم متعین نہیں۔ کیوں کہ اس کی شناخت ہیئت سے نہیں بلکہ موضوع سے ہوتی ہے لیکن عموماً اسے قطعہ، رباعی، مخمس، مسدس، مختصر مثنوی اور قصیدے کی ہیئت میں لکھا جاتا ہے۔ سید مسعود حسن رضوی ادیب اپنے ایک مضمون ''شہر آشوب'' میں اس صنف کی صنفی اور موضوعاتی نوعیت کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''شہر آشوب ایک صنف نظم کا نام ہے جو ابتدا میں ایسے قطعوں یا رباعیوں کا مجموعہ ہوتی تھی جن میں مختلف طبقوں اور مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے لڑکوں کے حسن و جمال اور ان کی دلکش اداؤں کا بیان ہوتا تھا۔ صرفی اعتبار سے لفظ شہر آشوب مرکب اضافی ہے۔ اضافت مقلوب کے ساتھ یعنی آشوب شہر یا اسم فاعل ترکیبی ہے یعنی آشوبندہ شہر۔ اس لغوی حیثیت سے ''شہر آشوب'' کے ایک معنیٰ ہوئے شہر کے لیے ''فتنہ اور ہنگامہ اور دوسرے معنی ہوئے شہر میں فتنے اور ہنگامے برپا کرنے والے۔ حاصل دونوں کا ایک ہے۔ حسین و جمیل لڑکوں کی ذات ہنگاموں کا باعث ہو سکتی تھی۔ یہی شہر آشوب کی وجہ تسمیہ ہے۔'' (٦٧)

اس توضیح کے بعد اگر ہم سید عباس متقی کی مثنوی نما شہر آشوب پر نظر ڈالیں تو رودِ دود (۷۰۰) اشعار پر مشتمل ملے گی جس پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس لکھتے ہیں:

> ''حیدر آباد کے ممتاز اور جوان فکر سخن ور سید عباس متقی کی تازہ تصنیف ''رودِ دود'' منظر عام پر آئی ہے جو مزاج اور مواد کے اعتبار سے شہر آشوب کے زمرے میں آتی ہے یہ نظم مثنوی

کی ہیئت میں ہے اور تقریباً ۷۰۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ آج کی بے پناہ مصروف زندگی کے ہنگامہ خیز لمحات سے سات سو اشعار کی تخلیق کے لیے وقت نکالنا فن شعر سے شاعری کے خلوص اور توکل کا ثبوت ہے۔'' (۶۸)

سید عباس متقی نے رودِ دود کو ایک کتابچے کی شکل میں شائع کیا ہے جو صرف ''۳۲'' صفحات پر مشتمل ہے۔ ٹائیٹل صفحہ دونوں جانب بالکلیہ زردی مائل ہے۔ سرورق پر حضرت نوحؑ کی بددعا کو نہایت ہی خوش خطی سے لکھا گیا ہے جس کے نیچے درمیانی صفحے پر رودِ دود اور سب سے نیچے یعنی ٹائیٹل صفحہ کے نچلے حصے میں سید عباس متقی تحریر کیا ہوا ہے۔ آخری سرورق Back Title پر جلی حروف میں ROOD-E-DOOD اور اس کے نیچے موصوف کی جوانی کی تصویر ہے جنھیں غور سے دیکھنے پر وہ ان ہی کے صاحب زادے معلوم ہوتے ہیں۔ حالاں کہ اس نظم کی اشاعت ۲۰۰۱ء میں عمل میں آئی۔ اس کتاب کی کمپیوٹر کتابت جناب شیخ سعدی ارشد نے کی ہے جس کی طباعت دائرہ پریس چھتہ بازار حیدرآباد میں ہوئی اور بائنڈنگ حفیظیہ بائنڈنگ چھتہ بازار میں کی گئی۔

ناشر کی حیثیت سے ''ڈاکٹر سید عباس متقی'' لکھا ہوا ہے اور تعداد اشاعت ۵۰۰ ہے۔ ملنے کا پتا حسب سابق مکان موصوف کا ہی پتا ہے اور اس کتاب کی قیمت یا ہدیہ بالکل عجیب وغریب یعنی ''آمین'' ہے۔ انتساب کو ''ساری دنیا کے مظلوموں کے نام'' منسوب کیا ہے۔ صفحہ نمبر ''۴'' پر شاعر کا اجمالی تعارف اور مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابوں کی فہرست دی گئی ہے۔ صفحہ ''۵'' کو ایک فارسی شعر کے لیے جگہ دی گئی ہے۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درحق بہر استقبال می آئید

صفحہ ''۷'' سے رودِ دود کی ابتدا ہوتی ہے۔ سید عباس متقی نے اس کتابچے میں نہ پیش لفظ لکھا ہے اور نہ تقریظ وتبصرے کے لیے گنجائش رکھی ہے بلکہ خداوند واحد القہار کے نام سے شہر آشوب کی شروعات کی گئی ہے اور حمدیہ شعر پیش کیے ہیں۔

اے خداوند واحد القہار　　مالک الملک، قادر الجبار
جبر تیرا ہے ایک وصف عظیم　　قہر تیرا ہے ایک وصف عظیم

تیرے قبضے میں سب خدائی ہے　　تجھے زیبندہ کبریائی ہے
تو نے فرما دیا ہے ''ادعونی''　　کیوں رہے دل کی راہ اب سونی
اور پھر استجب لکم بھی ہے　　ہر طرف ایک روشنی سی ہے

رودِدود ص۷

یہ نظم مثنوی کی ہیئت میں لکھی گئی ہے اس لیے حمد باری تعالیٰ کے بعد دعائیہ کلمات اس طرح نظم کیے گئے ہیں۔

جز دعا کے ہمارے پاس ہے کیا　　ہم فقیروں کی اور آس ہے کیا
تو دعائیں قبول کرتا ہے　　اور آہیں وصول کرتا ہے
ہاتھ مظلوم جب اٹھاتے ہیں　　اک قیامت سی گویا ڈھاتے ہیں
کام آہیں تمام کرتی ہیں　　عرش پر جب قیام کرتی ہیں
اک قیامت ہے آہِ مظلوماں　　اس پہ آمین شورِ معصوماں
آہِ مظلوم آگ برسا دے　　آہِ مظلوم عرش لرزا دے
جب یہ دامن کو اپنے پھیلا دے　　سلطنت کی بساط الٹا دے
شورِ آہِ فغاں مچے جس سمت　　رودِ اشکِ رواں ہے اس سمت
سارے عالم پہ ہے جلال تیرا　　جانتے ہیں سبھی کمال تیرا
کون کہتا ہے دل دھڑکتے ہیں　　ڈر سے تیرے یہ دل لرزتے ہیں

رودِدود ص۷

اس کے بعد فرعون اور نمرود مردود کی تلمیحات پیش کی گئی ہیں اور انھیں کس طرح اللہ کے عذاب نے آگھیرا اس کا ذکر ہے۔

تو نے فرعون کو بھی پکڑا ہے
تو نے نمرود کو بھی جکڑا ہے

رودِدود ص۸

اس کے بعد تلمیحات کا سلسلہ جاری رکھا اور حضرت نوحؑ کی بد دعا اور سفینۂ نوحؑ کی بابت لکھتے ہیں۔

نوحؑ کی بددعا ہے سب کو یاد — قوم کو جس نے کردیا برباد
نوحؑ نے ''لاتذر'' جو فرمایا — قوم پر قہر تو نے برسایا
کشتی نوحؑ کے سوا تو نے — غرق سب کردیا خدا تو نے

رودِدود ص۸

قوم لوط پر پیش آئے عذاب کو یوں پیش کیا۔ ؎

کیا کیا تو نے قوم لوط کے ساتھ — ٹانگیں اوپر تھیں اور نیچے ہاتھ
ان کو اک سخت چیخ نے مارا — زندگی کا رہا نہ کچھ یارا
مر گئے جیسے جی رہے تھے وہ — جام، غفلت کے پی رہے تھے
تجھ سے ڈرتے نہ تھے مرے مولا — تجھ پہ مرتے نہ تھے مرے مولا
اپنی دولت پہ تھا غرور انھیں — اپنی شوکت پہ تھا سرور انھیں
ایک دم میں جو آلیا تو نے — دی کمینوں کو یہ سزا تو نے
اپنے ہاتھوں سے کھوئے دو عالم — دونوں عالم کا رہ گیا اک غم

رودِدود ص۸

پھر شاہ یمن ابرہا اور اس کے ساتھ ہزار ہا لشکر جرار نیز ہاتھیوں کو عبرت ناک انجام تک پہنچائے جانے کا سارا واقعہ قلم بند کیا ہے جو سورۃ الفیل کا منظوم خلاصہ معلوم ہوتا ہے۔ ؎

یاد ہے اس قتیل کا قصہ — یعنی اصحاب فیل کا قصہ
کعبۃ اللہ کو ڈھانے آئے تھے — ہاتھیوں کی وہ فوج لائے تھے
کیا کیا تو نے دشمنوں کے ساتھ — کیا نہیں ہے خدایا تیرے ہاتھ
کید الٹا سبھی ہوا ان کا — مکر باقی نہ کچھ رہا ان کا
غول پیچھے وہاں پرندوں کے — جن کے پنجوں میں چھوٹے کنکر تھے
ہاتھیوں پر گرائے وہ کنکر — چھوٹا کنکر وہ ان پہ بم بن کر
دشمنوں کو یہ دی سزا تو نے — بھس بنا ڈالا اے خدا تو نے
ظالموں کو سزا تو دیتا ہے — دشمنوں سے تو بدلہ لیتا ہے

رودِدود ص۸

اصحاف فیل کا واقعہ پیش کرنے کے بعد سید عباس متقیؔ نے ان نفوس کے حق میں بد دعا کی ہے جو اُن کی ترقی اور ملازمت میں حائل ہو کر عداوت نبھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

ہاتھ اٹھاتا ہوں لے کے نام ترا — کام آنا ہی تو ہے کام ترا
اے خدا سن لے یہ دعا میری — دل کی آواز ہے صدا میری
ظلم مجھ بے نوا پہ ٹوٹے ہیں — دشمنوں کے نصیب پھوٹے ہیں
عمر گزری ہے، دل گرفتہ ہوں — ایک مدت سے دل شکستہ ہوں
خون سادات ہے رگوں میں رواں — میں ہوں منسوب سرورِ ذیشاں
دے دے صاحب کمال کا صدقہ — مصطفیٰ ﷺ کے جلال کا صدقہ

رودِ دود ص ۸،۹

حمد خالق دو جہاں اور مذکورہ موضوعات کو نظم کرنے کے بعد بارگاہ سرورِ کائنات ﷺ میں نعت شریف پیش کرنے کی جسارت کی ہے جس کے ابتدائی اشعار اس طرح ہیں۔

متقی لکھ نعوتِ پیغمبر — ہے تصور میں پیکرِ انور
کلمہ پڑھ کر اٹھا قلم میرا — سر جھکا کر لکھا قلم میرا
باادب لکھ رہا ہے نعت ان کی — کرم ان کا ہے آگے بات ان کی
متقی سوچ لے ذرا پہلے — کر لے اللہ سے دعا پہلے
لکھ بھی سکتا ہے کوئی نعتِ نبیؐ — پہلے سمجھا ہے کوئی نعتِ نبیؐ
اک کرشمہ ہے بات آقاؐ کی — آیتِ حق ہے ذات آقاؐ کی
کیا نبیؐ ہیں یہ خود نبیؐ جانیں — آپ اپنے کو بس وہی جانیں

رودِ دود ص ۹

پیارے نبی ﷺ کی شان میں مفصل نعت گوئی اور حضرت عمر فاروقؓ کی جرات مندانہ حکایت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں منقبتی اشعار پیش کیے ہیں نیز اللہ کے نبی ﷺ کی ہجرت مدینہ منورہ کا وہ واقعہ بیان کیا ہے جو اللہ کے حبیب ﷺ نے حضرت علیؓ کو آپ ﷺ کی

جگہ سلا کر رخت سفر باندھا تھا اور اللہ نے حضرت علیؑ کے چہرۂ مبارکہ کو ایسا پُر نور بنا دیا تھا گویا کہ مشرکانِ مکہ حضرت علیؑ کو اللہ کے رسول ﷺ سمجھ بیٹھے تھے۔علاوہ ازیں حضرت علیؑ کی جرات و بہادری کا تذکرہ بھی ان چار اشعار میں ملتا ہے۔

خوبصورت ہے شاہ کا چہرہ نور دیتا ہے چہرہ پر پہرہ
تاکہ دشمن نہ دیکھنے پائیں اور عشاق صدقے ہوجائیں
آپ قدرت میں مردِ یکتا ہیں اور قوت میں فردِ تنہا ہیں
نام اک شخص کا رکانہ تھا معترف جس کا اک زمانہ تھا

رودِدود ص۱۱

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مذکورہ واقعے کے بعد ایک ایسے شخص کا واقعہ بیان کیا ہے جس کا نام ''رکانہ'' تھا اور وہ اللہ کے حبیب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ اگر آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں تو مجھے کُشتی کے مقابلے میں پچھاڑ دیجیے اور جب آپ ﷺ مجھے پچھاڑ دیں گے تو میں آپ ﷺ پر ایمان لاؤں گا۔

تاریخ اسلام اور اصحاب رسول ﷺ کے واقعات میں یہ واقعہ تفصیل سے ملے گا کہ اللہ کے رسول ﷺ مسکرائے اور اس احمق کی شرط قبول کیا تا کہ وہ بیچارا کفر سے چھٹکارا حاصل کر کے اُخروی نجات پالے۔ بالآخر وہ شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتا ہے۔اس واقعے کو سید عباس متقی نے نہایت سلیس اور عام فہم زبان میں نظم کیا ہے جس سے سید عباس متقیؔ کی قادرالکلامی کا پتا چلتا ہے۔

نام اک شخص کا رکانہ تھا معترف جس کا اک زمانہ تھا
آیا خم ٹھوک کر نبیؐ کے پاس وجہہ ایقان و آگہی ہے پاس
بولا مجھ کو پچھاڑ دو گے اگر میں بھی ایمان لاؤں گا تم پر
آپؐ نے لے کے نام اللہ کا سامنے ہو کے پینترا بدلا
ایک دم میں اسے پچھاڑ دیا اس کا سارا غرور اکھاڑ دیا

بولا شرما کے مجھ سے چوک ہوئی ایک داؤ میں ہوگئی غلطی
آپؐ بولے پھر ایک بار آجا آجا اپنی مراد کو پاجا
بارِ دیگر جو پہلوان آیا روز مارا پہ منہ کی پھر کھایا
آپؐ نے پھر اسے پچھاڑ دیا اس کا ڈیرا وہیں اکھاڑ دیا
بولا شرما کے اے شہ داور رحم اک بار کیجیے مجھ پر
ایک داؤں کو بھول بیٹھا تھا داؤں وہ آزما لیا ہوتا
آپؐ نے پھر یہ اس سے فرمایا ہے اگر تیری مرضی پھر آجا
تیسری بار اس کی ہار ہوئی ہار اس کے گلے کا ہار ہوئی
گر کے قدموں میں رو دیا اس نے اور رو رو کے یہ کہا اس نے
قصہ لوگوں میں یہ بیاں ہوگا یہ فسانہ زباں زباں ہوگا
خاک ہوجائے گی مری عزت پائی محنت سے میں نے ہے شہرت
آپؐ بولے یہ اس سے مرد جری میں کہوں گا نہ یہ کسی سے بھی
ہو نہ یوں دل گرفتہ و مغموم کیا ہوا یہ کسی کو کیا معلوم
اتنا سنتے ہی پاؤں پر وہ گرا لایا ایمان اور پڑھا کلمہ

رودِ دود ص۱۲،۱۱

مذکورہ واقعے کے بعد رسول مقبولﷺ کی خدمت اقدس میں نذرانہ تبریک پیش کرتے ہیں اور شق القمر کے واقعے کو دو شعروں میں پیش کیا۔

جن کی انگلی سے چاند ٹوٹ گیا دشمنوں کا نصیب پھوٹ گیا
جن کی ہیبت سے قلب لرزاں ہے جن کی قدرت پہ عقل حیراں ہے

رودِ دود ص۱۲

سید عباس متقی نے اس کافر مردود کا واقعہ بھی نظم کیا ہے کہ جو اللہ کے رسولﷺ کو نعوذ باللہ قتل کرنے کے ارادے سے نکلا تھا اور کہتا تھا کہ میں نعوذ باللہ محمدﷺ بن عبداللہ کو قتل کروں گا۔

جب یہ قول اللہ کے نبی ﷺ نے سنا تو انھوں نے فرمایا کہ میں اس کو ماروں گا۔ اتنا سننا تھا کہ وہ پریشان ہو گیا اور غزوۂ احد میں اللہ کے نبی ﷺ کو ڈھونڈتے پھرتا تھا کہ اگر میں انھیں ﷺ نقصان نہ پہنچاؤں تو میری خیر نہیں اور جب اللہ کے نبی ﷺ سے اس کا آمنا سامنا ہوا تو وہ گھبرایا اور اپنا وار آزمانا چاہتا تھا کہ آپ ﷺ نے اسے ایک ہلکی سی ضرب لگائی وہ لڑھکتا ہوا کافروں کے گروہ میں گیا اور چیخیں مار مار کر رونے لگا کہ میں مر گیا، فنا ہو گیا۔ کافروں نے اسے ہمت دلائی کہ ہلکی سی مار ہے بہت جلد صحت یاب ہو جائے گا۔ اس وقت وہ ان کافروں سے مخاطب ہو کر جو بات کہتا ہے وہ سننے کے لائق ہے کہ جب میں محمدؐ بن عبداللہ کو مارنے کا اعلان کیا اور انھوں ﷺ نے جب یہ کہا کہ وہ مجھے ماریں گے تو میں اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ اب میرا آب و دانہ ختم ہو گیا ہے۔

اپنے معبودوں کی قسم اگر یہ مار سارے حجاز والوں میں تقسیم کر دی جائے تو سارا شہر اس کی تاب نہ لا کر مر جائے گا۔ اس مفصل واقعہ کی توضیح سید عباس متقی نے ان چھ اشعار میں بیان کر دی ہے۔

جن کا رعب و جلال ہے بھاری — ہلکی اک مار ہے ضرب، کاری
ایک ہی ضرب ہوگئی کافی — موت اس کے لیے ہوئی شافی
بلبلاتا تھا چیختا تھا وہ — چشمِ عبرت کو تھا تماشا وہ
بزدل اک فرد اس کو کہتے تھے — لوگ نامرد اس کو کہتے تھے
چیخ کر اس نے یہ کہا لوگو — دیکھو یہ ضرب مصطفیٰ ﷺ لوگو
میری تکلیف شہر گر پائے — شہر سارا یہ دم میں مرجائے

رودِدود ص۱۲

پھر غزوۂ بدر کا سارا ماجرا اِن چار ابیات میں سمیٹ لیا ہے۔

بدر کے روز روتے تھے آقا — اور بے تاب ہوتے تھے آقا
آخرش آپ نے یہ فرمایا — سن لے میری صدا خداوندا
دشمنِ شاہ زیرِ تیغ ہوئے — قتل سارے وہ بے دریغ ہوئے
مصطفیٰ ﷺ کی جو اٹھ گئی تلوار — مر گئے مکّے کے سبھی اشرار

رودِدود ص۱۳،۱۲

یہاں تک وہ تاریخی واقعات، شہادتیں اور ایمان افروز حکایات بیان کی جا چکی ہیں شہر آشوب اور اپنی آپ بیتی کو سید عباس متقی بابری مسجد کی شہادت سے شروع کرتے ہیں اور شہادت بابری مسجد کا سارا سانحہ اور بد دعا کو یوں پیش کرتے ہیں۔ ؎

چھ ڈسمبر بیانوے کا روز — جاں گسل روز، روزِ جاں پر سوز
ہر طرف ظلم کی سیاہی تھی — سارے گلشن میں اک تباہی تھی
دشمنوں نے خدا کا گھر ڈھایا — روز اصحاب فیل یاد آیا
مسجدِ بابری شہید ہوئی — دشمنوں کی تو گویا عید ہوئی
میرے مولیٰ یہ ظلم و استبداد — جز ترے کون اب سنے فریاد
اہلِ ایمان کھا رہے ہیں شکست — اہلِ اسلام کی ہے ہمت پست
اب نہ بازو میں زور باقی ہے — اب نہ وہ جام ہے نہ ساقی ہے
اب مسلمان ہیں تماشائی — اس سے بڑھ کر نہیں ہے رسوائی
ہاتھ پر ہاتھ ہیں دھرے بیٹھے — آبرو لٹ گئی، رہے بیٹھے
خاک کا ڈھیر ہوگئی مسجد — کیسے پائیں کہ کھو گئی مسجد
اب مصلی نہ اب مصلا ہے — نقش باقی نہ کوئی طغرا ہے
اب نہ محراب ہے نہ منبر ہے — اب نہ دیوار ہے نہ اب در ہے
خواب، پنج وقتہ وہ نماز ہوئی — ایک افسانہ وہ نیاز ہوئی
اب نہ سجدے، رکوع ہیں نہ سجود — اب عبادت وہ ہوگئی مفقود
اب اذان ہے نہ نعرۂ تکبیر — اب فضا میں ہے شکوۂ دل گیر
اے خداوند مالک المختار — ہو ابابیلِ فیل کا دیدار
کفر و الحاد کی تباہی ہو — تیرے اعداء کی رو سیاہی ہو
اپنی غیرت کی آن دکھلا دے — اے خدا اپنی شان دکھلا دے

رودِ دود ص ۱۳

روداِ دود کے تبصرے کے سلسلے میں آگے بڑھنے سے پہلے ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس کے تبصرے کے اس اقتباس پر نظر ڈالیں تو ہمیں روداِ دود اور سید عباس متقی کے منشائے شہر آشوب کا عقدہ کھلے گا۔ ڈاکٹر فریس رقم طراز ہیں:

''مثنوی کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کے ساتھ کسی ادارے کے ارباب اقتدار نے کسی جائیداد پر تقرر کے سلسلے میں صریح بد دیانتی، کمی ناانصافی اور جابرانہ ظلم وتعدی کا ارتکاب کیا۔ خدایان ادارۂ مذکور کے خلاف مصنف نے مالک حقیقی کی بارگاہ میں نالہ وفریاد کی ہے اور سماج کے خود ساختہ ونام نہاد شرفاء ومعززین کے چہروں سے عزت وشرافت کے مکھوٹے اتار پھینکے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ مثنوی ہمارے سماج میں پھیلی ہوئی بے ایمانی، بد دیانتی اور آمرانہ سرکشی کے مکروہ چہرے پر ایک ادبی طمانچہ ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک اس مثنوی کے کردار بڑی حد تک علامتی ہیں۔ ایک اور نقطۂ نظر سے یہ کتاب غیر علامتی بھی ہوسکتی ہے لیکن اس پہلو سے بھی یہ اس مثنوی کا نقص نہیں ہے کیوں کہ فاش گوئی اور حرف برہنہ کہنا بعض اصناف مثلاً ہجو، شہر آشوب اور واسوخت میں لازمی و ناگزیر ہوجاتا ہے۔ اس لیے فاش گوئی اس کا صنفی تقاضا ہے۔ روداِ دود کا آغاز خدائے لم یزل کی حمد وثنا سے کیا گیا ہے۔ اس کے بعد سرور کائناتؐ آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ نعت پیش کیا گیا ہے۔ اصل مثنوی سے قبل مصنف نے دنیا، ضعیفی اور نفس جیسے موضوعات پر نہایت فلسفیانہ اور حکیمانہ گفتگو کی ہے اور ان کی حقیقت واضح ومبرھن کی ہے۔ اس ضمن میں بابری مسجد کی شہادت کے حادثۂ فاجعہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ فنی اعتبار سے اس مثنوی میں مثنوی نگاری کے تمام لوازمات کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اشعار میں روانی اور نغمگی ہے۔ بیان میں ربط وتسلسل ہے ایک شعر سے دوسرا شعر زنجیر کی کڑیوں کی طرح مربوط ہے۔ ظالموں کا ذکر اس انداز سے کیا گیا ہے کہ ان کی متحرک تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ مصنف نے حسب موقع صنائع و بدائع کا بھرپور استعمال کیا ہے اور رمز وایما سے بھی کام لیا ہے۔'' (۶۹)

سید عباس متقی کو جن نفوس سے تکالیف پہنچیں ان کے منظوم خاکے اس طرح پیش کیے ہیں کہ ان ظالموں کی متحرک تصویریں آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ یہاں ایسے اشعار کو اخذ کیا جائے گا جن میں غور کرنے پر وہ شخصیتیں پہچانی جاسکتی ہوں۔ ؎

نمونۂ اول:

آہ مردود یہ حسینی ہے — یہ حسینی نہیں یزیدی ہے
موٹا تازہ ہے لمبا چوڑا ہے — ہے گدھا لوگ سمجھیں گھوڑا ہے
اس کی تقریر ایک فتنہ ہے — اس کی تحریر ایک فتنہ ہے
اس کی تقریر سے بچائے خدا — اس کی تحریر سے بچائے خدا
اس کی شیطانیّت اگر دیکھے — جا کے شیطان بھی پناہ مانگے
لعنتی کو امیر لکھتا ہے — چند ٹکوں کے عوض بکتا ہے
بن گیا ہے حسینؓ کا دشمن — جائے دوزخ میں اس کا تن اور من
اس کی فطرت میں جھوٹ ہے مولا — اس کی طینت میں کھوٹ ہے مولا
نفس بد کا وہ اپنے بندا ہے — صاف کپڑوں میں صاف گندا ہے
مکر جس میں ہے وہ نہیں سادات — روزِ روشن کہاں، کہاں یہ رات
بے وفا، بے حیا بے ایماں — وہ ہے تیرے نبیؐ کا نافرماں
دل میں اس کے نبیؐ سے تنگی ہے — حیدرآباد کا وہ رشدی ہے
عالم سو ہے اس پہ لعنت بھیج — ایک بد رو ہے اس پہ لعنت بھیج
اس کی اولاد کو فنا کردے — اس کی فرعونیت ہوا کردے
اس کا نام و نشان مٹ جائے — کارواں راستے میں لٹ جائے
جھوٹ لکھ کر کیا مجھے حیراں — چھین لے اس کے دل سے تو ایماں
جب دم واپسیں ہو یا اللہ — لب پہ آئے نہ اس کے الا اللہ

رودِدود ص ۱۶،۱۵

اس خصوص میں راقم الحروف نے سید عباس متقی سے استفسار کیے تو انھوں نے واضح طور پر ظاہر کرنے سے اجتناب کیا اور کہنے لگے اشعار کا لطف ختم ہوجائے گا۔ آپ اشعار پڑھتے جائیں

اور دیکھیں کہ یہ اوصاف حمیدہ کن لوگوں میں تھے۔ ان کے نام ذہن میں رکھیں اور بار بار پڑھیں آپ کو ہر وقت الگ الگ لطف آئے گا۔ چناں چہ مجھے بات سمجھ میں آگئی اور میں نے شہر آشوب کو کئی بار پڑھا اور کچھ نقوش سمجھ میں آئے انھیں نمونے کے طور پر پیش کرتا جا رہا ہوں۔ پہلا نمونہ بیان کیا گیا ہے اور بھی نمونے تسلسل کے ساتھ پیش کیے جا رہے ہیں تا کہ ہجو نگاری کے فن سے لطف اندوز ہوں اور استعارے، صنائع اور بدائع کے ذریعے اس فن کو سمجھنے میں مدد مل سکے۔

نمونۂ دوم:

ہے کوئی قادری بھی یا اللہ — فتنہ پرداز شخص ہے واللہ
سب کو ابلیس بن کے بھٹکایا — اور شیطان بن کے بہکایا
ایک فتنہ ہے سارے فتنوں میں — عقل ہے کم نظر کی گھٹنوں میں
روحِ سازش اسی کے دم سے ہے — وجہ نالش اسی کے دم سے ہے
وہ نہ ہوتا تو سب نہ یہ ہوتا — وہ نہ عزت کو اپنی یوں کھوتا
اک قیامت اٹھانے والا ہے — آدمی ورغلانے والا ہے
جمع فتنوں کو روز کرتا ہے — جا کے بیت البلا میں مرتا ہے
عالموں کو بھی وہ دیا چکمہ — حافظوں کو بھی دے دیا دھوکہ
اس نے تکلیف مجھ کو پہنچائی — دل نے کچھ ایسی چوٹ ہے کھائی
اپنی منزل کو کھودیا ہوں میں — خون کے آنسو رو رہا ہوں میں
بے سبب بن گیا مرا دشمن — اس کا ہو جا تو اے خدا دشمن
ڈور سانسوں کی مار ہوجائے — پھول کھلتے ہی خار ہوجائے
میرے اللہ اس کو غارت کر — اس کے دل کو تو رنج وغم سے بھر
اس کا اپنا نصیب سو جائے — اس کی آنکھوں کا نور کھو جائے
اس سے منہ پھیر لیں رسول اللہ — یہ قیامت ہو اس پہ یا اللہ

رودِ دود ص ۱۶

نمونۂ سوم:

لعنتی شخص اک نظامی ہے نفس جس کا بڑا حرامی ہے
جھوٹ لکھتا ہے جھوٹ بکتا ہے خود پہ لعنت وہ گویا کرتا ہے
تہمتیں باندھتا ہے سچوں پر لعنت اللہ کی ہو جھوٹوں پر
سازشوں میں شریک ہے ظالم گو وہ حافظ ہے اور ہے عالم
رخ پہ لعنت سدا برستی ہے پیکرِ عبرت اس کی ہستی ہے
سب یہ کہتے ہیں وہ نکھٹو ہے گویا ابلیس کا وہ پٹھو ہے
نام کو عقل ہے نہ دانش ہے اندھا بن کے شریک سازش ہے
خواب میرا خراب کر ڈالا کوفت سے میرے دل کو بھر ڈالا
اس کے سینے سے چھین لے قرآں چھین لے اس کے قلب سے ایماں
اس کے سینے میں آگ لگ جائے مار شعلوں کی جیتے جی کھائے
قبر میں اس کی سانپ بچھو ہوں اس کے حق میں عذاب ہر سو ہوں
برکتوں سے تو کر اسے محروم اس کی اولاد کو تو کر معدوم
چین اس کو نہ عمر بھر آئے موت کی آرزو میں مرجائے
کس مدرسے سے کیسے نکلے ہیں مغز کا نام، خالی چھلکے ہیں

رودِدود ص۱۷

نمونۂ چہارم:

ایک بڑھیا جو فتنہ پرور ہے اس کے سینے میں دل ہے؟ پتھر ہے
سنگ دل بے رحم ہے نالائق چاپلوسی کی ہے بڑی شائق
علم و فن سے اسے لگاؤ نہیں اس کی فطرت میں کچھ سبھاؤ نہیں
اس سے فرعون بھی پشیماں ہے دیکھ نمرود اس کو حیراں ہے

ذات اس کی ہے منبع فتنہ
بات اس کی ہے مرجع فتنہ

مرا دشمن جو اس کا مداح ہے
وہ مسیلمہ ہے یہ سباح ہے

اس نے بھی حق مرا دبایا ہے
اپنا ایمان کب بچایا ہے

منہ جو کم بخت اپنا کھولے ہے
دل کسی نہ کسی کا توڑے ہے

اس کی حسنات کو وصول نہ کر
اس کے سجدوں کو تو قبول نہ کر

اس کے لفظوں میں زہر ہے مولا
اس کی فطرت میں قہر ہے مولا

اس پہ تو اپنا قہر نازل کر
مارِ دوزخ کا زہر نازل کر

اس کو دوزخ کا اک ثمر کردے
زینت شعلہِ سقر کردے

بے ایمانی کا ایک مصدر ہے
بے حیائی کا ایک مظہر ہے

تیرے آگے میری صفائی ہے
میرے اللہ تیری دہائی ہے

مسخ کردے تو اس کی صورت کو
مسخ کردے تو اس کی قسمت کو

دونوں عالم میں وہ ترس جائے
اس پہ تیرا غضب برس جائے

آخرش عقل سے وہ ہو معذور
ہو رہیں اس کے دست و پا مجبور

اپنی کرنی وہ سامنے دیکھے
ملک الموت اب اسے دیکھے

رودِدود ص۲۰،۱۹

نمونۂ پنجم:

ایک نامرد جاہل مطلق
جو اندھیرا ہے نور سے مشتق

اس کی مٹی میں وصف ہیں کیا کیا
مکر و حیلہ دغا فریب، ریا

تھوک اوروں کا چاٹنے والا
فن کا حلقوم کاٹنے والا

پاؤں پڑ پڑ کے اوپر آیا ہے
کس سلیقے سے اوج پایا ہے

علم کی قدر فن کا گیان نہیں
اس میں کوئی ہنر کی شان نہیں

ظلم مجھ بے نوا پہ توڑا ہے بیچ دریا میں لا کے چھوڑا ہے
کردیا ہے مجھے نظر انداز کھول دے اس کی بے بسی کا راز
پائے کوئی نشاں نہ منزل کا اس کو ہوجائے عارضہ دل کا
موت آ کر اسے نگل جائے بس کچل کر اسے نکل جائے
ساری دنیا میں کردے اس کو ذلیل ہو دعا یہ قبول رب جلیل
پیر سالوس راج پھوڑا ہے ظلم اس نے بھی مجھ پہ توڑا ہے
کیا مجھے جانتا نہ تھا مردود دشمنِ علم و فن ہوا مردود
چاپلوسی پسند کرتا ہے بادِ تازہ کو بند کرتا ہے
جس زباں سے اسے ملی عزت لوٹتا ہے اسی کی وہ عظمت
لفظ و انشا سے اس کو کام نہیں اس کے ہاں علم وفن کا دام نہیں
اپنی شہرت کا بس غلام ہے وہ بے وقوفوں کا اک امام ہے وہ
ہر جگہ اپنی ٹانگ اڑاتا ہے اپنی بھپکی سے بس ڈراتا ہے
جانتا کچھ نہیں وہ جاہل ہے احمقوں میں مگر وہ عاقل ہے
آگے پیچھے ہیں اس کے دیوانے خالی شیشہ ہے خالی پیمانے
بن پیے، جھومتے یہ رہتے ہیں آپ اپنے کو دھوکہ دیتے ہیں
اردو دشمن ہے اس کو غارت کر ناگ کا پھن ہے اس کو غارت کر
اس کا ہم نام میرا دشمن ہے سازشوں کے وہ خار کا بن ہے
عدل سے اس کو کام کیا ہوگا اس کا شرفا میں نام کیا ہوگا
اس کے چہرے پہ ہیں کئی چہرے اس کے دل پر لگے ہیں سو پہرے
اس کے اندر چھپا ہے اک شیطان لوگ اس کو سمجھتے ہیں انسان
گفتگو میں مٹھاس ہے واللہ دل میں لیکن کھٹاس ہے واللہ

اس کا کاٹا نہ پانی مانگ سکے — جو بچھائے کوئی پھلانگ سکے؟
جھوٹ کا اس کے سر پہ سایا ہے — جھوٹ سے اس نے پائی مایا ہے
صبح ہے جھوٹ اور شام ہے جھوٹ — لعنتی آدمی کا کام ہے جھوٹ
جھوٹ کی کھا رہا ہے وہ روٹی — نیّت اس کی ہے اس لیے کھوٹی
شخص یہ بھی تو اردو دشمن ہے — اردو اک باغ ہے تو یہ بن ہے
جو کیا ہے وہ آپ پائے گا — سیدھے دوزخ کی تہہ میں جائے گا
میرے اللہ یہ سزا دے اسے — آتش فقر میں جلا دے اسے
کردے اس کی زبان کو مفلوج — شان کو اس کی آن کو مفلوج
زندہ در گور تو اسے کردے — اس کے دامن کو خار سے بھردے

رودِدود ص۲۳،۲۲

نمونۂ ششم:

ایک حرافّہ عقل کی ماری — علم وفن سے ہے دور بے چاری
قد زمین سے قریب ہے اس کا — اور حلیہ عجیب ہے اس کا
ڈھب نرالا ہے رنگ کالا ہے — چند کالوں کو اس نے پالا ہے
قد بھی کوتاہ عقل بھی کوتاہ — بے حیا بد چلن ہے اور گمراہ
اس کے دیدوں کا ڈھل گیا پانی — نفس اس کا ہے نفسِ شیطانی
طرفہ اس پر وہ ناز کرتی ہے — سب سے وہ ساز باز کرتی ہے
زہر اگلے گی منہ جو کھولے گی — جو ملے ساتھ اس کے ہولے گی
مارِ دوزخ ہے جائے دوزخ میں — پھل وہ دوزخ کا پائے دوزخ میں
دال ہوجائے وہ الف نہ ملے — اس کے دل کی کبھی کلی نہ کھلے
روئے مذموم اس کا ہو مغموم — سازشوں کا نتیجہ ہو معلوم
صنفِ نازک پہ ایک داغ ہے وہ — عندلیبوں میں ایک زاغ ہے وہ

رودِدود ص۲۵

نمونۂ ہفتم:

نفس کا اک ڈاکٹر ہے مریض　　خانہ اس کا وسیع اور عریض
حرص اس کو محض زمین کی ہے　　قدر اس کو نہ کوئی دین کی ہے
دل کا وہ ڈاکٹر ہے دل آزار　　دل کو اس کے ملے نہ چین و قرار
سازشوں سے اسے بھی یاری ہے　　ظلم اس کا بھی آج جاری ہے
خواہشوں کا گلے میں ہے پھندہ　　بوالہوس نفس کا ہے وہ بندہ
اپنی خواہش کا وہ پجاری ہے　　آج بھی نفس اس پہ طاری ہے
وعدہ کر کے مکر وہ جاتا ہے　　جان کر میرا حق دباتا ہے
قلب کو اس کے تو معطل کر　　عقل اور ہوش کو مقتل کر
پھول مرجھائیں اس کے آنگن میں　　آگ لگ جائے اس کے گلشن میں

رودِ دود ص ۲۶،۲۷

نمونۂ ہشتم:

ایک خود ساختہ ادیب بھی ہے　　طرفہ اس پہ کہ بد نصیب بھی ہے
کیا عطا ہو اسے زمانے میں　　اک خطا ہے وہ ہر فسانے میں
اس میں خوشبو نہیں لیاقت کی　　اس میں خوبو نہیں شرافت کی
مکر اس کی سرشت میں پنہاں　　کید اس کی سرشت میں ہے رواں
فتنہ پرور ہے اور فتنہ جو　　ناگ پھنی بہ دامن اردو
چور اچکا ہے اک لٹیرا ہے　　ذات بد ذات کی اندھیرا ہے
علم جو شخص الف سے لکھتا ہے　　ایسے جاہل پہ ہن برستا ہے
کم نظر کم سواد کم معیار　　بے ہنر بے شعور بے کردار
علم گاہوں میں علم کا فقدان　　ہائے کم بخت فن کا یہ بحران

سادہ لوحوں پہ ظلم کرتا ہے اپنی راہوں میں کانٹے بھرتا ہے
جلد کھودے وہ سکہ شب گیر ہو وہ بد بخت یاس کی تصویر
دامنِ دل کو غم سے یوں بھر لے اپنے ہاتھوں سے خودکشی کر لے
اس کی خوشیوں پہ غم کے بم برسے اتنا روئے کہ چشمِ نم پھوٹے
موت آئے مگر نہ موت آئے جان نکلے نہ جان ہی جائے
محفلِ عیش بزم ماتم ہو دلخراش ایک دھن کا آرم ہو
مرثیہ خواں ہوں اس کے سب احباب شورِ ماتم ہو محفلِ ایجاب
نیست ہوجائے تبسم اس کا سوگ بن جائے ترنم اس کا
جو پیا ہے لہو وہ بہہ جائے جو دیا ہے وہ اس کا غم کھائے
اس کی شیطانیت اگر دیکھے ڈر کے ابلیس بھی پناہ مانگے
میری دنیا اجاڑ دی اس نے بات بنتی بگاڑ دی اس نے
اس کو دنیا نے دے دی آخر مات جیت دنیا کی ہوگئی ہیہات
پھنس گیا حرص اور لالچ میں کیا کرے فرق جھوٹ میں سچ میں
ایک چکر چلا گیا ظالم اپنی دنیا بنا گیا ظالم

رودِدود ص۲۸،۲۷

اس طرح اپنے دشمنوں کو سید عباس متقی نے بد دعائیں دی ہیں اوران کا کیا کرایا ان ہی پر وارد کرنے کے لیے اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں۔ دعائیہ اشعار کی تعداد ''۹۳'' ہے اس میں سید عباس متقی نے مختلف واسطوں اور وسیلوں سے دعائیں مانگی ہیں۔ آخری شعر اس طرح ہے۔ جس کے ساتھ ہی مثنوی شہر آشوب اختتام کو پہنچتی ہے۔

کر دعائیں قبول یا اللہ پے نعلینِ مصطفیٰ ﷺ، اللہ

رودِدود ص۳۲

مسمّط :

ایسی نظم جو بندوں پر مشتمل ہو مسمط کہلاتی ہے۔اس کے لغوی معنی ہیں ''موتیوں کی لڑی''، لیکن اصطلاحِ شاعری میں اس نظم کو کہتے ہیں جس کے چند مصرعے ایک وزن اور ایک قافیے میں کہے جائیں، پھر اسی وزن کے کئی بند کہہ کر ایک بند کے قافیے کو دوسرے بند کے قافیے سے مختلف رکھا جائے۔ ہر بند کے آخر میں ایک مصرع یا شعر تکرار کے ساتھ آتا ہے یا بدلتا رہتا ہے مگر اس آخری شعر کا قافیہ عموماً وہی ہوتا ہے جو مطلع کا ہے مگر یہ ضروری بھی نہیں۔ کیوں کہ مسمّط کی مختلف قسموں میں آخری شعر کا قافیہ بدلتا بھی رہتا ہے۔

یوں تو ہیئت کے اعتبار سے مسمّط کی بہت سی قسمیں ہیں مگر یہاں پر صرف انھیں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو سید عباس متقی کے اردو کلام میں ملتے ہیں۔

(۱) مثلث:

ثلاثی کو مثلث اور تثلیث بھی کہا گیا ہے۔ یہ تین مصرعوں پر مشتمل صنف سخن ہے۔ جس کے تینوں مصرعے برابر ہوتے ہیں، البتہ کبھی پہلا اور دوسرا، کبھی پہلا اور تیسرا اور کبھی تینوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور یہ تینوں مصرعے ایک اکائی بن کر مثلث کہلاتے ہیں۔ یہ اکائی ایک مکمل معنی نظام کی حامل ہوتی ہے اور کئی تین مصرعوں کی اکائیاں مل کر بھی مثلث کہلاتی ہیں۔ جیسے۔ ؎

رستہ طویل، خامُشی، سنگت میں چاند ہے ۔۔۔ شاید وہ تیرے روپ کی رنگت سے ماند ہے
ڈسنے لگی ہے مجھ کو یہ تنہائی کیا کروں (۷۰)

(۲) مربع:

وہ مسمط جس کے ہر بند میں چار مصرعے ہوں۔ تین مصرعے ہم قافیہ اور چوتھا ان سے مختلف قافیے کا ہوتا ہے۔ ؎

بس اپنی عمر کی تنہائیاں مجھے دے دو ۔۔۔ جو بچ رہی ہیں وہ رعنائیاں مجھے دے دو
میں اپنے دل میں چھپالوں گا الجھنیں ساری ۔۔۔ تم اپنے درد کی گہرائیاں مجھے دے دو

(۷۱)

(۳) مخمس:

مخمس ''خمسہ'' سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی پانچ کے ہیں۔ اصطلاح میں ایسی نظم جس کا بند پانچ اشعار پر مشتمل ہو مخمس کہلاتا ہے۔ مخمس کے چار مصرعے ہم قافیہ اور پانچواں خلافِ قافیہ ہوتا ہے۔ جیسے۔

زلفِ پیچاں کے سیاہی میں انجمن لرزاں ۔۔۔ تابہ منزل ہے سرِ راہ چراغوں کا سماں
یہ دھواں سا ہے کوئی لذّتِ خوابیدہ رواں ۔۔۔ غنچہ چٹکے ہیں کہ ٹوٹے ہیں ستاروں کا جہاں
یک بیک فرطِ دل آویز کا عنواں کردو (۷۲)

(۴) مسدس:

مسمط کی قسموں میں یہ سب سے زیادہ مشہور اور مستعمل صنفِ شاعری ہے۔ وہ نظم جس کا ہر بند چھے مصرعوں پر مشتمل ہو''مسدس'' کہلاتی ہے۔ ہر بند کے پہلے چار مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اس کے بعد کے دو مصرعے مختلف قافیے میں ہوتے ہیں جسے ''ٹیپ'' کہتے ہیں۔

مجھ کو تڑپاتی ہوئی روز کی یادوں میں ہو تم ۔۔۔ مری غزلوں میں بھی تم ہو مری نظموں میں ہو تم
میں یہ کہتا ہوں مرے اپنے خیالوں میں ہو تم ۔۔۔ لوگ کہتے ہیں پرائی ہو، کسی اور کی ہو!
کتنے ارمانوں کو سینے میں چھپا رکھا ہے
کیا عجب ہے کبھی تنہائی میں پالوں تم کو (۷۳)

قطعہ:

''قطعہ'' کے لغوی معنی ''ٹکڑے'' کے ہیں۔ اصطلاحِ شاعری میں اس نظم مسلسل کو کہتے ہیں جو دو اشعار سے کم کی نہ ہو۔ ہاں اس سے زیادہ اشعار ہو سکتے ہیں مگر اس نظم میں مطلع نہ ہو۔ یعنی بغیر مطلع کی مسلسل نظم کو''قطعہ'' کہتے ہیں۔ اس کے ہر شعر کا دوسرا مصرع اوپر کے شعر کا ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتا ہے۔ قطعہ کے اشعار مربوط ہوتے ہیں۔

خندہ زن ہے حسن کی دل بستگی تنہائیاں ۔۔۔ دیدنی ہے عشق کی آشفتگی تنہائیاں
زینتِ واہِ محبت ہے، کلام، متقی! ۔۔۔ باعثِ تسکین یاراں زندگی تنہائیاں (۷۴)

مستزاد:

''مستزاد'' کے لغوی معنی ہیں ''زیادہ کیا گیا'' لیکن شعری اصطلاح میں اس نظم کو کہتے ہیں جس کے ہر مصرع کے آخر میں ایک موزوں فقرہ جو مصرع کے اصل وزن سے زائد ہوتا ہے بڑھا دیا جاتا ہے۔ یہ زائد فقرے غزل، رباعی یا کسی بھی نظم کے مصرعوں کے ساتھ ہو سکتے ہیں۔ ان زائد فقروں کو الگ کر دینے سے اشعار کے مطلب یا اس کے وزن میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کچھ شعرا ہر مصرع کے ساتھ زائد فقرہ لگا کر صرف دوسرے مصرع میں ''فقرہ مستزاد'' لاتے ہیں۔ کچھ قدیم شعراء کے یہاں اس صنفِ شاعری کا استعمال زیادہ ہوا ہے۔ سید عباس متقی نے بھی اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ جیسے۔ ؎

بیتے ہوئے وہ رات دن قسمت پہ مری رو گئے　　دامن مرا بھگو گئے
ڈھونڈوں کہاں میں اب تمھیں، تم ایک خواب ہو گئے　　تم ایک خواب ہو گئے (۷۵)

ترجیع بند:

غزل یا قصیدہ کے طور پر کہی ہوئی نظم کو ''ترجیع بند'' کہتے ہیں جس میں کم از کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ گیارہ اشعار ہوتے ہیں۔ غزل اور قصیدے کی طرح اس میں بھی پہلا شعر مطلعے کا ہوتا ہے اور اس بند کا مصرعۂ ثانی مطلع سے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتا ہے۔ ہر بند کے آخر میں ایک شعر آتا ہے جو وزن میں پہلے آئے ہوئے اشعار کے برابر ہوتا ہے لیکن قافیہ و ردیف کے اعتبار سے ان سے مختلف ہوتا ہے اس شعر کے آنے کے بعد ایک بند مکمل ہو جاتا ہے۔ جب دوسرے بند کے اشعار شروع کرنے ہوتے ہیں تو پھر اس کا پہلا شعر نئے مطلع سے شروع ہوتا ہے جو پہلے بند کے مطلع سے مختلف ہوتا ہے اور اس کے مصرع ثانی پہلے بند کی طرح اس بند کے مطلع سے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ اس طرح اس نظم کے کئی بند ہو سکتے ہیں اور پہلے بند کے آخر میں آنے والا شعر جو ''ٹیپ'' کہلاتا ہے، بدلتا نہیں۔ بعینہ وہی ہوتا ہے جو پہلے بند کے دوسرے بند سے اور دوسرے بند کو تیسرے بند سے الگ کرتا ہے۔ ہر بند کے اشعار کی تعداد کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے۔ ؎

تم کو معلوم ہے میں روز دعا کرتا ہوں　　اک تمنا کے اعادہ کی خطا کرتا ہوں
بات کرنے کو ترستی ہے مری گویائی　　دور ہی دور سے صورت کو تکا کرتا ہوں
دل نے ارمان کوئی تم سے لگا رکھا ہے
کیا عجب ہے کبھی تنہائی میں پالوں تم کو
دوش سے جب کبھی آنچل وہ ڈھلک جاتا ہے　　جیسے گھنگرو کوئی سینے میں چھنک جاتا ہے
تم جو گرتے ہوئے آنچل کو اٹھالیتی ہو　　دل ہے آوارہ خیالوں میں بہک جاتا ہے
آئینہ خانہ ان آنکھوں کو بنا رکھا ہے
کیا عجب ہے کبھی تنہائی میں پالوں تم کو (۷۶)

ترکیب بند:

ترکیب بند کی بالکل وہی تعریف اور خصوصیت ہے جو ترجیع بند کی ہے۔ بناوٹ یا ہیئت کے اعتبار سے بھی ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے سوائے اس کے کہ ترکیب بند میں ہر بند کے بعد ''ٹیپ'' کا شعر یا مصرع بدلتا رہتا ہے جب کہ ترجیع بند میں نہیں بدلتا۔ جیسے۔؎

زلف تاریک سمندر میں ہواؤں کی پکار　　عارض صبح کہ فطرت نے نچوڑے ہوں انار
توڑدے سحر سیہ اس کی نگاہوں کا خمار　　اور طوفان تبسم کے شراروں کی پھوار
جوشؔ کی نظم ہوئی یا غزل میرؔ ہوئی
مری غزلوں کا یہ عنوان ہے خوابوں کا صنم　　تھم گئے ہیں میری آوارہ نگاہوں کے قدم
خواب رفتہ کی وہ انگڑائیاں لیتی ہیں جنم　　کتنا موزوں ہے یہ پیانہ بھی کچھ بیش نہ کم
میرے اندیشۂ افکار کو زنجیر ہوئی (۷۷)

تضمین:

وہ نظم یا شعر جس میں کسی شاعر کے مشہور شعر یا مصرعے کے ساتھ شاعر اپنا مصرع جوڑ دیتا ہے ''تضمین'' کہلاتا ہے۔ جیسے۔

چیر کر دل کو ہم دکھائیں کیا
کوئی بتلاؤ، ہم بتائیں کیا (۷۸)

مذکورہ شعر میں سید عباس متقیؔ نے مرزا غالبؔ کے حسب ذیل شعر سے استفادہ کیا ہے۔

پوچھتے ہیں وہ کہ غالبؔ کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا (۷۹)

سید عباس متقیؔ نے غالبؔ کے اس شعر کے دوسرے مصرعے میں ذرا سی ترمیم ''کہ'' کو حذف کرتے ہوئے اپنا شعر مکمل کیا ہے۔

اس باب کا پہلا حصہ یہاں اختتام پزیر ہوتا ہے۔ ہم نے اس حصے میں سید عباس متقی کے ذوق شاعری کے ارتقا اوران کی اہم تخلیقات کا عمومی تعارف پیش کیا۔

سید عباس متقی کی شاعری کا فنی جائزہ:

سید عباس متقی کی اہم تخلیقات کے اس تذکرے کے بعد اب ہم ان کے کلام کے تنقیدی جائزے کی طرف رخ کرتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم ان کی شاعری کے خارجی پہلوؤں کو دیکھیں گے اوران کے محاسن و معائب پر گفتگو کریں گے۔ اس کے بعد ان کے کلام کے داخلی صفات کا مطالعہ کیا جائے گا۔

عیوب قافیہ کا بیان:

قافیہ شعر کا نہایت اہم اور ضروری جزو ہے۔ بعض شاعروں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ بغیر قافیہ کے شعر ہو ہی نہیں سکتا۔ جب قافیہ ہونا ضروری ہے تو قافیے کے عیوب بھی ہوں گے اور یہ عیوب خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ قافیے کے عیوب تین ہیں۔ (۱) اِقوا (۲) اِکفا (۳) اختلاف ردف۔

ا۔ اقوا:

اس سے مراد یہ ہے کہ حرف روی سے قبل حرکت مختلف ہو۔ جیسے

آپؐ بولے یہ اس سے مرد جری
میں کہوں گا نہ یہ کسی سے بھی

اتنا سنتے ہی پاؤں پر وہ گرا
لایا ایمان اور پڑھا کلمہ
خاکِ نعلین ہیں مہ و انجم
پاؤں کی دھول تک نہیں ہم تم (۸۰)

مذکورہ اشعار میں اقوا کے عیوب دیکھیں تو پہلے شعر میں ’جری‘ اور ’بھی‘ قوافی ہیں جن سے حرف روی ’’ی‘‘ نکال دی جائے تو ’’جر‘‘ اور ’’بھ‘‘ رہیں گے جن کی حرکت مختلف ہے۔

دوسرے شعر میں ’’گرا‘‘ کا قافیہ ’’کلمہ‘‘ استعمال ہوا ہے۔ان قوافی سے ’’ا‘‘ اور ’’ہ‘‘ حرف روی نکال لیں تو ’’گر‘‘ اور ’’کُلم‘‘ بچتا ہے دونوں کی حرکت میں مطابقت نہیں ہے۔یہی حال تیسرے شعر کا بھی ہے کہ ’’انجم‘‘ کے وزن پر ’’ہم تم‘‘ باندھا گیا ہے۔ان میں سے حرف روی ’’م‘‘ کو ہٹادیں تو ’’انج‘‘ اور ’’ہم ت‘‘ بچا رہے گا جن میں حرکت مختلف ہے۔کلام متقی میں ’’اقوا‘‘ کے عیوب پائے جاتے ہیں۔ان کے علاوہ چند اور مثالیں دیکھیے ۔

دشمنوں سے تو میر لے بدلا — واسطہ تجھ کو اپنے دلبر کا
جن کی سنتا ہے داورِ محشر — حشر بھی چپ ہے جن کی آمد پر
سن لے میری صدا خداوندا — آخرش آپ نے یہ فرمایا
یاد آتا ہے سورۃ توبہ — رمز تبت یدا کا دے صدقہ
بھڑکیں نیچے عذاب کے شعلے — آگ کے گولے برسیں اوپر سے (۸۱)

اکفا:

اس سے یہ مطلب ہے کہ روی بدل جائے۔یہ قافیے کا بدترین عیب ہے جو سید عباس متقی کے اردو اور فارسی دونوں کلاموں میں نہیں ملتا۔

اختلاف ردف:

حرف ردف کی حرکت کا اختلاف بھی قافیہ کا خفی عیب ہے۔یہ اختلاف عربی میں روا رکھا جاسکتا ہے بلکہ عام ہے مثلاً ’جمیل‘ کا قافیہ ’نزول‘ سے ’منیر‘ کا قافیہ ’بدور‘ سے ممکن ہے لیکن اردو اور فارسی میں یہ عیب جائز نہیں۔جیسے

ؔ پوچھ لو بدر و حنین واحد ہے
کیا تھے اصحابِ نبی کے معر کے (۸۲)

اس شعر میں حرف ردف کی حرکت مختلف ہے۔

ایطا:

اس کو فارسی میں شائیگان کہا جاتا ہے ''ایطا'' سے مراد قافیے کی تکرار ہے مگر معنی ایک ہی ہوں۔ ایطا کے بارے میں ڈاکٹر علی احمد جلیلی رقم طراز ہیں:

''ایطا کی بنیاد حرفِ اصلی اور حروفِ زائد کے تصور پر ہے۔ قافیہ میں کسی کلمہ واحد پر زائد حروف کا تکرار کے ساتھ لانا عیب ہے کیوں کہ زوائد کو حذف کرنے کے بعد روی کے حروف میں کوئی مطابقت نہیں رہتی۔ اس لفظ میں کلمۂ آخر لفظاً و معناً مکرر آتے ہیں اور حرفِ روی قائم نہیں رہتا۔ اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ اگر مشترک کلمہ کو قافیوں سے الگ کر دیں تو جو کچھ باقی رہے وہ الفاظ بامعنی ہوں مگر ان میں حرفِ روی قائم نہ ہو سکے۔'' (۸۳)

ایطا کی دو قسمیں ہیں (۱) ایطائے خفی (۲) ایطائے جلی۔

ایطائے خفی:

وہ عیب ہے جس میں لفظ کی تکرار ظاہر نہ ہو۔ جیسے دانا اور بینا میں ''نا'' کی تکرار زیادہ نمایاں نہیں ہے ایسا عیب خفیف عیب کہلاتا ہے۔ ایطائے خفی کو اکثر اساتذۂ سخن نے بھی روا رکھا ہے۔ ذیل کے ان اشعار میں ایطائے خفی کا عیب ہے۔ ؎

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا   آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
یہ نہیں ہے مسئلہ لڑنے کے قابل کون ہے   مسئلہ ہے تو ہے مدمقابل کون ہے
دامن آنکھوں پہ اس کی رکھتا ہوں   یوں تسلی میں اس کو دیتا ہوں
رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر   برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر (۸۴)

ان مطلعوں کے قوافی 'آساں' اور 'انساں'، 'قابل' اور 'مدمقابل'، 'رکھتا' اور 'دیتا'، 'کاشانوں' اور 'مسلمانوں' میں س، ب، ہ، ت اور نون اس طرح مشترک ہیں کہ تکرار کا دھوکہ ہوتا ہے لہٰذا ان قوافی میں اختلاف روی کا عیب دب کر رہ گیا ہے۔

چوں کہ اساتذہ کے کلام میں ایطائے خفی کے عیوب ملتے ہیں۔اس لیے اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں لیکن بچنا افضل ہے۔سید عباس متقیؔ کے کلام میں بھی یہ عیب پایا جاتا ہے۔جیسے۔ے

آپ کو میں چاہاتا ہوں کیا کروں
یہ خطا ہے جانتا ہوں کیا کروں (۸۵)
مری خزاں کو کبھی رشکِ صد بہار کرو
نگاہِ لطف بس اک بار کرو (۸۶)
ایک گل رو کی محبت خوب تھی
چند لمحوں کی وہ صحبت خوب تھی (۸۷)
مجھے نہ پاؤ گے تم عمر بھر یہ ضد چھوڑو
ابھی سماج سے ہو بے خبر یہ ضد چھوڑو (۸۸)
کیا اثر کرتی ہے دل پر یہ محبت دیکھ لے
رنگ لے آئی ہے کیا اپنی عنایت دیکھ لے (۸۹)

مذکورہ اشعار میں 'چاہاتا' اور 'جانتا'، 'بہار' اور 'اک بار'، 'محبت' اور 'صحبت'، 'عمر بھر' اور 'بے خبر'، 'محبت' اور 'عنایت' میں ت،ب،م،ص،ب،اور ت اس طرح مشترک ہیں کہ تکرار کا دھوکہ ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

ایطائے جلی:

ایطائے جلی وہ جس میں قافیہ دو ٹکڑے والے لفظوں سے بنا ہو اور آخری ٹکڑا الگ کردیں تو جو ٹکڑا بچا رہے گا وہ ہم قافیہ نہ ہوگا۔جیسے گل ستاں، ہندوستاں، بوستاں، لڑکنا، چلنا، بہاراں، خزاں وغیرہ۔ان قوافی میں سے حروفِ مشترک نکال لیں تو جو حروف رہتے ہیں وہ ہم قافیہ نہیں ہیں۔جیسے گلستاں سے گل، ہندوستاں سے ہندو، لڑکنا سے لڑک چلنا سے چلن، بہاراں سے بہار اور خزاں سے خز باقی رہیں گے جو نہ ایک دوسرے کی مطابقت رکھتے ہیں اور نہ روی کے حروف۔ (گل، ہندو) (لڑک، چلن) (بہار، خز) یکساں نہیں۔

اساتذہ کے کلام میں بھی یہ عیوب پائے گئے ہیں۔ جیسے علامہ اقبال کی نظم ترانۂ ہندی کے پہلے شعر میں ایطائے جلی کا عیب دکھائی دیتا ہے۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا (۹۰)

مذکورہ شعر میں اقبال نے 'ہندوستاں' کا قافیہ 'گلستاں' باندھا ہے۔ یہ دونوں قافیے ایک لاحقے ''ستاں'' سے مرکب ہیں۔ لہٰذا یہاں دونوں قافیوں سے لاحقہ نکال دیں تو ''ہندو'' اور ''گل'' بچتا ہے جو دراصل ایک دوسرے کے قافیے نہیں۔

سید عباس متقی کے کلام میں بھی ایطائے جلی کے عیوب ملتے ہیں۔ مثلاً

یہ بیاباں یہ چمن یہ گلستاں
یہ خیاباں یہ روش یہ بوستاں (۹۱)

اس شعر میں گلستاں کا قافیہ بوستاں باندھا گیا ہے اور دونوں لاحقے ''ستاں'' سے متصف ہیں لہٰذا اس ٹکڑے کو ہٹا دیں تو ''گل'' اور ''بو'' باقی رہتے ہیں۔ ان کے حروف روی مختلف ہیں اور یہ ایک دوسرے کے قافیے بھی نہیں ہیں۔ یہی ایطائے جلی کا عیب ہے۔ اسی طرح مثالیں دیکھیے۔

چاہتا ہوں میں پناہ ذوالجلال
شان ہے جس کی نہایت بے مثال (۹۲)

کون ہے جس کی صفت ہے ذوالجلال
صاحب اکرام ہے وہ بے مثال (۹۳)

ان میں بھی قائم ہے حد پاسباں
ایک برزخ بھی ہے ان کے درمیاں (۹۴)

ان اشعار کا فنی جائزہ لیں تو ہمیں پہلے اور دوسرے اشعار میں دو قافیے ''ذوالجلال'' اور ''بے مثال'' ملتے ہیں ان میں ''ذوالجلال'' عربی اضافی ترکیب ہے جب کہ ''بے مثال'' میں بے بطور سابقہ استعمال ہوا ہے اور یہ طرز خالص فارسی ثم اردو زبان کا ہے۔ یہاں ان دونوں قافیوں

میں مشترک حروف ''ال'' ہیں اور ان مرکب لفظوں سے ''ال'' نکال دیں تو ''ذوالجل'' اور ''بے مث'' رہ جائیں گے۔ اس طرح ان کے حروف روی مختلف نہیں۔

تیسرے شعر میں پاسباں اور درمیاں قافیے بھی مرکب الفاظ اور مرکب قافیے ہیں جن میں پہلا پاس + باں سے مرکب ہے اور لغت کی رو سے پاس نگہہ داری، پہرا، جانب داری اور طرف داری وغیرہ کے معنی میں آتا ہے۔ (فرہنگ امیر ص ۱۰۹۸) اور بان بمعنی محافظ اور نگاہبان کے آتے ہیں اس کے علاوہ لفظ ''بان'' بطور لاحقہ بھی استعمال ہوتا ہے جیسے باغ بان، دربان، مہربان، پاس بان وغیرہ۔

دوسرے مصرعے میں درمیاں بھی در + میاں کا مرکب ہے اس طرح در کے معنی اندر اور میاں بمعنی بیچ یا وسط کے آتے ہیں اور یہ اس وقت ہوگا جب ''میاں'' کے نون غنہ کو نون سے بدل دیں تو یہی معنی لغت میں ملتے ہیں۔

اس طرح پاسباں اور درمیاں سے مشترک حروف ''اں'' نکال لیں تو معنوی اور عروضی اعتبار سے ایک دورے کے مشابہ نہیں ہیں۔

بقول علی احمد جلیلی:

''اگر مطلع تکرار جلی سے محفوظ رہے تو بقیہ اشعار میں تکرار کچھ مضائقہ نہیں لیکن اس کی پابندی اصولاً کی جائے تو بہتر ہے۔'' (۹۵)

حرف روی ساکن بھی ہوسکتا ہے اور متحرک بھی لیکن مطلع میں دونوں کا یکساں استعمال جائز نہیں۔ مطلع میں حروف روی یا ساکن رہے یا متحرک۔ ایک متحرک اور دوسرا ساکن یا ایک ساکن اور دوسرا متحرک ہونا جائز نہیں۔ جیسے۔

جام کا کچھ لطف ہے کچھ آم کا
کچھ پینے کا ہے کچھ بادام کا (۹۶)

شعر ذوالقافیتین ہے اس میں قافیہ ''آم'' اور ''بادام'' سے پہلے جو لفظ ہے اس کا حرف روی ''ھ'' ہے اسی لیے اس کو ذوالقافیتین کہا جاتا ہے۔

بہرحال اس شعر میں قوافی آم اور بادام سے حروف روی ''م'' ہٹا دیں تو ''آ'' اور ''بادا'' رہیں گے جن میں سے ایک متحرک اور دوسرا ساکن ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔

گیت:

گیت ہندی الاصلی صنف شاعری ہے۔اردو پر ہندی کے جو اثرات ترتیب پائے ہیں اس کا ایک نتیجہ گیت بھی ہے جس کو اردو میں بغایت مقبولیت حاصل ہوچکی ہے۔اردو میں گیت ہندی بحروں ہی میں لکھے جاتے ہیں۔نظم کی طرح گیت میں کسی موضوع کی کوئی پابندی نہیں ہے۔اس میں ہر نوع کے موضوع پر طبع آزمائی کی جاسکتی ہے۔گیت میں محبت اور نغمگی کے عناصر کی آمیزش ہوتی ہے اور اس کا مزاج ان عناصر سے تشکیل پاتا ہے جن میں نسائیت ہوتی ہے۔غنائیت، گیت کے لیے لازمی ہے اور ترنم، جھنکار اور تھاپ اس کی خصوصیات ہیں۔اس کا اپنا ایک تہذیبی مزاج ہے۔مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ پڑھنے کی نہیں سننے کی چیز ہے۔یہی سبب ہے کہ نظموں کے مقابلے میں گیت زیادہ گائے جاتے ہیں۔جیسے۔ے

میرے دل کو آخر یہ کیا ہوگیا ہے
دل و جاں سے تم پہ فدا ہوگیا ہے

نہ رکتے ہیں آنسو نہ تھمتی ہیں آہیں
تمھارے لیے کیوں ترستی ہیں باہیں
مرا درد خود ہی دوا ہوگیا ہے

نگاہوں میں تم ہو خیالوں میں تم ہو
مرے الجھے الجھے سوالوں میں تم ہو
محبت کا ایک سلسلہ ہوگیا ہے (۹۷)

۲۔اصناف سخن (معنوی لحاظ سے):

سید عباس متقی نے اردو شاعری کی تقریباً اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے جو نظم کی مختلف ہیئتوں پر مشتمل ہیں۔ بلکہ بعض اصناف تو متروک بھی ہوگئی ہیں۔کیوں کہ سید عباس متقی پابند شاعری ہی کو اصل شاعری سمجھتے ہیں اس لیے ان کے کلام میں سوائے پابند شاعری کے آزاد یا معریٰ شاعری کا وجود نہیں ہے۔متروک اصناف میں ٹھمڑی، شہر آشوب، تاریخ گوئی اور سہرا کے نام نمایاں ہیں۔اس

باب میں ہم ان کی مجموعی شاعری کا تنقیدی مطالعہ کریں گے جن میں غزل گوئی کے علاوہ، نظم کی مختلف قسمیں، حمد، مناجات، نعت گوئی، سلام، ٹھمری، منقبت، نظم نگاری، قصیدہ گوئی، شہر آشوب، قطعات جن میں تہنیتی وتعزیتی دونوں شامل ہیں علاوہ ازیں تاریخ وفات پر مشتمل قطعات بھی پائے جاتے ہیں، قوالی، گیت، لوری اور سہرا شامل ہیں۔

یہاں سید عباس متقی کی اردو شاعری کا معنوی لحاظ سے جائزہ لیا جائے گا۔

غزل گوئی:

سید عباس متقی کے یہاں وافر مقدار میں غزلیں ملتی ہیں جن میں سے صرف وہی غزلیں مطبوعہ ہیں جو ان کے شعری مجموعے تنہائیاں میں شامل ہیں۔ دیگر تمام غزلیں غیر مطبوعہ ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	''آ بھی جاؤ کہ دل نہیں لگتا''	غزل	غیر مطبوعہ
۲	آپ کا دامن میرے دامن سے ٹکرا جائے گا	غزل	تنہائیاں
۳	آپ کا رونا نہ مجھ کو بھی رولا دے دیکھنا	غزل	تنہائیاں
۴	آپ کو میں چاہتا ہون کیا کروں	غزل	تنہائیاں
۵	آج گلشن اگر بہار میں ہیں	غزل	غیر مطبوعہ
۶	آزمائش اور کیا، وہ آزماتا ہے اگر	غزل	غیر مطبوعہ
۷	آنکھوں میں دم آنے لگا	غزل	غیر مطبوعہ
۸	آنکھیں ملا ملا کے پلایا نہ کیجئے	غزل	تنہائیاں
۹	آہوں کا سلسلہ شب آرام رہ گیا	غزل	غیر مطبوعہ
۱۰	اب وہ سنیں، سنیں نہ سنیں میں کہا کروں	غزل	غیر مطبوعہ
۱۱	اپنی بے تابیاں معاذ اللہ	غزل	غیر مطبوعہ
۱۲	اپنی روداد مختصر لکھ دے	غزل	تنہائیاں

۱۳	اس درجہ زندگی سے کبھی ہم بھم نہ تھے	غزل	غیر مطبوعہ
۱۴	اک جیسے پوچھی ہے تجھے دیکھنے کے بعد	غزل	تنہائیاں
۱۵	اک نعمت ہے صحبت دم ساز	غزل	غیر مطبوعہ
۱۶	اک نو بہار ناز چمن در چمن ہوا	غزل	غیر مطبوعہ
۱۷	امواج کی صفیں ہیں مصلائے بحر پر	غزل	غیر مطبوعہ
۱۸	ان کے انداز و اشارات سے ہم گزرے ہیں	غزل	غیر مطبوعہ
۱۹	ایک بدنام آدمی ہوں میں	غزل	غیر مطبوعہ
۲۰	بدلتا ہے رنگ آسماں رفتہ رفتہ	غزل	غیر مطبوعہ
۲۱	بدوش گرد ہے مرقوم کیوں جہاں میرا	غزل	غیر مطبوعہ
۲۲	برائے نقدِ یارانِ سخن اشعار کہتا ہوں	غزل	غیر مطبوعہ
۲۳	برنگ بے صورت مال بے دلی دیکھو	غزل	غیر مطبوعہ
۲۴	بہت اداس ہوں مرے قریب آجاؤ	غزل	تنہائیاں
۲۵	بے ارادہ میرے پاس آجاؤ بھی	غزل	غیر مطبوعہ
۲۶	پاس آکر دور کیوں ہونے لگے	غزل	غیر مطبوعہ
۲۷	پاس کچھ اور بھی آنے کی اجازت دے دو	غزل	تنہائیاں
۲۸	پالیا ہے ہم نے پھر ماہ رجب	غزل	غیر مطبوعہ
۲۹	پوچھتے ہو حسرت دیدار ہے	غزل	غیر مطبوعہ
۳۰	تا بہ مرگِ ناگہاں ہے امتحاں بالائے سر	غزل	غیر مطبوعہ
۳۱	تباہ کر دیا آخر تری محبت نے	غزل	تنہائیاں
۳۲	تم مرا انتخاب ہو شاید	غزل	تنہائیاں
۳۳	تم نے اس پھول کو ہاتھوں میں دبا رکھا ہے	غزل	تنہائیاں
۳۴	تم یاد جو آؤ گی تو میں شعر کہوں گا	غزل	تنہائیاں

۳۵	تہہ رودِ تبسم سسکیاں ہوتی ہیں پوشیدہ	غزل	غیر مطبوعہ
۳۶	تھوڑی تھوڑی دور چل کر لوٹ میں آتا رہا	غزل	تنہائیاں
۳۷	تیرا وہ تاریک ہے تقدیر کیوں	غزل	غیر مطبوعہ
۳۸	جبیں یار پہ جوں ہی شکن ابھر آئی	غزل	غیر مطبوعہ
۳۹	جس کو نفرت ہے ہمارے نام سے	غزل	غیر مطبوعہ
۴۰	جو مجھے کرتے ہیں تنگ	غزل	غیر مطبوعہ
۴۱	چاند ہے اور چودھویں کی رات ہے	غزل	تنہائیاں
۴۲	چوٹ پر ہم چوٹ اپنے دل پہ کھاتے جائیں گے	غزل	تنہائیاں
۴۳	حدیث یار زباں عدو تماشا ہے	غزل	غیر مطبوعہ
۴۴	خلد سے ہم ٹھوکریں کھانے لگے	غزل	غیر مطبوعہ
۴۵	در خور آہ و بکا رنج والم سے چھوٹا	غزل	غیر مطبوعہ
۴۶	درد دل کی دوا نہ کیجیے گا	غزل	غیر مطبوعہ
۴۷	در نہیں مرے مقدر میں تو پھر دار سہی	غزل	غیر مطبوعہ
۴۸	دل پہ اپنے نہ اختیار آیا	غزل	غیر مطبوعہ
۴۹	دل چاہتا ہے ساتھ تیرے ناچنے لگوں	غزل	غیر مطبوعہ
۵۰	دل رنجشوں کا نام ہے	غزل	غیر مطبوعہ
۵۱	دل سے مرے آرزوئے دل گئی	غزل	غیر مطبوعہ
۵۲	دل لگی تھی دل لگاتے رہ گئے	غزل	غیر مطبوعہ
۵۳	دم مسیح کا کوئی نہ انتظار کرے	غزل	غیر مطبوعہ
۵۴	دو بینوں کی نگاہیں اور ہیں	غزل	تنہائیاں
۵۵	دیتا ہے مرا مولیٰ تقسیم کرے کوئی	غزل	غیر مطبوعہ
۵۶	دیدنی ہے یہ بے بسی میری	غزل	غیر مطبوعہ

۵۷	دیکھا جو برق تیری نگاہوں کو جل گئی	غزل	تنہائیاں
۵۸	دیکھ آنکھیں برس رہی ہیں آ	غزل	تنہائیاں
۵۹	رات بھر کروٹیں بدلتے ہیں	غزل	تنہائیاں
۶۰	راہِ الفت میں سنبھالو تم ذرا	غزل	تنہائیاں
۶۱	روز محشر تو نہیں ہے کہ وہ آئے ہوں گے	غزل	غیر مطبوعہ
۶۲	زندگی انقلاب ہے شائد	غزل	غیر مطبوعہ
۶۳	زندگی ہے بستۂ غم کیا کروں	غزل	غیر مطبوعہ
۶۴	زندگی ہے فریب کھانے کو	غزل	غیر مطبوعہ
۶۵	سحر سے شام تلک انتظار کرتا ہوں	غزل	تنہائیاں
۶۶	سراپا اے جہاں ہستی مری اک درس عبرت ہے	غزل	غیر مطبوعہ
۶۷	شائد کہ خواب ہے کہ لگے ہے شہر فریب	غزل	غیر مطبوعہ
۶۸	شگون یاس ہے امید کہاں باقی ہے	غزل	غیر مطبوعہ
۶۹	صدقہِ یک از فیض ایمانی بدہ	غزل	غیر مطبوعہ
۷۰	صورت دل میں یہ ارماں نقش تصویر نہاں	غزل	غیر مطبوعہ
۷۱	طنز چھلکے ہے نہ جانے کیوں مرے اشعار میں	غزل	تنہائیاں
۷۲	عالم ہے دنگ بوند یہ عالم نگر ہوا	غزل	غیر مطبوعہ
۷۳	فاصلے یہ درمیاں ہیں کس لیے	غزل	تنہائیاں
۷۴	قصہ درد پر اثر ار کہوں یا نہ کہوں	غزل	غیر مطبوعہ
۵۷	کاجل بن کر یوں ہی مت بہہ جانے دے	غزل	تنہائیاں
۷۶	کب تلک بھرتا رہوں تنہائیوں میں سسکیاں	غزل	غیر مطبوعہ
۷۷	کچھ ہے درد ایسا کہ دعویٰ نہیں ہے	غزل	غیر مطبوعہ
۷۸	کس جا تکلفات زماں منتشر نہیں	غزل	غیر مطبوعہ

۷۹	کس شئے میں تیرا حسن مسلسل نہاں نہیں	غزل	غیر مطبوعہ
۸۰	کس فتنہ ساز نے یہ لگائی ہمارے پیچ	غزل	تنہائیاں
۸۱	کس قدر اب سمجھے ہوئے ہیں لوگ	غزل	غیر مطبوعہ
۸۲	کل چودھویں کی رات تھی تم یاد آ گئیں	غزل	تنہائیاں
۸۳	کون پہنے گا محبت کی قبا، مرے بعد	غزل	غیر مطبوعہ
۸۴	کوئی دنیا میں جیتا ہے حریفِ آرزو ہو کر	غزل	غیر مطبوعہ
۸۵	کوئی لطف ہے نہ سرور ہے	غزل	غیر مطبوعہ
۸۶	کہاں میں اپنی ہر اک بات رقم کرتا ہوں	غزل	غیر مطبوعہ
۸۷	کہتا ہے جو ہوتی ہے تسلی، مگر نہیں	غزل	غیر مطبوعہ
۸۸	کیا حقیقت کسی فسانے کی	غزل	غیر مطبوعہ
۸۹	کیا مری قابو میں میرا دل نہیں	غزل	غیر مطبوعہ
۹۰	کیوں غریبوں پر یوں ڈھاتے ہو غضب	غزل	غیر مطبوعہ
۹۱	کیوں مرے معصوم دل کو یوں دکھایا آپ نے	غزل	تنہائیاں
۹۲	گل میں خاروں کی جستجو مت کر	غزل	غیر مطبوعہ
۹۳	لاکھ خوشیاں ہوں دل سرشار میں	غزل	تنہائیاں
۹۴	لکھ رہا ہوں داستاں میں خوں بہ خوں	غزل	تنہائیاں
۹۵	لو زندگی میں غم نہیں	غزل	غیر مطبوعہ
۹۶	لوگ کہتے ہیں وہ پرائی ہے	غزل	تنہائیاں
۹۷	مائل بہ حسن دیگر مری نگاہ کیوں ہے	غزل	غیر مطبوعہ
۹۸	مایوس ادھر کوئی اُدھر کوئی مگن ہے	غزل	غیر مطبوعہ
۹۹	مدت کے بعد دل کسی قاتل پہ آ گیا	غزل	تنہائیاں
۱۰۰	مرا دشمن جو بے ہنر ہوتا	غزل	غیر مطبوعہ

۱۰۱	مری خزاں کو کبھی رشک صد بہار کرو	غزل	تنہائیاں
۱۰۲	مرے درد دل کا یوں چرچا ہوا	غزل	غیر مطبوعہ
۱۰۳	مسکراؤ ابھی بہاریں ہیں	غزل	تنہائیاں
۱۰۴	معمہ ہے ترے بیمار کو یوں آج کل آنا	غزل	غیر مطبوعہ
۱۰۵	میرا طوطی کب بولے گا	غزل	غیر مطبوعہ
۱۰۶	میری الجھن نہ بنو مرے سوالوں کی طرح	غزل	غیر مطبوعہ
۱۰۷	میری جستجو کا صلہ نہیں مری زندگی میں مزہ نہیں	غزل	تنہائیاں
۱۰۸	میری زندگی حقیقت مری زندگی فسانہ	غزل	غیر مطبوعہ
۱۰۹	میرے چمن کے مقدر کی نو بہار ہو تم	غزل	غیر مطبوعہ
۱۱۰	میرے دل میں خواب جو تھے نہاں وہی خواب بن کے تم آئی ہو	غزل	غیر مطبوعہ
۱۱۱	میں اپنے آپ کو پڑھتا ہوں رات دیر گئے	غزل	غیر مطبوعہ
۱۱۲	نگاہوں سے یوں دل میں آیا نہ کیجئے	غزل	تنہائیاں
۱۱۳	نگاہیں ملا کر جدا ہو گئے	غزل	غیر مطبوعہ
۱۱۴	نمو کی حسرتوں میں ہے جو لذت وہ مکرر دے	غزل	غیر مطبوعہ
۱۱۵	نہ دل اپنا نہ خوں اپنا	غزل	غیر مطبوعہ
۱۱۶	نہ کاش تم سے کبھی دوستی ہوی ہوتی	غزل	تنہائیاں
۱۱۷	نہ کیوں چاہیں کہ رکھتے ہیں تمنا اپنی فطرت میں	غزل	غیر مطبوعہ
۱۱۸	نہ ہو کلام، اگر ہو سلام کافی ہے	غزل	غیر مطبوعہ
۱۱۹	وجہ نجات ہوتی ہے غربت کبھی کبھی	غزل	غیر مطبوعہ
۱۲۰	ہوا ہے غیر مائل اگر ستم کیا ہے	غزل	غیر مطبوعہ
۱۲۱	ہم آپ کے گھر آئے تھے اور آپ نہیں تھے	غزل	تنہائیاں

۱۲۲	ہم تم دونوں دور ہوئے	غزل	غیر مطبوعہ
۱۲۳	ہم غریبوں پر ہے کیوں اتنا غضب	غزل	غیر مطبوعہ
۱۲۴	ہم نے اپنا جو مدعا دیکھا	غزل	غیر مطبوعہ
۱۲۵	ہم نے ان کا شباب دیکھا ہے	غزل	غیر مطبوعہ
۱۲۶	ہو چکا دل آپ کا مغرور کیا	غزل	غیر مطبوعہ
۱۲۷	ہو نہ جاؤں رزق کی وسعت سے میں بے دین پھر	غزل	غیر مطبوعہ
۱۲۸	ہمیں دیکھ کر مسکراؤ تو جانیں	غزل	تنہائیاں
۱۲۹	ہمیں معلوم کیا تھا دلگی ہے دلگی اپنی	غزل	تنہائیاں
۱۳۰	ہو گیا خاموش کیوں غنچہ دہن	غزل	غیر مطبوعہ
۱۳۲	یا الٰہی پاؤں میں کیسے سکوں	غزل	غیر مطبوعہ
۱۳۳	یہ آرزو ہی کیوں، ان کی یہ آرزو ہو	غزل	غیر مطبوعہ
۱۳۴	یہ انتخاب لفظ یہ انداز گفتگو	غزل	غیر مطبوعہ
۱۳۵	یہ گریز اچھا نہیں ہے دیکھیے	غزل	تنہائیاں

نظم اور اس کی قسمیں:

سید عباس متقی نے اردو کی بیشتر اصناف سخن میں نہ صرف طبع آزمائی کی ہے بلکہ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اس اصناف سخن میں انھوں نے صنف قطعہ میں اپنی تمام تر توجہ مرکوز کر رکھی ہے۔ علاوہ ازیں بعض متروک اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی کرتے آرہے ہیں۔ اس طرح ان کے یہاں مطبوعہ و غیر مطبوعہ کلام ملتا ہے۔ غیر مطبوعہ کلام مختلف فائیلوں، روز ناچوں اور چیدہ چیدہ کاغذات میں بکھرا پڑا ہے جو اردو زبان میں بھی ہے اور فارسی میں بھی۔ یہاں پہلے اردو کلام پر اصناف نظم اور ان میں حروف تہجی کے مطابق مصرعے یکجا کیے گئے ہیں تا کہ ان کی شعری کارکردگی بیک وقت سامنے آجائے۔

۱)حمد گوئی:

حمد گوئی کی تفصیلات مطبوعہ و غیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں:

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	تیرے خیال میں گم زندگی کا ہر پل ہے	حمد	غیر مطبوعہ
۲	جام وحدت پینے آیا عبد بے دام آپ کا	حمد	غیر مطبوعہ
۳	جس سے راضی ہو خدا ایسا ہی نالہ چاہیے	حمد	غیر مطبوعہ
۴	شہ رگ سے بھی قریں ہے	حمد	تنہا ئیاں
۵	کروں حمد تیری بیاں کس زباں سے	حمد	غیر مطبوعہ
۶	کیا بتاؤں کہ کیا دیا تو نے	حمد	غیر مطبوعہ
۷	لکھا تقدیر تو نے ہی کیا تدبیر تو نے ہی	حمد	غیر مطبوعہ
۸	ہر شئے سے یہی آتی ہے صدا سبحان اللہ سبحان اللہ	حمد	تسلیماً کثیراً
۹	ہماری سمجھ سے بھی بالا ہے تو	حمد	غیر مطبوعہ
۱۰	ہمارے تخیل سے بالا ہے تو	حمد	غیر مطبوعہ
۱۱	یا رب عطا وہ درد ہو جس کی دوا ہے تو	حمد	غیر مطبوعہ

۲)مناجات:

مناجات گوئی کی تفصیلات مطبوعہ و غیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں:

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	الٰہی صدقہ پیراں عظّام	مناجات	غیر مطبوعہ
۲	الٰہی نبیؐ کی محبت عطا کر	دعا	غیر مطبوعہ
۳	کس زباں سے تری تعریف ہو اللہ میرے	مناجات	تسلیماً کثیراً

۳) نعت گوئی:

نعت گوئی کی تفصیلات مطبوعہ و غیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں:

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	آپ کا در چھوڑ کے جاؤں کہاں یا مصطفیٰؐ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۲	آقاؐ سلام لو میرے آقاؐ سلام لو	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۳	آقا کے نام پر میرا دامن جو تر ہوا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۴	آنکھوں سے چلتے آؤ یہ شہر رسولؐ ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۵	اب معجزہ روح پر کھتا ہے یہاں کون	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۶	اپنی آنکھوں سے جو میں نے انؐ کی صورت دیکھ لی	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۷	اصل کونین مغز عالم ہو	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۸	اک لطف کی نظر مرے سرکارؐ دیکھنا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۹	اللہ مدینہ کی فضائیں ہوں میسر	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۰	انا بشر یہ ایمان لے تو آیا ہوں لکھوں کیسے!	نعت شریف	تسلیماً کثیراً
۱۱	انؐ کے قدموں میں لرزتے ہیں جبل	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۲	انؐ کے قریب کردے جو خوش قسمتی مجھے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۳	اے دل نہ روٹھ ہر سرکارؐ بلاتے ہیں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۴	اے قاسم یکتا گر تیرا ہلکا سا اشارہ ہو جائے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۵	ایک ان کے عشق کے اور کوئی الفت عبث	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۶	ایں زمیں و آسماں بہر نبیؐ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۷	بسکہ ہوں منجملہ عشاق شاہ دو جہاں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۸	بس نور تمہارا ہے دنیا کے نظاروں میں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۹	پھانس لو میرے دل کو پھانس کی کھٹک دیونا	نعت شریف	غیر مطبوعہ

۲۰	تجھ پہ ہو جائیں جو قربان رسول عربیؐ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۲۱	تری صورت دیکھ کر ادنیٰ سے اعلیٰ ہو گیا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۲۲	تعین در صفات و حسن شاہ انبیاء ہو گا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۲۳	تلطف اس قدر اغیار پر اغیار کی قسمت	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۲۴	تمہارے دم سے ہے میرا فسانہ یا رسول اللہؐ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۲۵	تمہارے ہاتھ ہماری حیات ہے آقا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۲۶	تمہارے ہاتھ ہے سب کچھ ہمارا یا رسول اللہؐ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۲۷	توری پریت میں من ہی من میں کب تک نیر بہاؤں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۲۸	تیرا مثل کوئی کہاں ہے میاں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۲۹	تیرے ادنیٰ اشارے سے میری قسمت بدل جائے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۳۰	ٹپکتے ہی لیا آنسو نے صورت لعل و گوہر کی	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۳۱	جام وحدت پینے آیا عبد بے دام آپ کا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۳۲	جاناں، نہ تمہیں جانا جو کوئی، جانا بھی سوا تو کیا جانا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۳۳	جب خدا ہو گیا محمدؐ کا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۳۴	جب عرش معلےٰ پہ نام آپؐ کا ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۳۵	جس نے پیارے مصطفیؐ کی پیاری صورت دیکھ لی	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۳۶	جسے ایمان کہتے ہیں محبت ہے محمدؐ کی	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۳۷	جلوہ سرکارؐ کا اک بار دکھا دے مولیٰ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۳۸	جن کا نام احمدؐ ہے دو جہاں کے پیارے ہیں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۳۹	جو کملی والے کی اب چھاؤں میں بسیرا ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۴۰	جوگن کو تیری چھوڑ گئے قافلے والے اے گیسوؤں والے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۴۱	جہاں ہم نبیؐ کے قدم دیکھتے ہیں	نعت شریف	غیر مطبوعہ

۴۲	چشم و دل میں یوں شناسائی نہ تھی	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۴۳	حرا کی کوہ سے نکلا ہے یہ چشمہ ہدایت کا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۴۴	حرف آخر آپ کا فرمان ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۴۵	حصول قرب جانا مقصد عمر دو روزہ ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۴۶	حق تعالیٰ تیرا کوثر تیرا جنت تیری	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۴۷	خدا شاہد، زمانے کو کیا زیر و زبر تو نے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۴۸	خوشا پیتا ہوں روز و شب میں پیمانہ محمدؐ کا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۴۹	خوشی مناؤ رسولِ خدا کی آمد ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۵۰	خوگر ظلم و ستم تھا یہ جہاں تم آئے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۵۱	داتا ہو دو عالم کے، بندوں کا بھلا کرنا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۵۲	درد دل کا شکار رہونا ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۵۳	دل محمدؐ سے جب لگایا ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۵۴	دل محمدؐ سے لگانا چاہیے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۵۵	دل عشق مصطفیؐ میں گرفتار ہو گیا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۵۶	دل میرا اور سے بیزار رہا خوب ہوا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۵۷	دل وقف ہے محبت سرکار کے لیے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۵۸	دو عالم میں غم خوار دو عالم صرف آنحضرتؐ	نعت شریف	تسلیماً کثیراً
۵۹	دیر سے آئیں ملاحق کا حبیبؐ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۶۰	دیکھتا ہوں ان کو بینا ہوں میاں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۶۱	دیکھ لے دیکھ لے اک بار مدینہ والے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۶۲	رات دن نام نبیؐ ورد کیا کرتے ہیں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۶۳	رحمت لقب ہے سیہ ابرار کے آگے	نعت شریف	غیر مطبوعہ

۶۴	رشک آئے کیوں نہ اپنی چاہ پر	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۶۵	رقص مہ و خورشید سے یہ بات عیاں ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۶۶	رونے والے کو نہ اب اور رولایا جائے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۶۷	زلف ہے واللیل تو والشمّس چہرہ آپ ؐ کا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۶۸	زمیں نیچے چمک اٹھی فلک اوپر چمک اٹھا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۶۹	سپنوں کے راجا، موہے نہ یوں تڑپاؤ جی	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۷۰	سرکار پہ جس شخص کو ایمان نہیں ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۷۱	سرکارؐ سے الفت کا صلہ پائیں گے اک دن	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۷۲	سرکارؐ میرے سب کے غم خوار نظر آئے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۷۳	سر نیاز جھکایا تیرے قدم پر ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۷۴	سنایا میں نے جب ان کا فسانہ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۷۵	سنگ مرمر نے بھی پایا ہے نہ مرمر کے نصیب	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۷۶	شعور بندگی تحقیق سے اے دل نہ پائے گا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۷۷	شفق شرمندۂ رخ ہے پشیماں گل ہے گلشن میں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۷۸	شمع نور ہدایت، جز تمہارے کون ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۷۹	صنم چلائے ٹوٹا کفر، باطل مٹ گیا سارا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۸۰	صورت محمدؐ سے جس کو آشنائی تھی	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۸۱	طیبہ کے خوب رو یہ نظارے ملیں کہاں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۸۲	طیبہ کے سائیںؐ کرپا کرو کرپا کرو	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۸۳	عاشق آنجنابؐ ہوتا ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۸۴	عاشقت در دو جہاں اے شاہ عالم بازیاب	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۸۵	عشقِ احمد رنگ لانا چاہئے	نعت شریف	تسلیماً کثیراً

۸۶	عشقِ نبیؐ میں آنکھ جو پرنم ہوا کرے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۸۷	غلام آقا کے قدموں میں دفن ہوتا تو اچھا تھا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۸۸	فرازِ کوہ اوج رائی ہے ترے آگے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۸۹	فیضان دو عالم کو ملا آپؐ کے در سے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۹۰	قدم ہیں باعث تزئین عرش پاک کیا کہنا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۹۱	قرار دل سکون جاں تیری اک دید سے حاصل	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۹۲	کبھی تو شب گزاروں کی سحر ہو	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۹۳	کتنی بلند میری بھی قسمت ہے دوستو	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۹۴	کس زباں سے تیری تعریف ہو اللہ میرے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۹۵	کون ہو سکے گا آپ سے برتر کس طرح	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۹۶	کون ہے ماہ دو عالم سا حسین	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۹۷	کون ہے محبوب داور سا حسین	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۹۸	کوئی دیکھے یہ منظر آ رہے ہیں وہؐ خیالوں میں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۹۹	کوئی زاہد ہے تو کوئی متقی	نعت شریف	تسلیماً کثیراً
۱۰۰	کہاں جائیں گے محفل سے یہ دیوانے محمدؐ کے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۰۱	کیا تم سے ہو سکے کوئی برتر کسی طرح	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۰۲	کیا رو ہے بحر کی تری رفتار کے آگے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۰۳	گفت عرش پاک در معراج شانم مصطفیٰؐ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۰۴	گنبد خضرا سے جب میری نظر ٹکرا گئی	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۰۵	گنہ گار کو پھر بلاؤ حضورؐ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۰۶	''لب پہ جس دم میرے نام شہ بطحاؐ آیا''	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۰۷	لمحہ نور ہدایت جز تمہارے کون ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ

۱۰۸	محمد محمد پکارا کروں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۰۹	محمدؐ سے دل کو لگا کر تو دیکھو	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۱۰	محمدؐ کو تشریف لانا پڑے گا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۱۱	محمد مصطفیٰؐ سے ربط حاصل ہوتا جاتا ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۱۲	محمد مصطفیٰؐ کے نام پر ہم جان دیتے ہیں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۱۳	محمدؐ ہمیں یاد آنے لگے ہیں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۱۴	محمدؐ یا محمدؐ ہم تمہارا نام لیتے ہیں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۱۵	مدہوش رخ تاب ہے موسیٰ ترے آگے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۱۶	مرا سینہ نبیؐ کی رہ گزر رہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۱۷	مرے دل پہ سرکار چھائے ہوئے ہیں	نعت شریف	تسلیماً کثیراً
۱۱۸	مرے رسول کی گنبد پہ جو فدا ہوگا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۱۹	مرے سرکارؐ میری مشکلوں سے خوب واقف ہیں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۲۰	مست کر دے ہمیں مستانہ بنا دے ہم کو	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۲۱	مصطفیٰؐ کی پیاری پیاری جوتیاں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۲۲	ملا بوزرؓ کو فردوس بریں اقرار احمد سے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۲۳	ملا کیا کیا بتاؤں کیا خدا کے پیارے احمدؐ سے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۲۴	منزل کا انتخاب نہ راہوں کا انتخاب	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۲۵	مورا نبیؐ بسو ہے طیبہ میں، میں رو رو نین گواؤں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۲۶	میرے پریم کی لاج رکھونا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۲۷	میرے دل میں ہے ان کا پیار اللہ اللہ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۲۸	میں اک شاعر ہوں مدحِ مصطفیٰؐ میرا وتیرہ ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ

۱۲۹	نبیؐ کے عشق میں جس کا گریباں چاک ہوتا ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۳۰	نصیبوں سے ملا ہے در محمدؐ تم پہ میں صدقے	نعت شریف	تسلیماً کثیراً
۱۳۱	نعلین پا بن جاؤں گا	نعت شریف	متاع روح
۱۳۲	نکتہ قوسین سے وہ راز کیا افشا ہوا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۳۳	نگاہ حضرت آدمؑ نے سب سے پہلے کیا دیکھا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۳۴	نور کا پیکر صلوٰۃ اللہ علیہ	نعت شریف	تنہائیاں
۱۳۵	نہ خاور کو دیکھو نہ اختر کو دیکھو	نعت شریف	تسلیماً کثیراً
۱۳۶	نہ مجھے حور نہ پھر جنت گلزار رہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۳۷	نہیں تم سا کوئی حسین یا محمدؐ	نعت شریف	تسلیماً کثیراً
۱۳۸	وفور عشق سے وارفتہ سارا آسماں نازاں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۳۹	ہمارے دل میں یہی ہے حسرت مدینہ جائیں واپس نہ آئیں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۴۰	ہم دل و جاں محمدؐ پہ فدا کرتے ہیں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۴۱	ہم دیکھ کہاں سکتے ہیں اپنے خدا کا رو	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۴۲	ہم کور چشماں وہ بینا ہمارا	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۴۳	ہوا ارض مقدس میں نبیؐ کا گل بدن محفوظ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۴۴	ہو نہ جاؤں رزق کی وسعت سے میں بے دین پھر	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۴۵	ہیں کتنی خوبرو شۂ ابرار کی آنکھیں	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۴۶	یاد میں نبیؐ کی دل روز بے قرار ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۴۷	یوں نگاہوں میں وہ تصویر رہا کرتی ہے	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۴۸	یہ مہر و ماہ و عرش و فرش و بحر و بر حضورؐ	نعت شریف	غیر مطبوعہ

۴) سلام بارگاہ خیر الانام:

سلاموں کی تفصیلات مطبوعہ و غیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں:

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	اے امینِ اماں سلام علیک	سلام	غیر مطبوعہ
۲	اے نبیؐ انس و جاں، آپ پر لاکھوں سلام	سلام	غیر مطبوعہ
۳	بہ نام خیر الانام ہے یہ سلام باد صبا سنبھل کر	سلام	غیر مطبوعہ
۴	حضور اکرمؐ رسول اعظم سلام لیجے سلام لیجے	سلام	غیر مطبوعہ
۵	کرم جو آپ کا خیر الانام ہو جائے	سلام	غیر مطبوعہ
۶	مصطفیٰؐ جانے ایماں پہ لاکھوں سلام	سلام	غیر مطبوعہ
۷	میرے محمدؐ میرے پیمبر درود تم پر سلام تم پر	سلام	غیر مطبوعہ
۸	نور ہر دو جہاں سلام علیک	سلام	غیر مطبوعہ
۹	یا نبیؐ خیر الانام لیجیے میرا سلام	سلام	غیر مطبوعہ
۱۰	یا نبیؐ سلام علیک یا رسول سلام علیک	سلام	غیر مطبوعہ

۵) ٹھمری:

ٹھمریوں کی تفصیلات مطبوعہ و غیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں:

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	دیدار مصطفیٰ ہے دل نا تمام ہے	ٹھمری	غیر مطبوعہ
۲	سرکارؐ مدینے والے	ٹھمری	غیر مطبوعہ

۶) منقبت:

منقبت گوئی کی تفصیلات مطبوعہ و غیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں:

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	اپنے عاشق کی ذرا اب لے خبر بندہ نوازؒ	منقبت بندہ نوازؒ	غیر مطبوعہ
۲	در پہ ہمیں بلالو اجمیر والے خواجہؒ	منقبت خواجہؒ	غیر مطبوعہ
۳	زمیں اپنی مہ وخورشید اپنی آسماں اپنا	منقبت غوثؒ	غیر مطبوعہ

۷)موضوعی نظم نگاری:

موضوعی نظموں کی تفصیلات مطبوعہ وغیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں:

نشان	مصرع اولیٰ	موضوع نظم	مشمولہ
۱	آج تقدیر مری صاحب تقدیر ہوئی	تصویر	تنہائیاں
۲	آج کیا بات ہے کہ دل میرا	سال گرہ	تنہائیاں
۳	اپنا یہ تلنگانہ، اپنا یہ تلنگانہ	جے تلنگانہ	غیر مطبوعہ
۴	اپنی زلفیں مرے گالوں پہ پریشاں کردو	مہمیز	تنہائیاں
۵	اٹھا رہا تھا مری انگلیوں کا بار قفس	اک غمگین پھول	تنہائیاں
٦	اداسیاں بھی کئی طرح کی یہ ہوتی ہیں	خودکشی	تنہائیاں
۷	اللہ کا احسان ہیں ماں باپ ہمارے	ماں باپ	غیر مطبوعہ
۸	انجام بنی تم رہتی ہو	دل ہی تو ہے	تنہائیاں
۹	اے پروگریسیو اسکول تجھے میرا سلام ہے	پروگریسیو اسکول	غیر مطبوعہ
۱۰	اے چاند تیرا منتظر	چانداور شاعر	تنہائیاں
۱۱	ایک گل رو کی محبت خوب تھی	پھول کی فریاد	تنہائیاں
۱۲	ایک مدت سے خانۂ دل میں	طمانیت	تنہائیاں
۱۳	برکھارت پھر آئی سکھی رہی	برکھارت	غیر مطبوعہ
۱۴	بہار بن کے مرے گلستاں میں آئی ہو	خزاں کے بعد	تنہائیاں

۱۵	تا ابد خالق عالم یہ رفاقت رکھے	صبح شبستان	غیر مطبوعہ
۱۶	تشریف لا رہے ہیں تشریف لا رہے ہیں	رمضان آ رہے ہیں	غیر مطبوعہ
۱۷	تم اپنے عہد کو اپنی زبان کو بھول گئیں	تم بھول گئیں	تنہائیاں
۱۸	تم نہیں پہلو میں اور برسات ہے	برسات	تنہائیاں
۱۹	تمہارے سائے میں دنیا کی ہے اماں امّاں	میری ماں	غیر مطبوعہ
۲۰	تمھیں اک بار مجھ سے مرے دل کی بات کہہ ڈالو	اعتراف	تنہائیاں
۲۱	تمہیں ضد کہ برتے ہوئے لفظ برتوں	تم جانتی ہو	تنہائیاں
۲۲	تو گلستاں ہے گل و لالہ و شمن تجھ میں	اندیشہ	تنہائیاں
۲۳	تو نے سمجھا تھا کہ یہ پھول ہے تیری خاطر	رقیب سے	تنہائیاں
۲۴	تو میرے سامنے بیٹھی ہو یہی کیا کم ہے	اکتفا	تنہائیاں
۲۵	تری یادوں کی یلغار ہے	بیمار	تنہائیاں
۲۶	جب تم نہیں تو چاند کی رعنائی کیا کروں	سرِ راہ	تنہائیاں
۲۷	جراءتِ عشق کو شہہ دی ہے تمھیں نے شاید	الزام	تنہائیاں
۲۸	جیوتشی ہیں ہاتھ دکھلاؤ ہمیں	جیوتش	تنہائیاں
۲۰	خدا کے واسطے میرے خطوط لوٹا دو	میرے خطوط لوٹا دو	تنہائیاں
۳۰	خلق مکتب ہی میں پایا اور نہ ملا کے یہاں	پیغام	غیر مطبوعہ
۳۱	خلق میں عاقل بنو کردار میں عاقل بنو	عاقل بنو	غیر مطبوعہ
۳۲	دل کے آنگن میں یوں چپکے سے اتر آئی ہو	شیشہ	تنہائیاں
۳۳	دل لگی فرما رہی ہو یا تمھیں مجھ سے ہے پیار؟	سوال	تنہائیاں
۳۴	دل ہے پژمردہ آنکھ ویراں ہے	پانچویں سمت	غیر مطبوعہ
۳۵	دیکھ تو لوں اپنا، دنیا کا نظارہ دیکھ تو لوں	شہرت سے پہلے	غیر مطبوعہ
۳۶	دیکھ کر آپ کی یہ تصویریں	البم	تنہائیاں

۳۷	دیکھ لیا بس دیکھ لیا شہرت کا زمانہ دیکھ لیا	شہرت کے بعد	غیر مطبوعہ
۳۸	دیکھو وہ آ رہا ہے سرکارؐ کا مہینہ	سرکارؐ کا مہینہ	غیر مطبوعہ
۳۹	رات ماتم کر رہی ہے روشنی خاموش ہے	بلیک سنڈے	تنہائیاں
۴۰	راستوں میں گھومتے تھے دو بدن	دو بدن	تنہائیاں
۴۱	راکب دوش نبی کی بات کر	راکب دوش نبی	غیر مطبوعہ
۴۲	راہی نزد جاں ہے یہ سعدی کی گلستاں	سعدی کی گلستاں	غیر مطبوعہ
۴۳	رحمت یوسف زئی نام یار مہرباں	رحمت یوسف زئی	غیر مطبوعہ
۴۴	رفتہ رفتہ کالی زلفوں میں سفیدی آ گئی	نظم	غیر مطبوعہ
۴۵	زمانے بھر کی تمنائیں اپنے دل میں لیے	عتاب	تنہائیاں
۴۶	ساقیا دے بادۂ لطف و کرم	تحفہ عید	تنہائیاں
۴۷	سلام الفت قبول کر لو	پیام قربت	غیر مطبوعہ
۴۸	سن شعور کو پہنچا تو یہ خیال آیا	رہنما	غیر مطبوعہ
۴۹	عیش میں کٹ رہی ہے عمر میری	سوکن	غیر مطبوعہ
۵۰	فیض ہے پیر کامل کا	لاموجود اِلا اللہ	غیر مطبوعہ
۵۱	قبر میں میری آئیں گے کیڑے	کیڑے	غیر مطبوعہ
۵۲	قریب آؤ شرافت کا امتحان نہ لو	امتحان نہ لو	غیر مطبوعہ
۵۳	کبھی تو غم کے اندھیروں میں روشنی ہوگی	مرہم	غیر مطبوعہ
۵۴	کتنا اچھا کتنا پیارا تیرا کوچہ تیرا گھر	ترا کوچہ ترا گھر	تنہائیاں
۵۵	کتنی باتوں کو سلیقے سے اٹھا رکھا ہے	لوگ کہتے ہیں تم پرائی ہو	تنہائیاں
۵۶	کتنی پیاری ہیں آپ کی آنکھیں	آپ کی آنکھیں	تنہائیاں
۵۷	کتنی پیاری ہیں آپ کی آنکھیں	آنکھیں	تنہائیاں
۵۸	کتنی مزے کی آپ پکاتی ہیں روٹیاں	روٹیاں	تنہائیاں

۵۹	کتنے دن اور تم رہو گے دور	ایک دن کی دلہن	غیر مطبوعہ
۶۰	کرنوں کی سیڑھیوں سے اتری ہو تم پری ہو	سورج کا پیرہن	تنہائیاں
۶۱	کر و یاد اس زمانے کو مجھے جب تم ستاتی تھیں	تم سے ۔۔۔	غیر مطبوعہ
۶۲	کس کو دیکھوں کس سے بولوں چاند بھی ہے اور تم بھی ہو	چاند بھی ہے اور تم بھی ہو	تنہائیاں
۶۳	کسی نے پونجی اڑا کے میرے فقیر مجھ کو بنا دیا	حرم کی راہ میں	تنہائیاں
۶۴	مجھے نہ پاؤ گے تم عمر بھر یہ ضد چھوڑ و	یہ ضد چھوڑ دو	تنہائیاں
۶۵	مجھے نہ دوست بناؤ بہت خراب ہوں میں	انتباہ	تنہائیاں
۶۶	ململ کا جہانگیر نے کرتا عطا کیا	سوغات ململ	غیر مطبوعہ
۶۷	موت کی افسردگی میں زندگی ہے شاعری	شاعری	تنہائیاں
۶۸	موسم برسات بھی کیا خوب یہ برسات ہے	خوب یہ برسات ہے	تنہائیاں
۶۹	میری آنکھوں پر یہ پہرے کس لیے	پہرے	تنہائیاں
۷۰	میری آنکھوں میں رہو مرے خوابوں میں رہو	مری آنکھوں میں رہو	تنہائیاں
۷۱	میری حیات کا مقصد ہے تم کو پالینا	تنہائیاں	تنہائیاں
۷۲	میرے دل سے باہر نہ جھانکا کرو تم	مشورہ	تنہائیاں
۷۳	میرے محبوب تجھے سامنے آنا ہوگا	التماس	تنہائیاں
۷۴	میرے ندیم میرے دوست میرے ہم راہی	آخری نظم	تنہائیاں
۷۵	میں تیرے حسن کا شاعر ہوں	حسن کا شاعر	تنہائیاں
۷۶	میں تمہیں پا بھی سکوں یہ میری تقدیر کہاں	احتساب	غیر مطبوعہ
۷۷	میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے پیار کرتے ہو	میں پرائی ہوں	غیر مطبوعہ
۷۸	میں سوچتا ہوں میری دعا ہو	نظم محبت	گپ شپ
۷۹	میں شام سے تنہا تنہا ہوں اب چاند نکلنے والا ہے	سہارا	تنہائیاں
۸۰	میں نے دیکھا تو نہیں اس کو مگر سوچا ہے	نظم خلوص	غیر مطبوعہ

۸۱	میں نے دیکھا ہے کہ پھولوں سے بھری مسند پر	خوابِ شیریں	غیر مطبوعہ
۸۲	نقش ہیں وابستہ اشواقِ پنہاں آج بھی	مکہ مسجد	غیر مطبوعہ
۸۳	نکوسیرت نکوصورت رحیم الدین انصاری	محمد رحیم الدین انصاری	غیر مطبوعہ
۸۴	نیم واہو کے ادھوری ہیں تمہاری آنکھیں	کرب	تنہائیاں
۸۵	وہ ایک حسین خواب ہے	حسین خواب	غیر مطبوعہ
۸۶	وہ گروسائیں دکن کے عاقل ان کا نام ہے	مداح عاقل	غیر مطبوعہ
۸۷	ہر گھڑی موت پاس آتی ہے	مریض	غیر مطبوعہ
۸۸	ہم تلنگانہ کی چاہت کو بھلا سکتے نہیں	ترانہ تلنگانہ	غیر مطبوعہ
۸۹	ہم نور کے پیمانے دنیا کو پلائیں گے	ترانۂ مرکز العلوم حیدرآباد	غیر مطبوعہ
۹۰	ہے دن یہ جمعرات کا کچھ دے دے اتارا	صدائے فقیر	غیر مطبوعہ
۹۱	یہ شب برات عبادت کی رات ہے	شب برات	غیر مطبوعہ
۹۲	یہ کس مقام پہ مجھ کو حیات لے آئی	عمر گریزاں	تنہائیاں
۹۳	یہ وہ گھر ہے جس میں ہوتا ہے سدا ذکر نبیؐ	حسامیہ منزل	غیر مطبوعہ

۸) قصیدہ گوئی:

قصیدہ کی تفصیل اس طرح ہے۔

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	ذی سلم کے خوب خو ہم سائیگان	قصیدہ	فی ظلال البردہ

۹) شہر آشوب نگاری:

شہر آشوب کی تفصیل اس طرح ہے۔

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	اے خداوند واحد القہار	شہر آشوب	رود دود

۱۰) قوالی:

قوالی کی تفصیل اس طرح ہے:

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	میرا یار جب سے گیا ہے ورنگل	قوالی	غیر مطبوعہ

۱۱) گیت:

گیتوں کی تفصیلات مطبوعہ و غیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں:

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	تم نے کبھی جو ہم کو دیا تھا ہائے وہ بھی سہارا یاد کرو	گیت	غیر مطبوعہ
۲	میرا بڈھا شاہ جوان بڈھا نکو بولو گے	گیت	غیر مطبوعہ
۳	میری باہوں میں آجاؤ ایک دفعہ بس ایک دفعہ	گیت	غیر مطبوعہ
۴	نین بچھائے کب سے ہوں بیٹھی آؤ محمدؐ آؤ جی	گیت	غیر مطبوعہ

۱۲) لوری:

لوری کی تفصیل اس طرح ہے:

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	سو جا راج کماری سو جا	لوری	غیر مطبوعہ

۱۳) سہرا:

سہروں کی تفصیلات مطبوعہ و غیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں:

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	بتقریب شادی محمد امتیاز سلمہٗ (قطعہ تاریخ صوری)	سہرا	غیر مطبوعہ
۲	بتقریب شادی محمد عبدالاحد انصاری سلمہٗ (کاسۂ ایجاب)	سہرا	غیر مطبوعہ
۳	بتقریب شادی محمد مرتضیٰ احمد خاں سلمہٗ (شکوہ خلعت)	سہرا	غیر مطبوعہ
۴	بتقریب شادی مولوی محمد مصطفیٰ صدیقی المعروف بہ مسکین	سہرا	غیر مطبوعہ

۱۴) قطعات نگاری:

قطعات کی تفصیلات مطبوعہ و غیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں:

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	انجم و خورشید و ماہ و کہکشاں خاموش ہے	آہ! مدیر رہنما	غیر مطبوعہ
۲	برائے قوم جو دل بے قرار ہوتا ہے	قطعہ	غیر مطبوعہ
۳	رسول پاک ؐ کی مدحت سے کام ہوتا ہے	قطعہ	غیر مطبوعہ

کلامِ متقی پر علم بیان کا اطلاق:

علم بیان وہ علم ہے جس سے ایک بات کو مختلف طریقوں سے کہنے کا طریقہ آ جائے اور اس طرح کلام میں زور اور حسن پیدا ہو جائے۔ جیسے کسی بہادر شخص کے لیے یہ کہنا کہ وہ بڑا بہادر ہے یا وہ بڑا جی دار ہے، ایک معمولی بات ہے۔ اس بات کو اگر کہا جائے کہ فلاں شخص رستم کی طرح بہادر ہے یا شیر کی طرح طاقتور ہے یا فلاں شخص کو دیکھ کر بڑے بڑے بہادروں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے، یہ حسن بیان ہے۔ علم بیان میں حسن بیان کے طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔

اگر کلام میں لفظ کہ لغوی معنی میں استعمال کیا جائے تو اسے ''حقیقت'' یا حقیقی معنی کہیں گے۔ اس سے برعکس لفظ سے ایسے معنی مراد لیں جو اس کے حقیقی معنی ہوں تو اسے ''مجاز'' کہتے ہیں۔ مجاز کی چار قسمیں ہیں۔ (ا) تشبیہ (ب) استعارہ (ج) مجازِ مرسل (د) کنایہ۔

تشبیہہ:

ایک چیز کو دوسری چیز سے مشابہت دینے کے عمل کو تشبیہہ کہتے ہیں۔ جیسے۔

؎ راہ کا پتھر سمجھنا مت مجھے
ایک ہیرا ہوں اٹھا لو تم ذرا
تنہائیاں ص۱۱

اس شعر میں شاعر خود کو راہ کے پتھر سے تشبیہہ دے رہا ہے۔ دونوں کی مشترکہ خصوصیت ''وقعت اور قیمت'' ہے۔ تشبیہہ کے لیے پانچ اجزا کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) مشبّہ = وہ جس کو تشبیہہ دی جائے ۔ جیسے شاعر کی ذات

(۲) مشبّہ بہ = وہ جس سے تشبیہہ دی جائے ۔ جیسے ہیرا

(۳) وجہ تشبیہہ = وہ خصوصیت جس کی وجہ سے تشبیہہ دی گئی ہو جیسے قیمت اور اہمیت

(۴) غرض تشبیہہ = جس مقصد سے تشبیہہ دی جائے جیسے یہاں شاعر کی اہمیت مقصود ہے۔

(۵) حرف تشبیہہ = وہ حروف جن کے ذریعے مشابہت دکھائی جاتی ہے۔ اس شعر میں ''کا'' حرف تشبیہہ ہے جو دراصل ''کا سا'' یا ''کی طرح'' کے معنی میں ہے۔ تشبیہہ نگاری میں بعض دفعہ حروف تشبیہہ کی طرح ، مانند، جیسا وغیرہ کو حذف کر دیا جاتا ہے اور دوسرے لفظوں کے ذریعے بالراست مشابہت بتلائی جاتی ہے۔

مشبہ اور مشبّہ بہ دو طرح کے ہوتے ہیں ۔ (۱) حسی (۲) عقلی

(۱) حسی:

حسی مشبہ اور مشبہ بہ وہ ہیں جو حواس خمسہ ظاہری یعنی (۱) بصر (دیکھنا) (۲) سمع (سننا) (۳) شم (سونگھنا) (۴) ذوق (چکھنا) (۵) لمس (چھو کر معلوم کرنا) ۔

(۲) عقلی:

عقلی مشبہ اور مشبہ بہ وہ ہیں جو بجائے حواس خمسہ ظاہری کے عقل سے دریافت ہوں جیسے خوشی ،غم ،محبت ،نفرت ، بہادری ، بزدلی وغیرہ۔

مشبہ اور مشبہ بہ حسی و عقلی ہونے کے اعتبار سے چار طرح ہو سکتے ہیں:

(۱) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی ہوں (۲) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں عقلی ہوں

(۳) مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی ہو (۴) مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی ہو۔

(۱) مشبہ اور مشبہ بہ جب حسی ہوتے ہیں تو حسب ذیل حواس خمسہ پر دلالت کرتے ہیں۔

(۱) باصرہ یعنی دیکھنے سے متعلق تشبیہہ ہو جیسے۔

ایک چیز کو دوسری چیز سے مشابہت دینے کے عمل کو تشبیہہ کہتے ہیں ۔ جیسے۔

؎ کتنے بلند ہیں تیری منزل کے راستے
دیکھا جو تیرے گھر کو خدا یاد آ گیا (۹۸)

؎ تم نظر آتی ہو دلھن کی طرح
چاند تارے کیا ہیں یہ بارات ہے (۹۹)

؎ ایسے تکتا ہوں آپ کی آنکھیں
جیسے مدت سے بے قراری ہو (۱۰۰)

(۲) سامعہ یعنی سننے سے متعلق تشبیہ ہو جیسے۔

؎ کتنی پیاری ہیں آپ کی آنکھیں
جیسے نغمے ہوں شادمانی کے

؎ کتنی پیاری ہیں آپ کی آنکھیں
جیسے خاموشیوں کی آوازیں (۱۰۱)

(۳) شامہ یعنی سونگھنے سے متعلق تشبیہ ہو جیسے۔

؎ کتنی پیاری ہیں آپ کی آنکھیں
جیسے تتلی ہو محو گل بوسی (۱۰۲)

(۴) ذائقہ یعنی چکھنے سے متعلق تشبیہ ہو جیسے۔

؎ متقی لوگ تم سے ڈرتے ہیں
تم نشیلی شراب ہو شاید (۱۰۳)

(۵) لامسہ یعنی چھونے سے متعلق تشبیہ ہو جیسے۔

؎ چاند سے رخسار لاؤ سامنے
یہ بھی کیا کہنے کی بات ہے (۱۰۴)

؎ دو بدن دو ہونٹ کے مانند تھے
خامشی میں بولتے تھے دو بدن (۱۰۵)

(۲) جب مشبہ اور مشبہ بہ دونوں عقلی ہوں۔ جیسے

؎ اب تک بھی متقی ہے اسی کے خیال میں
گویا وہ پر خلوص میرا مشورا گیا (۱۰۶)

؎ اک زمیں پر آسماں پر ایک چاند
رات یہ کیسی انوکھی رات ہے (۱۰۷)

(۳) جب مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی ہو۔ جیسے

کتنی پیاری ہیں آپ کی آنکھیں
جیسے کچھ کچھ ہو درد کچھ لذت (۱۰۸)

کتنے بلند ہیں تیری منزل کے راستے
دیکھا جو تیرے گھر کو خدا یاد آ گیا (۱۰۹)

(۴) جب مشبہ اور مشبہ بہ حسی ہو۔ جیسے

متقی ہم کو تمنا ہے اسی صورت کی
جس نے دنیا کو تمنائی بنا رکھا ہے (۱۱۰)

یہ اور اس طرح کی کئی تشبیہات سید عباس متقی کے کلام میں ملتی ہیں۔

(۲) استعارہ:

استعارہ مجاز کی ایک قسم ہے اور اس کی بنیاد تشبیہہ پر منحصر ہوتی ہے۔ اگر لفظ اپنے حقیقی معنوں کی بجائے دوسرے معنوں میں استعمال ہو تو وہ مجاز ہے۔ اس طرح مجاز کی دو قسمیں ہیں (۱) استعارہ (۲) مجاز مرسل۔

(۱) استعارہ:

استعارہ مستعار سے مشتق ہے جس کے معنی ''ادھار لینا'' کے آتے ہیں لیکن علم بیان کی اصطلاح میں لفظ کو اس کے اصلی معنی کے علاوہ کسی دوسرے معنی میں استعمال کرنے کو ''استعارہ'' کہتے ہیں بشرطیکہ ان دونوں میں تشبیہی تعلق ہو جیسے بہادر کے لیے ''شیر'' معشوق کے لیے ''گل''، خوش کلام کے لیے ''بلبل'' وغیرہ۔

اک زمیں پر آسماں پر ایک چاند
رات یہ کیسی انوکھی رات ہے (۱۱۱)

مذکورہ شعر میں چاند کہہ کر معشوق مراد لیا جا رہا ہے۔ چاند کے لغوی اور معنوی معنی میں تشبیہی تعلق پایا جاتا ہے جو استعارے کے لیے از حد ضروری ہے۔

استعارے کی جملہ قسموں میں سے دو قسموں کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ وہ دو قسمیں ہیں (۱) استعارہ بالتصریح (۲) استعارہ بالکنایہ

(۱) استعارہ بالتصریح:

وہ استعارہ جس میں مستعار منہ، (وہ چیز جس سے کچھ مانگا جائے) یا مشبہ بہ (جس سے تشبیہ دی جائے) کا ذکر تو ہو مگر مستعار لہٗ (وہ چیز جس کے لیے مانگا جائے) یا مشبہ (جس کو تشبیہ دی جائے) کا ذکر نہ ہو۔

ع اک زمیں پر آسماں پر ایک چاند (۱۱۲)

اس مصرع میں صرف چاند کا ذکر تو ہے لیکن معشوق کا نہیں۔

(۲) استعارہ بالکنایہ:

اس استعارہ کو کہتے ہیں جس میں مستعار منہٗ (وہ چیز جس سے کچھ مانگا جائے) یا مشبہ بہ (جس سے تشبیہ دی جائے) کا ذکر تو نہ ہو مگر مشبہ بہ کے مناسبات اور لوازمات کا ذکر ضرور کیا گیا ہو جیسے۔

؎ کاجل بن کر یوں مت بہہ جانے دو
مجھ کو اپنی آنکھوں میں رہ جانے دو (۱۱۳)

مشبہ بہ کا ذکر تو نہیں ہے لیکن لوازمات کے طور پر بہہ جانے دو کا پایا جانا استعارہ بالکنایہ کا ضامن ہے۔ کیوں کہ کاجل کبھی بہتا نہیں حتی کہ جب تک اسے آنسو نہ بھگو دیں گویا کاجل کہہ کر آنسو مراد لی گئی ہے۔

(۳) کنایہ:

کنایہ کے معنی ہیں بات کو پوشیدہ ڈھنگ سے کہنا۔ وہ لفظ جس کے مجازی معنی مراد ہوں اور حقیقی معنی میں بھی لیا جاسکتا ہو اسے ''کنایہ'' کہتے ہیں جسے ''قندیل فلک'' کہنے سے مراد ''چاند'' لیا جاتا ہے۔ جیسے

؎ تیرے لاکھوں جہاں میں ہیں بیمار
عاشق روئے درہم و دینار (۱۱۴)

مذکورہ شعر میں ''بیمار'' اپنے حقیقی معنوں اور مجازی معنی میں بھی استعمال ہوسکتا ہے۔ حقیقی معنی میں لیں بھی تو شعر کا وقار مجروح نہیں ہو رہا ہے کیوں کہ بیماری میں بیمار کسی مرض کا ہو کر رہ جاتا

ہے اور مجازی معنوں میں عاشق بھی اوروں کی طرف اس کے معشوق کے حسن کا والہ وشیدا ہوتا ہے در حقیقت وہی معشوق ہے جسے ایک نظر دیکھنے کے بعد دیکھنے والا عاشق ہو جائے۔

کلامِ متقی میں پیکر تراشی:

پیکر جدید شعری اصطلاح ہے۔ ہمارے کلاسیکی ادب میں وصف، مصوری یا محاکات کی اصطلاحات قدیم ہیں۔اس خصوص میں علامہ شبلی نعمانی رقم طراز ہیں:

''محاکات کے معنی کسی چیز یا حالت کا اس طرح ادا کرنا ہے کہ اس شئے کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے۔'' (۱۱۵)

شبلی نعمانی کی اس تشریح کے بعد ہمارا اندازہ صحیح ہو جاتا ہے کہ پیکر اور محاکات دونوں کا مفہوم قریب تر ہے۔اس بات کی توثیق پروفیسر عنوان چشتی کے اس خیال سے ہو جاتی ہے:

''وصف اور مصوری کی بہ نسبت محاکات کا مفہوم پیکر سے زیادہ قریب ہے پھر بھی اردو کی کوئی پرانی اصطلاح پیکر کے مفہوم کو ادا نہیں کرتی۔'' (۱۱۶)

پیکر مفہوم پر بحث کرتے ہوئے پروفیسر عنوان چشتی رقم کرتے ہیں:

''پیکر کے دو مفہوم عام ہیں ایک نفسیاتی و تجریدی دوسرا لسانی،لسانی مفہوم کا تعلق ادب سے ہوتا ہے جس میں پیکر کو زبان کی مختلف شکلوں یعنی تشبیہہ، استعارہ اور لفظی تصویر وغیرہ خیال کیا جاتا ہے۔'' (۱۱۷)

پروفیسر چشتی اسی بحث کو جاری رکھتے ہوئے آگے رقم طراز ہیں کہ پیکروں کو ان کے تخلیق کے سرچشموں اور ان کے ''اندازِ عمل'' کی بنیاد پر الگ الگ نام دیے جاتے ہیں۔

اس نقاط نظر سے سید عباس متقی کے کلام کا جائزہ لیں تو ہمیں ان کے کلام اردو میں ،شعری تجربات کے جمالیاتی اظہار کے لیے مختلف پیکر تراشے ہوئے ملیں گے۔جن میں متحرک پیکر، خیالی پیکر، روشنی کے پیکر، آتشیں پیکر، رنگیں پیکر، سمعی پیکر، بصری پیکر، لمسی پیکر، پیکر شامہ، پیکر ذائقہ وغیرہ ملتے ہیں۔جن سے سید عباس متقی کے لاشعور میں نہاں جذبۂ حرکت اور رنگ ونور سے ان کی وابستگی کا پتا چلتا ہے۔

کلامِ متقیؔ پر علمِ بدیع کا اطلاق:

انسانی فطرت ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتی ہے اور یہ خواہش انسان کو بام عروج تک پہنچائے بغیر نہیں رہتی۔ چناں چہ انسان خوب صورت چیزوں کو مزید خوب صورت اور طرح طرح سے آراستہ کر کے اس کے حسن کو مزید دوبالا کرنے کی تگ دو میں لگا رہتا ہے۔ شعرا کرام بالخصوص ڈاکٹر سید عباس متقیؔ بھی اپنے کلام کو صرف شعری وزن اور دیگر ضروریاتِ شعری سے ہی آراستہ نہیں کرتے بلکہ لفظی اور معنوی خوبیوں کے ذریعے شعر میں حسن پیدا کر دیتے ہیں۔ اشعار میں حسن اور جدت پیدا کرنے کے اس طریقے کو ہم اصلاح میں صنائع و بدائع کا نام دیتے ہیں۔

جس طرح خواتین اپنے انسانی حسن میں مزید اضافے کے لیے نت نئے زیورات اور عمدہ پیرہن زیب تن کرتی ہیں بالکل اسی طرح شعرا اپنے کلام میں مزید خوب صورتی کے لیے صنائع و بدائع استعمال کرتے ہیں اور جس علم میں صنائع و بدائع سے بحث کی جاتی ہے اس علم کو علم بدیع یا علم بلاغت کہتے ہیں۔

صنائع جمع ہے ''صنعت'' کی اور بدائع ''بدیع'' کی جمع ہے۔ اس طرح لفظی خوبیوں کو ''صنائع'' اور معنوی خوبیوں کو ''بدائع'' کہتے ہیں۔ صنائع و بدائع کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایسے الفاظ جو کلام موزوں کے صرف لفظی حسن کو بڑھاتے ہیں وہ ''صنائع لفظی'' کے زمرے میں آتے ہیں۔

(۲) جب کہ کلام موزوں میں ایسے الفاظ لانا کہ جن سے کلام کی معنوی خوبیاں بڑھ جاتی ہوں اسے ''صنائع معنوی'' کہتے ہیں۔

صنائع لفظی:

ایسے الفاظ جو کلام موزوں کے صرف لفظی حسن کو بڑھاتے ہیں وہ صنائع لفظی کے زمرے میں آتے ہیں۔ سید عباس متقیؔ کے کلام میں صنائع لفظی کی مثالیں اس طرح ملیں گی۔

(۱) صنعت تجنیس:

تجنیس کے لغوی معنے ہیں ''ایک جیسا'' یا ''یکساں'' یہ صنائع لفظی کی ایک قسم ہے جس

سے مراد کلام میں ایسے دو الفاظ لانا جو تلفظ میں ایک ہوں مگر معنی میں مختلف۔ جیسے انشاؔ کا مشہور شعر ہے۔ ؎

کہا دل نے میرے دیکھی جو وہ مانگ
کہ ہے یہ رات آدھی کچھ دعا مانگ

اس شعر میں لفظ مانگ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ پہلے مصرعے میں سر کی درمیانی مانگ مراد ہے جو کہ اسم ہے اور دوسرے میں مانگنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو کہ فعل ہے۔ صنعتِ تجنیس کی کئی قسمیں ہیں جن میں دو ایک کا ذکر کیا جاتا ہے اور سید عباس متقی کے کلام سے ان کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ صنعت تجنیس تام:

شعر میں دو ایسے الفاظ لائے جائیں جن کا تلفظ ایک ہو لیکن معنی مختلف ہوں۔ جیسے۔

؎ آہ مردود یہ **حسینی** ہے
یہ **حسینی** نہیں یزیدی ہے **(۱۱۸)**

اس شعر میں حسینی دو بار استعمال ہوا ہے۔ پہلی بار ایک فردِ خاص کے معنوں میں اور دوسری بار حسینی نسبت کے طور پر۔

اس کی دو قسمیں ہیں۔ (ا) صنعت تام مماثل (ب) صنعت تام مستوفی۔ دونوں قسمیں ایک ہی شعر میں ملتی ہیں۔ شعر ملاحظہ کریں ؎

؎ تیسری بار اس کی ہار ہوئی
ہار اس کے گلے کا ہار ہوئی **(۱۱۹)**

قواعد کے اعتبار سے دونوں الفاظ یکساں یعنی اسم، فعل یا حرف ہوں تو وہ صنعتِ تام مماثل ہے۔ جیسے مذکورہ شعر میں لفظ ہار تین مرتبہ آیا ہے۔ پہلی مرتبہ بطور فعل دوسری مرتبہ بطور صفت اور آخری بار بطور اسم استعمال ہوا ہے۔ صنعت تام مماثل کی رو سے مصرعِ ثانی میں ''ہار'' اسم اور اس کی صفت ہے۔ اسی طرح مصرعۂ اولیٰ میں ''ہار'' بطور فعل اور مصرعِ ثانی میں ''ہار'' اسم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ چناں چہ یہ صنعتِ تام مستوفی کی مثال بھی بن جاتا ہے۔

۲۔صنعت تجنیس ناقص:

کلام میں دو الفاظ ایسے استعمال کرنا جو لکھنے میں یکساں ہوں لیکن ان کی حرکت یعنی زبر، زیر، پیش میں فرق ہو جیسے۔ مرزا غالبؔ کے کلام میں یہ مصرع دیکھیے۔

ع اس پہ بَن جائے کچھ ایسی کہ بِن آئے نہ بنے

غالبؔ کے اس مصرع میں بَن اور بِن استعمال ہوا ہے۔اس مثال کے بعد سید عباس متقی کا یہ شعر دیکھیے۔

روپیہ ملجا روپیہ ماویٰ
روپیہ ہے بس اُن کا اَن داتا (۱۲۰)

اوپر کے شعر کے دوسرے مصرعے میں اُن بطور اسم اشارہ بعید کے استعمال ہوا ہے جب کہ اَن بطور سابقہ استعمال ہوا ہے۔ اگر ان دونوں میں حرکت کا لحاظ نہ کیا جائے تو شعر کا وقار مجروح ہوگا۔

۳۔صنعت تجنیس زائد:

کلام میں ایسے دو لفظ لانا جن میں ایک حرف کا فرق ہو۔ خواہ یہ حرف شروع میں ہو یا آخر میں یا درمیان میں جیسے۔ ناسخؔ کا شعر ہے۔

یوں نہ باتیں چبا چبا کے کرو
مہرباں بات ہے نبات نہیں

اس شعر میں بات اور نبات میں ایک حرف زیادہ ہے۔ سید عباس متقی کا یہ شعر ملاحظہ کریں۔

متقی دیتا ہے یہ دل سے **دعا**
یا خدا پائے وہ دل کا **مدعا** (۱۲۱)

مذکورہ شعر میں لفظ ''دعا'' کے تین حروف اور ''مدعا'' کے چار حروف ہیں۔ اس طرح مدعا کا ایک حرف زائد ہے۔

۴۔صنعت تجنیس مزیل:

کلام میں ایسے دو لفظ کا استعمال کرنا جن کے ایک لفظ میں دو حرف زائد ہوں جیسے ذوقؔ کا یہ شعر دیکھیے۔

مانگ سے اس کی مانگتی ہے بھیک
مہ کا کاسہ لیے شب تاریک

شعر میں مانگ اور مانگتی میں دو حروف زیادہ ہیں۔ یہی تجنیس مزیل ہے۔ اسی طرح سید عباس متقی کے کلام میں بھی ہمیں ایسی مثالیں ملتی ہیں۔

دیدنی ہے یہ دورِ **انعکاس**
ہوگئی ہے حیات خود **عکاس** (۱۲۲)

صورۃً گو وہ شخص تو ہے **جمیل**
سیرۃً ہاں مگر ہے **''ام جمیل''** (۱۲۳)

پہلے شعر میں لفظ ''انعکاس'' کے چھے حروف اور ''عکاس'' کے چار حروف ہیں۔ اس طرح انعکاس کے دو حروف زائد ہیں۔ جب کہ دوسرے شعر میں لفظ ''جمیل'' کے چار حروف اور ''ام جمیل'' کے چھے حروف ہیں۔ اس طرح ام جمیل کے دو حروف زائد ہیں۔

۵۔ صنعت تجنیس تکرار، تکریر یا مکرر:

کلام میں لفظ مکرر لائے جائیں۔ لفظوں کی تکرار کی وجہ سے اصوات کی تکرار ہو کر شعر میں نغمگی پیدا ہوتی ہے۔ جیسے انیسؔ کے اس شعر میں تجنیس مکرر کا حسن دیکھیے۔

کبھی ہمت تھی مری قاعدہ صرف میں صرف
کبھی تھی نحو میں ہر نحو مجھے محویت

مصرع اولیٰ میں ''صرف'' اور ''صرف'' کی تکرار ہے اور مصرع ثانی میں ''نحو'' اور ''نحو'' کی تکرار ملتی ہے۔ سید عباس متقی کے کلام میں تجنیس تکرار کی مثالیں دیکھیے۔

نقطہ نقطہ میں ہزاروں حکمتیں
نکتہ نکتہ میں ہزاروں برکتیں (۱۲۴)

میں **لوٹ لوٹ** گیا **سوچ سوچ** کر تجھ کو
گل **ایسے ایسے** کھلائے تری طبیعت نے (۱۲۵)

مرے اشک میری تسلیاں یہ دلاسے ہیں سبھی ہچکیاں
میں یہ سوچتا ہوں **کبھی کبھی** مرا درد ہی تو دوا نہیں (۱۲۶)

میرا **گوشہ گوشہ** دکھا ہوا مرا **کونہ کونہ** فنا ہوا
و لے دل عجیب سی شئے ملی جو جلا ہوا ہے بجھا نہیں (۱۲۷)

ؔ آنکھیں **ملا ملا** کے پلایا نہ کیجیے
گل اپنی انکھڑیوں کے کھلایا نہ کیجیے (۱۲۸)

ؔ آنکھیں **بہک بہک** کے ترستی ہیں رات دن
جلوؤں کو یوں مُدام لٹایا نہ کیجیے (۱۲۹)

ؔ **تھوڑی تھوڑی** دور چل کر لوٹ میں آتا رہا
راستوں میں منزلوں کا لطف میں پاتا رہا (۱۳۰)

ؔ اشک **پیتے پیتے** آہیں **بھرتے بھرتے** متقی
آخر شب کون میرے گیت یہ گاتا رہا (۱۳۱)

ؔ تمہیں بھی کچھ تو میرے غم کا ہوتا اندازہ
تمہارے دل کو بھی میری **لگی لگی** ہوتی (۱۳۲)

ؔ آنکھیں **نم نم** ہیں باتیں **کم کم** ہیں
دلرباؤں کی دل ربائی ہے (۱۳۳)

ؔ شعر ٹپکے ہیں خون **ہو ہو** کر
متقی نے وہ چوٹ کھائی ہے (۱۳۴)

ؔ مجھے پتا نہیں کیا ہوگیا ہے یہ مجھ کو
ہر آدمی پہ نظر **بار بار** کرتا ہوں (۱۳۵)

ؔ جب میری ویرانیوں سے تم کو اتنا عار تھا
کیوں مجھے خوابوں میں **آ آ** کے ستایا آپ نے (۱۳۶)

ؔ **آنکھوں آنکھوں** میں ہو کہتی تم بھی دل کی داستاں
کچھ تکلف ہے مجھے بھی بر ملا اظہار میں (۱۳۷)

ؔ گر کے قدموں میں رودیا اس نے
اور **رو رو** کے یہ کہا اس نے
قصہ لوگوں میں یہ بیاں ہوگا
یہ فسانہ **زباں زباں** ہوگا (۱۳۸)

ؔ **ٹکڑے ٹکڑے** تو کر دے دل ان کا
جس کا ان کو ہے ہر گھڑی دھڑکا
ان کے شیشے کو **ریزہ ریزہ** کر
ان کی طاقت کو **پارہ پارہ** کر (۱۳۹)

ؔ ڈھایا کم بخت نے ہے تیرا گھر
لمحہ لمحہ ذلیل اس کو کر (۱۴۰)

ے مکر جس میں ہے وہ نہیں سادات
روزِ روشن **کہاں، کہاں** یہ رات (۱۴۱)

ے چند ٹکوں پر کیا مرا سودا
اللہ اللہ کیا برا سودا (۱۴۲)

ے پائے کیا وہ رضائے مصطفیٰ ﷺ
جن کا **رنگ رنگِ** بوٗھی (۱۴۳)

ے **کیسے کیسے** وہاں سے نکلے تھے
آدمی نور کے وہ پتلے تھے (۱۴۴)

ے کوچ کا وقت آرہا ہے قریب
اپنے اعمال **اپنا اپنا** نصیب (۱۴۵)

ے اپنی حرص و ہوا پہ نادم ہے
اپنی **اک اک** خطا پہ نادم ہے (۱۴۶)

ے جانے کس **وقت وقتِ** کوچ آئے
زندگی موت سے سنبھل جائے (۱۴۷)

ے صرف توبہ کے اب رہا کیا ہے
توبہ توبہ یہ وقت توبہ ہے (۱۴۸)

ے بسترِ مرگ پر وہی **دھڑ دھڑ**
غصہ، گالی گلوچ، تھو تھپڑ (۱۴۹)

ے **مرتے مرتے** بھی حق ڈبوئیں گے
دولت ایمان کی وہ کھوئیں گے (۱۵۰)

ے اس کی مٹی میں وصف ہیں **کیا کیا**
مکرو حیلہ دغا فریب، ریا (۱۵۱)

ے پاؤں پڑ پڑ کے اوپر آیا ہے
کس سلیقے سے اوج پایا ہے (۱۵۲)

ے **ایک ایک** کوڑی کو ترس جائے
بارش فقر اب برس جائے (۱۵۳)

ے **مرتے مرتے** بھی حق ڈبوئے گا
اپنے ایمان کو یوں کھوئے گا (۱۵۴)

ؔ **لحہ لحہ** صدی کا لائے غم
لحظہ لحظہ ہو آنکھ اس کی نم (۱۵۵)

ؔ اہلِ خانہ کو عاطفت دے دے (۱۵٦)
صحت اقبال و عافیت دے دے

ؔ دین و دنیا کی نعمتیں دے دے
دونوں عالم کی راحتیں دے دے
میری اولاد **شاد شاد** رہے
دونوں عالم میں با مراد رہے (۱۵۷)

درج بالا اشعار میں صنعت تکرار کی مثالوں کو جلی حروف یعنی Bold کیا گیا ہے۔

٦۔صنعت تجنیس محرف:

شعر میں ایسے لفظوں کا استعمال کرنا جن میں حروف یکساں ہوں مگر اعراب اور نقطے مختلف ہوں۔ جیسے ناسخ کے اس شعر میں تجنیس محرف اعراب ملتا ہے۔ؔ

یہ بھی نہ پوچھا کبھی صیاد نے
کون رَہا کون رِہا ہوگیا

شعر میں ''رَہا'' اور ''رِہا'' تجنیس محرف کی مثال ہے جو اعراب کے بدلنے سے واقع ہوئی ہے۔ سید عباس متقی کے کلام میں تجنیس محرف منقوط پائی جاتی ہے۔ جیسے

ؔ بلکہ خنزیر ہے غلاظت خور
ڈاکو، رہزن، اٹھائی گیرا، چور (۱۵۸)

اس شعر میں خور اور چور میں نقطوں کا فرق ہے۔

۷۔صنعت تجنیس ناقص وزوائد:

جب تجنیس کے دو لفظوں میں صرف ایک حرف کی بیشی ہو اس کی تین صورتیں ہیں۔

(ا) شروع میں حرف کی کمی بیشی ہونا۔ جیسا کہ ناسخ کے اس شعر میں ہے۔ؔ

یوں نہ باتیں چبا چبا کے کرو
مہرباں بات ہے نبات نہیں

''بات'' اور ''نبات'' میں تجنیس زائد وناقص کی پہلی صورت موجود ہے۔

(۲) درمیان میں حرف زیادہ یا کم ہونا۔ میرؔ کا شعر دیکھیے ۔

زور و زر کچھ نہ تھا تو بار میرؔ
کس بھرو سے پہ آشنائی کی

''زور''اور''زر''میں تجنیس زائد و ناقص کی دوسری صورت موجود ہے۔

(۳) آخر میں حرف زیادہ یا کم ہونا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اس نام کے اس لقب کے صدقے
اس نامے کے اس طلب کے صدقے

''نام''اور''نامے''میں تجنیس زائد و ناقص کی تیسری صورت موجود ہے۔

سید عباس متقی کے کلام میں پہلی اور دوسری تعریف کی مثالیں اس طرح ہیں۔

اتنے اشخاص یہ **کمینے** ہیں
ان کے سینوں میں سب سے **کینے** ہیں (۱۵۹)

جس بشر نے ہے نفس کو **مارا**
''مطمئنہ'' ہوا وہ **''امارا''** (۱۶۰)

پہلے شعر میں''کمینے''اور''کینے''میں ایک حرف زیادہ ہے۔ دوسرے شعر میں ''مارا''اور''امارا''میں ایک حرف زیادہ ہے۔

۸۔صنعت ذوقافیتین:

شعر میں ایسے الفاظ لانا جن میں دو یا زیادہ قافیے ہوں۔ جیسے

شورِ آہِ فغاں **مچے جس** سمت
رودِ اشکِ رواں **ہے اس** سمت (۱۶۱)

ذات اس کی ہے **منبع** فتنہ
بات اس کی ہے **مرجع** فتنہ (۱۶۲)

منہ جو کم بخت **اپنا** کھولے ہے
دل کسی نہ کسی **کا** توڑے ہے (۱۶۳)

بے ایمانی کا **ایک** مصدر ہے
بے حیائی کا **ایک** مظہر ہے (۱۶۴)

تیرے آگے **میری** صفائی ہے
میرے اللہ **تیری** دہائی ہے **(۱۶۵)**

تلخیاں جو زبان میں تھیں، ہیں
بجلیاں جو بیان میں تھیں، ہیں **(۱۶۶)**

اوپر کے اشعار میں قافیوں سے پہلے مزید قافیے آئے ہیں جن کے حروف روی یکساں استعمال ہوئے ہیں۔

۹۔صنعت ذولسانین:

ایسا شعر جو دو زبانوں میں پڑھا جائے۔ جیسے۔

اے شہنشائے رسالت الصلوٰۃ والسلام
صاحب تاج نبوت الصلوٰۃ والسلام **(۱۶۷)**

اے خداوند دو عالم مالک دنیا و دین
قاسم عرفان و حکمت الصلوٰۃ والسلام **(۱۶۸)**

درج بالا دونوں شعروں کو اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں پڑھا جاسکتا ہے۔

۱۰۔صنعت تلمیع:

جب شعر کا ایک مصرع ایک زبان میں اور دوسرا مصرع کسی اور زبان میں ہو تو یہ صنعت قائم ہوتی ہے (صنعت ذولسانین الگ ہے جس میں ایک ہی مصرع یا شعر بیک وقت دو زبانوں میں پڑھا جاتا ہے) یہ صنعت صنائع لفظی سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسے کسی کا شعر ہے۔

حبابم بر سیر موجم ز بنیادم چہ مے پرستی
فقط بحرِ جہاں میں رند غافل دم کی مہلت ہے

پہلا مصرع فارسی کا اور دوسرا اردو کا ہے۔ سید عباس متقی کے کلام سے کچھ مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

ما غریق بحر عصیان یا شفیع المذنبینؐ
تو سراپا جود و رحمت الصلوٰۃ والسلام **(۱۶۹)**

نور نگاہ تو ہمیں لخت جگر ہمین ترا
حسنینؓ علیؓ و فاطمہؓ صل علی محمدؐ (۱۷۰)

دست عثمانؓ دست خود را گفت شاہؐ
اللہ اللہ شان عثمان غنیؓ **(۱۷۱)**

مکہ مسجد گوشئہ جنت نما
ھذا بیت اللہ بیت الکبریا (۱۷۲)

افتخار حیدرآباد دکن
منزل اڈاب جائے باصفا (۱۷۳)

پہلی مثال میں پہلا مصرع فارسی اور دوسرا اردو کا ہے۔ دوسری مثال میں پہلا مصرع فارسی اور دوسرا عربی کا ہے۔ تیسری مثال میں پہلا مصرع فارسی اور دوسرا اردو کا ہے کیوں کہ اللہ اللہ کہنا اردو کا روزمرہ ہے۔ چوتھی مثال میں پہلا مصرع فارسی اور دوسرا عربی کا ہے جبکہ آخری مثال میں پہلا مصرع اردو اور دوسرا فارسی کا ہے۔

۱۱۔ صنعت رقطا:

نظم کے الفاظ میں ایک حرف بے نقطہ اور ایک حرف نقطہ دار ہو۔ جیسے۔

جو دیا حق نے ان کو خوب دیا
جو لیا حق سے شہؑ نے خوب لیا (۱۷۴)

مذکورہ شعر میں سوائے ''کو'' اور ''سے'' کے سبھی الفاظ منقوط ہیں۔

۱۲۔ صنعت نغز:

نغز پہیلی کو کہتے ہیں یعنی اشعار میں کسی مشہور چیز کا نام پیچیدہ طریقے سے لینا یا دریافت کرنا۔ جیسے۔

ایک نامرد جاہل مطلق
جو اندھیرا ہے نور سے مشتق (۱۷۵)

معلوم ہوتا ہے کہ سید عباس متقی کی نظر میں وہ شخص نامرد (معتوب) ہے جس کا نام نور کے مشتق سے برآمد ہوتا ہے۔ جیسے منوّر، انور، انوار یا پھر نور کا مترادف ضیاء وغیرہ۔

۱۳۔ صنعت سیاقۃ الاعداد:

وہ صنعت شعری جس سے کلام میں اعداد کا ذکر پایا جاتا ہو اس میں ترتیب وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے۔

یوں تو ہزار چہرے نظر سے گزر گئے
دیکھا مگر تمہیں تو تمنا نکل گئی (۱۷۶)

بولا شرط کے مجھ سے چوک ہوئی
ایک داؤ میں ہو گئی غلطی (۱۷۷)

آپؐ بولے پھر **ایک بار** آجا
آجا اپنی مراد کو پاجا (۱۷۸)

بارِ دیگر جو پہلوان آیا
زور مارا پہ منہ کی پھر کھایا (۱۷۹)

بولا شرما کے اے شہ داور
رحم **اک بار** کیجیے مجھ پر (۱۸۰)

ایک داؤں کو بھول بیٹھا تھا
داؤں وہ آزما لیا ہوتا (۱۸۱)

تیسری بار اس کی ہار ہوئی
ہار اس کے گلے کا ہار ہوئی (۱۸۲)

جن کا رعب و جلال ہے بھاری
ہلکی **اک مار** ہے ضرب، کاری (۱۸۳)

ایک ہی ضرب ہوگئی کافی
موت اس کے لیے ہوئی شافی (۱۸۴)

بزدل **اک فرد** اس کو کہتے تھے
لوگ نامرد اس کو کہتے تھے (۱۸۵)

چھ ڈسمبر بیانوے کا روز
جاں گسل روز، روزِ جاں پر سوز (۱۸۶)

خواب، **پنج وقتہ** وہ نماز ہوئی
ایک افسانہ وہ نیاز ہوئی (۱۸۷)

۱۴۔صنعت تنسیق الصفات:

جب کلام میں کسی چیز یا فرد کی متعدد اور مسلسل خوبیاں بیان کی جائیں تو اسے ''صنعت تنسیق الصفات'' کہتے ہیں۔جیسے جوشؔ کے اس شعر میں اپنے معشوق کی خوبیاں گنوائی گئی ہیں۔

خوش چشم،خوب صورت، خوش وضع، ماہ پیکر
نازک بدن، شکرلب، شیریں ادا، فسوں گر

اس طرح سید عباس متقی کے کلام میں بھی اس صنعت کا استعمال ملتا ہے۔

فہم وعلم وحسن وخلق و افتخار
حاصل اس کو ہے یہ فضلِ کردگار (۱۸۸)

۱۵۔صنعت توشیح:

اس صنعت میں اشعار اس طرح لکھے جاتے ہیں کہ شعر کے تمام مصرعوں کے پہلے لفظ کا پہلا حرف شعر کی ترتیب کے لحاظ سے ایک ساتھ ملا کر لکھا جائے تو ان سے کوئی نام یا عبارت بن جائے۔بعض دفعہ شعر کے تمام مصرعوں کے بجائے نظم کے تمام اشعار کے پہلے مصرعے کے پہلے حروف کی ترتیب سے نام یا عبارت بن جاتی ہے۔جیسے۔

ساقیا دے بادۂ لطف و کرم	تابیاں ہو شکریہ اس کا رقم
عیدِ نو کو جس نے دونا کردیا	بادۂ گل گوں سے ساغر بھردیا
یاس جب دیکھے اسے امید ہو	دید ہو اس کی تو گویا عید ہو
دامنِ دل یوں ہے کچھ اس کا فراخ	بادشاہوں کے ہوں جیسے قصرو کاخ
ہم نشینوں میں ہے وہ مثلِ گلاب	بزم انجم میں ہے گویا ماہتاب
فہم وعلم وحسن وخلق و افتخار	حاصل اس کو ہے یہ فضلِ کردگار
اس کے تحفے سے بہت مسرور ہوں	سر بہ سر ممنون ہوں مشکور ہوں
طائر اقبال ہو اس کا بلند	تاثر یا پہنچے اس کی ہر کمند
متقی دیتا ہے یہ دل سے دعا	یا خدا پائے وہ دل کا مدعا
ہر گھڑی اس کی ہو مرہونِ بہار	پائے وہ اللہ سے تحفے ہزار

(۱۸۹)

سید عباس سید عباس متقی نے تحفۂ عید کے عنوان سے مذکورہ نظم منصۂ شہود میں لائی ہے جو صنعت توشیح کی بہترین مثال ہے۔اس صنعت کی رو سے اس نظم کا بغائر تجزیہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ سید عباس متقی نے اس نظم کے ہر شعر کے پہلے مصرعے کے پہلے لفظ کے پہلے حرف کو اس طرح استعمال کیا ہے کہ مسلسل تمام اشعار کے پہلے شعر کے پہلے مصرعے کے پہلے حرف کو یکجا کریں تو جو حروف برآمد ہوتے ہیں ان سے ایک نام بنتا ہے اور وہ نام ہے ''سعیدہ فاطمہ''۔

''ساقیا'' سے 'س'، ''عید'' سے 'ع'، ''یاس'' سے 'ی'، ''دامن'' سے 'د'، ''ہم'' سے 'ہ'، ''فہم'' سے 'ف'، ''اس'' سے 'ا'، ''طائر'' سے 'ط'، ''سید عباس متقی'' سے 'م'، ''ہر گھڑی'' سے 'ہ' جوڑنے پر ''سعیدہ فاطمہ'' بن رہا ہے۔

سید عباس متقی کے اس پہلے شعری مجموعے کا انتساب ''سعیدہ کے نام'' منسوب ہے اور یہ وہی سعیدہ ہیں جنھوں نے اس شعری مجموعے کی اشاعت کے سلسلے میں کاغذ کی فراہمی کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی۔ کتاب کے پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' کا یہ حصہ دیکھیے:

> ''درحقیقت ''تنہائیاں'' کی اشاعت ایک خواب تھی اگر عزیزہ ام سعیدہ فاطمہ ایم۔اے۔، بی ایڈ (عثمانیہ) استاذ گورنمنٹ یو پی ایس سیتارام پیٹھ نے اپنے حد درجہ خلوص کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا اور اس کتاب کے لیے کاغذ کی فراہمی کی ذمہ داری اپنی سر نہ لی ہوتی، میں موصوفہ کا از حد ممنونِ کرم ہوں۔'' **(۱۹۰)**

یہ سید عباس متقی کی احسان شناسی کا ثبوت ہے۔

۱۶۔ صنعت اشتقاق:

اشتقاق لفظ مشتق سے بنا ہے جس کے معنی ہیں ایک مصدر سے کئی الفاظ بنانا۔ جیسے ک، ت، ب، سے کتاب، کاتب، مکتوب اور کتابت وغیرہ مصدر کھیلنا سے کھیل، کھیلاڑی، کھلواڑ وغیرہ یعنی کلام میں ایک اصل کے ہم معنی الفاظ نظم کرنا جیسے ذوقؔ کا یہ شعر دیکھیے ۔

تو مرے حال سے **غافل** ہے پر اَے **غفلت** کیش
تیرے انداز **تغافل** نہیں **غفلت** والے

غافل، غفلت اور تغافل ایک اصل (مادّے) سے مشتق ہیں۔ اسی طرح صنعت اشتقاق کی کئی مثالیں سید عباس متقی کے کلام میں ملتی ہیں۔ ذیل میں ایسی ہی مثالیں دی جا رہی ہیں۔

بحر فارس ہے یہ **بحر** روم ہے
ان **بحورِ** نامور کی دھوم ہے **(۱۹۱)**

اک راہ میری سمت بھی آتی ہے میرے دوست
رستوں کے اس ہجوم میں جو **راستا** گیا **(۱۹۲)**

ے متقی ہم کو **تمنا** ہے اسی صورت کی
جس نے دنیا کو **تمنائی** بنا رکھا ہے (۱۹۳)

ے روز **کہتا** ہوں کہ ہوں ہوں متقی
پر کہاں سے **کہہ** رہا ہوں میں ہوں (۱۹۴)

ے ایک اور **ابتلا** ابھی باقی ہے متقی
دنیا سمجھ رہی ہے **بلا** سر سے ٹل گئی (۱۹۵)

ے **حشر** بھی چپ ہے جن کی آمد پر
جن کی سنتا ہے داورِ **محشر** (۱۹۶)

ے اب نہ **سجدے**، رکوع ہیں نہ **سجود**
اب عبادت وہ ہوگئی مفقود (۱۹۷)

ے **علم** تھا **عالموں** کا متحضر
جن سے پہنچا کبھی نہ کوئی ضرر (۱۹۸)

۱۷۔صنعت تابع مہمل:

جب کسی با معنی لفظ کی متابعت میں بے معنی لفظ لایا جائے جیسے سچ مچ، جھوٹ موٹ وغیرہ کو ''صنعت تابع مہمل'' کہتے ہیں۔ جیسے مضطرؔ مجاز کی ایک مکمل غزل اس صنعت میں ہیں۔ جس سے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔ ے

بالا والا بندی و ندی ، **جھومر ووم**ر کیا
زیور تیرا چہرہ تجھ کو **زیور ویور** کیا
تجھ کو دیکھا آنکھیں ٹھنڈی کرلیں اب ہم کو
گل ول کیا **گلشن ولشن** کیا منظر و نظر کیا
پل دو پل کو پڑ رہنا ہے رکھ کے سرہانے ہاتھ
گھر ور کیا ، **تکیہ وکیہ** کیا، **بستر و ستر** کیا

مذکورہ اشعار میں ''بالا والا''، ''جھومر وو مر''، ''زیور ویور''، ''گل ول''، ''گلشن ولشن''، ''گھر ور''، ''تکیہ وکیہ'' اور ''بستر وستر'' صنعت تابع مہمل ہیں۔سید عباس متقی کے کلام میں اس صنعت کو برتا گیا ہے۔

ٹیڑھے میڑھے راستے ہیں عشق کے
اپنے قدموں کو سنبھالو تم ذرا (۱۹۹)

بسترِ مرگ پر وہی دھڑ دھڑ
غصہ، **گالی گلوچ**، تھو تھپڑ (۲۰۰)

ان اشعار میں ''ٹیڑھے میڑھے'' اور'' گالی گلوچ'' تابع مہمل ہیں۔

۱۸۔صنعت ترصیع:

شعر میں دونوں مصرعوں کے تمام الفاظ علی الترتیب ایک دوسرے کے ہم وزن ہوں تو یہ صنعت قائم ہوتی ہے۔جیسے یعوب علی خاںؔ کا یہ شعر دیکھیے ۔

عالم ہیں یہ علیم ہیں با خبر ہیں یہ
حاکم ہیں یہ حکیم ہیں داد گر ہیں یہ

اس شعر میں پہلے مصرع کا عالم،علیم اور باخبر دوسرے مصرعے کے حاکم ،حکیم اور دادگر کے ہم وزن اور ہم قافیہ ہیں۔اس طرح کی بہت سی مثالیں سید عباس متقی کے کلام میں ملتی ہیں، ملاحظہ کیجیے۔

چیست ایماں جز جمال مصطفیؐ
چیست احساں جز خیالِ مصطفیؐ (۲۰۱)

نقطہ نقطہ میں ہزاروں حکمتیں
نکتہ نکتہ میں ہزاروں برکتیں (۲۰۲)

جبر تیرا ہے ایک وصف عظیم
قہر تیرا ہے ایک وصف عظیم (۲۰۳)

تجھ سے ڈرتے نہ تھے مرے مولا
تجھ پہ مرتے نہ تھے مرے مولا (۲۰۴)

اپنی دولت پہ تھا غرور انھیں
اپنی شوکت پہ تھا سرور انھیں (۲۰۵)

انؐ کی توصیف ہم پہ واجب ہے
انؐ کی تعریف ہم پہ واجب ہے (۲۰۶)

اس کی صورت ہے لعنتی صورت
اس کی سیرت ہے لعنتی سیرت (۲۰۷)

اس کی تقریر ایک فتنہ ہے
اس کی تحریر ایک فتنہ ہے (۲۰۸)

اس کی تقریر سے بچائے خدا
اس کی تحریر سے بچائے خدا (۲۰۹)

اس کی فطرت میں جھوٹ ہے مولا
اس کی طینت میں کھوٹ ہے مولا (۲۱۰)

بے ایمانی کا ایک مصدر ہے
بے حیائی کا ایک مظہر ہے (۲۱۱)

مسخ کردے تو اس کی صورت کو
مسخ کردے تو اس کی قسمت کو (۲۱۲)

تلخیاں جو زبان میں تھیں، ہیں
بجلیاں جو بیان میں تھیں، ہیں (۲۱۳)

اس کی نیندوں کو چھین لے یارب
اس کے خوابوں کو چھین لے یارب (۲۱۴)

نفس کرتا ہے دور اللہ سے
نفس ہوتا ہے دور اللہ سے (۲۱۵)

کیا کسی نے تجھے نہیں دیکھا
کیا کسی نے تجھے نہیں چکھا (۲۱۶)

تیری خاطر وہ جان دیتے تھے
تیری خاطر وہ جان لیتے تھے (۲۱۷)

اوپر دیئے گئے سبھی اشعار ہم وزن اور بیشتر اشعار ہم قافیہ ہیں۔

۱۹۔صنعت تضمن المزدوج:

جب کسی شعر میں قوافی کے علاوہ کچھ اور الفاظ بھی ہم قافیہ لائیں تو یہ صنعت واقع ہوتی ہے۔جیسے نثار کا ایک شعر ہے۔

اترے ملک فلک سے یوسف زمیں سے نکلے
ممکن نہیں کہ تجھ سا کوئی کہیں سے نکلے

اس شعر میں زمیں اور کہیں کے قوافی کے علاوہ ملک اور فلک مزید دو ہم قافیہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔اسی طرح سید عباس متقی کے کلام سے یہ شعر دیکھیے۔

؎ نہ **خاور** کو دیکھو نہ **اختر** کو دیکھو
اگر دیکھنا ہے پیمبرؐ کو دیکھو (۲۱۸)

خاور اور اختر ہم وزن اور مقفا ہیں۔

۲۰۔صنعت متتابع:

بات میں سے بات نکالی جائے تو صنعت متتابع واقع ہوتی ہے۔اس صنعت میں عام طور پر لفظ مکرر لایا جاتا ہے۔جیسے غالبؔ کا یہ شعر دیکھیے۔؎

نہ تھا کچھ تو خدا تھا ،کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے،نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
(۲۱۹)

نہ تھا کچھ اور کچھ نہ ہوتا اور دوسرے مصرعے میں مجھ کو ہونے نے اور نہ ہوتا میں سے بات سے بات نکالی گئی ہے۔سید عباس متقی کے کلام میں بات سے بات نکالنے کی ترکیب اس طرح ہے۔

؎ تمھیں بھی کچھ تو میرے غم کا ہوتا اندازہ
تمہارے دل کو بھی **میری لگی، لگی** ہوتی (۲۲۰)

؎ کسی نے پونجی اڑا کے میری،فقیر مجھ کو بنادیا
اب **آدمی، آدمی** نہیں ہے یہ راز مجھ کو بتا دیا (۲۲۱)

؎ مکر جس میں ہے وہ نہیں سادات
روزِ روشن **کہاں، کہاں** یہ رات (۲۲۲)

؎ جانے کس **وقت وقت** کوچ آئے
زندگی موت سے سنبھل جائے (۲۲۳)

پہلے مصرعے میں میری لگی اور لگی ہوتی ، دوسرے مصرعے میں اب آدمی اور آدمی نہیں ، تیسرے مصرعے میں روشن کہاں ، کہاں یہ رات اور آخری مصرعے میں کس وقت اور وقت کوچ پئے در پئے استعمال ہوئے ہیں۔

۲۱۔صنعت قطار البعیر :

اس صنعت میں پہلے مصرعے کا آخری لفظ اور دوسرے مصرع کا پہلا لفظ ایک ہوتا ہے۔جیسے

آپ کا رونا مجھ کو بھی رلادے **دیکھنا**
دیکھنا دریا نہ یہ دریا بہادے دیکھنا **(۲۲۴)**

ہاں مگر جامعہ ہے جس کا **نام**
نام جس کا ہے وجہہ صد آرام **(۲۲۵)**

۲۲۔صنعت ردِالعجز علی الصدر:

’’صدر‘‘ پہلے مصرع کے پہلے رکن کو کہتے ہے اور ’’عروض‘‘ پہلے مصرع کے آخری رکن کا نام ہے۔اسی طرح دوسرے مصرعے کے پہلے رکن کو’’ابتدا‘‘ اور آخری رکن کو’’عجز‘‘ کہتے ہیں۔درمیانی ارکان’’حشو‘‘ کہلاتے ہیں۔انھیں اس طرح ظاہر کیا جاسکتا ہے۔

دوسرا مصرع	پہلا مصرع
ابتدا حشو حشو عجز	صدر حشو حشو عروض

(۱) ردالعجز علی الصدر:

کسی شعر کے صدر میں جو لفظ آئے بعینہ وہی لفظ عجز میں لانا ردِالعجز علی الصدر کہلاتا ہے۔

اس کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) ردل العجز علی الصدر مع التجنیس:۔عجز اور صدر کے الفاظ بطور تجنیس کے ہوں

(۲) ردالعجز علی الصدر مع التکرار:۔عجز اور صدر کے لفظ بطور تکرار کے آئیں

(۳) ردالعجز علی الصدر مع الاشتقاق:۔عجز اور صدر کے لفظ ایک ہی اصل سے مشتق ایک مصرعے کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں۔اس طرح پورے شعر میں چار ٹکڑے ہوئے۔

(۴) ردالعجز علی الصدر مع شبہ الاشتقاق:۔عجز اور صدر کے لفظ اشتقاق سے مشابہ ہوں۔

جیسے ذوقؔ کا یہ شعر دیکھیے۔

مارے گر سیلی وہ زلف پر عرق
جھڑ پڑیں دنداں دہان مار کے

اس شعر کے صدر میں ’’مارے‘‘ آیا ہے اسی وزن پر ’’مار کے‘‘ عجز میں آیا ہے۔جس سے تجنیس بھی واقع ہوئی ہے۔اس لیے یہ شعر ردالعجز علی الصدر مع التجنیس بھی ہے۔سید عباس متقی کے اشعار اس طرح ہیں۔

یہ گلِ لالہ، گلِ مہندی ہے یہ
اور نیلوفر ہے یہ سیوتی ہے یہ (۲۲۶)

یہ گلِ داؤدی ہے، شب بو ہے یہ
یہ گلاب و لالہ، گل خیرو ہے یہ (۲۲۷)

مذکورہ اشعار کے صدر میں جو لفظ استعمال ہوا ہے بعینہ وہی لفظ عجز میں بھی استعمال ہوا ہے اور وہ لفظ ''یہ'' ہے۔

(ب) صنعت ردِالعجز علی الحشو:

کسی شعر کے حشو میں جو لفظ آئے وہی لفظ دوبارہ عجز میں آئے تو اس کو ردالعجز علی الحشو کہتے ہیں۔اس کی بھی چار صورتیں ہیں۔

(۱) ردالعجز علی الحشو التجنیس :۔ عجز اور حشو کے لفظ کا متجانس ہونا۔

(۲) ردالعجز علی الحشو التکرار:۔ عجز اور حشو کے لفظ کا مکرر ہونا۔

(۳) ردالعجز علی الحشو الاشتقاق:۔ عجز اور حشو کے لفظ کا ایک ہی مادّے سے مشتق ہونا۔

(۴) ردالعجز علی الحشو مع شبہ الاشتقاق:۔ عجز اور حشو کے لفظ پر ایک ہی مادے سے مشتق ہونے کا گمان ہونا۔

سید عباس متقی کے اس شعر میں صنعت ردِالعجز علی الحشو التکرار کی مثال پائی جاتی ہے۔

کام اپنی **جان** یوں لاتے ہیں وہ
جان جاتی ہے تو آجاتی ہے **جان** (۲۲۸)

اس شعر کے پہلے مصرعے کے حشو جان آیا ہے اور دوسرے مصرعے کے عجز میں بھی جان آیا ہے اسی وجہ سے اس صنعت کو صنعت ردِالعجز علی الحشو التکرار کہتے ہیں۔

(ج) صنعت ردِالعجز علی العروض:

کسی شعر کے عروض میں جو لفظ آئے وہی لفظ عجز میں آئے اس کو ردالعجز علی العروض کہتے ہیں۔اس کی بھی چار صورتیں ہیں۔

(۱) ردالعجز علی العروض مع التجنیس:۔ عجز اور عروض کے لفظ کا متجانس ہونا۔

(۲) ردالعجز علی العروض مع التکرار:۔ عجز اور عروض کے لفظ کا مکرر ہونا۔

(۳) ردالعجز علی العروض مع الاشتقاق:۔ عجز اور عروض کے لفظ کا ایک ہی مادّے سے **مشتق** ہونا۔

(۴) ردالعجز علی العروض مع شبہ الاشتقاق:۔ عجز اور عروض کے لفظ پر اشتقاق کا شبہ ہونا۔

سید عباس متقی کے کلام میں ردالعجز علی العروض مع التکرار کی مثالیں ملتی ہیں۔

باز رکھتا ہے بُرائی سے یہ **خوف**
پاس رکھتا ہے بھلائی سے یہ **خوف** **(۲۲۹)**

ایک ترکِ معصیت کا ہے **عوض**
دوسری گویا ہے طاعت کے **عوض** **(۲۳۰)**

تم مرا انتخاب ہو **شاید**
اور گل تم گلاب ہو **شاید** **(۲۳۱)**

اوپر کی مثالوں میں عروض اور عجز میں تکرار پائی جاتی ہے۔

(د) صنعت ردِالعجز علی الابتدا:

کسی شعر کے ابتدا میں لفظ آئے وہی لفظ عجز میں آئے تو اس کو ردالعجز علی الابتدا کہتے ہیں۔ جیسے سید عباس متقی کے کلام سے یہ اشعار دیکھیے۔

آپ کا رونا نہ مجھ کو بھی رلادے دیکھنا
دیکھنا دریا نہ دریا بہادے **دیکھنا** **(۲۳۲)**

کام اپنی جان یوں لاتے ہیں وہ
جان جاتی ہے تو آجاتی ہے **جان** **(۲۳۳)**

پہلے شعر کے عروض میں جو لفظ استعمال ہوا ہے بعینہ وہی لفظ ابتدا اور عجز میں بھی پایا جاتا ہے۔ دوسرے شعر میں ابتدا اور عجز میں تکرار پائی جاتی ہے۔

(ہ) صنعت ردِالعجز علی الصدر ثم علی ابتدا:

کسی شعر کے صدر میں جو لفظ آئے بعینہ وہی لفظ ابتدا میں آئے۔ جیسے سید عباس متقی کے ہاں یہ مثالیں ملتی ہیں۔

حال یہ ہے خط میں بھی کچھ آپ نے
حالِ دل پوچھا نہیں ہے دیکھیے **(۲۳۴)**

اپنی دولت پہ تھا غرور انھیں
اپنی شوکت پہ تھا سرور انھیں **(۲۳۵)**

دونوں اشعار کے صدر اور ابتدا میں جو الفاظ آئے ہیں ان میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

(و) صنعت ردِالعجز علی الصدر ثم علی الحشو:

کسی شعر کے مصرع اولیٰ کے حشو میں جو لفظ استعمال ہو وہی لفظ اسی شعر کے مصرع ثانی کے حشو میں استعمال ہو۔ جیسے سید عباس متقی کے اشعار میں غور کریں۔

ؔ لپیٹ لو میرے **دل** کو تم اپنے آنچل سے
غموں کے بوجھ سے **دل** کو مرے بچا جاؤ (۲۳۶)

ؔ چوٹ پر ہم چوٹ اپنے دل پہ کھاتے جائیں گے
ٹھان لی ہے دل میں تجھ سے دل لگاتے جائیں گے (۲۳۷)

دونوں اشعار کے حشو میں ''دل'' استعمال ہوا ہے اور دوسرے شعر میں ابتدا اور حشو میں چوٹ آیا ہے۔

(ز) صنعت ردِالعجز علی الحشوین ثم علی الحشو:

کسی شعر کے مصرع اولیٰ کے دونوں ''حشو، حشو'' میں وہی لفظ آئے اور اسی شعر کے دوسرے مصرع کے دونوں ''حشو حشو'' میں پھر کوئی ویسے ہی الفاظ آئیں تو یہ صنعت صادق آتی ہے۔ جیسے سید عباس متقی کے یہ اشعار دیکھیے۔

ؔ تم اپنی **آنکھوں** کو دیکھو ہماری **آنکھوں** سے
ہمارے **دل** سے بھی تم اپنا **دل** ملا جاؤ (۲۳۸)

ؔ وہ **آدمی** نہیں کہتے ہیں متقی جس کو
تم آکے پاس اسے **آدمی** بنا جاؤ (۲۳۹)

ؔ وہ آہ جانتا مفہوم گر **محبت** کا
تو متقی نے **محبت** کبھی نہ کی ہوتی (۲۴۰)

ؔ میرے آگے یوں ہی بیٹھی رہو **تصویر** بنی
اپنی **تصویر** بنانے کی اجازت دیدو (۲۴۱)

مذکورہ تمام اشعار کے حشو میں غور کرنے سے مثالیں سمجھ میں آجائیں گی۔

صنائع معنوی:

صنائع معنوی سے شعر کی معنوی خوبیاں واضح ہوتی ہیں۔ ذیل میں چند خاص صنعتوں کی تفصیل دی جارہی ہے:

ا۔ **صنعت تضاد:**

شعر میں ایسے الفاظ لائے جائیں جو معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہوں تو اس کو ''صنعتِ تضاد یا صنعتِ طباق'' کہتے ہیں۔ اگر دو متضاد و معنی کے الفاظ لائے جائیں تو ایسی صورت میں 'طباق ایجابی' کہیں گے۔ سید عباس متقی کے درج ذیل اشعار صنعت تضاد کی مثالیں ہیں۔

کانٹوں کو دیکھ کر مجھے یاد اپنی آگئی
پھولوں کو دیکھ کر مجھے تو یاد آگیا (۲۴۲)

ہمیں معلوم کیا تھا دلگی ہے دلگی اپنی
نہ **جیتے** ہیں نہ **مرتے** ہیں عجب ہے زندگی اپنی (۲۴۳)

فالِ **بد** لینا مبارک ہو تمہیں
ہم تو لیتے ہیں سدا **اچھا** شگوں (۲۴۴)

آپ کا دامن مرے دامن سے ٹکرا **جائے** گا
روز کہتا ہے یہ دل اک روز ایسا **آئے** گا (۲۴۵)

اک **زمیں** پر، **آسماں** پر ایک چاند
رات یہ کیسی انوکھی رات ہے (۲۴۶)

امیروں سے دل کا لگانا مبارک
غریبوں سے دل کو لگاؤ تو جانیں (۲۴۷)

مری **خزاں** کو کبھی رشکِ صد **بہار** کرو
نگاہِ لطف بس اک بار ایک بار کرو (۲۴۸)

سحر سے شام تک انتظار کرتا ہوں
تمارے وعدہ کا یوں اعتبار کرتا ہو (۲۴۹)

ناراض وہ **اُدھر** ہیں **اِدھر** ہیں خفا خفا
کیا جانے دوری کیسی یہ آئی ہماری بیچ (۲۵۰)

کرتے ہیں **سچ** کو **جھوٹ** **غلط** بات کو **صحیح**
کیا دشمنوں کی آج بن آئی ہمارے بیچ (۲۵۱)

فاصلے یہ درمیاں ہیں کس لیے
تم وہاں اور **ہم** یہاں ہیں کس لیے (۲۵۲)

متقی جس شخص پر **مرنے** لگے ہو آج کل
کیا عجب تم کو وہ **جینے** کی دعا دے دیکھنا (۲۵۳)

؎ چند لمحوں کی ضیا تھی چند تنکوں کی حیات
آشیانے کو **بچا** کر دل **جلایا** آپ نے (۲۵۴)

؎ پاس جب دیکھے اسے امید ہو
دید ہو اس کی تو گویا **عید** ہو (۲۵۵)

؎ **گل** کھلایا ایک **کانٹا** مانگ کر
چاہنے والوں کی چاہت خوب تھی (۲۵۶)

؎ آگ کے گولے برسیں **اوپر** سے
بھڑکیں **نیچے** عذاب کے شعلے (۲۵۷)

؎ جان دی، آن، شان دے ڈالی
تیر بخشا، **کمان** دے ڈالی (۲۵۸)

؎ جب کہ دل میں ہے **بیج نفرت** کا
کیا **ثمر** دے گا وہ **محبت** کا (۲۵۹)

؎ نفس بد کا وہ اپنے بندا ہے
صاف کپڑوں میں **صاف گندا** ہے (۲۶۰)

؎ ڈور سانسوں کی مار ہوجائے
پھول کھلتے ہی **خار** ہوجائے (۲۶۱)

۲۔ صنعت ایہام:

ایہام کے اصل معنی ''شک'' یا ''وسوسے میں ڈالنا'' ہے۔کلام میں اس طرح کا لفظ لانا جس کے دو معنی نکلتے ہوں اور دونوں سے شعر کے الگ الگ مطلب بھی نکالے جاسکتے ہوں اسے ''صنعتِ ایہام'' کہتے ہیں۔قدیم شعرا کے یہاں صنعتِ یہام کا استعمال ایک فن مانا جاتا تھا۔سید عباس متقی کے کلام میں بھی صنعت ایہام کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

؎ دال ہوجائے وہ الف نہ ملے
اس کے دل کی کبھی کلی نہ کھلے (۲۶۲)

؎ کیا کسی نے تجھے نہیں دیکھا
کیا کسی نے تجھے نہیں چکھا (۲۶۳)

۳۔ صنعت مراعات النظیر:

یہ لفظ مرکب ہے۔مراعات+نظیر اس کے معنی ہیں ''رعایت کرنا'' یا ''جمع کرنا'' اس طرح کی چیزوں کے نام کو جن میں باہمی مناسبت ہو مثلاً (برگ،گل،خار) یا (تیر،تفنگ،کمان

وغیرہ)۔کلام میں مراعات النظیر سے مراد ایسی چیزوں کا ذکر کرنا ہے جن میں آپسی مناسبت یا تعلق پایا جائے۔جیسے سید عباس متقی کا یہ شعر دیکھیے۔

کون کہتا ہے دل دھڑکتے ہیں
ڈر سے تیرے یہ دل لرزتے ہیں (۲۶۴)

اس شعر میں دل بمعنی قلب یا من کے ہیں جس کا ڈھڑکنا انسان وحیوان کی حیات کا ضامن ہے۔چناں چہ شعر میں دل کی مناسبت سے دھڑکتے، ڈر سے اور لرزتے استعمال ہوا ہے۔

نہ اس کے وعدہ پہ اب اعتبار آئے گا
یہ عہد تجھ سے دل بے قرار کرتا ہوں (۲۶۵)

جب نہ تھا ملحوظ پاس درس عشق و عاشقی
کیوں سبق مجھ کو محبت کا پڑھایا آپ نے (۲۶۶)

۴۔ صنعت مبالغہ:

کلا میں کسی چیز کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا ''صنعت مبالغہ'' کہلاتا ہے۔شعر میں زورِ بیان کو بڑھانے کے لیے مبالغے کا استعمال کیا جاتا ہے۔دبستانِ لکھنو کے شعرا خصوصاً میرؔ، انیس نے اپنے مرثیوں میں صنعتِ مبالغہ کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔

کہیں نہ مجھ کو چرالیں یہ دیکھنے والے
تم اپنی آنکھوں میں مجھ کو کہیں چھپا جاؤ (۲۶۷)

مبالغے کی تین قسمیں ہیں۔(ا) تبلیغ (ب) اغراق (ج) غلو۔

(ا) تبلیغ:

وہ مبالغہ جو عقل اور عادت دونوں کے قریب ہو مثلاً کسی مجمع میں آدمیوں کی کثیر تعداد کو ظاہر کرنے کے لیے اکثر کہا جاتا ہے۔''وہاں پر ہزاروں کا مجمع تھا''۔(گنتی کے اعتبار سے چاہے وہاں ایک ہزار آدمی بھی نہ ہوں)

جا کے چہرے پہ خاک میں چھپ جائیں
پھر کسی کو کبھی نظر نہ آئیں (۲۶۸)

ظلم مجھ بے نوا پہ توڑا ہے
بیچ دریا میں لا کے چھوڑا ہے (۲۶۹)

(ب) اغراق:

مبالغہ کی وہ بات جس کو عقل تو قبول کرتی ہو لیکن عادتاً ایسا نہ ہو۔ جیسے۔

چیر کر دل کو ہم دکھائیں کیا
کوئی بتلاؤ، ہم بتائیں کیا (۲۷۰)

جانے کس وقت وقت کوچ آئے
زندگی موت سے سَنبھل جائے (۲۷۱)

آدمی سے ہمیں انسان بنادے یارب
یہ دعا ہے کہ مسلمان بنادے یارب (۲۷۲)

اپنے سجدوں میں اپنے اشکوں سے
اپنا افسانہ خاک پر لکھ دے (۲۷۳)

(ج) غلو:

وہ بات عقلاً اور عادتاً دونوں اعتبار سے ناممکن ہو۔ جیسے۔

اپنی سانسوں سے میرے بخت کو بیدار کرو
مرے پہلو میں جو بیٹھو تو قیامت کو اٹھو (۲۷۴)

۵۔ صنعت مشاکلہ:

دو مختلف چیزوں کا ذکر کیا جائے اور ان میں تشبیہہ، استعارہ، محاورہ یا روزمرہ کے استعمال سے باہمی ربط ظاہر کیا جائے۔

اک جیسے پو پھٹی ہے تجھے دیکھنے کے بعد
ڈھارس سی بندھ گئی ہے تجھے دیکھنے کے بعد (۲۷۵)

۶۔ صنعت عکس:

کلام کے بعض اجزا کو مقدم و موخر کر کے دوسرا فقرہ یا مصرع بنالیا جائے۔

اب دل کا سہارا آنکھیں ہیں
آنکھوں کا سہارا دل ہی تو ہے (۲۷۶)

۷۔ صنعت تلمیح:

کلام میں کسی مشہور واقعہ یا کسی مذہبی روایت کی طرف اشارہ کرنے کو ''تلمیح'' کہتے ہیں۔ تلمیح کے الفاظ بظاہر مختصر ہوتے ہیں لیکن اس کے پیچھے وہ پورا قصہ ہوتا ہے جس کی طرف

شاعر اشارہ کرنا چاہتا ہے۔اس پورے قصے کو جانے بغیر نہ تو شعر کا مطلب بخوبی سمجھ میں آ سکتا ہے اور نہ ہی شعر کے اندر لائی گئی صنعتِ تلمیح کا پورا پورا لطف اٹھایا جا سکتا ہے۔ یہ شعر میں کفایتِ لفظی اور ایمائیت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔سید عباس متقی کے ہاں صنعت تلمیح کی مثالیں ملتی ہیں، جن سے انتخاب یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

؎ اے خداوند مالک المختار
ہو ابابیلِ فیل کا دیدار (۲۷۷)

اس شعر میں ابابیلِ فیل سے مراد عام الفیل کا وہ واقعہ ہے جو صورۂ فیل میں وارد ہوا ہے۔اسی طرح حضرت لوطؑ کی قوم کے ساتھ اللہ نے جو حشر کیا اس کا تذکرہ دیکھیے۔

؎ کیا کیا تو نے قوم لوطؑ کے ساتھ
ٹانگیں اوپر تھیں اور نیچے ہاتھ (۲۷۸)

قوم لوط کے عذاب کے بعد آدم ثانی حضرت نوح نجی اللہ کے متعلق سید عباس متقی کی تلمیحات اس طرح ہیں۔

؎ نوحؑ کی بددعا ہے سب کو یاد
قوم کو جس نے کردیا برباد (۲۷۹)

؎ نوحؑ نے ''لاتذر'' جو فرمایا
قوم پر قہر تو نے برسایا (۲۸۰)

؎ کشتی نوحؑ کے سوا تو نے
غرق سب کردیا خدا تو نے (۲۸۱)

مذکورہ اشعار میں نوح نبیؑ کے سفینے اور حضرت نوحؑ کی بددعا کا ذکر اوپر کی تلمیحات میں ملتا ہے۔ان تلمیحات کے بعد حضرت خضرؑ جو اللہ کے حکم سے اللہ کے بھٹکے ہوئے بندوں کی رہنمائی قیامت فرمائیں گے۔ چوں کہ اللہ انھیں قیامت تک زندہ رکھے گا اسی کی مناسبت سے سید عباس متقی کی تلمیح ملاحظہ کیجیے۔

؎ شخص ہے ایک خضرؑ کی صورت
بے وفائی کی ہے مگر مورت (۲۸۲)

حضرت ابراہیمؑ اللہ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جد اعلیٰ ہیں اور دین حنیف انھیں سے منسوب ہے۔ سید عباس متقی کے ہاں حضرت براہیمی کردار سے مراد آپؑ کی سیرت مبارکہ ہے۔ تلمیح دیکھیے۔

؎ اب کہاں وہ براھیمی کردار
رہ گئے صرف جبہ و دستار (۲۸۳)

نارنمرود کا ذکر اردو شاعری میں بہ کثرت آیا ہے۔ چناں چہ شعرائے متقدمین کے تتبع میں سید عباس متقی نے بھی تلمیحات کہی ہیں۔

؎ تو نے فرعون کو بھی پکڑا ہے
تو نے نمرود کو بھی جکڑا ہے (۲۸۴)

؎ اس سے فرعون بھی پشیماں ہے
دیکھ نمرود اس کو حیراں ہے (۲۸۵)

فرعون اور نارنمرود اردو کی دو ایسی تلمیحات ہیں جس کا ذکر تقریباً شعرا نے کیا ہے۔ سید عباس متقی کے کلام میں فرعون کے متعلق بھی تلمیحات ملتی ہیں۔

؎ احمقوں میں یہ تن کے بیٹھے ہیں
گویا فرعون بن کے بیٹھے ہیں (۲۸۶)

؎ اس کی اولاد کو فنا کردے
اس کی فرعونیت ہوا کردے (۲۸۷)

؎ ضعف میں بھی تنے وہ بیٹھے ہیں
فرعون اب بھی بنے وہ بیٹھے ہیں (۲۸۸)

فرعون کے بعد تلمیحات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے حضرت یوسفؑ کا تذکرہ بھی ضروری قرار پاتا ہے۔ چناں چہ سید عباس متقی نے حضرت یوسفؑ جو تلمیح کہی ہے یوں ہے۔

؎ ہم وہ یوسف ہیں جو خود بکنے کی خاطر آئے ہیں
کیوں وفا ملتی نہیں اب مصر کے بازار میں (۲۸۹)

اوپر کی مثالوں میں عام الفیل کے واقعے پر مشتمل تلمیح پیش کی گئی یہاں پر اصحاب فیل کے متعلق سید عباس متقی کی تلمیحات دی جاتی ہیں۔

یاد ہے اس قتیل کا قصہ
یعنی اصحاب فیل کا قصہ (۲۹۰)

غول بھیجے وہاں پرندوں کے
جن کے پنجوں میں چھوٹے کنکر تھے (۲۹۱)

دشمنوں نے خدا کا گھر ڈھایا
روز اصحاب فیل یاد آیا (۲۹۲)

ڈھایا کم بخت نے ہے تیرا گھر
لحہ لحہ ذلیل اس کو کر (۲۹۳)

اصحاب فیل کے بعد فتح مکہ دین اسلام کی وہ مایہ ناز کامیابی ہے جس سے اسلامی مملکت وقوع پذیر اور اسلام کو تقویت ملتی ہے۔ سید عباس متقی نے فتح مکہ کی بابت کہا ہے۔

فتح مکہ کے روز سرورؐ نے
رحمت حق، حبیبِ داور نے
دشمنوں کو معاف فرمایا
اور کعبہ کو صاف فرمایا (۲۹۴)

مکہ کے فتح ہوتے ہی اللہ کے حبیب ﷺ نے امن کا پیغام دیا اور منافقین ومشرکین ہو معاف فرما دیا۔ سید عباس متقی نے اللہ کے نبی ﷺ کے معجزات میں سے معجزۂ شق القمر کا ذکر اپنی شاعری میں کیا ہے۔

جن کی انگلی سے چاند ٹوٹ گیا
دشمنوں کا نصیب پھوٹ گیا (۲۹۵)

مذکورہ معجزہ کو سارے عالم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور بہتوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ سید عباس متقی نے ابولہب اور اس سے متعلق واقعات پر مبنی تلمیحات کا تذکرہ بھی اپنی شاعری میں کیا ہے۔

سرنگوں ہوگئی ہے بولھبی
واژگوں ہوگئی ہے بوجہلی (۲۹۶)

پسر بو لہب پر عذاب آیا
آکے اک شیر نے اسے کھایا (۲۹۷)

پائے کیا وہ رضائے مصطفیٰ ﷺ
جن کا رنگ رنگِ بولھبی (۲۹۸)

اس طرح سید عباس متقی کے کلام میں صنائع لفظی اور صنائع معنوی کی مثالیں ملتی ہیں۔

کلام متقی میں محاوروں کا استعمال:

سید عباس متقی کے اردو کلام میں ہمیں جگہ جگہ محاورے ملتے ہیں۔ یہاں ان کے مطبوعہ شعری مجموعے ''تنہائیاں'' سے محاوروں پر مشتمل اشعار پیش کیے جائیں گے۔

''محاورہ'' کے لغوی معنی ''گفتگو کرنا'' یا ''ہم کلام ہونا'' کے ہیں لیکن اہل زبان کی اصطلاح میں دو یا دو سے زائد الفاظ کے اس مجموعہ کو محاورہ کہتے ہیں جو کسی مصدر سے مل کر بنا ہوا اور وہ اپنے لغوی یا حقیقی معنی کے بجائے کسی دوسرے مجازی یا غیر حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہو۔ جیسے

اپنے دامن سے میرے دامن تک
گل کھلاؤ ابھی بہاریں ہیں (۲۹۹)

''گل کھلانا'' محاورہ ہے جس کے لغوی معنی پھول کھلانا، فساد کھڑا کرنا، آفت لانا، کوئی عجیب وغریب اور انوکھا کام کرنا کے علاوہ الزام دینا، تہمت دھرنا بھی آتے ہیں (فیروز اللغات اردو ص۱۱۰۲) لیکن مجازی معنی پھولوں کو کھلانے کی بجائے خوشیاں اور خوش گوار لمحات پیدا کرنے کے ہیں کیوں کہ گل کھلانے کے لیے گلاب کے پودوں کا ہونا جس کے لیے زمین ناگزیر ہے اور دامن کوئی زمین تو ہے نہیں کہ جہاں پودوں کو لگا کر گل کھلائے جائیں۔

محاورے کسی نہ کسی مصدر سے مل کر بنتے ہیں جو مصدر کی علامت ''نا'' کے ساتھ ہوتے ہیں جیسے خاک چھاننا، گل کھلانا وغیرہ لیکن ''گل کھلنا'' محاورہ نہیں ہے۔ حالاں کہ اس میں بھی علامت مصدر ''نا'' پائی جاتی ہے۔ وہ اس لیے کہ گل کھلنا اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل ہے۔

محاوروں کے استعمال میں مصدر کے جملہ مشتقات سے کام لیا جا سکتا ہے یعنی جملوں میں استعمال ہونے کی صورت میں محاوروں کے مصادر اردو زبان وقواعد کے لحاظ سے تذکیر و تانیث، واحد اور جمع اسی طرح زمانے کے اعتبار سے فعل میں بھی بدلے جاسکتے ہیں۔

محاوروں کو اسی صورت میں قائم رکھنا ضروری ہے جس صورت میں اہل زبان استعمال کرتے ہیں اس میں کسی طرح کا تصرف، ترمیم و تنسیخ نہیں کی جاسکتی ۔جیسے چراغ تلے اندھیرا، نو دو گیارہ ہونا، دل جلانا، آنکھیں دکھانا وغیرہ کو چراغ تلے کے بجائے، دیا تلے اندھیرا، قندیل تلے اندھیرا، لال ٹین تلے اندھیرا یا موم بتی تلے اندھیرا کہنا اور نو دو گیارہ ہونا کو پانچ چھ گیارہ ہونا یا آٹھ تین گیارہ ہونا کہنا یا سات چار گیارہ ہونا استعمال کریں تو یہ سراسر غلط ہوگا۔

جس طرح کہاوتوں کے پس پردہ کوئی نہ کوئی واقعہ یا صدیوں کے تجربات کارفرما ہوتے ہیں اسی طرح کچھ محاورے بھی ایسے ہیں کے جس کے پس پشت کوئی نہ کوئی کہانی یا واقعہ ہوتا ہے جیسے انگور کھٹے ہونا وغیرہ۔اس طرح محاوروں کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا بھی فنی عیب ہے جیسے سید عباس متقی لکھتے ہیں۔

بجلی سی دوڑ جاتی ہے ٹھنڈک بکھیرتی
دانتوں کو انگلیوں میں دبایا نہ کیجئے (۳۰۰)

''دانت تلے انگلی دبانا'' (لغات اردو محاورہ ص۱۳۳) محاورہ ہے اسے جمع کی صورت میں ''دانتوں تلے انگلیاں دبانا'' بھی بطور محاورہ مستعمل ہے لیکن یہ کہنا کہ دانتوں کو انگلیوں میں دبانا یہ خلاف فطرت بات ہے جیسا کہ سید عباس متقی نے استعمال کیا ہے۔

سید عباس متقی کے کلام میں محاوروں کی بہتات پائی جاتی ہے۔اختصار کے پیش نظر ذیل میں چند مثالیں دی جاتی ہیں۔

دنیا لگائے مجھ پہ اب الزام شوق سے — دل کو جناب آپ پہ آنا تھا آگیا (۳۰۱)
افسوس دل لگانے کی صورت نہیں رہی — آئینہ کوئی چپکے سے مجھ کو دکھا گیا (۳۰۲)
مسکراؤ ابھی بہاریں ہیں — دل لگاؤ ابھی بہاریں ہیں (۳۰۳)
تان ٹوٹی نہیں جوانی کی — سر ملاؤ ابھی بہاریں ہیں (۳۰۴)
مطمئن میں تو ہوں زلفوں کے خنک سائے میں — دل نے لیکن بڑا طوفان مچا رکھا ہے (۳۰۵)
چین کی بنسی بجائیں اب طبیب — کچھ بھی اب باقی نہیں بیمار میں (۳۰۶)
کان ہوتے تھے کبھی دیوار کے — اب تو آنکھیں ہوتی ہیں دیوار میں (۳۰۷)
نئی روشنی کا اندھیرا ہوا ہے — پرانے چراغ اب جلاؤ تو جائیں (۳۰۸)

آپ کی قسمت کو منزل آپ کے قدموں میں ہے　　میری قسمت ہے کہ اب تک ٹھوکریں کھاتا رہا (۳۰۹)

آپ نے تصویر تک ہاتھوں سے میرے چھین لی　　آپ کی یادوں سے اب تک دل کو بہلاتا رہا (۳۱۰)

نہ جاؤ پاس سے میرے تمہیں خدا کی قسم　　نہ آگ میری تمناؤں میں لگا جاؤ (۳۱۱)

پھونک ڈالے نہ آندھیاں دیکھو　　ہم نے شمع کوئی جلائی ہے (۳۱۲)

داستاں تیری ترے آگے سناتے جائیں گے　　نام لے لے کر ترا آنسو بہاتے جائیں گے (۳۱۳)

کیا محبت بھی وضاحت چاہتی ہے متقی　　حال دل آنکھوں ہی آنکھوں میں سناتے جائیں گے (۳۱۴)

اک جیسے پو پھٹی ہے تجھے دیکھنے کے بعد　　ڈھارس سی بندھ گئی ہے تجھے دیکھنے کے بعد (۳۱۵)

پاس اور بھی آؤ گی تو میں شعر کہوں گا　　گل کوئی کھلاؤ گی تو میں شعر کہوں گا (۳۱۶)

آپ کو دامن بچا لینا ہی تھا جب اس طرح　　کیوں مرے دامن سے پھر دامن ملایا (۳۱۷)

جب نہ تھا سینے میں دل، دل میں محبت کی خلش　　کس لیے سینے سے میرا دل چُرایا آپ نے (۳۱۸)

کسی غریب نے چاہا ہے ٹوٹ کر تم کو　　تمہیں وفا کی قسم بے وفا نہ تم ہونا (۳۱۹)

زمانہ کہتا ہے متقی کو ولی کامل بزرگ بھی　　کوئی تو حضرت سے مل کے پوچھے کہ گل یہ کیسا کھلادیا (۳۲۰)

خاک ہوجائے گی مری عزت　　پائی محنت سے میں نے ہے شہرت (۳۲۱)

جا کے چہرے یہ خاک میں چھپ جائیں　　پھر کسی کو کبھی نظر نہ آئیں (۳۲۲)

کھیلتے ہیں یہ آبرو سے مری　　چھین لے ان کی زندگی سے خوشی (۳۲۳)

اپنی منزل کو کھودیا ہوں میں　　خون کے آنسو رو رہا ہوں میں (۳۲۴)

اس کا اپنا نصیب سو جائے　　اس کی آنکھوں کا نور کھو جائے (۳۲۵)

خواب میرا خراب کر ڈالا　　کوفت سے میرے دل کو بھر ڈالا (۳۲۶)

اس کے سینے میں آگ لگ جائے　　مار شعلوں کی جیتے جی کھائے (۳۲۷)

اپنے محسن کو مار ڈالیں گے　　پگڑی احسان کی اچھالیں گے (۳۲۸)

روپیہ کی یہ قدر کرتے ہیں　　روپیہ پر یہ لوگ مرتے ہیں (۳۲۹)

کیسے کیسے وہاں سے نکلے تھے　　آدمی نور کے وہ پتلے تھے (۳۳۰)

عوض اپنا وہ حق سے لیتے تھے　　دونوں ہاتھوں سے خوب دیتے تھے (۳۳۱)

اب کہاں پائیں ایسے چہروں کو　　متقی نور کے وہ پاروں کو (۳۳۲)

پھر گیا آنکھ میں وہ نظارہ　　آگیا سب نظر کیا سارا (۳۳۳)

تھوک اوروں کا چاٹنے والا فن کا حلقوم کاٹنے والا (۳۳۴)
ہر جگہ اپنی ٹانگ اڑاتا ہے اپنی بھپکی سے بس ڈراتا ہے (۳۳۵)

اوپر کے اشعار میں محاوروں کی ترتیب اس طرح استعمال ہوئی ہے۔دل کا آنا،آئینہ دکھا جانا،دل کا لگانا،تان ٹوٹنا،طوفان مچا رکھنا،چین کی بنسی بجانا،دیوار کے کان ہونا،چراغ جلانا،ٹھوکریں کھانا،دل کو بہلانا،تمناؤں میں آگ لگانا،شمع جلائے رکھنا،آنسو بہانا،آنکھوں آنکھوں میں سنانا،ڈھارس بندھ جانا،گل کھلانا،دامن بچانا،دل چرانا،ٹوٹ کر چاہنا،گل کھلایا،عزت خاک ہونا،چہرے خاک میں چھپنا،آبرو سے کھیلنا،خون کے آنسو رونا،آنکھوں کا نور کھونا،خواب خراب کرنا،سینے میں آگ لگانا،احسان کی پگڑی اچھالنا،روپے پر مرنا،نور کے پتلے ہونا،دونوں ہاتھوں سے دینا،نور کے پارے،نظارا آنکھوں میں پھر جانا،تھوک چاٹنا اور ٹانگ اڑانا جیسے محاورے استعمال ہوئے ہیں۔

کلام متقی میں روزمرہ کا استعمال:

روزمرّہ کے معنی ’’ہمیشہ‘‘ یا ’’ہر روز‘‘ کے ہیں۔اصطلاح عام میں ان الفاظ یا جملوں کو کہتے ہیں جو روزمرّہ یا ہر روز کی زندگی میں بولے جاتے ہیں۔’’روزمرّہ‘‘ الفاظ کی وہ ترتیب ،وزن اور بندش ہے جن کو اہلِ زبان نے اپنی تحریر وتقریر میں اپنایا ہو اگر ایسا نہیں ہے تو وہ الفاظ یا جملے قواعد کے اعتبار سے خواہ کتنے ہی درست کیوں نہ ہوں ’’روزمرّہ‘‘ نہیں کہلائیں گے۔روزمرہ کے الفاظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں انھیں زبان وقواعد کے پیمانے سے نہیں ناپا جا سکتا ہے۔وہ تو صرف اس لیے ’’روزمرہ‘‘ کہلاتے ہیں کہ وہ الفاظ یا جملے روزمرہ کی زندگی میں بولے جاتے ہیں۔مثلاً ہم یہ کہیں کہ ’’ہمارا ہر روز کا یہ معمول ہے‘‘،’’صرف دس پانچ روپے کی تو بات ہے‘‘،’’بار بار کیوں تقاضا کرتے ہو‘‘۔ان جملوں میں ’’ہر روز‘‘، ’’دس پانچ‘‘،’’بار بار‘‘ روزمرہ ہیں۔اگر ہم تھوڑی سی ترمیم کر کے اس طرح کہیں کہ ’’ہمارا ہر دن کا معمول ہے۔‘‘،’’صرف دس سات روپے کی تو بات ہے‘‘،’’کئی بار کیوں تقاضا کرتے ہو‘‘۔یہ جملے روزمرہ کے خلاف ہیں۔کیوں کہ ’’ہر روز‘‘ کے بجائے ’’ہر دن‘‘،’’دس پانچ‘‘ کی جگہ ’’دس سات‘‘،’’بار بار‘‘ کی جگہ ’’کئی بار‘‘ کا استعمال سراسر روزمرہ کے خلاف ہے۔

سید عباس متقی کے کلام میں روزمرہ کی مثالیں اس طرح ہیں۔

میں لوٹ لوٹ گیا **سوچ سوچ** کر تجھ کو	گل **ایسے ایسے** کھلائے تری طبیعت نے (۳۳۶)
مرے اشک میری تسلیاں یہ دلاسے ہیں سبھی ہچکیاں	میں یہ سوچتا ہوں **کبھی کبھی** مرا درد ہی تو دوا نہیں (۳۳۷)
تھوڑی تھوڑی دور چل کر لوٹ میں آتا رہا	راستوں میں منزلوں کا لطف میں پاتا رہا (۳۳۸)
اشک پیتے پیتے آہیں **بھرتے بھرتے** متقی	آخر شب کون میرے گیت یہ گاتا رہا (۳۳۹)
آنکھیں نم نم ہیں باتیں **کم کم** ہیں	دلرباؤں کی دل ربائی ہے (۳۴۰)
مجھے پتا نہیں کیا ہوگیا ہے یہ مجھ کو	ہر آدمی پہ نظر **بار بار** کرتا ہوں (۳۴۱)
گر کے قدموں میں رودیا اس نے	اور **رو رو** کے یہ کہا اس نے (۳۴۲)
ٹکڑے ٹکڑے تو کر دے دل ان کا	جس کا ان کو ہے ہر گھڑی دھڑکا (۳۴۳)
ان کے شیشے کو **ریزہ ریزہ** کر	ان کی طاقت کو **پارہ پارہ** کر (۳۴۴)
صرف توبہ کے اب رہا کیا ہے	**توبہ توبہ** یہ وقت توبہ ہے (۳۴۵)
مرتے مرتے بھی حق ڈبوئیں گے	دولت ایمان کی وہ کھوئیں گے (۳۴۶)
پاؤں پڑ پڑ کے اوپر آیا ہے	کس سلیقے سے اوج پایا ہے (۳۴۷)
آخری وقت منہ جو کھولیں گے	آخر کار کفر بولیں گے (۳۴۸)
ایک ایک کوڑی کو ترس جائے	بارش فقر اب برس جائے (۳۴۹)

اس طرح سید عباس متقی کی شاعری میں روزمرہ کی اور بھی مثالیں ملتی ہیں لیکن یہاں پر مذکورہ مثالوں سے روزمرہ نگاری پر سید عباس متقی کی گرفت کو دیکھا جاسکتا ہے۔

حوالے:

(۱) ناقص الطرفین روزنامچہ کے چند اوراق جس میں سید عباس متقی نے اپنی اجمالی طور پر سوانحی کوائف بیان کیے ہیں۔
(۲) راقم الحروف کو سید عباس متقی نے اپنے ایک انٹرویو مورخہ ۲۷ر دسمبر ۲۰۱۵ء کو بمقام مکان مسجد عثمانِ غنیؓ میں یہ بات بتائی۔
(۳) ناقص الطرفین روزنامچہ کے چند اوراق جس میں سید عباس متقی نے اپنی اجمالی طور پر سوانحی کوائف بیان کیے ہیں۔
(۴) ایضاً ایضاً ایضاً۔
(۵) تسلیماً کثیراً لب کوثر (تقریظ فریس) ص ۱۰،۱۱۔
(۶) تسلیماً کثیراً از سید عباس متقی ص ۱۸۔
(۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۸۔
(۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۳۔
(۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۸۔
(۱۰) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۹۔
(۱۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۷۔
(۱۲) مثنوی نوال السبحان از سید عباس متقی (تقریظ) علی احمد جلیلی ص ۶۔
(۱۳) اردو مثنوی ایک عمومی مطالعہ ص ۹ مشمولہ اصناف نظم از ساحل احمد ص ۱۷۱۔
(۱۴) مثنوی نوال السبحان فی مطالب سورۃ الرحمٰن از سید عباس متقی ص ۳۴۔
(۱۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۵،۳۶۔
(۱۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۶۔
(۱۷) تحدیث وتشکر (پیش لفظ) از سید عباس متقی ص ۳۲۔
(۱۸) کلیات جوش جوش ملیح آبادی۔
(۱۹) مثنوی نوال السبحان فی مطالب سورۃ الرحمٰن ص ۴۱۔
(۲۰) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۶۔

(۲۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۶۔

(۲۲)یعقوب سروش ۔ مطالبِ قرآن ایک نظر میں ص۲۳۶۔

(۲۳)مثنوی نوال السبحان فی مطالب سورۃ الرحمٰن ص ۳۸،۳۷۔

(۲۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۱۔

(۲۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۲۔

(۲۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۵۔

(۲۷)یعقوب سروش ۔ مطالبِ قرآن ایک نظر میں ص۲۳۷،۲۳۶۔

(۲۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۳۷۔

(۲۹)مثنوی نوال السبحان ص۶۸۔

(۳۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۹۔

(۳۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۷۱۔

(۲۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۷۲۔

(۳۳)تنہائیوں سے پہلے(پیش لفظ)ازسید عباس متقی ص۱۷۔

(۳۴)تنہائیاں ازسید عباس متقی ص۲۱۔

(۳۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۱۔

(۳۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۱۔

(۳۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۲۔

(۳۸)یہ وہی نسیم الدین فریس ہیں جو سید عباس متقی کے چہیتے دوست ہیں اوران دنوں پروفیسر شعبہ اردو ،مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے علاوہ ڈین اسکول آف ....مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی بھی ہیں۔

(۳۹)حاصل تنہائیاں از نسیم الدین فریس ص۱۴۔

(۴۰)تنہائیاں از سید عباس متقی ص۲۴۔

(۴۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۲۔

(۴۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۲۔

(۴۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۸۔

(۴۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۰۔

(۴۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۱۔

(۴۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۲۔

(۴۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۴۔

(۴۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۵۔

(۴۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۹۔

(۵۰)ایضاً ایضاً ایضاً تنہائیاں سے پہلے (پیش لفظ) ص۱۸۔

(۵۱)تنہائیاں کا شاعر (تقریظ) ڈاکٹر علی احمد جلیلی ص۱۱۔

(۵۲)تنہائیاں از سید عباس متقی ص۸۱۔

(۵۳)صنعت توشیح کے متعلق سید عباس متقی کی شاعری کا فنی جائزہ کے سلسلے میں مکمل نظم اخذ کی گئی ہے۔

(۵۴)تنہائیاں از سید عباس متقی ص۸۵۔

(۵۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۸۸۔

(۵۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۸۹۔

(۵۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۷۹۔

(۵۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۸۴۔

(۵۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۲۳۔

(۶۰)حاصل تنہائیاں (تبصرہ) محمد نسیم الدین فریس ص۱۶۔

(۶۱)تنہائیاں کا شاعر (تقریظ) ڈاکٹر علی احمد جلیلی ص۱۲۔

(۶۲)مولوی محمد حسین خاں مقدمہ قصیدہ بردہ ص۲۔

(۶۳)تخمیسیں سے مراد نظم کی وہ ہیئت ہے جس میں ہر بند کے پانچ پانچ مصرعے ہوتے ہیں۔عرف عام میں اسے مخمس کہتے ہیں،قصیدے کے ہر شعر کے پہلے مصرع کو لے کراس کے ہم قافیہ وہم ردیف پانچ مصرعوں کے اضافے کو ''تسبیع'' کہتے ہیں، ہر شعر کے درمیان دو مصرعوں کے اضافہ کو تشطیر کہتے ہیں، ہر شعر کے نیچے چند مصرعوں کے اضافے کو تذئیل کہتے ہیں۔

(۶۴)سید عباس متقی فی ظلال البردہ میں شامل حرف تعارف سے ماخوذ ص۸۔

(۶۵) ایضاً ایضاً ایضاً پیش عنوان سے ماخوذ ص ۱۲۔
(۶۶) ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس نے سید عباس متقی کی کتاب فی ظلال البردہ پر تبصرہ کیا ہے جو سید عباس متقی کے نجی کتب خانے سے موصول ہوا۔
(۶۷) اردو کی شعری اصناف۔ڈاکٹر خواجہ اکرام ص ۳۵،۵۴ مشمولہ نقوش لاہور ۱۹۴۰ء۔
(۶۸) سید عباس متقی کی رودِ دود پر ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس کا غیر مطبوعہ تبصرہ۔تبصرے کے آخر میں محترم فریسؔ صاحب نے اپنی دستخط ثبت کی اور تاریخ ۲۴ رمئی ۲۰۰۱ء لکھی ہے۔
(۶۹) رودِ دود (شہر آشوب) مبصر ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریسؔ غیر مطبوعہ۔
(۷۰) تنہائیاں از سید عباس متقی (سرراہ) ص ۱۱۰۔
(۷۱) ایضاً ایضاً ایضاً (تنہائیاں) ص ۸۸۔
(۷۲) ایضاً ایضاً ایضاً (مہمیز) ص ۱۴۲۔
(۷۳) تنہائیاں، نظم ''لوگ کہتے ہیں تم پرائی ہو'' ص ۱۵۸۔
(۷۴) تنہائیاں ص ۱۰ پر سید عباس متقی نے قطعہ تاریخ طباعت رقم کی ہے جس سے ۱۹۹۳ء برآمد ہوتا ہے۔
(۷۵) سید عباس متقی تنہائیاں (گیت) ص ۱۴۶۔
(۷۶) تنہائیاں از سید عباس متقی نظم ''لوگ کہتے ہیں تم پرائی ہو'' ص ۱۵۹۔
(۷۷) ایضاً ایضاً ایضاً نظم ''تصویر'' ص ۱۴۳،۱۴۴۔
(۷۸) رودِ دود از سید عباس متقی ص ۱۴۔
(۷۹) دیوانِ غالبؔ ایڈیشن ۲۰۰۸ء ناشر ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ص ۸۳۔
(۸۰) رودِ دود از سید عباس متقی ص ۱۲،۱۱۔
(۸۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۳،۱۲۔
(۸۲) فی ظلال البردہ از سید عباس متقی ص ۳۶۔
(۸۳) ڈاکٹر علی احمد جلیلی ۔ اردو کا عروض ص ۶۸۔
(۸۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۶۹۔
(۸۵) تنہائیاں از سید عباس متقی ص ۳۴۔
(۸۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۹۔

(۸۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۸۵۔
(۸۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۱۵۔
(۸۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۲۲۔
(۹۰)کلیاتِ اقبال ص۸۳ سنہ اشاعت ۲۰۰۵ء ناشر ایجو کیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی۔
(۹۱)مثنوی نوال السبحان از سید عباس متقی ص۳۹۔
(۹۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۵۔
(۹۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۸۔
(۹۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۳۔
(۹۵)ڈاکٹر علی احمد جلیلی اردو کا عروض ص۱۷۔
(۹۶)مثنوی نوال السبحان از سید عباس متقی ص۳۶۔
(۹۷)تنہائیاں از سید عباس متقی ص۱۱۴۔
(۹۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۵۔
(۹۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۲۔
(۱۰۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۷۰۔
(۱۰۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۶۹۔
(۱۰۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۶۹۔
(۱۰۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۳۔
(۱۰۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۶۔
(۱۰۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۷۔
(۱۰۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۵۔
(۱۰۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۵۔
(۱۰۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۶۹۔
(۱۰۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۵۔
(۱۱۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۳۔
(۱۱۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۵۔

(۱۱۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۵۔
(۱۱۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳٦۔
(۱۱۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۸۔
(۱۱۵)نئی شاعری۔مشمولہ نئے کلاسیک (مراٹھواڑ یونیورسٹی اورنگ آباد ۱۹۷۳ء)ص ۲۹۷۔
(۱۱٦)شعر العجم جلد چہارم ص٦، بحوالہ عنوان چشتی ،اردو شاعری میں جدیدیت کی روایت (تخلیق مرکز لاہور) ص ۲۷٦۔
(۱۱۷)پروفیسر عنوان چشتی۔اردو شاعری میں جدیدت کی روایت ص ۲۴۷ مشمولہ ڈاکٹر مقبول احمد مقبول کی کتاب مضطر مجاز شخصیت اور شاعر ص ۸۰۔
(۱۱۸)رودِ دود از سید عباس متقی ص ۲۵۔
(۱۱۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۱۔
(۱۲۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۸۔
(۱۲۱)تنہائیاں از سید عباس متقی ص۸۲۔
(۱۲۲)رودِ دود از سید عباس متقی ص۲۰۔
(۱۲۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۹۔
(۱۲۴)فی ظلال البردہ از سید عباس متقی ص۳۰۔
(۱۲۵)تنہائیاں از سید عباس متقی ص۳۲۔
(۱۲٦)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۷۔
(۱۲۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۷۔
(۱۲۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۱۔
(۱۲۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۱۔
(۱۳۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۱۔
(۱۳۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۱۔
(۱۳۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۴۔
(۱۳۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵٦۔
(۱۳۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵٦۔

(۱۳۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۲۔
(۱۳۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۷۳۔
(۱۳۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۷۵۔
(۱۳۸)رودِدود از سید عباس متقی ص۱۱۔
(۱۳۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۴۔
(۱۴۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۴۔
(۱۴۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۵۔
(۱۴۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۷۔
(۱۴۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۸۔
(۱۴۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۸۔
(۱۴۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۰۔
(۱۴۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۱۔
(۱۴۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۱۔
(۱۴۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۱۔
(۱۴۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۱۔
(۱۵۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۲۔
(۱۵۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۲۔
(۱۵۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۲۔
(۱۵۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۴۔
(۱۵۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۵۔
(۱۵۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۵۔
(۱۵۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۱۔
(۱۵۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۱۔
(۱۵۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۴۔
(۱۵۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۸۔

(۱۶۰) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۶۔

(۱۶۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص۷۔

(۱۶۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۹۔

(۱۶۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۰۔

(۱۶۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۰۔

(۱۶۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۰۔

(۱۶۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۱۔

(۱۶۷) رشکِ گردون از ڈاکٹر سید عباس متقی ص۲۶۔

(۱۶۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۷۔

(۱۶۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۶۔

(۱۷۰) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۹۔

(۱۷۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۵۔

(۱۷۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۷۔

(۱۷۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۷۔

(۱۷۴)رودِ دود از سید عباس متقی ص۹۔

(۱۷۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۲۔

(۱۷۶)تنہائیاں از سید عباس متقی ص۶۹۔

(۱۷۷)رودِ دود از سید عباس متقی ص۱۱۔

(۱۷۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۱۔

(۱۷۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۱۔

(۱۸۰) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۱۔

(۱۸۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۱۔

(۱۸۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۱۔

(۱۸۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۲۔

(۱۸۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۲۔

(۱۸۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۲۔
(۱۸۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۳۔
(۱۸۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۳۔
(۱۸۸)تنہائیاں از سید عباس متقی ص۸۴۔
(۱۸۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص۸۴،۸۳۔
(۱۹۰)تنہائیاں پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' سید عباس متقی ص۱۸۔
(۱۹۱)مثنوی نوال السبحان فی مطالب سورۃ الرحمٰن از سید عباس متقی ص۴۳۔
(۱۹۲)تنہائیاں پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' سید عباس متقی ص۲۴۔
(۱۹۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۳۔
(۱۹۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۳۔
(۱۹۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۹۔
(۱۹۶)رودِدود از سید عباس متقی ص۱۲۔
(۱۹۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۳۔
(۱۹۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۸۔
(۱۹۹)تنہائیاں پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' سید عباس متقی ص۷۷۔
(۲۰۰)رودِدود از سید عباس متقی ص۲۱۔
(۲۰۱)فی ظلال البردہ از سید عباس متقی ص۲۳۔
(۲۰۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۰۔
(۲۰۳)رودِدود از سید عباس متقی ص۷۔
(۲۰۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص۸۔
(۲۰۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص۸۔
(۲۰۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۰۔
(۲۰۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۴۔
(۲۰۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۵۔
(۲۰۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۵۔

(۲۱۰) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۵۔

(۲۱۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۰۔

(۲۱۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۰۔

(۲۱۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۱۔

(۲۱۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۵۔

(۲۱۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۶۔

(۲۱۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۸۔

(۲۱۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۸۔

(۲۱۸) تسلیماً کثیراً از سید عباس متقی ص۳۷۔

(۲۱۹) دیوانِ غالب از مرزا اسداللہ خاں غالبؔ ناشر: ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ سن اشاعت ۲۰۰۸ ص۱۷۔

(۲۲۰) تنہائیاں پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' سید عباس متقی ص۵۴۔

(۲۲۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۷۷۔

(۲۲۲) رودِ دود از سید عباس متقی ص۱۵۔

(۲۲۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۱۔

(۲۲۴) تنہائیاں پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' سید عباس متقی ص۱۷۔

(۲۲۵) رودِ دود از سید عباس متقی ص۱۸۔

(۲۲۶) مثنوی نوال السبحان فی مطالب سورۃ الرحمٰن از سید عباس متقی ص۴۰۔

(۲۲۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۱۔

(۲۲۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۷۔

(۲۲۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۷۔

(۲۳۰) ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۷۔

(۲۳۱) تنہائیاں پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' سید عباس متقی ص۲۳۔

(۲۳۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۷۔

(۲۳۳) مثنوی نوال السبحان فی مطالب سورۃ الرحمٰن از سید عباس متقی ص۴۷۔

(۲۳۴) تنہائیاں پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' سید عباس متقی ص ۵۸۔

(۲۳۵) رودِدود از سید عباس متقی ص ۸۔

(۲۳۶) تنہائیاں پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' سید عباس متقی ص ۵۳۔

(۲۳۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۵۹۔

(۲۳۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۵۳۔

(۲۳۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۵۳۔

(۲۴۰) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۵۴۔

(۲۴۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۶۱۔

(۲۴۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۴۔

(۲۴۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۸۔

(۲۴۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۳۔

(۲۴۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۴۔

(۲۴۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۵۔

(۲۴۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۸۔

(۲۴۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۹۔

(۲۴۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۶۲۔

(۲۵۰) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۶۳۔

(۲۵۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۶۴۔

(۲۵۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۷۰۔

(۲۵۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۷۱۔

(۲۵۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۷۳۔

(۲۵۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۸۳۔

(۲۵۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۸۶۔

(۲۵۷) رودِدود از سید عباس متقی ص ۱۳۔

(۲۵۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۴۔

(۲۵۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۴۔

(۲۶۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۵۔

(۲۶۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۶۔

(۲۶۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۵۔

(۲۶۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۸۔

(۲۶۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۷۔

(۲۶۵)تنہائیاں پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' سید عباس متقی ص۶۲۔

(۲۶۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۷۔

(۲۶۷)تنہائیاں پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' سید عباس متقی ص۵۲۔

(۲۶۸)رودِدود از سید عباس متقی ص۱۵۔

(۲۶۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۲۔

(۲۷۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۴۔

(۲۷۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۱۔

(۲۷۲) تسلیماً کثیراً از سید عباس متقی ص۴۸۔

(۲۷۳)تنہائیاں پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' سید عباس متقی ص۲۶۔

(۲۷۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۴۱۔

(۲۷۵)تنہائیاں پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' سید عباس متقی ص۶۷۔

(۲۷۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۹۴۔

(۲۷۷)رودِدود از سید عباس متقی ص۱۳۔

(۲۷۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۸۔

(۲۸۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۸۔

(۲۸۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۸۔

(۲۸۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۸۔

(۲۸۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۷۔

(۲۸۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۷۔

(۲۸۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۸۔
(۲۸۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۶۔
(۲۸۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۵۔
(۲۸۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۶۔
(۲۸۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۱۔
(۲۸۹)تنہائیاں پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' سید عباس متقی ص۴۷۔
(۲۹۰)رودِ دود از سید عباس متقی ص۸۔
(۲۹۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۸۔
(۲۹۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۳۔
(۲۹۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۴۔
(۲۹۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۰۔
(۲۹۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۲۔
(۲۹۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۹۔
(۲۹۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۲۔
(۲۹۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۷۔
(۲۹۹)تنہائیاں پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' سید عباس متقی ص۳۰۔
(۳۰۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۱۔
(۳۰۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۴۔
(۳۰۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۵۔
(۳۰۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۰۔
(۳۰۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۱۔
(۳۰۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۳۔
(۳۰۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۹۔
(۳۰۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۹۔
(۳۰۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۴۸۔

(۳۰۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۱۔

(۳۱۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۱۔

(۳۱۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۲۔

(۳۱۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۵۔

(۳۱۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۹۔

(۳۱۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۰۔

(۳۱۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۷۔

(۳۱۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۸۔

(۳۱۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۷۲۔

(۳۱۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۷۲۔

(۳۱۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۸۸۔

(۳۲۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۷۸۔

(۳۲۱)رودِدود از سید عباس متقی ص۱۱۔

(۳۲۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۵۔

(۳۲۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۵۔

(۳۲۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۶۔

(۳۲۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۶۔

(۳۲۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۷۔

(۳۲۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۷۔

(۳۲۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۸۔

(۳۲۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۸۔

(۳۳۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۸۔

(۳۳۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۸۔

(۳۳۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۹۔

(۳۳۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۰۔

(۳۳۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۲۔

(۳۳۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۲۔

(۳۳۶)تنہائیاں پیش لفظ ''تنہائیاں سے پہلے'' سید عباس متقی ص۳۲۔

(۳۳۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۷۔

(۳۳۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۱۔

(۳۳۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۱۔

(۳۴۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۶۔

(۳۴۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۲۔

(۳۴۲)رودِدود از سید عباس متقی ص۱۱۔

(۳۴۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۴۔

(۳۴۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۱۴۔

(۳۴۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۱۔

(۳۴۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۲۔

(۳۴۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۲۔

(۳۴۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۲۔

(۳۴۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۴۔

☆☆☆

﴿پانچواں باب﴾

سید عباس متقی کی فارسی شاعری کا تعارف

یکی بدنام آدمی هستم
سید عباس متقی هستم

سید عباس متقی

فارسی شاعری کی ابتدا:

ہم یہاں حیدرآباد کے ایک معروف شاعر، ادیب اور مزاح نگار جو ایک متنوع شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ واقعی متقی بھی ہیں، کی فارسی شاعری کا جائزہ لیں گے۔ جنھوں نے فارسی زبان میں کماحقہ دست رس حاصل رکھتے ہوئے پانچ تخلیقی و تحقیقی کتابیں رباعیات متقیؔ ، مناجات متقیؔ ، رشک گردون، مقایسۂ غالب کے علاوہ مینا بدوش زیور طبع سے آراستہ کی ہیں نیز وہ فارسی دانوں سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ سید عباس متقیؔ نے اردو اور فارسی کی تقریباً اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ حالاں کہ وہ ایک مزاح نگار کی حیثیت سے پڑھے، سنے اور یاد کیے جاتے ہیں لیکن ان کی شاعری بھی خواہ مزاحیہ ہو کہ ''سنجیدہ'' اردو ہو کہ فارسی، دونوں زبانوں میں قیمتی سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

رباعیات متقیؔ (۲۰۱۰ء) کا تنقیدی مطالعہ:

سید عباس متقیؔ نے اردو شاعری کی طرح فارسی شاعری میں بھی اپنی طبیعت کی جولانیاں بکھیری ہیں۔ چناں چہ ''رباعیات متقیؔ'' ان کا پہلا فارسی شعری مجموعہ ہے، جو ۲۰۱۰ء میں شائع ہو کر داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔ سید عباس متقیؔ نے فارسی شاعری کے جتنے اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے اردو میں اتنے اصناف پر شاعری نہیں کی ہے۔ ان کیفارسی کلام میں اصناف رباعی کے علاوہ نظم کی دیگر اصناف وہیئتوں میں موضوعاتی نظمیں، حمد، نعوت، سلام، منقبتیں وغیرہ کے علاوہ غزلیں بھی کہی ہیں۔

پیش نظر کتابچہ ان کے فارسی رباعیات کا مجموعہ ہے جس کو انھوں نے اپنی استانی ڈاکٹر زیب حیدر سابق صدر شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے نام معنون کیا ہے۔ اس کتابچے کا مقدمہ قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری نے رقم کیا ہے، جس کے ابتدا میں وہ کہتے ہیں کہ

رباعی خالص عرب زبان ولغت کا لفظ ہے اس لیے اکثر دانش وروں کو یہ تسامح ہوتا ہے کہ شاعری میں صنف رباعی کی اختراع شاید اہل عرب نے کی ہے مگر پروفیسر محمود شیرانی نے رباعی کو ایران کے فارسی شعرا کی جدت طبع کا نتیجہ بتایا ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں:

''بقول ڈاکٹر پرویز، پروفیسر تہران یونیورسٹی رباعی کا وزن ایران میں عربوں کی آمد سے بہت پہلے ہی اکثر دیہاتوں میں ''ترانہ'' کے نام سے عوام کی زبان پر جاری اشعار میں موجود تھا۔ دیگر زبانوں مثلاً انگریزی میں ''Quatrain''، پشتو میں ''چاربیتیہ''، سنسکرت میں ''چار چرن'' اور ہندی میں ''چوپائی'' بھی بنیادی طور پر اپنے سانچہ ڈھانچہ میں رباعی سے بڑی مماثلت رکھتے ہیں۔ فارسی میں متصوفانہ رباعیوں کا گراں قدر ذخیرہ ملتا ہے، جس کا باقاعدہ آغاز مشہور صوفی بزرگ شاعر حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ نے فرمایا۔ سب سے عظیم فارسی گو شاعر ابوسعید ابوالخیر کو تسلیم کیا جاتا ہے جن کی جھلک رومیؔ، عطار اور جامیؔ کی رباعیات میں دکھائی دیتی ہے۔ دیگر شعرا میں فارسی رباعیات کے لیے قابل ذکر نظامیؔ، سعدیؔ، سرمدؔ، مجفیؔ کے علاوہ افضلؔ کاشانی کے نام مشہور ہیں نیز فلسفی شاعر عمر خیام کی رباعیات بھی شہرۂ آفاق ہیں جن میں سرمستی اور قلندری کے جذبات پائے جاتے ہیں۔''(۱)

زیر نظر کتابچہ ''رباعیات متقیؔ'' ترسٹھ رباعیات پر مشتمل ہے جس میں حمدیہ، نعتیہ، مناجاتی، اخلاقی، پندونصائح، حقائق حیات جیسے موضوعات پر سید عباس متقیؔ نے طبع آزمائی کی ہے۔ اس سلسلے میں بہ زبان اردو ڈاکٹر نسیم الدین فریسؔ تقریظ میں رقم طراز ہیں:

''میں نے عباس کی رباعیوں کا مطالعہ کیا تو پہلی بات جس نے مجھے متاثر کیا وہ یہ ہے کہ موضوعات ومشمولات کے اعتبار سے یہ رباعیاں، رباعی کی قدیم روایت کا تسلسل اور اس کا ایک حصہ معلوم ہوتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کے پیچھے فارسی رباعی کی صدیوں پرانی روایت بول رہی ہے۔ ان رباعیات میں موضوعات کا تنوع اور بوقلمونی کا احساس ہوتا ہے۔ رباعی ہئیتی صنف ہے۔ یہ موضوعاتی تقید سے مبرا ہے چناں چہ عباس کے پیش نظر مجموعے میں حمدیہ، نعتیہ، مناجاتی، اخلاقی، نصیحت آموز اور حقائقِ حیات پر مبنی غرض ہر رنگ کی رباعیات ملتی ہیں۔ ان میں زندگی کی بصیرت اور فنی رچاؤ پایا جاتا ہے۔ موضوعاتی افتراق کے ساتھ تبائن اسلوب بھی نمایاں اور واضح ہے۔ ان رباعیات کی تلفیظ پر کلاسیکی اثرات کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ عباس

کو ابتدائے عمر ہی سے فارسی زبان سے لگاؤ رہا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایم۔اے (اردو) کے دوران انھوں نے بڑے ذوق سے فارسی کا مضمون لیا تھا۔نہایت شوق سے فارسی کے لکچرز میں حاضر ہوتے تھے۔اسی زمانے میں انھوں نے فارسی میں مشق سخن کا آغاز کیا تھا اس کے بعد انھوں نے فارسی سے ایم۔اے امتیاز سے کامیاب کیا اور گولڈ میڈل کے مستحق قرار پائے۔انھوں نے اساتذہ فارسی کے دواوین کا مطالعہ نہایت دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی سے کیا ہے۔ان کے اخاذ تخلیقی ذہن نے لاشعوری طور پر ان شعرا کے اثرات بھی جذب کیے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی رباعیات میں فارسی کے اساتذہ سخن کے رنگ کی چھوٹ نظر آتی ہے۔الفاظ کا خوش آہنگ در وبست،مصرعوں کی روانی،خیالات کی پاکیزگی،تخیل کی بلند پروازی،اسلوب کی شگفتگی اور مضامین کی ندرت ان کی رباعیات کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ان میں مصوری کی سرمستی،ابوسعید ابوالخیر کی معرفت اور سعدی کے حکیمانہ ذہن کا امتزاج نظر آتا ہے۔ان میں فراست مومن کی روشنی بھی ہے اور دل عاشق کا سوز وگداز بھی،نور و حضور کی کیفیت بھی ہے اور وارفتگی وسرور کا عالم بھی،مقصدیت اور پیغام کا جلال بھی ہے اور شعریت کا حسن اور فن کا جمال بھی۔'' **(۲)**

پروفیسر فریسؔ کے اس جامع تبصرے کے بعد اپنی علمی کم مائیگی کو سامنے رکھ کر رباعیات متقی پر قلم فرسائی حماقت سے کم نہیں۔صرف یہی کہوں گا کہ سید عباس متقی نے ۶۳ رباعیات کے بعد آخر میں ایک قطعہ تاریخ بھی رقم کی ہے جس سے سال اشاعت یعنی ۱۴۳۱ھ برآمد ہوتا ہے۔

بشنو ز من آشفتہ بیانی امروز
دیگر بہ دہد نشہ گلابی امروز
آمد چہ خوشا بر لب حاوی تاریخ
بشگفت چہ گل ہائے رباعی امروز

ابتدا میں کلمات درویش کے نام سے جناب قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری نے دیباچہ لکھا ہے اور پروفیسر نسیم الدین فریسؔ نے بلبل چہ گفت۔۔۔! کے عنوان سے تقریظ لکھی۔ان اساتذہ سخن وادب کے بعد سید عباس متقی نے فارسی زبان میں ''بہ خامہ شاعر رباعیات'' کے موضوع سے پیش لفظ لکھ کر اپنے فارسی رباعی گوئی کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ

رباعیات ان کے جذبات واحساسات کا آئینہ ہے اوران کے عناوین عشق مجازی وحقیقی دونوں پر دلالت کرتے ہیں وغیرہ کو عمدگی سے پیش کیا ہے فارسی متن دیکھیے :

''این رباعیات در حقیقت آئینۂ جذبات واحساسات بندہ است۔عنوانات رباعیات برعشق مجازی وعشق حقیقی احاطہ کردہ اندو بر ہردوعناوین بندہ کوشش می کنم کہ آن نکتہ کہ دررباعی امر لازمی بیارم،اکنون تابہ کجار سیدہ این معاملہ رابر صاحبان نقدونظر می سپارم۔گوکلام من آہنگ اساتذہ نہ داردولیکن امیدوارم کہ رنگ تلامذہ البتہ دارد۔اگر می گویم کہ این رباعیات بندہ کوشش رندانہ وکاوش دانشجو یانہ ہست،غلط نیست۔''(۳)

سید عباس متقی نے حسب طبیعت وروایت اس کتاب میں بھی اپنے کرم فرماؤں کا صمیم قلب کے ساتھ شکریہ ادا کیا ہے جن میں جناب الحاج سید شاہ قاضی آعظم صوفی ،ڈاکٹر نسیم الدین فریس، جناب شیخ سعدی ارشد کے علاوہ ان کی استانی ڈاکٹر زیب حیدر جن کے نام پر اس کتاب کا انتساب ہے، کا بھی شکریہ ادا کیا ہے۔

رشکِ گردون (۲۰۱۱ء) کا تنقیدی مطالعہ:

سید عباس متقی نے فارسی شاعری میں قدم رکھا اوراپنے قدموں کو مستحکم ،مضبوط اور متین کرتے گئے اور ایسی ایسی فارسی شاعری پر مبنی کتابچوں کی اشاعت عمل میں لائی کہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد ہی کیا ہندوستان کے کسی گوشے میں بھی ایسی مایہ ناز فارسی کتابیں معرض وجود میں نہ آئی ہوں۔

راقم الحروف کی فارسی دانی واجبی واجبی سی ہے لیکن اتنی استطاعت اور سخن فہمی نہیں کہ فارسی کتابوں پر تبصرہ کرسکوں۔ یہ کار جرات صرف اس لیے کی جارہی ہے کہ تحقیقی مقالے کا تنقیدی جائزہ لے سکیں۔ چناں چہ ۸۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا سرورق دیدہ زیب ہے جس پر ایران کی کسی عمارت کی تصویر ہے اور آخری صفحہ پر سید عباس متقی نے کسی عمارت کے سامنے ٹھہر کر تصویر کھنچائی ہے۔ کتاب کو پروفیسر عزیز بانو صدر شعبہ فارسی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے نام معنون کیا گیا ہے اور فوراً بعد صفحے پر یہ شعر پیش ہے۔ ؎

ہزار یاربشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

تقریظ کے عنوان سے سید عباس متقی کی استانی ڈاکٹر زیب حیدر سابق صدر شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ کے قلم سے فارسی میں تنقیدی تقریظ ہے۔ پھر رضا قاسم نژاد صاحب رئیس بنیاد فرہنگی آسیا حیدرآباد نے دیباچہ لکھا ہے اس کے بعد فارسی ہی میں ''حرف چند'' کے نام سے جناب مضطر مجاز نے کچھ لکھا ہے پھر پروفیسر عزیز بانو نے ''پیش گفتار'' فارسی ہی میں لکھا ہے جب کہ سخن نخستین کے عنوان سے پیش لفظ فارسی میں سید عباس متقی نے لکھا ہے۔ اس طرح کتاب ہذا صفحہ ۱۹ سے شروع ہو کر صفحہ ۷۹ پر تمام ہوتی ہے اور صفحہ ۸۰ پر قطعہ تاریخ طباعت ''رشک گردون'' لکھا ہوا ہے جس سے ۲۰۱۱ء نکلتا ہے۔

می کنم صد شکر بیچون طبع شد
طبع شد افکار میمون طبع شد
متقی در عیسوی سالش بگو
شعر گلرو ''رشک گردون'' طبع شد

یہ کتاب حمد، نعت، سلام، منقبتوں، تہنیتوں کے علاوہ موضوعاتی نظموں پر مشتمل ہے جس میں ہمہ اقسام کے گل بوٹے ملتے ہیں چناں چہ حمد باری تعالیٰ سے ابتدا کی گئی ہے، جو اشعار پر مشتمل ہے اور مقطع اسی طرح ہے۔

من کجا دارم زبان حق شناس اے متقی
چون پئے حمد و ثنائے حق دو عالم ناتوان (۴)

حمد باری تعالیٰ کے بعد ''اے خدا'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی گئی ہے جس میں اللہ رب العزت سے حرف ندا کے ذریعے رجوع کیا گیا ہے۔ اس نظم میں مصرع ''اے خدا، اے خدا، اے خدا'' ٹیپ کا مصرع ہے اور نظم چھوٹی بحر میں لکھی گئی ہے، جس کے کل اشعار بیس ہیں، جن میں بعض مصرعے ذولسانین اور صنعت تکرار پر مشتمل ہیں۔ ابتدائی اشعار اس طرح ہیں۔

اے خدا ، اے خدا ، اے خدا — ساختی چہ خوب این زمین و آسمان
کن فکان ، کن فکان ، کن فکان — از بہ کاہ و برگ و بار تا بہ کہکشان
ذرہ ذرہ می کند وضو بہ آب ہو — لحہ لحہ می کند نماز قبلہ رو
دمبدم کند ثنائے رب دو جہان — اے خدا ، اے خدا ، اے خدا
لا الہ نغمۂ سکون قلب و جان — اے خدا ، اے خدا ، اے خدا

(۵)

نعت رسول مقبول ﷺ پر سید عباس متقی نے دونوں زبانوں میں نعتیں لکھی ہیں اور خوب سے خوب تر لکھنے کی کوشش کی ہیں۔ یہاں اس کتاب میں شامل تین نعوت اور چار سلام میں انھوں نے اپنی عقیدت محمدی ﷺ کا ثبوت دیا ہے۔نعتوں کے ابتدائی اشعار اس طرح ہیں۔ ؂

نعت اول:

بی نوائم خاکسارم یا نبی ﷺ   یا نبیؐ ہر دم بگویم یا نبی ﷺ
کن نگاہ التفات بی کران   برمن مسکین عالم یا نبی ﷺ
از کرا گو یم بگو من حال زار   اے کریم ہر دو عالم یا نبی ﷺ

(۶)

نعت دوم:

چو روئی مصطفیؐ دیدم خدائی دوسرا دیدم   خدائی دوسرا دیدم چو روئی مصطفیؐ دیدم
بہشت وحور وغلمان ،عرش وکرسی ،کوثر و تسنیم   چو شہر مصطفیؐ دیدم چہ گویم من چہا دیدم
بہ دیدار رسول اللہ من ایمان آوردم   بہ چشم سر وگرنہ حق تعالیٰ را کجا دیدم

(۷)

نعت سوم:

چیست ایمان جز محبت او   چیست عرفان جز حقیقت او
قبلۂ دو جہان کعبہ حق   قبلۂ عاشقان صورت او
روز و شب، صبح و شام می گویم   از دل و جان مدح سیرت او

(۸)

مذکورہ جلیل القدر نعوت عالیہ کے بعد آپ نے صنف سلام میں اپنے فن کا کمال دکھایا ہے جن میں سے ایک دوسلام اساتذہ سخن کی بحروں میں لکھی گئی ہیں۔سلاموں کی ابتدا بالترتیب یوں ہوتی ہے۔ ؂

(۱)

اے شہنشاہ رسالت الصلوٰۃ والسلام   صاحب تاج نبوت الصلوٰۃ والسلام
شافع روز قیامت الصلوٰۃ والسلام   رافع اعزاز و عزت الصلوٰۃوالسلام
راز دار سر وحدت الصلوٰۃ والسلام   آئینہ دار حقیقت الصلوٰۃ والسلام

(۹)

(۲)

چون بگویم نام او از آسمان آید سلام — اے خوشا از مالک ہر دو جہان آید سلام
برگ وگل شاخ وثمر می خواند نغمات درود — از بہار گلستان و بوستان آید سلام
ساغر و مینا بہ سرمستی عشق مصطفیٰ — می کند رقص از سحاب بیکران آید سلام

(۱۰)

(۳)

صل علی نبینا صل علی محمد ﷺ — صل علی شفیعنا صل علی محمد ﷺ
بر شاہ دوسرا رسد خالق دوسرا سلام — لیل و نہار جا بہ جا صل علی محمد ﷺ
برکت انتساب پابودی رسید تا بہ عرش — نعلین پاک مصطفیٰ ؐ صل علی محمد ﷺ

(۱۱)

(۴)

یا نبی سلام علیک — یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک — صلواۃ اللہ علیک
منبع مہر و عطائی — پیکر نور خدائی

(۱۲)

سید عباس متقی نے حمد سبحانہ وتعالیٰ، نعوت رسول اللہ ﷺ اور سلام بارگاہ آخرالزماں کا نذرانہ پیش کرنے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ کے چاروں خلفائے راشدین پر منقبتیں لکھی ہیں۔حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے لیے پیش کی گئی منقبت کو سید عباس متقی نے خلیفۂ رسول اللہ ﷺ کا عنوان دیا ہے۔

پیکر صدق و صداقت بوبکرؓ — مصدر نور ولایت بوبکرؓ
پرتو نور رسالتؐ، بوبکرؓ — ہالۂ شمع نبوت بوبکرؓ
مصطفیٰؐ بر عرش آوازش شنید — باعث تسکین حضرت، بوبکرؓ

(۱۳)

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے بعد دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق ؓ کے لیے فاروق اعظمؓ کے عنوان سے لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

عادل شب گیر فاروقؓ السلام — صاحب شمشیر فاروقؓ السلام
درمیان حق و باطل فرق کرد — سر بہ سر تنویر فاروقؓ السلام

پیکر ایثار و عدل و آگہی عشق را تصویر فاروقؓ السلام

(۱۴)

حضرت عثمان ابن عفانؓ کی شان میں بھی سید عباس متقی نے منقبت کہی ہے اور اسے بھی ترتیب کے لحاظ سے حضرت عمر فاروقؓ کی منقبت کے ساتھ ہی رکھا ہے۔

می کنم چون مدح عثمان غنیؓ ہان رضی اللہ عنہ متقی
مصدر دین محمد مصطفیٰؐ مظہر عرفان و عشق و آگہی
پیکر جود و سخا شرم و حیا منبع عشق رسول ہاشمیؐ

(۱۵)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان اقدس میں لکھی گئی منقبت کو قصیدۂ حضرت بو ترابؓ کا نام دیا گیا ہے جس کے ابتدائی تین اشعار یہ ہیں۔

آسمان علم و حکمت بو ترابؓ منبع جودوسخاوت بو ترابؓ
دوستان را پیکر لطف و کرم دشمنان را مہر و الفت بو ترابؓ
یاد می آید مرا خاکِ نجف تو مرا بد ہید اجازت بو ترابؓ

(۱۶)

چاروں خلفائے راشدین کے بعد سید عباس متقی نے حضرت حسینؓ کے لیے بھی ''شاہ کربلاؓ'' کے نام سے نظم کہی ہے۔ پھر امام اعظم ابوحنیفہؒ حضرت غوث آعظم دست گیرؒ، حضرت شیخ خواجہ فرید الدین عطارؒ پر بھی قصائد نما نظمیں کہی ہیں اور اس سلسلے کی کڑی کو جاری رکھتے ہوئے، سعد یا شیراز یا، مولانا روم، حافظ شیرازی، سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ، حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ، ٹیپو سلطان، فردوسی طوسی، سید میر شجاع الدین حسین قادری چشتی نقشبندی رفاعیؒ، محترم بابا شرف الدین پیرؒ، حضرت خواجہ رحمت اللہؒ، پروفیسر جعفر نظام، سید روح اللہ امام خمینیؒ پر بھی منظوم خراج پیش کیا ہے۔

مذکورہ اکابرین امت و اساتذہ علم و ادب کے علاوہ اپنے استاد محترم حضرت معز الدین ملتانیؒ پر بھی سید عباس متقی نے خوب صورت تہنیت پیش کی ہے اور اپنے لطیف جذبات کی اس طرح عکاسی کی ہے۔

ظہور فیض ربانی معزالد ین ملتانی نشان فضل رحمانی معزالد ین ملتانی
طبیب روح انسانی معزالد ین ملتانی حکیم طبع جسمانی معزالد ین ملتانی
ادیب وشاعر وواعظ، خطیب وذاکر وزاہد مرید غوث صمدانی معزالد ین ملتانی
چراغ منزل ایمان وساقیء مئے عرفان کلیدگنج یزدانی معزالدین ملتانی
چہ گوید متقی بشنو درون مصرعہ آخر
فقیری ظل سبحانی معزالدین ملتانی

(۱۷)

ان کے علاوہ اپنے پیر و مرشد جن کے حق دست پرست پر انھوں نے بعیت کیا تھا۔ وہ حضرت الحاج سید محمد رشید الحسن جیلی والکلیمی دام اقبالہٗ سجادہ نشین آستان کلیمی خلف حضرت سید محمد فخر الحسن الجیلی والکلیمیؒ کے علاوہ کوئی اور نہیں۔ چناں چہ سید عباس متقی نے ان کی فضیلت میں بھی قلم کو جنبش دی ہے۔

آن روئی روئی والائی رشید دیدنش گویا کہ دید ماہ عید
خلق او تشریح آیات قران آفرین کردار، کردار رشید
چشم گریان، بر جبین نور سجود یاد می آید جمال بایزید
عاصیان رامیکند او مقبلان پیر روشن دل کند زنگی، سفید
من بحمداللہ دستش یافتم دست او بفہم کلید صد کلید
متقی فرمودہء اودان بحق
آنچہ او گوید زجان تو بشنوید

(۱۸)

سید عباس متقی اپنے مادر جامعہ جہاں سے انھوں نے تعلیم پائی ہے ان جامعات کی شان میں بھی نذرانۂ عقیدت کے اشعار نظم کیے ہیں، جن میں جامعہ نظامیہ وہ پہلی جامعہ ہے جہاں انھوں نے پہلے پہل داخلہ لیا اور مختلف نوعیت کے اسناد حاصل کیے۔ وہ جامعہ نظامیہ کی تعریف و توصیف میں لکھتے ہیں۔

دکن بہ نور خدا اوج کہکشان دارد زمین شہر بلندی آسمان دارد
مزار فیض رسان صورت جنان دارد برائی جبہ رسائی چہ آستان دارد
رئیس ملت وشاہ دکن، جزاک اللہ نوازش شہ عثمان کامران دارد

(۱۹)

جامعہ نظامیہ کے بعد جامعہ عثمانیہ ان کی محبوب یونیورسٹی ہے کہ جہاں سے موصوف نے ایم۔اے، ایم۔فل اور پی ایچ۔ڈی وغیرہ کی اسنادلیں علاوہ ازیں شعبہ فارسی میں بحیثیت جزوی کلچرر اپنی خدمات بھی انجام دیں۔وہ جامعہ عثمانیہ سے حددرجے متاثر ہیں لہٰذا لکھتے ہیں۔ ؎

یک جہان علم و فن دانشگہ عثمانیہ — رونق روئے وطن ، دانشگہ عثمانیہ
اتحاد ہندو مسلم را نشان اولین — صورت گنگ و جمن ، دانشگہ عثمانیہ
شد معطر یک جہان از نکہت زلف دکن — کیسہ ٔ مشک ختن ، دانشگہ عثمانیہ

(۲۰)

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی بھی وہ جامعہ ہے جس کے اسٹیڈی سنٹروں پر وہ کئی برس اپنی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔اس کے علاوہ سید عباس متقی نے اسی جامعہ کے شعبۂ فارسی سے گزشتہ تعلیمی سال میں پی ایچ۔ڈی (فارسی) کے لیے مقالہ لکھ کر داخل کیا ہے اور فارسی میں اعلیٰ سند کے حصول کے منتظر ہیں۔انھوں نے اس جامعہ کو بھی فراموش نہیں کیا بلکہ اپنے جذبات اور خیالات کو اشعار کا پیرہن دیتے ہوئے لکھا۔ ؎

بر زبان خاص و عام آزاد یونیورستی — فیض بخش خاص وعام آزاد یونیورستی
در دیار ما فروزان مثل شمع نور ہست — منبع علم تمام آزاد یو نیورستی
السلام اے مصدر علم و دانش السلام — عرصہ ء صد احترام آزاد یو نیورستی

(۲۱)

مادرعلم وادب کے بعد سید عباس متقی نے مادر وطن اور کشور ہندوستان اور شہر حیدرآباد کو بھی جامع خراج پیش کیا ہے۔شہر حیدرآباد کی شان میں لکھتے ہیں۔ ؎

سر زمین حیدرآباد آفرین — گوشہ گوشہ گویا فردوس برین
کوچہ و بازار او رونق فروز — بزم ہائے دلبران صاحب یمین
مردمان این شہرپاک رو — پاک طینت پاک باطن نازنین

(۲۲)

اور اسی شہر میں واقع تاریخی مکہ مسجد کو بھی سید عباس متقی نے فراموش نہیں کیا وہ کہتے ہیں۔ ؎

مکہ مسجد گوشۂ جنت نما — ھذا بیت اللہ، بیت الکبریا
افتخار حیدرآباد دکن — منزل اوّاب جائے باصفا
عرش و فرش و منبر و محراب او — مظہر و رعب و جلال کبریا

(۲۳)

کشور ہندوستان اور کشور ایران نو کے بارے میں انھوں نے اپنی رائے اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ہندوستان جنت نشان ہے جس میں ہمالیہ پربت آسمان کا پڑوسی ہے اور دریاؤں کی تعریف کی ہیں جو اس طرح شروع ہوتی ہے۔

خوشا کشور ہند جنت نشان — کہ کہسار او ہمسر آسمان
کرشنا و گنگا و جمنا ببین — کہ این رودہا آب حیوان بجان
کجا تا رود نگہ گوید ہمین — زمینش کران تا کران بوستان

(۲۴)

کشور ایران نو کے متعلق سید عباس متقی لکھتے ہیں۔

منبع عرفان و حکمت کشور ایران نو — مظہر مہر و مروت کشور ایران نو
خطۂ انوار روشن بر زمین آسیا — صورت حسن و نزاکت کشور ایران نو
بوالعجب حسن و جمال گلرخان این چمن — یک جہان حسن و جنت کشور ایران نو

(۲۵)

انھوں نے تاج محل جیسی عجوبہ روزگار عمارت پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

دولت چشم و نظر، سرمایۂ فکر و خیا — روضۂ ممتاز بیگم، منبع حسن و جمال
خوابگاہ قلب وجان، افسانۂ عشق وجنوں — از زبان حال می گوید کہ این دارفسون
این خیال شیشۂ دل، خوب گاہ مرمرین — آمدہ است ازدیار خلد این قصر حسین

(۲۶)

سید عباس متقی ہستم بھی ان کی ایک مایہ ناز نظم ہے جس میں اپنے احوال وکوائف پیش کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

یکی بدنام آدمی ہستم — سید عباس متقی ہستم
خاک راہ محمدی ہستم — یعنی بے شبہ جنتی ہستم

(۲۷)

ان کے علاوہ وجود من بخدا صدقۂ رسول خداست ﷺ، کجا نماز بخوانم کہ جانماز یدہ، اعتکاف گو درون خانۂ نادار کو، سید عباس متقی سوئی حرم بادل مضطر بینم، زن سبزی فروش، اقبال و اقتدار و فراغت عطا کنید کے علاوہ تشکر نامہ سید عباس متقی کی خوب صورت نظمیں ہیں۔

مناجات متقیؔ (۲۰۱۲ء) کا تنقیدی مطالعہ:

سید عباس متقیؔ کو فارسی زبان سے نہ صرف لگاؤ ہے بلکہ وہ کچھ کر گزرنے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں ویسے انھوں نے فارسی کو باقاعدہ اچھی عمر پانے کے بعد سیکھا ہے اور اس غرض سے سیکھا کہ اردو والوں نے ان کی ناقدری کی ہے شاید اہلیان فارسی انھیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ بقول سید عباس متقیؔ ایسا نہ ہوا فارسی والوں نے بھی انھیں ہاتھوں ہاتھ لینے کے بجائے ہاتھ پرے لیا ہے۔

اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اردو اور فارسی والوں کے ساتھ ساتھ سید عباس متقیؔ میں بھی اردو اور فارسی کی روٹی کھانے والوں کی صفات اعلیٰ ودیعت ہوچکی ہیں۔ کہنے کا مطب یہ ہے کہ اردو اور فارسی والوں نے انھیں کیوں نظر انداز کیا ہے؟ کیا خود سید عباس متقیؔ کے طریقہ ہائے زندگانی میں کہیں کھوٹ ہے؟ معاملہ کچھ بھی ہو انھوں نے ایک اردو طنزیہ مضمون ''فارسی سیکھی ہے تیل بیچیں گے'' کے عنوان سے سپرد قلم کیا ہے جس کی ابتدائی سطور اس طرح ہیں:

> ''ہم نے سوچا تھا کہ فارسی سیکھنے کے بعد ہی سہی کچھ ہماری بھی قدر و منزلت ہوگی، اگر منزلت نہ سہی قدر تو ضرور ہوگی لیکن پتا چلا کہ یہ دور آرٹس کا نہیں سائینس اور تکنالوجی کا دور ہے، دور حاضر کو نہ میرؔ و غالبؔ کی ضرورت ہے نہ حافظؔ و خیامؔ کی، گو ہماری دیرینہ خدمات کے پیش نظر خسروان علم و دانش نے گاہی گاہی چند تصویر بتاں اور چند حسینوں کے خطوط جیسی چیزوں سے ضرور نوازا ہے لیکن فارسی اساتذہ کرم اوراق کہن نہیں جو انھیں چاٹ کر گزارہ کرلیں۔ یہ بھی اور زبانوں کی خدمات گزاروں کی طرح جیتے جاگتے انسان ہوتے ہیں دام و درم کی انھیں بھی ضرورت اور دال چاول کی انھیں بھی حاجت ہوتی ہے۔ شعرائے کرام کی حیات بھی من جملہ نوادرات ہوتی ہے۔ بیوی نے روٹی مانگی تو مطلع سنادیا اور بچوں نے کھلونے مانگے تو مقطع سنادیا، گال اور پیٹ دونوں چپکے ہوئے، گال سگریٹ کے مرہون منت تو پیٹ روٹی کا متمنی۔'' (۲۸)

بہر کیف سید عباس متقیؔ کو فارسی سیکھنے سے روٹی ملی ہو یہ نہ ہو ''چوٹی'' تک ضرور پہنچے ہیں جس کی دلیل کے لیے فارسی زبان میں ان کی شعری تخلیقات رباعیات متقیؔ ، رشک گردون، مناجات متقیؔ کے علاوہ نثری تصنیف ''مقایسۂ غالب'' کافی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سید عباس متقی کی فارسی گوئی کس پایہ کی ہے۔ انھوں نے ایک طویل مناجات کو کتابچے کی شکل دے کر فارسی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ ویسے ان کے اردو اور فارسی شعری تخلیقات کو دیکھیں تو ان میں متروک اصناف سخن بھی ملیں گے جیسے، شہر آشوب، رودِ دود، مثنوی نوال السبحان، قصیدہ بردہ شریف۔ ان اصناف سخن پر آزادی ہند کے بعد ہندو پاک میں واجبی واجبی سا کام ہوا ہے۔

پیش نظر کتابچہ ڈیمائی سائز پر ۱۶×۱۴ پر مشتمل ہے جس میں اصل مناجات صفحہ ۷ سے شروع ہو کر ۱۵ پر تمام ہوتی ہیں۔ اس اعتبار سے صرف نو صفحات پر مشتمل اس مختصر مناجات کے اشعار بیانوے ہیں جو خیر سے پیارے نبیؐ کے اسم مبارک کے اعداد بھی ہوتے ہیں۔

کتاب کا انتساب انھوں نے اپنے رفیق خاص پروفیسر سید محمد تنویر الدین خدا نمائی افتخاری (سابق) صدر شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ کے نام منسوب کر کے ان کی توقیر بڑھائی ہے۔ دوسرے صفحے پر شاعر کا اجمالی تعارف اور چوتھے صفحے پر موصوف کی تخلیقات کی فہرست دی گئی ہے۔ حرف تمہید کے عنوان سے سید عباس متقی کے جلیس خاص ڈاکٹر ایم۔ اے۔ نعیم فیضی نے پیش لفظ لکھا ہے۔ جب کہ خود سید عباس متقی نے آخری صفحے پر قطعہ تاریخ صوری ''مناجات متقی'' چار مصرعوں پر مشتمل اس طرح ترتیب دیا ہے کہ جس سے ۱۴۳۳ھ برآمد ہوتا ہے۔ ؎

کون قبول اللہ نظم اِلتجا
از پئے نام شہ خیرالانامؐ
بر سرِ دفتر نَویس اے متقی
سالِ طبع سی وسہ ماہِ صیام

حروف تمہید میں ڈاکٹر نعیم فیضی ''مناجات متقی'' کے متعلق اپنی آرا ثبت کیے ہیں:

> ''مناجات متقی'' ایک طویل دعائیہ نظم ہے، جس میں سید عباس متقی نے خدا سے دنیا و آخرت کی تمام ہی بھلائیاں اور خوبیاں مانگ لی ہیں، گویا یہ کتابچہ ''ربنا آتنا ۔۔۔الخ'' والی قرانی آیت شریفہ اور دعا کی منظوم شرح ہے۔ نظم کے ہر شعر سے ان کے اخلاص اور وجدان کی خوشبو آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ سید عباس متقی زبان کے آدمی ہیں اس لیے ان کے ہاں نہایت شستہ زبان پائی جاتی ہے۔ اس نظم کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ نظم (۹۲) اشعار پر مشتمل ہے جو پیارے آقا ﷺ کے اسم گرامی کے اعداد مبارک ہو تے ہیں۔ اس اہتمام سے سید عباس متقی کا عشق رسول ﷺ ہویدا ہے۔'' **(۲۹)**

فنی اعتبار سے مناجات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ دعائیہ نظم مثنوی کی ہیئت پر پوری اترتی ہے۔ظاہر ہے کہ طویل مضمون کو بیان کرنے کے لیے مثنوی سے بہتر کوئی اور صنف نہیں ہے۔مناجات کے ابتدائی تین اشعار اس طرح ہیں۔

دولت خیّام و سعدی کن عطا　　ثروت عطّار و رومی کن عطا
رمز تلقین غزالی کن عطا　　راز تفہیمات رازی کن عطا
کن مرا وابستۂ نعلین پاک　　عشق و سرمستیٔ جامی کن عطا
(۳۰)

مذکورہ تینوں اشعار میں موصوف نے فارسی کے چوٹی کے شعرا کے اسمائے گرامی کا تذکرہ کیا ہے حالاں کہ ان ہی اشعار سے نظم شروع ہوتی ہے۔ابتدا میں خیاؔم،سعدیؔ،عطاؔر،رومیؔ،غزالیؔ،رازیؔ اور حالیؔ کے نام ہمیں سید عباس متقیؔ کی ان کے تئیں خلوص کو ظاہر کرتے ہیں۔گویا سید عباس متقیؔ نے ان شعرائے فارسی کا تتبع مانگ لیا ہے۔اس طرح ان کی مفصل مناجات اس شعر پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔

متقیؔ را کن شہید لاالہ
بر در تو جان فشانی کن عطا

مینا بدوش (۲۰۱۲ء) کا تنقیدی مطالعہ:

سید عباس متقیؔ صرف طنز و مزاح نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں جب کہ انھوں نے طنز و مزاح کے علاوہ اردو اور فارسی شاعری بھی کی ہے۔اس طرح اردو میں پہلے مثنوی نوال السبحان فی مطالب سورۃ الرحمٰن ۱۹۹۲ء میں منظر عام پر آئی جو دراصل سورۂ رحمٰن کا منظوم مگر آزاد ترجمہ ہے۔اس کے بعد غزلوں،نظموں اور گیتوں پر مشتمل شعری مجموعہ ''تنہائیاں'' ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔بعدازاں فی ظلال البردہ منظوم ترجمہ قصیدہ بردہ ۱۹۹۶ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوکر اردو داں حلقوں میں داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔علاوہ ازیں ۲۰۰۱ء میں انھوں نے رودِ دود کے عنوان سے شہر آشوب لکھ کر اردو شاعری میں شہر آشوبِ نگاری کے ارتقاء کو قائم رکھا۔پھر انھوں نے اردو میں خال خال ہی لکھا ہے اور جو لکھا ہے وہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

ادھر اردو شاعری کے قطع نظر فارسی گوئی کی طرف نظر ڈالیں تو ہمیں ان کے فارسی منظوم کارنامے رباعیات،مناجات،موضوعاتی نظموں،حمد و نعوت کے علاوہ منقبتیں،تہنیتیں،مرثیہ اور

مختلف نوعیت کے قطعات جن میں قطعہ تاریخ طباعت کتب، قطعہ تاریخ صوری و معنوی برائے کتب، قطعاتِ تہنیت، تعزیت، وفات وغیرہ لکھے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس طرح فارسی شاعری میں انھوں نے پہلے ۲۰۱۰ء میں رباعیات متقی شائع کی پھر ۲۰۱۱ء میں رشک گردوں کے علاوہ مینا بدوش سے قبل مناجات متقی ۲۰۱۲ء میں منظر عام پر لائی۔ مناجات متقی کے بعد موصوف نے مقایسۂ غالب کے نام سے ایک کتاب ۲۰۱۳ء میں مقالے کی نوعیت سے متصف طباعت کروائی۔ پیش نظر کتاب مینا بدوش ان کا چوتھا فارسی شعری مجموعہ ہے جو ۲۰۱۴ء میں چھپ کر فارسی داں حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔

سید عباس متقی نے متنوع موضوعات میں اپنی فارسی شعر گوئی کو منقسم کیا ہے۔ کتاب کی فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں مختلف عناوین ملیں گے جن میں ''تمہید'' کے عنوان سے لکھی گئی نظم کو سب سے پہلے جگہ دی گئی ہے تا کہ کتاب کی تمہید، شاعری کی تمہید سے ہو سکے۔ ابتدائی دو شعر اس طرح ہیں:

لحہ لحہ منعمِ روحِ روان را یادکن ‌ ‌ ‌ لحظہ لحظہ مالکِ ہر دو جہان را یادکن
کن حذر از راہِ کجرو یاب راہِ مستقیم ‌ ‌ ‌ عاجزی کن عجزِ شاہِ دوجہاں را یاد کن

(۳۱)

تمہید کے بعد سلام، بارگاۂ خیر الانام میں پیش کیا گیا ہے جس سے موصوف کے لطیف جذبات کی عکاسی ہوتی ہے جس کا مقطع یوں ہے۔

متقی مشغولِ جبہ سائی دہلیز او ‌ ‌ ‌ از ہجوم استخوان نا توان آید سلام

(۳۲)

سلام کے بعد ''لا نہ'' اور اس کے بعد ''کہ من شیر ہستم'' رکھی گئی ہے جس میں اپنی ذات کو سید عباس متقی نے شیر کہا ہے اور چندان اوصاف کو بتلائے ہیں جو اُن میں اور شیر میں پائے جاتے ہیں۔

من اسفند و رستم کہ کاؤس و خسرو ‌ ‌ ‌ کہ بی تاج شاہم کہ من شیر ہستم
بریزند برگان ز اشجار دشتان ‌ ‌ ‌ بہ جنگل چوغرم، کہ من شیر ہستم
نمی خواہم از این جہان ناز و نعمت ‌ ‌ ‌ سر دشت مستم، کہ من شیر ہستم
دویدند گرگان ز آواز پائم ‌ ‌ ‌ کجا من پدیدم، کہ من شیر ہستم

چمن زارمن مسکن صد غزالان بیابان نشینم ، کہ من شیر ہستم
غضنفر ، اسد، ضیغم ،عباس ،جعفر بگویند نامم ، کہ من شیر ہستم

(۳۳)

تخت طاؤس ایک ایسی نظم ہے جس میں سید عباس متقی نے حاکم ہندوستاں نادرشاہ اور ملکہ انگلستاں وکٹوریہ کو ہندوستان کی قیمتی چیزوں کو اڑا لے جانے کے جرم میں کھری کھری سنائی ہے وہ کہتے ہیں۔ ؎

او شہنشاہ بود یا دزدی تختِ طاوس برد نادِر شاہ
برد وکتوریہ آہ! کوہِ نور حیف او دزد بود ھم واللہ
مغلیہ سلطنت بحمدِاللہ داد ھندوستان تاج محل
بالِ یاقوت بود و پر پکھراج مُرغِ زرّین بود ھندوستان
حیف امروز وائے بدبختی شد ھمہ مردمان تہی دامان

(۳۴)

اس نظم میں سید عباس متقی نے نادرشاہ کو قزاق اور لٹیرا کہا ہے کہ اس میں ہندوستان جنت نشان سے مایہ ناز نئے تخت طاؤس جیسی نادر و نایاب چیز کو لوٹ لیا اور ملکہ وکٹوریہ بھی سید عباس متقی کے عتاب سے بچ نہ سکی کہ اس نے بھی کوہ نورِ ہند کو اڑا لیا ہے۔

''باز آ'' ان کی ایک مایہ ناز نظم ہے جب ''سمینار'' کے نام سے لکھی گئی نظم میں انھوں نے موجودہ دور کے سمیناروں پر حدف کا نشانہ بناتے ہوئے بڑی جرات مندی سے ان کا نقشہ کھینچا ہے۔ابتدائی اور آخری تین تین اشعار دیکھیے ۔ ؎

از مرا پرسید سمینار چیست درمیان دشت این گلزار چیست
پس نشستن، گفتن و برخواستن یا شنیدن نا شنیدن، یافتن
درمیان چا خوردن وظہرانہ ہم بازہم مضمون ہائے بیش و کم

(۳۵)

''نغمۂ پیر'' بھی سید عباس متقی کی شوخیوں پر مشتمل ایک نظم ہے جس کے عنوان ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بوڑھے کے دل میں کس کس طرح سے کون کون سے جذبات کا سیلاب ٹھاٹھیں مارتا ہے۔نظم کی شروعات یوں ہوتی ہے۔ ؎

اے سراپا سرو آسا در برم روزی بیا — مہ جبین و ماہ پارا در برم روزی بیا
باز می خواہم شباب تو مرا گردد جوان — باز می گویم خدا را در برم روزی بیا
من سگ پائے توام باری زگرمیٔ شباب — کن مرا صفدر سراپا در برم روزی بیا

(۳۶)

نغمۂ پیر کے بعد سید عباس متقی نے ''عذراؔ'' نامی نظم میں دوشیزگی کی بیان کو لطیف پیراہن دیا ہے۔ الغرض نظم قدرے رنگین ہے۔ جس سے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

پیکر نالمس کردہ ، شیشۂ نادیدہ بود — غنچہ ناخندہ بود و لولوئے نا سفتہ بود
صبح نورس کہ نہ خورشیدِ جوان برا وطلوع — شام رنگین کہ نہ تاریکی شب را دیدہ بود
گل کہ بر ہر برگِ نازک درّ شبنم نا چکید — غنچہ ای در شاخِ نازک با حیا کس کردہ بود
یک خیال آن کس کہ در قلب ونظر نا مد ہنوز — یک تمنا نا رسیدہ ، آرزو نا کردہ بود

(۳۷)

نظم ''عذرا'' کے بعد سید عباس متقی نے سلسلہ وار پروفیسر آزرمی دخت ، دکتر مصطفیٰ کمال ، مخدوم محی الدین ، موسیقار روی ، شہزادی نیلوفر ، گلوکارہ لتا منگیشکر ، اداکارہ مدھو بالا اور پری وش ادارہ کیٹ ونسلیٹ کی شان میں تعریفی ، توصیفی اور جذباتی تہنیتیں لکھ کران کی قدردانی کی ہے۔

ان تہنیتوں کے مطالعے کے بعد پتا چلتا ہے کہ سید عباس متقی کے ہاں بلا لحاظ مذہب و ملت ، رنگ و نسل ، عمر اور جنس کے سبھی سے یکساں اپنی یگانگت کا اظہار کرتے ہیں ۔ دراصل سید عباس متقی فن کے رسیا ہنر کے قدرداں اور علم کے غلام ہیں۔ انھیں یہ اشیا جہاں بھی جس طرح بھی ملی انھیں حاصل کیا ہے اور جس کے پاس بھی یہ چیزیں ہیں ان کی دل سے قدر کرتے ہیں۔

سید عباس متقی کی شخصیت کے بارے میں لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ کم از کم ایسے لوگوں کی توصیف و تہنیت نہ کرے جو دائرہ اسلام میں نہیں ، لیکن یہ ان کے مزاج میں ہے کہ وہ فن اور ہنر کی بھی ہر حال میں توصیف و تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

سید عباس متقی حسن و جمال کے شیدا و والہ ہیں اور فن و کمال کے دلدادہ ہیں وہ جہاں کہیں حسن و کمال دیکھتے ہیں بے ساختہ ان کا قلم اپنی جولانیاں دکھانے تیار ہو جاتا ہے چناں چہ پرنس نیلوفر کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اے گلِ باغِ جمال آب و گِل — اے کہ شمعِ خوبگاہ فورٹ ہل
نازنین رشکِ بلقیسِ صبا — سر بہ سر احسان، سر تاپا وفا
اے نگارِ بارگاہِ کرّ و فر — دیدۂ خون ریز ، چشمِ دیدہ ور
اے ملیحِ غنچہ ہائے صد چمن — اے مسیحِ شیرخواران دکن
می کند آرام در کنجِ سکون — می فگن شبنم حصارِ بی ستون

(۳۸)

اسی طرح گلوکارہ لتا منگیشکر کی آواز کے بھی وہ دلدادہ ہیں نظم لتا منگیشکر کے تیں شعر دیکھیں۔ ؎

در دلم می آید آواز لتا — نغمہ ٴ او میدہد کیف و سرور
انگبین در گو ش من گویا چکید — مست و بے خود می شود غیب و حضور
از گلو می آید آوازِ بہشت — یا فشانند از لبش نغماتِ حور

(۳۹)

حسن و جمال کا ذکر نکلتا ہے تو سید عباس متقی فلمی اداکارہ ممتاز جہاں بیگم دہلوی جو مدھو بالا کے نام سے جانی جاتی ہیں، کا نام لیے بغیر نہیں رہتے۔ وہ مدھو بالا کے حسن و جمال سے حد درجہ متاثر ہیں۔ ؎

ای مدھوبالا جمالِ نیم خواب — تو کہ بودی یک جہانرا انتخاب
شوخیِ تو شہد گویا می چکید — گریۂ رنج و فغان سوزِ رباب
مغلِ اعظم من چو بینم گاہ گاہ — یاد می آید ترا حسن و شباب
زلف آز و چشم خواب و لب شرہ — برق نگہ شمشاد قدعارض گلاب
در جہانِ حسن گردیدم ولی — من نمی یابم مدھو رایک جواب

(۴۰)

اداکارہ کیٹ ونسلیٹ جس نے Titanic فلم میں کام کیا ہے اور یہ وہ فلم ہے جس کو ساری دنیا کے لوگوں نے پسند کیا ہے۔ اس جہاز کی بناوٹ اور اس کے ٹوٹنے پر لوگوں نے غم گیتی کا اظہار بھی کیا ہے لیکن سید عباس متقی ہے کہ وہ کیٹ ونسلیٹ کے حسن و جمال میں اس طرح غرق ہیں کہ انھیں جہاز کے غرق ہونے کا کوئی غم نہیں ہے۔

سید عباس متقی نے شادی کرنے کے لیے کچھ اصول بنائے ہیں جس میں لڑکی ایسی ہو کہ اسے ایک بار دیکھیں تو نظریں ہٹنے نہ پائیں۔ اکثر سید عباس متقی اپنے نجی محفلوں میں حسن و جمال کا ذکر چھڑتے ہی اپنے بنائے گئے ان اصولوں کو بیان کرنے لگتے ہیں اور بالآخر کہتے ہیں کہ بس کیٹ ونسلیٹ ہو۔ کیٹ کے متعلق سید عباس متقی نے اپنے مضامین میں جگہ جگہ ذکر بھی کیا ہے بالخصوص ''نامہ اپ ٹو ڈیٹ بنام کیٹ ونسلیٹ'' کے عنوان سے خط بھی لکھا ہے اور کیٹ ونسلیٹ کو پوسٹ بھی کیا ہے اور کیٹ نے سید عباس متقی کو اپنے چاہنے والوں میں شامل بھی کرلیا ہے۔ ایسا سید عباس متقی کہتے ہیں کسی گنہ گار سے اس نوع کی باتیں نہیں سنی گئی۔ بہرحال سید عباس متقی نے اس نظم میں کیٹ ونسلیٹ کے حسن و جمال کو پیش کیا ہے۔

چہرۂ او چو مہ تابِ درخشان بینم	در شبِ بزمِ جوان شمع فروزان بینم
یک گل تازہ کہ بر شاخ بہاران بشگفت	یا کہ یک سروِ روان گنج در افشان بینم
رقص او بود ہمہ حیرت ہر چشمِ حیات	دیدہ گان را ہمہ من دیدۂ حیران بینم
پیکر او بخدا پیکر فردوس نگاہ	موج دل گفت کہ یک لولوئے پنہان بینم
قوس و خم برق نما ناز و ادا رعد آسا	سیم تن را برِ سیمین چو عریان بینم
متقی رندِ کہن داد دلِ خویش او را	روئے پاکیزۂ او راحتِ ارمان بینم

(۴۱)

سید عباس متقی جہاں حسن دیکھتے ہیں اس کے جمال میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اب یہی دیکھیے کہ اس کتاب میں انھوں نے ایک ترکاری فروش لڑکی پر بھی نظم لکھ دی اور اس کے سراپے کو اپنے اشعار کا پیرہن دیا اس سلسلے میں سید عباس متقی میں ترکاریوں کے ناموں کو بھی اشعار میں ڈھال دیا ہے جو شعر گوئی کا اعجاز ہے۔

یک زنِ سبزی فروش آواز داد	خفتہ گان را ، گیر سامان کلو
در می آمد گوش ِمن شیرین صدا	چکا امباڑہ تری بگین کدو
اروی آلو گوبی میتھی کوتھمیر	می سراید نغمۂ خود چار سو
شہدِ خالص از لبش گویا چکید	کردمش بی خود ز شیرین گفتگو
بود شاخِ پر ثمرآن نخلِ حسن	نیز آشا بھونسلے بود از گلو
ازیخہ می کرد مہرانش ظہور	صبحِ صادق می فشاند چارسو

(۴۲)

سید عباس متقی کی پسندیدہ اداکاروں میں مدھو بالا، کیٹ ونسلیٹ کے علاوہ وجنتی مالا بھی شامل ہے۔ چناں چہ امر پالی کے عنوان سے لکھی گئی نظم بھی وجنتی مالا کے تئیں پیش کیے گئے لطیف جذبات کی عکاسی کرتی ہے۔ جس کے ابتدائی اشعار اس طرح ہیں۔

درمیان موج ہائے مضطرب یک گلِ صد برگ سر تاپا شباب
نیم عریا ن ا نتشا رِ قوس و خم ماہ ہمچو درمیان ماہتاب
لب سراسر شعلہ با چشمان شراب گیسواش جادوئی بابل بے گمان
رقص ا و برق مسلسل خیرہ گر چہرۂ او تازہ تر گل بے گمان
پیرہن یک امتحانِ دیدہ ور چشمِ بینا می کند یک جستجو

(۴۳)

اس کتاب میں سید عباس متقی نے حسن و جمال اور صاحب کمال خواتین وحضرات پر ہی تہنیتیں پیش نہیں کی ہیں بلکہ بعض گستاخان رسولؐ پر لعنت بھی بھیجی ہے اور میل خور کے لیے ہجو بھی لکھی ہے ایمان فروشی کو سید عباس متقی ہرگز پسند نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں بعض ایسے اچھوتے موضوعات پر بھی نظمیں لکھیں اور شامل کتاب کی ہیں کہ جس سے کتاب کی وقعت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ غبار خاطر میں سید عباس متقی نے اپنے دل سے سبھی غبار کو پیش کر دیا ہے۔ کرم شب تاب اور کرفیو جیسے موضوعات پر بھی قلم اٹھایا ہے۔

اس کتاب میں جو موضوعات ملتے ہیں ان میں جہاں غر ،خطاب بہ سائر کشورِ ایران، الامان، کسی نہ ماند کہ اورا بہ تیغ نازکشی جیسے موضوعات پر نظمیں ملیں گی وہیں۔ مردلعین اور غبار خاطر سہواً دو بار شامل ہوگئی ہیں۔ ''فرزندار جمند'' کے اشعار دیکھیے۔

دوش فرزندم پئے سحرئ من شیر آ ورد ہ و د ا دم عطرِ خوب
ا ی بسا خوش بخشش کہ ہر د و چیز در جہانِ ا ین مرغوبِ قلوب
نعمت ہر دو جہان ا و را بخش
اے خد ا ئے پا ک ،ستار العیوب

(۴۴)

سید عباس متقی نے حضرت سعدی شیرازیؒ سے اپنی بے پناہ عقیدت اور روحانی شاگردی کا سنگ میل قائم کیا ہے اس خصوص میں انھوں نے پہلے تو ایک غزل کو شامل کتاب کیا ہے جہاں

ساری نظمیں ہیں وہاں ایک غزل بھی اس کتاب میں ملیں گی جو سعدی شیرازی کی ''طرح'' میں لکھی گئی ہے۔اس غزل کی خاص بعد یہ ہے کہ اس میں نہ تو مطلع ملے گا اور نہ ہی شاعر کا تخلص۔ کمال یہ ہے کہ اس ساری غزل کے اشعار کا دوسرا مصرع صرف حروف پر مشتمل ہے اور سب کے سب بے جوڑ ہیں۔جس کے ابتدائی اشعار اس طرح ہیں۔ ؎

در دلِ ما با شما داریم اخلاص و شما — ب و غ وض و وک وی ون وہ
از کجا می آید این آواز پدر زوجِ من — غ و ر وغ ر وغ ر وغ و ر
مصرعہ تحسین می گویم پئے مدحِ رقیب — س وگ وب وم وخ وک خ وز

(۴۵)

اس غزل کے بعد سید عباس متقی نے ایک مکالماتی نظم بھی لکھی ہے جس میں مرید سید عباس متقی اور پیر سعدی کے مابین گفتگو کو بڑے چابک دستی سے پیش کیا گیا ہے اور جس کا نام ''مکالمہ درمیان مرید سید عباس متقی و پیر سعدیؒ'' ہے۔مکالموں کو دو اشعار میں ختم کر دیا گیا ہے۔اس طرح تمام نظم چار اشعار پر تمام ہو جاتی ہے۔ ؎

مرید متقی

غازہ بر روئی خود ہمی مالم — تا کہ یاران خوش دہان بینند
پیرہن راہمی درست کنم — تا کہ خوبانِ گلرخان بینند

پیر سعدیؒ

روئے زیبا و جامۂ دیبا — صندل و عود و رنگ و بوی و ہوس
این ہمہ زینت زنان باشد — مرد را کیر و قصیہ زینت و بس

(۴۶)

سید عباس متقی نے اپنے غم گیں جذبات کو جوان کی تیسری اور سب سے چھوٹی اہلیہ کے انتقال سے پیدا ہوئے انھیں مرثیہ عائشہ میں بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ بیوی کا جہانِ دار فانی سے کوچ کر جانا جہاں ختم ہو جانے کے مماثل ہے۔مرثیے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ ؎

خدایا چہ شد این جہان نیست نیست — زمین نیست ہم آسمان نیست نیست
نہ افلاک و انجم نہ خورشید و ماہ — درونِ نظر، کہکشان نیست نیست
خدا حافظ اے خوش نوایانِ باغ — گل و بلبل و گلستان نیست نیست
نفسہا در این سینہ گو می رود — ولیکن حیاتِ روان نیست نیست

دلم می ستیزد بہ طوفانِ غم ولی بر لب آہ و فغان نیست نیست
مرا کرد بے دست و پا مرگِ او درین جسم تاب وتوان نیست نیست
کسی ہمچو او ہمسر من نہ ماند کنون مثل او مہر بان نیست نیست
بہ نعلینِ پیغمبرؐ اغفرلہا کسی ہمچو تو مہربان نیست نیست
(۴۷)

اس کے بعد کتاب میں شامل نظم ''استغفراللہ'' ہے اور ابتدائی نظم ''تمہید'' کی گئی تھی اور اب آخر میں استغفار پڑھا جا رہا ہے کہ اے خدا اس فارسی شعر گوئی میں اور متنوع موضوعات کے نظم کرنے میں کہیں کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو اسے معاف فرما دیجیو۔

کتاب کا انتساب ''ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریسؔ'' کے نام ہے جو کتاب کی اشاعت یعنی ۲۰۱۳ء میں اسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اُردو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی رہے۔ کتاب کے صفحات ۷۲ ہیں اور ملٹی کلر سے مزین سرورق نہایت جاذب نظر اور دیدہ زیب ہے جس کے متعلق سید عباس متقی کے ایک شاگرد لکھتے ہوئے سید عباس متقی کے مرض عاشقی کی ترجمانی بھی کرتے ہیں:

''مینا بدوش کے سرورق پر آویزاں تصویر مجھے حضرت سید عباس متقی صاحب کی اولین محبوبہ کی محسوس ہوتی ہے اور اس کے قدموں کے قریب ڈاکٹر صاحب کا نام خود ڈاکٹر صاحب معلوم ہوتے ہیں اور ایسے لگتا ہے جیسے ایک مینا بدوش دوشیزہ کی قربتوں میں بیٹھ کر سید عباس متقی پیشہ حسن پرستی انجام دے رہے ہوں۔ سید عباس متقی ڈاکٹر بھی ہیں اور متقی بھی۔ یہ ڈاکٹر ان مریضوں کے لیے ہیں جنھیں بیمار ہونا نہیں آتا اور متقی ایسے لوگوں کے لیے ہیں جو نیکیاں کرنا نہیں جانتے۔ الٰہی خیر کردانی! یہ میں نے کیا کہہ ڈالا بلکہ مجھے تو یوں کہنا چاہیے کہ یہ ڈاکٹر ان مریضوں کے لیے ہیں جو اچھا ہونا نہیں جانتے اور متقی ان لوگوں کے لیے ہیں جو گناہ کرنے کو استفادہ رحمتِ خُدا کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔'' (۴۸)

دیدہ زیب سرورق پر ایک دوشیزہ کی تصویر ہے جو ساقی مئے خانہ ہے جب کہ آخری سرے پر خود سید عباس متقی کی جہاں دیدہ تصویر ہے۔ اس کتاب کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے مالی تعاون سے شائع کیا گیا ہے لہٰذا قیمت صرف ۴۸ روپے رکھی گئی ہے۔ کمپیوٹر کتاب انور پاشاہ یعنی خود سید عباس متقی نے کی ہے۔ جب کہ طباعت دائرہ پریس چھتہ بازار

حیدرآباد میں عمل میں آئی۔ابتدا میں قطعہ تاریخ صوری طباعت ''مینا بدوش'' کو خود سید عباس متقی نے رقم کیا ہے جس سے ۲۰۱۳ء برآمد ہوتا ہے۔

بارک اللہ طبع شد ''مینا بدوش''
تظہائے این کتاب ایجاد ہست
متقی این طور سال طبع گفت
ماہ آخر سیزدہ میلاد ہست

کتاب کا دیباچہ ''حروفِ اعتراف'' کے عنوان سے حسن الدین احمد صاحب نے اردو میں لکھا ہے اور ڈاکٹر ایم۔اے نعیم فیضی نے ''مینا بدوش کا شاعر'' کے نام سے کتاب پر تبصرہ کیا ہے جسے بھی اس کتاب میں شامل کر لیا گیا ہے جب کہ خود سید عباس متقی کے قلم سے سوائے قطعہ تاریخ کے کوئی پیش لفظ یا اظہار تشکر پر مبنی کوئی تحریر نہیں ملتی۔

الغرض کہ ایسے پر آشوب دور میں جب کہ اردو کا چلن تقریباً ختم ہو گیا ہے فارسی کی ایسی مایہ ناز تخلیقات کا لکھا جانا خود کرامات سے کم نہیں۔

فارسی اصناف سخن (معنوی لحاظ سے):

یہاں سید عباس متقی کی فارسی شاعری کا معنوی لحاظ سے جائزہ لیا جائے گا۔

غزل گوئی:

غزل گوئی کی تفصیلات مطبوعہ و غیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں۔

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	آرزوئے حسن یاران الغیاث	غزل	غیر مطبوعہ
۲	آن کس کہ بود مہربان نامہربان بشد	غزل	غیر مطبوعہ
۳	آنچہ از دنیا گرفتی، پس گرفتی شکر کن	غزل	غیر مطبوعہ
۴	آنچہ او گوید نمی شنوم ولیکن می فہم	غزل	غیر مطبوعہ
۵	ابر آمد بادہ و ساغر بیار	غزل	غیر مطبوعہ
۶	اثر نہ گریہ کشادو بکانہ گرہ کشاد	غزل	غیر مطبوعہ

۷	از پئے نظارہ سروِ خوش خرام	غزل	غیر مطبوعہ
۸	از در دولت و اجلال تجمل خواہم	غزل	غیر مطبوعہ
۹	از دلِ من دور کن حرص و ہوا	غزل	غیر مطبوعہ
۱۰	از دل من دور کن کبر و غرور	غزل	غیر مطبوعہ
۱۱	از سحر تا شام می سوزم کرم	غزل	غیر مطبوعہ
۱۲	از کجا می آورم حرف و بیان	غزل	غیر مطبوعہ
۱۳	این چہ اللہ ناتوانی ہست	غزل	غیر مطبوعہ
۱۴	اے خداوند دو عالم مالک ہر دو جہان	غزل	غیر مطبوعہ
۱۵	اے محبت کہ ترا ہیچ درین کار نہ بود	غزل	غیر مطبوعہ
۱۶	با من نادان او کے بے سبب یاری کند	غزل	غیر مطبوعہ
۱۷	ببین در آئینہ آئینہ ساز حق طلبیست	غزل	غیر مطبوعہ
۱۸	بر تنش پوشاک حسن افزا مگر	غزل	غیر مطبوعہ
۱۹	بر شِش تو آکسیجن کم کند	غزل	غیر مطبوعہ
۲۰	برِ لبِ من مسکین آہ و فریاد است	غزل	غیر مطبوعہ
۲۱	بر لب من او لب مشکیں نہاد	غزل	غیر مطبوعہ
۲۲	بشکست صنم اندر حق را تو ببین یارا	غزل	غیر مطبوعہ
۲۳	بشنو ز من غم زدہ افسانۂ دیگر	غزل	غیر مطبوعہ
۲۴	بگزر ز مقامات و خطابات و عہدہ جات	غزل	غیر مطبوعہ
۲۵	بند قبائے یار کشیدم کہ الامان	غزل	غیر مطبوعہ
۲۶	بہ جستجوئے مہ مہر و کہکشان میباش	غزل	غیر مطبوعہ
۲۷	بہ رنگ تیغ ستمگر خمیدہ ام بنگر	غزل	غیر مطبوعہ
۲۸	بہ رنگِ تیغِ ستمگر خمیدنم بنگر	غزل	غیر مطبوعہ

۲۹	بیا ہنوز کہ دارم خیال عارض وگل	غزل	غیر مطبوعہ
۳۰	پیر ہستم ولی در بزم جوان می آیم	غزل	غیر مطبوعہ
۳۱	پیکر نالمس کردہ، شیشۂ نادیدہ بود	غزل	غیر مطبوعہ
۳۲	تا بہ کے این امتحان روزگار	غزل	غیر مطبوعہ
۳۳	تو کہ جوئی مال وزر من ھم بجویم ہالہ ای	غزل	غیر مطبوعہ
۳۴	تو کہ مینا من کہ رند تشنہ لب	غزل	غیر مطبوعہ
۳۵	تو نامِ یارِ من گوئی بنام یار می رقصم	غزل	غیر مطبوعہ
۳۶	تعریف کنم، من مجبورم	غزل	غیر مطبوعہ
۳۷	جان جان از رگ جان می آید	غزل	غیر مطبوعہ
۳۸	جان جانم در لبت	غزل	غیر مطبوعہ
۳۹	جنون عشق ومحبت چو آشکارہ کنم	غزل	غیر مطبوعہ
۴۰	چار سو من ہمین افسوس چہ منظر بینم	غزل	غیر مطبوعہ
۴۱	چارہ ءبے چارہ ام، یک نگہ تو	غزل	غیر مطبوعہ
۴۲	چہا حق تعالی جہان را نہ داد	غزل	غیر مطبوعہ
۴۳	چو خود گل نہ ہستی گلستان ہستی	غزل	غیر مطبوعہ
۴۴	چون رسیدم بر در فرعون خان	غزل	غیر مطبوعہ
۴۵	چون شب چاردھم ماہ سراپا بینم	غزل	غیر مطبوعہ
۴۶	حیف خویشان را گہی خدمت نہ کردم تا ہنوز	غزل	غیر مطبوعہ
۴۷	دانشوران شہر چہ تقصیر می کنند	غزل	غیر مطبوعہ
۴۸	در چہرۂ گل آسا من نور خدا بینم	غزل	غیر مطبوعہ
۴۹	در دل ما با شما داریم اخلاص وشما	غزل	غیر مطبوعہ
۵۰	دلبر و دلدار ہست اردو زبان	غزل	غیر مطبوعہ

۵۱	دل دہم ایثار واحسان می کنم	غزل	غیر مطبوعہ
۵۲	دل شکستہ رادل جوئی بکنید	غزل	غیر مطبوعہ
۵۳	دل ما با شما داریم اخلاص وشما	غزل	مینا بدوش
۵۴	دمبدم آئینہ بینم یا بینم روئے او	غزل	غیر مطبوعہ
۵۵	دوستم رازِ زندگی بنگر	غزل	غیر مطبوعہ
۵۶	رفت عہد آرزو واین گل عذاران چہ کنم	غزل	غیر مطبوعہ
۵۷	رمز اسلام ببین یورشِ آلام مبین	غزل	غیر مطبوعہ
۵۸	زافسردگئی چہرہ اقدس حجاب کن	غزل	غیر مطبوعہ
۵۹	زمانہ شد کہ بہاران زبوستان رفتند	غزل	غیر مطبوعہ
۶۰	سادہ لوح ہستم مرادیوانہ کرد	غزل	غیر مطبوعہ
۶۱	ساغرلب چو بہ لب ہا بہ قرین می آید	غزل	غیر مطبوعہ
۶۲	سال نو آمد بہ صد رنگ بہار	غزل	غیر مطبوعہ
۶۳	سبک سری بہ درعدو جان مناسب نیست	غزل	غیر مطبوعہ
۶۴	سنت سرکار عالمؐ خوب ہست	غزل	غیر مطبوعہ
۶۵	سیم وزر، مال ومتاع کل جہان چیز ذلیل	غزل	غیر مطبوعہ
۶۶	سینہ ام دست حنائی بر مچید	غزل	غیر مطبوعہ
۶۷	شب وروز خوانم یک استغفراللہ	غزل	غیر مطبوعہ
۶۸	صدقہِ یک ازفیض ایمانی بدہ	غزل	غیر مطبوعہ
۶۹	صدقہ یک نعلین پیغمبر بدہ	غزل	غیر مطبوعہ
۷۰	عاشق دیدارتو ھستم بیا	غزل	غیر مطبوعہ
۷۱	عطا کنید رہ مسجد حرام بلطف	غزل	غیر مطبوعہ
۷۲	عشق کن لیکن دل آزاری مکن	غزل	غیر مطبوعہ

۷۳	کجا رسید بہ منزل ہنوز راہ نیافت	غزل	غیر مطبوعہ
۷۴	کجا نماز بخوانم کہ جانماز بدہ	غزل	غیر مطبوعہ
۷۵	کرد ما را فکر عقبیٰ مست مست	غزل	غیر مطبوعہ
۷۶	گفت فاستعصم دلآران مرحبا	غزل	غیر مطبوعہ
۷۷	گفتم اے رشک بہارِ دیدہ ور	غزل	غیر مطبوعہ
۷۸	گو درونِ خانۂ نادار کو	غزل	غیر مطبوعہ
۷۹	لب ہا چو منبع شکر ار عارضش نمک	غزل	غیر مطبوعہ
۸۰	لذتِ کام و دہن در این جہان موجود نیست	غزل	غیر مطبوعہ
۸۱	لمحہ لمحہ منعمِ روحِ روان را یاد کن	غزل	غیر مطبوعہ
۸۲	ما نمی آییم بر خاک شما	غزل	غیر مطبوعہ
۸۳	ماہ را بینم ببینم ماہ رو	غزل	غیر مطبوعہ
۸۴	محبت است فقط درمیان عید و وعید	غزل	غیر مطبوعہ
۸۵	محو کن از دفتر من ہر گناہ	غزل	غیر مطبوعہ
۸۶	مراد شنام یار من دہد، بدہد مرا بپیہم	غزل	غیر مطبوعہ
۸۷	مقصدِ آموزش شیرین زبان	غزل	غیر مطبوعہ
۸۸	مکش ز دہن منت دہن لالہ فام ہنوز	غزل	غیر مطبوعہ
۸۹	من ز دہن خود بگویم من کیم	غزل	غیر مطبوعہ
۹۰	من کہ آن گل ہمہ گلزار نمی پرسد ہیچ	غزل	غیر مطبوعہ
۹۱	من نہ ہستم بار خاطر بشنوید	غزل	غیر مطبوعہ
۹۲	من نہ ہستم کج کلاہ	غزل	غیر مطبوعہ
۹۳	می شود اہل خرد اہل جنون	غزل	غیر مطبوعہ
۹۴	می کند بیداد اللہ غنی	غزل	غیر مطبوعہ

۹۵	می کنم شکر زگل خار برفت	غزل	غیر مطبوعہ
۹۶	نفس می گوید کہ پس آرام کن	غزل	غیر مطبوعہ
۹۷	نیا فتی شراب ہو	غزل	غیر مطبوعہ
۹۸	وجود من بہ خدا صدقۂ رسول خداست	غزل	غیر مطبوعہ
۹۹	ہم سرو ہم زبان می خواہم	غزل	غیر مطبوعہ
۱۰۰	ہوش گر یابی ببینی این جہان	غزل	غیر مطبوعہ
۱۰۱	ہیچ یک تدبیر نیست	غزل	غیر مطبوعہ
۱۰۲	یا بگوئی متقی مستانہ نیست	غزل	غیر مطبوعہ
۱۰۳	یا رب مرا بہ فضل وعنایت عطا کنید	غزل	غیر مطبوعہ
۱۰۴	یکی بدنام آدمی ہستم	غزل	غیر مطبوعہ

نظم گوئی:

نظموں کی تفصیلات مطبوعہ وغیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں۔

نشان	مصرع اولیٰ	موضوع نظم	مشمولہ
۱	آشکارا می کند راز حبیب	مرد لعین	غیر مطبوعہ
۲	آمدہ است بر سرمان امتحان	آمد امتحان	غیر مطبوعہ
۳	آنچہ از دنیا گرفتی، پس گرفتی شکر کن	شکر کن	غیر مطبوعہ
۴	اُخت شیطان دختر ہامان بمر	غبار خاطر	غیر مطبوعہ
۵	از پئے تقدیس دلدل کار کن	ماشین	مینا بدوش
۶	از دل افلاک می آید صدا	محمد رفیع	غیر مطبوعہ
۷	از مرا پرسید سمینار چیست	سمینار	مینا بدوش
۸	افتخار شعر وحکمت، اعتبار فکر وفن	فردوسی طوسی	غیر مطبوعہ
۹	السلام ای شہر تہران السلام	شہر تہران	غیر مطبوعہ

۱۰	السلام اے حضرت خیر، السلام	عذر نامہ	غیر مطبوعہ
۱۱	الوداع ای ماہ رمضان الوداع	الوداع	غیر مطبوعہ
۱۲	انور الدین کرد تلفونم دیشب	حکم انوری	غیر مطبوعہ
۱۳	او بزعم خود ز خاصان خدا	بزعم خود	غیر مطبوعہ
۱۴	او شہنشاہ بود یا دزدی	تخت طاوس	مینا بدوش
۱۵	اے خدا، اے خدا، اے خدا	فغان	رشک گردون
۱۶	اے خوشا شاگرد من عبد المعز	قلم نامہ	گپ شپ
۱۷	اے خوشا نیو پروگریس ہائی سکول	پروگریسیو ہائی اسکول	غیر مطبوعہ
۱۸	اے سراپا سرو آسا در برم روزی بیا	نغمۂ پیر	مینا بدوش
۱۹	اے کہ از ارض ملایک آمدی	خطاب بہ سائر کشور ایران	مینا بدوش
۲۰	این کیف خاموشی وقت شام	ولادت با سعادت	غیر مطبوعہ
۲۱	آشکار می کند راز حبیب	مرد لعین	مینا بدوش
۲۲	باز آ اے دلبر من باز آ	باز آ	مینا بدوش
۲۳	باز کن موتی مسجد دہلی	موتی مسجد (دہلی)	غیر مطبوعہ
۲۴	بدتمیز و بد دہان و بدزبان	گستاخ رسولؐ	مینا بدوش
۲۵	برائے دیدنِ تو من سر بازار می رقصم	می رقصم	غیر مطبوعہ
۲۶	برتنش پوشاک حسن افزا مگر		مینا بدوش
۲۷	برزبان خاص و عام آزاد یونیورسٹی	مانو	رشک گردون
۲۸	برشکم تو پا زدی برباد شو		غیر مطبوعہ
۲۹	بروز سیزدہ مارس آمد این تلفن	کسی نہ ماند کہ اورا بہ تیغ ناز کشی	مینا بدوش
۳۰	بود او یک پیکر حسن و جمال	ڈائنا	غیر مطبوعہ
۳۱	بود در شہر مولوی ایمان فروش	مولوی ایمان فروش	غیر مطبوعہ

۳۲	بوریائے خانہ ات قالین ہست	نذر شفیق	غیر مطبوعہ
۳۳	بند قبائے یار کشیدم کہ الامان	الامان	مینابدوش
۳۴	پانہم در کوچۂ قصاب گان	کوچۂ قصابگان	مینابدوش
۳۵	پیکر فیضان و علم و آگہی	حرف خلوص	غیر مطبوعہ
۳۶	پیکر نالمس کردہ، شیشۂ نادیدہ بدہ	عذرا	مینابدوش
۳۷	تا بہ کے این امتحان روزگار		غیر مطبوعہ
۳۸	تف کنم بر چہرہ اش مکروہ دہر	عشق	غیر مطبوعہ
۳۹	تو بدانی مولوی ایمان فروش	ایمان فروش	مینابدوش
۴۰	تو بزعم خود ز خاصانِ خدا	بزعم خود	مینابدوش
۴۱	تو ندانی چیست صدقات و زکوۃ	صدقات	غیر مطبوعہ
۴۲	چار سو من ہمین افسوس چہ منظر بینم	متقی سوئی حرم بادل مضطر بینم	رشک گردون
۴۳	چون بگزرم من بہ دکان کفن	دکان کفن	غیر مطبوعہ
۴۴	خانہ اش را خانۂ خود ساختم	اعتکاف	رشک گردون
۴۵	خورد چشم زخم باز این شہر ما	کرفیو	مینابدوش
۴۶	خوشا کشور ہند جنت نشان	کشور ہندوستان	رشک گردون
۴۷	درگریبانش چو من دیدم انار	عذرا	غیر مطبوعہ
۴۸	درمیان موج ہائے مضطرب	امر پالی	غیر مطبوعہ
۴۹	دکن بہ نور خدا اوج کہکشان دارد	جامعہ نظامیہ	رشک گردون
۵۰	دوش فرزندم پئے سحریٔ من	فرزندار جمند	مینابدوش
۵۱	دولت چشم و نظر، سرمایہ فکر و خیال	تاج محل	رشک گردون
۵۲	ذات والا ز پا تا بہ سر معجزہ		غیر مطبوعہ
۵۳	روز عید آمد بیا در خانہ ام	روز عید آمد	مینابدوش

۵۴	روئے ارمانِ جوان بنما مرا بنما مرا	بنما مرا بنما مرا	مینابدوش
۵۵	سراپا پیکر خدمت وہاج الدین صدیقی	دوست دیرینہ وہاج الدین صدیقی	گپ شپ
۵۶	سرزمین حیدرآباد آفرین	شہر حیدرآباد	رشک گردون
۵۷	سیف را مالک دو عالم داد	خدا نما منزل	غیر مطبوعہ
۵۸	شب و روز خوانم یک استغفراللہ	استغفراللہ	مینابدوش
۵۹	شعر در مدحت تو گفتی للعجب یا للعجب	للعجب یا للعجب	غیر مطبوعہ
۶۰	صاحب کردار ہست	سلطانہ	غیر مطبوعہ
۶۱	صدقۂ نعلین پیغمبرؐ بدہ	کاسۂ صدقات	غیر مطبوعہ
۶۲	عاقلم، نامش عجیب الحق عجیب	عجیب الحق عجیب	غیر مطبوعہ
۶۳	عطا کردی مرا محمود صفری درج بی از رش	تشکر نامہ	رشک گردون
۶۴	غازہ بر روئی کو دہی عالم	مکالمہ درمیان مرید متقی و پیر سعدی	غیر مطبوعہ
۶۵	فریاد کہ در عالم تحقیق کسی نیست	فریادرس	غیر مطبوعہ
۶۶	فضل خدائے بحر و بر، فیض امام المرسلین	بیاض ابیات	غیر مطبوعہ
۶۷	قائد دوران بسکہ خمینی	امام خمینی	غیر مطبوعہ
۶۸	کجا نماز بخوانم کہ جانماز یدہ	کجا نماز بخوانم کہ جانماز یدہ	رشک گردون
۶۹	گر بر سر آید امتحان، خوان خوان شگوفہ خوان بخوان	شگوفہ بخوان	غیر مطبوعہ
۷۰	گر نخل وفا بر ندھد، چشم تری ہست	نخل وفا	غیر مطبوعہ
۷۱	گو درون خانۂ نادار کو	گو درون خانۂ نادار کو	رشک گردون
۷۲	لحہ لحہ منعم روح روان را یاد کن	تمجید	مینابدوش
۷۳	مفخم، معظم، کہ من شیر ہستم	کہ من شیر ہستم	مینابدوش
۷۴	مکہ مسجد گوشۂ جنت نما	مکہ مسجد	رشک گردون

۷۵	من نہ دارم از کجا تو آمدی	کرم شب تاب	مینا بدوش
۷۶	منبع عرفان وحکمت کشور ایران نو	کشور ایران نو	رشک گردون
۷۷	نائب عرش برین تاجور ہندوستان	تاجور ہندوستان	رشک گردون
۷۸	وابکن این تکمہٗ زیروزبر	تکمہٗ نشاط	غیر مطبوعہ
۷۹	واجدار خورشید، زارا مہہ جبین	مرقع نشاط	غیر مطبوعہ
۸۰	وجود من بہ خدا صدقہٗ رسول خداستؐ	وجود من بہ خدا صدقہٗ رسول خداستؐ	رشک گردون
۸۱	ہرگز مگو کہ کعبہ ز بتخانہ خوشتر است	صحبت بیگانہ	غیر مطبوعہ
۸۲	ہمچو اولاد پیمبر کس کجا محبوب ھست	شاہ کربلا	غیر مطبوعہ
۸۳	ہمچو بوی گل زبس بی پردہ است احوال من	رشتہ آمال	غیر مطبوعہ
۸۴	ہمچو فردوسی نویسم ہجو او	ہجو ملیخور	مینا بدوش
۸۵	ہمسر من کرد با یک نازنین دیشب نکاح	ہوو	مینا بدوش
۸۶	ہنوز من جوانی ام	ہنوز من جوانی ام	غیر مطبوعہ
۸۷	یارب سرا بہ فضل وعنایت عطا کنید	اقبال واقتدار وخراغت عطا کنید	رشک گردون
۸۸	یار شیطان دوستِ ہامان بمر	غبارِ خاطر	مینا بدوش
۸۹	یار شیطان بندۂ ہامان بمیر	غبارِ خاطر	مینا بدوش
۹۰	یک جہان است لانہ ام بنگر	لانہ	مینا بدوش
۹۱	یک جہان علم وفن دانشگہ عثمانیہ	جامعہ عثمانیہ	رشک گردون
۹۲	یک زن سبزی فروش آواز داد	زن سبزی فروش	رشک گردون
۹۳	یک زن سبزی فروش آواز داد	زن سبزی فروش	مینا بدوش
۹۴	یکی بدنام آدمی ہستم	سید عباس متقی ہستم	رشک گردون

حمد:

حمد کی تفصیل اس طرح ہے۔

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	کنت کنزاً مخفیاً اے سراسرارنہان	حمد	رشک گردون

مناجات:

مناجات کی تفصیلات مطبوعہ و غیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں۔

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	دولت خیام وسعدی کن عطا	مناجات	مناجات متقیؔ
۲	اولاد داد مال ومتاع جہان بداد	مناجات	غیر مطبوعہ

نعت:

نعت گوئی کی تفصیلات مطبوعہ و غیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں۔

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	اے خوشا وردزبان نام رسولؐ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۲	اشک ریزم بردرخیرالعبادؐ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۳	بردرش ارواحِ خوبان جبہ سائی می کنند	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۴	بغیرنورِرسولِ خداؐ نمی باشد	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۵	بی نوائم خاکسارم یا نبیؐ	نعت شریف	رشک گردون
۶	چوروئی مصطفیؐ دیدم خدائی دوسرا دیدم	نعت شریف	رشک گردون
۷	چیست ایمان جز محبت او	نعت شریف	رشک گردون
۸	دردل من درجہاں دیدم جمال مصطفیؐ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۹	زبان خدا توگفتین بیار	نعت شریف	غیر مطبوعہ

۱۰	زندہ ام از نام تو یا مصطفیٰؐ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۱	من سگ کوچہ رسول اللہؐ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۲	من سگ کوئی تو اے شاہ دو عالم مددی	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۳	منزل راہ قدم خوبان توئی خوبان توئی	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۴	مے کشان جام بہ لب ساقی کوثرؐ آمد	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۵	وجود من بہ خدا صدقۂ رسول خدا ست	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۶	ہلال ماہ نبیؐ بر فلک ہویدا شد	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۷	یادمی آید مرا شہر نبیﷺ	نعت شریف	غیر مطبوعہ
۱۸	اے خوشا ورد زبان نام رسولؐ	نعت شریف	غیر مطبوعہ

سلام بارگاہِ خیرالانام:

سلاموں کی تفصیلات مطبوعہ وغیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں۔

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	اے شہنشاہ رسالت الصلواۃ والسلام	سلام	رشک گردون
۲	چون بگویم نام او از آسمان آید سلام	سلام	رشک گردون، مینا بدوش
۳	صل علی نبینا صل علی محمدؐ	سلام	رشک گردون
۴	صورت کن فکان، تو سراپا قران	سلام	غیر مطبوعہ
۵	نور ہر دو جہاں سلام علیک	سلام	غیر مطبوعہ
۶	یا شفیع الوریٰ سلام علیک	سلام	غیر مطبوعہ
۷	یا نبی سلام علیک	سلام	رشک گردون

منقبت:

مناقبتکی تفصیلات مطبوعہ وغیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں۔

نشان	مصرع اولیٰ	موضوع	مشمولہ
۱	اے خداوند شعور فکر وفن	در مدح حضرت وطنؒ	رشک گردون
۲	اے رفیق والی کون ومکان	در مدح خواجہ رحمت اللہ المعروف بہ نائب رسول	رشک گردون
۳	اے کہ بحر علم ودانش، کائنات علم وفن	در مدح امام اعظمؒ	رشک گردون
۴	آسمان علم وحکمت بوترابؓ	در مدح حضرت علیؓ	رشک گردون
۵	آمدم بردرگہ والا بہ صد عجز ونیاز	در مدح سلطان المشائخ	رشک گردون
۶	برگرفتہ دل زدنیا آمدم	در مدح میر شجاع الدین حسینیؒ	رشک گردون
۷	پادشاہ دین وملت بابا شرف الدین پیر	در مدح بابا شرف الدین پیرؒ	رشک گردون
۸	پیکر صدق وصداقت بوبکرؓ	در مدح خلیفۂ رسول اللہؐ	رشک گردون
۹	پیکر صدق وصداقت حضرت عبداللہ شاہ	در مدح عبداللہ شاہؒ	رشک گردون
۱۰	تو سراپا بندگی بندہ نوازؒ	در مدح خواجہ بندہ نوازؒ	رشک گردون
۱۱	راکب دوش نبی راذکر کن	منقبت شہید کربلا	غیر مطبوعہ
۱۲	شاہ گر یا پادشاہ گر السلام	در مدح حضرت شاہ راجو قتالؒ	غیر مطبوعہ
۱۳	ظہور فیض ربانی معز الدین ملتانی	در مدح معز الدین ملتانی	رشک گردون
۱۴	عادل شب گیر فاروقؓ السلام	در مدح عمر فاروق اعظمؓ	رشک گردون
۱۵	غوث اعظم مددے یاشہ جیلانؒ مددے	در مدح عبدالقادر جیلانیؒ	رشک گردون
۱۶	مرکز تفہیم قرآن سید عبداللہ شاہؒ	حضرت سید عبداللہ شاہؒ	غیر مطبوعہ
۱۷	می کنم چون مدح عثمان غنیؓ	در مدح حضرت عثمان غنیؓ	رشک گردون
۱۸	یاحسین ابن علیؓ	در مدح حسینؓ	رشک گردون
۱۹	یا علی مشکل کشاؓ، المددے یا علیؓ	المددے یا علیؓ	غیر مطبوعہ

تہنیت:

تہنیتوں کی تفصیلات مطبوعہ وغیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں۔

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	آمدم بردرگہ والا بہ صد عجز و نیاز	در مدح حضرت سلطان المشائخ	غیر مطبوعہ
۲	آیت اللہ مرد مان پارس را آزاد کرد	سید روح اللہ امام خمینی	غیر مطبوعہ
۳	از دل افلاک می آید صدا	گلوکار محمد رفیع	مینا بدوش
۴	افتخار شعر و حکمت اعتبار فکر و فن	فردوسی طوسی	رشک گردون
۵	افتخار ہر سخن آزرمی دخت	پروفیسور آزرمی دخت	مینا بدوش
۶	ای مدھو بالا جمالِ نیم خواب	مدھو بالا	مینا بدوش
۷	اے خوشا تو آمدی بار دیگر	بہ تقریب باز آمدن آقائی پروفیسور محمد سلیمان صدیقی در مانو	غیر مطبوعہ
۸	اے شہنشاہ جوان مردان توئی	تیپو سلطان	رشک گردون
۹	اے فرید الدین عطار اے ولی	شیخ خواجہ فرید الدین عطارؒ	رشک گردون
۱۰	اے گل باغ جمال آب و گل	شہزادی نیلوفر	مینا بدوش
۱۱	اے ملالہ اے چراغ علم و فن	ملالہ یوسف زئی	مینا بدوش
۱۲	آن روئی روئی والائی رشید	سید محمد رشید الحسن جیلی والکلیمی	رشک گردون
۱۳	آیت اللہ مرد مان پارس را آزاد کرد	سید روح اللہ امام خمینی	رشک گردون
۱۴	بوالکلام آزاد امام الہند بود	مولانا ابوالکلام آزاد	رشک گردون
۱۵	بود او یک پیکر حسن و جمال	ڈائنا	مینا بدوش
۱۶	بوریائے خانہ ات قالین ہست	نذر شفیق	غیر مطبوعہ
۱۷	پرتو کردار گردونی چہ غم خواری خوشا	دوستم وہاب قیصر	غیر مطبوعہ
۱۸	پیکر تعجیل و حزم و احتیاط	دکتر سید مصطفی کمال	مینا بدوش
۱۹	پیکر علم و عمل، دریائے فیضِ بیکران	دکتر ضیاء الدین شکیب	غیر مطبوعہ
۲۰	پیکر علم و ہنر جنت حسین	جناب جنت حسین	غیر مطبوعہ
۲۱	تو چہ دانی آن درویش زمان	علامہ اقبال	رشک گردون

۲۲	چہرۂ او چومہ تاب درخشان بینم	کیٹ ونسلیٹ	مینا بدوش
۲۳	حیف گل آثار، لیکن خار بود	گیان چند جین	غیر مطبوعہ
۲۴	دردلم می آید آواز لتا	لتا منگیشکر	مینا بدوش
۲۵	دررگ و پئے می رود دو دنشاط	موسیقار روی	مینا بدوش
۲۶	درمیان موج ہائے مضطرب	امر پالی	مینا بدوش
۲۷	راز دار دین و دنیا حافظ شیرازی اند	حافظ شیرازی	رشک گردون
۲۸	زیب تخت علم وحکمت زیب حیدر رابین	پروفیسر زیب حیدر	غیر مطبوعہ
۲۹	سراپا پیکر خدمت وہاج الدین صدیقی	وہاج الدین صدیقی	غیر مطبوعہ
۳۰	سعدیا شیرازیا چشم کرم برحال زار	سعدیا شیرازیا	رشک گردون
۳۱	شباب ہوش ربا، حسن دل ربا گوئی	سپترا سین	غیر مطبوعہ
۳۲	شیخ الشیوخِ دوران مفتی خلیل احمد	مفتی خلیل احمد	غیر مطبوعہ
۳۳	طاہرالقادری بندۂ حق رسا	دکتر محمد طاہر القادری	مینا بدوش
۳۴	کار کرد و کارگر کاظم حسین	کاظم حسین	غیر مطبوعہ
۳۵	محرم امامت بود خسرو خطابت بود	بہادر یا جنگ	رشک گردون
۳۶	مست عرفان ویقین حضرت رضا قاسم نژاد	استاد گرامی رضا قاسم نژاد	غیر مطبوعہ
۳۷	مصلح الدین مرد دل آزار بود	مصلح الدین صدیقی	غیر مطبوعہ
۳۸	مطلع بحر روان یوسف کمال	یوسف کمال	غیر مطبوعہ
۳۹	مونس وغمخوار ہندوستان بود	مخدوم محی الدین	مینا بدوش
۴۰	نام شخصِ مہربان عصمت جہان	عصمت جہان	غیر مطبوعہ
۴۱	نیست اکنون روم نام سرزمین	مولانائے روم	رشک گردون
۴۲	یک چراغِ ضوفشان اشرف رفیع	پروفسور اشرف رفیع	غیر مطبوعہ
۴۳	یک نشان راستی جعفر نظام	پروفیسر جعفر نظام	رشک گردون

قصیدہ:

قصائد کی تفصیلات مطبوعہ وغیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں۔

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
ا	آن روئے روئے والائے رشید	قصیدہ ٔ رشیدیہ	غیر مطبوعہ
۲	کجا تو نہادی قدم غوث اعظمؒ	قصیدہ غوث اعظم	غیر مطبوعہ

ہجو:

ہجو کی تفصیل اس طرح ہے۔

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
ا	اللہ بدہ جہنم شیطان لعنتی را	ہجو عزازیل	غیر مطبوعہ

بددعا:

بددعا کی تفصیل اس طرح ہے۔

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
ا	یاالٰہی نیست ونابود کن	بددعا	غیر مطبوعہ

مرثیہ:

مرثیہ کی تفصیل اس طرح ہے۔

نشان	مصرع اولیٰ	موضوع	مشمولہ
ا	خدایا چہ شد این جہان نیست نیست	مرثیہ عائشہ	مینا بدوش

رباعی گوئی:

چار مصرعوں والی اس نظم کو رباعی کہیں گے جس کا پہلا دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے جب کہ تیسرا مصرع کا قافیہ ان سب سے جدا ہونا ضروری ہے۔ رباعی عربی لفظ ''رباع'' سے مشتق ہے جس کے معنی چار کے ہیں۔ چوں کہ یہ چار مصرعوں یا دو بیتوں پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے اسے رباعی یا دوبیتی کا نام دیا گیا ہے۔ اگلے زمانے میں اسے ترانہ بھی کہا جاتا تھا لیکن ''ترانہ'' یا ''دوبیتی'' موجودہ اور مروجہ اوزان میں نہیں لکھے جاتے تھے۔

رباعی کی ہیئتی نشانیوں میں اس کا وزن بھی ایک اہم نشانی ہے۔ ماہرین عروض نے رباعی کے لیے ان اوزان کی پابندی کو لازم وملزوم قرار دیا ہے۔ علم عروض کی رو سے رباعی کے ہر مصرع میں مخصوص وزن کے چار چار رکن ہوتے ہیں اور یہ چاروں ارا کین بیس ماتراؤں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان ارا کین کو افاعیل بھی کہا جاتا ہے۔ اس طرح رباعی کے لیے چوبیس اوزان مقرر کیے گئے ہیں جن کا تعلق بحر ہزج سے ہے۔ علاوہ ازیں رباعی کا مقبول عام وزن ''لاحول و لاقوۃ اِلا باللہ'' ہے۔ اس وزن پر خواجہ الطاف حسین حالؔی نے اس طرح رباعی کہی ہے۔

کیا پاس تھا قول حق کا اللہ اللہ	تنہا تھے یہ اعدا سے یہ فرماتے تھے شاہ
میں اور اطاعتِ یزید گمراہ	لاحول و لا قوۃ اِلا با للہ

رباعی کی صنفی شناخت مخصوص اوزان میں مضمر ہے، جن میں سے اگر کسی ایک وزن میں بھی چار مصرعے نہ ہوں تو وہ رباعی نہیں بلکہ قطعہ کہلاتا ہے۔

قطعہ کا ہر شعر ایک دوسرے سے مربوط ہوتا ہے اور سب ہی اشعار مل کر مطلب پورا کرتے ہیں جب کہ رباعی میں کسی بھی موضوع کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ مصرع بہ مصرع خیال کا تسلسل پاتا جائے یہاں تک کہ چوتھے مصرع میں خیال اپنے تکمیل کو پہنچ جائے۔ اس طرح معلوم یہ ہوا کہ چوتھا مصرع رباعی کا خلاصہ ہوتا ہے۔ جیسے سید عباس متقی کی یہ رباعی دیکھیں۔

از کاتب تقدیر شکایات مکن	شو صاحب ایمان خرافات مکن
خوان متقی آیات خداوند جلیل	کن شکر گہی کفر عنایات مکن

رباعی کے جن مصرعوں میں قافیہ پایا جاتا ہے۔ ''مقفی مصرع'' والی رباعی کہتے ہیں اس نوع کی رباعیاں متقی کے پاس بکثرت ملتی ہیں جن کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱

کن کار پسندیدہ و ایمان بساز	خود را کے وکاؤس وسلیمان بساز
بفروش دل و جان بہ دست یزدان	در وادی جنت تو خیابان بساز

۲

عارض کہ صد اسرار صفا می بینم	لبہا کہ گل تازہ بجا می بینم
بد نگہ نیم نور خدا ہست گواہ	در چہرہ تو نور خدا می بینم

۳

مختار جہاں شاہ امم یاد بکن | سر تا پا عنایات و کرم یاد بکن
فرما بہ کرم بار دیگر حرف بیا | اے نور قدم نور قدم یاد بکن

۴

اک بار مرا بوسہ اسود بدہید | صد بار جبہ سائی مرقد بدہید
بینائی چو در چشم سیاہ رو دادی | اللہ تو دیدار محمدؐ بدہید

۵

سنگ در دہلیز معطر بشوی | خاک رہ والائے معنبر بشوی
دانی کہ تو خوش بختی دوگیتی چیست | وابستہ نعلین پیمبرؐ بشوی

درج بالا پانچ رباعیوں میں غور کریں تو پتا چلے گا کہ پہلی رباعی کے پہلے دوسرے اور چوتھے مصرع میں ''ایمان''، ''سلیمان'' اور ''خیابان'' قافیے آئے ہیں اور دوسری رباعی میں ''صفا''، ''بجا''، ''خدا'' بطور قافیے استعمال ہوئے ہیں۔ جب کہ تیسری رباعی میں ''امم''، ''کرم''، ''قدم'' قافیے ہیں۔ اسی طرح چوتھی اور پانچویں رباعیوں میں بالترتیب، ''اسود''، ''مرقد'' اور ''محمدؐ''، ''معطر'' اور ''معنبر''، ''پیمبرؐ'' قافیے آئے ہیں۔ جب کہ ان پانچوں رباعیوں کے تیسرے مصرعوں میں قافیے نہیں ہیں انھیں ''خصی مصرع'' کہیں گے۔

ان رباعیوں میں مذکورہ قافیوں کے ساتھ ساتھ پہلی رباعی میں ''بساز'' دوسری رباعی میں ''می بینم''، تیسری رباعی میں ''یاد بکن''، چوتھی رباعی میں ''بدہید'' اور پانچویں رباعی میں ''بشوی'' ردیف آئے ہیں۔ ایسی رباعیوں کو ''مردف رباعی'' کہیں گے۔

اگر رباعی کے مصرعے ردیف سے عاری ہوں تو ایسی رباعی کو ''غیر مردف'' رباعی کہتے ہیں اس کی مثالیں بھی سید عباس متقی کے ہاں پائی جاتی ہیں رباعیات ملاحظہ کریں۔

۱

چون گشت مرا بندہ مشہود و شہید | چون داد مرا گنج تقرب بہ کلید
سجادہ نشین ہمہ اوقات بکن | اللہ مرا گوشہ مسجد بدہید

۲

توفیق نکو ہست بہ دست یزدان | انعمت علیہم بہ تو گوید رحمٰن
رونیست کہ از آب روان من بشوم | مقدور کجا ام کہ شوم قلب و روان

۳

ساحل تو نہ یابی بہ شعور ساحل
محفل تو نہ یابی بہ سرور محفل
تو قصہ سنگ پشت وخرگوش بخوان
از کار مسلسل تو بیابی منزل

۴

چون یاد کنم نار جہنم ترسم
چون یاد کنم باغ جنان می خندم
عرفان بجز نیست دوامی حیرت
چون یاد کنم روئے تو دیوانہ شوم

۵

کہسار چو زیر قدمت می لرز
افلاک چو زیر قدمت می جنبد
گوید چہ تعجب کہ سلام ارمخلوق
اللہ سلام آفرین ہم می گوید

ان رباعیوں میں صرف قافیے پائے جاتے ہیں ردیف نہیں اسی لیے ایسی رباعیوں کو ''غیر مردف رباعیاں'' کہتے ہیں۔ چناں چہ معلوم یہ ہوا کہ غزلوں کی طرح رباعیات بھی غیر مردف ہوا کرتی ہیں۔

ایسی رباعی جس کے چاروں مصرعوں میں قافیے پائے جاتے ہوں اسے ''غیر خصی رباعی'' کہتے ہیں ایسی رباعیاں بھی سید عباس متقی کے کلام ''رباعیات متقی'' میں ملتی ہیں۔ یہاں منتخبہ رباعیات پیش کی جاری ہیں۔

۱

از کار خوش اللہ را خوش حال بکن
در راہ خدا خویش را پامال بکن
گوید ہمی با لخت جگر سرور دینؐ
اعمال بکن فاطمہ اعمال بکن

۲

جا پاک رہ شاہ دوعالمؐ بودم
خاشاک رہ شاہ دوعالمؐ بودم
بینم رخش و بوسۂ نعلش گیرم
من خاک رہ شاہ دوعالمؐ بودم

۳

ہرگز نہ خدا ظلم روا فرماید
فرماید او برما آنچہ بجا فرماید
اللہ اگر چیز کسی را نہ دہد
او را دگری چیز عطا فرماید

۴

اسلام اگر داری مبارک باشد
احرام اگر داری مبارک باشد
باید کہ ز اعمال تو دین ظاہر باد
پس نام اگر داری مبارک باشد

غیر خصی رباعیات کے بعد اگر ہم رباعی کے موضوعات کے متعلق دیکھیں تو ہمیں کوئی مخصوص موضوع یا مضمون رباعی کے لیے نہیں ملے گا چناں چہ اس میں فلسفیانہ، صوفیانہ، اخلاقی، حکیمانہ، عشقیہ، مذہبی، سماجی، ملی، پند ونصائح پر مبنی سبھی کچھ موضوعات ملیں گے اور یہی موضوعات

ہمیں سید عباس متقیؔ کے رباعیات میں بھی ملتے ہیں لیکن سید عباس متقیؔ کے رباعیات کا زیادہ تر ذخیرہ مذہب اور اخلاق کے اطراف ہی گھومتا ہے۔

نشان	مصرع اولیٰ	صنف	مشمولہ
۱	از جان بکسان رغبت والفت بکنم	رباعی	رباعیات متقیؔ
۲	از ذات نبیؐ نسبت پیہم بدہی	رباعی	رباعیات متقیؔ
۳	از غربت وافلاس پریشان ہستم	رباعی	رباعیات متقیؔ
۴	از کاتب تقدیر شکایات مکن	رباعی	رباعیات متقیؔ
۵	از کار خوش اللہ را خوش حال بکن	رباعی	رباعیات متقیؔ
۶	از موج کرم لولوئے پنہان بدہید	رباعی	رباعیات متقیؔ
۷	اسلام اگر داری مبارک باشد	رباعی	رباعیات متقیؔ
۸	اک بار مرا بوسہ اسود بدہید	رباعی	رباعیات متقیؔ
۹	اللہ توئی دولت دوران ہستی	رباعی	رباعیات متقیؔ
۱۰	اللہ عطا کن تو نگار دوران	رباعی	رباعیات متقیؔ
۱۱	اللہ مرا ثروت ایقان بدہی	رباعی	رباعیات متقیؔ
۱۲	اللہ مرا قوت ایمان بدہی	رباعی	رباعیات متقیؔ
۱۳	اللہ مرا قوت ایمان بدہی	رباعی	رباعیات متقیؔ
۱۴	او را تو بدان عظمت ہر دعالم	رباعی	رباعیات متقیؔ
۱۵	او صاحب ایقان وایمان بکند	رباعی	رباعیات متقیؔ
۱۶	آن کیست نہ بر گنبد خضرا میرد	رباعی	رباعیات متقیؔ
۱۷	باید کہ بیاموز تو انداز نماز	رباعی	رباعیات متقیؔ
۱۸	باید کہ پس احسان محمدؐ گیرد	رباعی	رباعیات متقیؔ
۱۹	برحسن کدادادتو مغرور مشو	رباعی	رباعیات متقیؔ

۲۰	برراہ خدووندردم کشر خداست	رباعی	رباعیات متقی
۲۱	بلبل بگو ہد ہد بگو سرخاب بگو	رباعی	رباعیات متقی
۲۲	تسبیح خداوند دو عالم گوید	رباعی	رباعیات متقی
۲۳	تقدیر درخشان وو قیع فی خواہم	رباعی	رباعیات متقی
۲۴	تقدیر کہ خوش بخت شوم صبح ومسا	رباعی	رباعیات متقی
۲۵	تمہید پئے شومی فن کن امروز	رباعی	رباعیات متقی
۲۶	توفیق نکو ہست بہ دست یزدان	رباعی	رباعیات متقی
۲۷	جاپاک رہ شاہ دو عالمؐ بودم	رباعی	رباعیات متقی
۲۸	چون اول وآخر توئی ربار با	رباعی	رباعیات متقی
۲۹	چون کوچہ وبازار وطن می بینم	رباعی	رباعیات متقی
۳۰	چون گشت مرابندہ مشہور وشہید	رباعی	رباعیات متقی
۳۱	چون یاد کنم نار جہنم ترسم	رباعی	رباعیات متقی
۳۲	خوشنودئ حق رحمت پیہم اینجاست	رباعی	رباعیات متقی
۳۳	خونین سرشک غم ہجران گریم	رباعی	رباعیات متقی
۳۴	خیرہ بکنی طور سراپا بدھید	رباعی	رباعیات متقی
۳۵	در ذرۂ پنہاں توئی پنہاں ربا	رباعی	رباعیات متقی
۳۶	در سینۂ من الفت حسنین آنجاست	رباعی	رباعیات متقی
۳۷	در مصحف حق سورۂ رحمٰن بخوان	رباعی	رباعیات متقی
۳۸	دل تنگ تراگویم ارافسوس برآن	رباعی	رباعیات متقی
۳۹	دل راتو خداوند پس آرام یدہ	رباعی	رباعیات متقی
۴۰	رخسار تو بے خوف وخطر بنید	رباعی	رباعیات متقی
۴۱	رندان ہمہ گو یند کہ مے خانہ بساز	رباعی	رباعیات متقی

۴۲	ساحل تو نہ یابی بہ شعور ساحل	رباعی	رباعیات متقیؔ
۴۳	سمت رہ مقصود روان رود بساز	رباعی	رباعیات متقیؔ
۴۴	سنگ در دہلیز معطر بشوی	رباعی	رباعیات متقیؔ
۴۵	صد شکر کر دامان فروان دارم	رباعی	رباعیات متقیؔ
۴۶	عارض کہ صدا سرار صفامی بینم	رباعی	رباعیات متقیؔ
۴۷	عثمان علی احسان تلقین بکرد	رباعی	رباعیات متقیؔ
۴۸	کن کار پسندیدہ ایمان بساز	رباعی	رباعیات متقیؔ
۴۹	کہسار چو زیر قدمت می لرز	رباعی	رباعیات متقیؔ
۵۰	گوید کہ کسی طور نہ لذت دارد	رباعی	رباعیات متقیؔ
۵۱	گویم چہ شنید نہ رسول عربیؐ	رباعی	رباعیات متقیؔ
۵۲	گیری تو عماد دین بیرون مشو	رباعی	رباعیات متقیؔ
۵۳	لب ہا چو ستم کیش بہ لب ہا بدہد	رباعی	رباعیات متقیؔ
۵۴	مختار جہاں شاہ امم یاد بکن	رباعی	رباعیات متقیؔ
۵۵	من جملۂ افراد مرا فرد بساز	رباعی	رباعیات متقیؔ
۵۶	من ذکر خداوند کنم شکر خدا ست	رباعی	رباعیات متقیؔ
۵۷	من والہ و شیدائے گلابی ہستم	رباعی	رباعیات متقیؔ
۵۸	می دہند مضطرب و مامن محسود صدا	رباعی	رباعیات متقیؔ
۵۹	نیلوفر و نسرین چمن بدھیدم	رباعی	رباعیات متقیؔ
۶۰	ہرگز نہ خدا ظلم روا فرماید	رباعی	رباعیات متقیؔ
۶۱	ہمراز نہ ہم سایہ و ہمدم خواہم	رباعی	رباعیات متقیؔ
۶۲	یک بار ببین دیدۂ نم بار الہ	رباعی	رباعیات متقیؔ
۶۳	یک نسبت نعلین بدہ ہمچو رعروب	رباعی	رباعیات متقیؔ

قطعات:

قطعات کی تفصیلات مطبوعہ وغیر مطبوعہ حروف تہجی کے لحاظ سے اس طرح ہیں۔

نشان	مصرع اولیٰ	وجہ قطعات	مشمولہ
۱	آبروئے فکر وفن مینا بدوش	قطعہ تاریخ طباعت ''مینا بدوش''	غیر مطبوعہ
۲	آخرش بُستانِ سعدی ختم شد	قطعۂ تاریخ ختم بوستان	غیر مطبوعہ
۳	آفرین صد آفرین بانو عزیز	قطعۂ تاریخ طباعت ''عصامی فردوس ہند''	غیر مطبوعہ
۴	آمدہ بود آخرش وقت اجل	قطعہ تاریخ وفات میر عبد المجید المعروف بہ حامد پاشاہ	غیر مطبوعہ
۵	آنچہ می دارم خزانہ ختم شد		غیر مطبوعہ
۶	از جہان نصرت محی الدین رفت	قطعۂ تاریخ وفات نصرت محی الدین	غیر مطبوعہ
۷	از دل من فکر بیش وکم ببر		غیر مطبوعہ
۸	النکاح من سنتی فرمود شاہؐ	قطعہ تاریخ عقد عزیزی شیخ عثمان عاقل	غیر مطبوعہ
۹	اے خوشا در نارِ خود نمرود سوخت	قطعۂ تاریخ مرگ شیطان ابن شیطان	غیر مطبوعہ
۱۰	اے خوشا شاگردِ من عبد المعز	قطعۂ تاریخ پیشکشی خامۂ زرین از محمد معز	غیر مطبوعہ
۱۱	اے کہ تو از حق تعالیٰ یافتی	قطعۂ تاریخ حصول سند دکتری شیخ سعدی ارشد	غیر مطبوعہ
۱۲	این کتاب علم وحکمت خوب ہست	قطعۂ تاریخ صوری ومعنوی بہ تقریب طباعت تصنیف ''معمولات وعقاید اہل سنت والجماعت''	غیر مطبوعہ
۱۳	این کتاب غم حمید عادل نوشت	قطعۂ تاریخ طباعت ''حیدرآباد مرحوم'' از حمید عادل	غیر مطبوعہ
۱۴	باد فرخندہ آسمان گوید	قطعۂ تاریخ شادی دکتر عصمت جہان	غیر مطبوعہ
۱۵	بارک اللہ طبع شد مینا بدوش	قطعہ تاریخ طباعت مینا بدوش	مینا بدوش
۱۶	باز بلبل گل بیا بدنا گہان	قطعۂ تاریخ شادی عمران خان	غیر مطبوعہ
۱۷	بحق حسن وشباب آفرین جواب آمد	قطعہ تاریخ ولادت نبیرہ ام سید عبد اللہ شکیب سلمہٗ فرزند سید عبد المجید شعیب سلمہٗ	غیر مطبوعہ

۱۸	بحمد خدا نعت خیر البشرؐ	قطعۂ تاریخ شادی شیخ عمر سلمہٗ فرزند شیخ امام	غیر مطبوعہ
۱۹	بسا خوب صورت چو منزل بساخت	قطعۂ تاریخ تعمیر مکان شیخ امام والد دکتر ارشد	غیر مطبوعہ
۲۰	بشنو زمن آشفتہ بیانی امروز	قطعہ تاریخ طباعت رباعیات متقی	رباعیات متقی
۲۱	بشنو زمن چہ گویم	قطعہ تاریخ طباعت من خوب می شناسم	من خوب می شناسم
۲۲	بود حمید الدین طوطی دکن	تاریخ وفات مولانا محمد حمید الدین حسامی عاقل	غیر مطبوعہ
۲۳	بوستان سعدیؒ از لطف خُدا	قطعۂ تاریخ ختم بوستان سعدیؒ	غیر مطبوعہ
۲۴	بہ فضل شہ دو سراؐ آمدند	قطعہ تاریخ ولادت برادر زادیان احمد صلاح الدین ذکی	غیر مطبوعہ
۲۵	بیار بادۂ گلگوں برائی مے نوشان	قطعۂ تاریخ رسم اجرائی دیوان حافظ شیرازی بہ دست عزت مآب پدم شری حامد انصاری صاحب	غیر مطبوعہ
۲۶	بیار بادۂ گلگون بساغر توحید	قطعۂ تاریخ تحصیل صدارت بہ دکتر محمد نسیم الدین فریسؔ	غیر مطبوعہ
۲۷	پیکر فیضان و علم و آگہی	قطعہ تاریخ کتخدائی و تقرر استاد گرامی قدر دکتر عزیز بانو	غیر مطبوعہ
۲۸	تا ابد خالق عالم یہ رفاقت رکھے	قطعۂ تاریخ صوری شادی خانہ آبادی عزیزہ ام شبستان خان سلمہا دختر نیک اختر برادرم جناب محمد الیاس مسعود خان افتخاری صاحب	غیر مطبوعہ
۲۹	تا ابد کشور ایران سلامت باشد	قطعہ تاریخ تشریف آوری آقائی حسین یزدان در حیدرآباد	غیر مطبوعہ
۳۰	تشنگی! رویت سرکارؐ مبارک باشد	قطعۂ تاریخ حج و زیارت حضرت سید رشید الحسن جیلی والکلیمی	غیر مطبوعہ
۳۱	جان جانِ آفرین راچون بکرد	قطعۂ تاریخ وفات والدہ محمد انورالدین ریسرچ اسکالر شعبۂ اردو، یونیورسٹی آف حیدرآباد	غیر مطبوعہ
۳۲	جوئے افسانہ روان شد از رباب	قطعہ تاریخ طباعت ''رباب'' از محترمہ قمر جمالی	غیر مطبوعہ
۳۳	چرا گرفتہ کمان تیر باہدف بازی	نجمی تبین	غیر مطبوعہ
۳۴	چشم شاہان دکن نم ناک شد	قطعۂ تاریخ تبدیلی قصر فلک نما بہ صورت ''تاج ہوٹیل''	غیر مطبوعہ
۳۵	چشم داری روئے واصل رابہین	پیر طریقت واصل حق حضرت سید احمد قادر قادری واصل شطاری	غیر مطبوعہ

۳۶	چو پوشیدہ درچشم آورد یوسف	قطعۂ تاریخ تحصیل سعادت عمرہ دوستم یوسف روش	غیر مطبوعہ
۳۷	چو ہمسایہ ام خانہ خود بساخت	قطعۂ تاریخ تعمیر مکان جناب محمد خان، سنتوش نگر	غیر مطبوعہ
۳۸	چون اجل آمد حیاتش ختم شد	قطعۂ تاریخ وفات جناب حشمت علی صدیقی مرحوم	غیر مطبوعہ
۳۹	چون رئیس شعبۂ اردو بگشت	قطعۂ تاریخ حصول ریاست آقائی دکتر مجید بیدار	غیر مطبوعہ
۴۰	چون کتاب زندگانی ختم شد	قطعۂ تاریخ وفات جناب مصطفیٰ علی خان فاطمی	غیر مطبوعہ
۴۱	چون ملک گفت ادخلی فی جنتی	قطعۂ تاریخ وفات بیہوش محبوب نگری	غیر مطبوعہ
۴۲	حج کعبہ خوش نصیبان می کنند	قطعۂ تاریخ حج وزیارہ محمد باسط خان	غیر مطبوعہ
۴۳	حضرتِ دکتر آثر استادمن	قطعۂ تاریخ طباعت ''تحقیقات وتاثرات''	غیر مطبوعہ
۴۴	ختم شد آخر کتاب زندگی	قطعۂ تاریخ وفات جناب محمد زین العابدین صاحب	غیر مطبوعہ
۴۵	خوب باسط خان بنا کرد این مکان	قطعۂ تاریخ تعمیر مکان محمد باسط خان	غیر مطبوعہ
۴۶	دختر من سیدہ مہر النساء	قطعۂ تاریخ پیش کشی ماشین (موتور)	غیر مطبوعہ
۴۷	در این خانہ این شان وشوکت مبارک	قطعہ تاریخ عطائے خلافت بہ مولانا محمد حسام الدین ثانی	غیر مطبوعہ
۴۸	در ریاض مشکین دکتر متقی	قطعۂ تاریخ طباعت کتاب ''ریاض مشکین'' از قاضی سید اعظم علی صوفی مدظلہ	غیر مطبوعہ
۴۹	دشمنِ علم وادب مجبور شد	قطعۂ تاریخ لکر رشپ شاگردم فخر عالم	غیر مطبوعہ
۵۰	دکن بہ نور خدا اوج کہکشان دارد	قطعۂ تاریخ بنائی جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن	غیر مطبوعہ
۵۱	دولت حج وزیارت یافتی	تاریخ حج وزیارت حضرت عقیل ہاشمی	غیر مطبوعہ
۵۲	دھمیں تصنیف این طنز ومزاح	قطعۂ تاریخ طباعت گپ شپ	گپ شپ
۵۳	دہنم خندان چشمم پرنم	قطعۂ تاریخ طباعت ''ٹک ٹک دیدم''	غیر مطبوعہ
۵۴	ڈاکٹر عباس خوب اہل سخن	قطعۂ تاریخ طباعت کتاب ''ریاض مشکین'' ازمولانا قاضی سید اعظم علی صوفی مدظلہ	غیر مطبوعہ
۵۵	ذکر وفکر وشغل را آداب دہ		غیر مطبوعہ
۵۶	راحت ہر آن واین دردامنت		غیر مطبوعہ

۵۷	رفت آخر شاعر طنز و مزاح	تاریخ وفات روف رحیم	غیر مطبوعہ
۵۸	رفت از جان، جان منظور الامین	قطعۂ تاریخ وفات رفیعہ منظور الامین مرحومہ و مغفورہ	غیر مطبوعہ
۵۹	رفت روح سجدہ از سجدہ برفت		غیر مطبوعہ
۶۰	رفت طالب خوندمیری یا برفت	قطعۂ تاریخ وفات جناب طالب خوندمیری	غیر مطبوعہ
۶۱	رفت قیّت کار آخر متقی	قطعۂ تاریخ فروختگی ''فیٹ کار''	غیر مطبوعہ
۶۲	رفت یٰسں سوئے کعبہ بہر حج	قطعۂ تاریخ حج و زیارۃ محمد یٰسین صاحب	غیر مطبوعہ
۶۳	روزِ بیست و دو ماہِ ربّ دو جہان رجب	قطعۂ تاریخ ولادت دختر شاگردم محمد فہیم الدین	غیر مطبوعہ
۶۴	روز از ذکر تو فردا می کنم		غیر مطبوعہ
۶۵	روز و شب من هستم و دیوان او		غیر مطبوعہ
۶۶	ریخت خون بے گناہان متقی	قطعۂ تاریخ بم اندازی در ہوتیل تاج، ممبئی، الہند	غیر مطبوعہ
۶۷	ز فرش تا بہ فلک نورِ بیکران بنگر	قطعۂ تاریخ شادی شاگردم محمد فہیم الدین	غیر مطبوعہ
۶۸	ساقیا آبادۂ گلگون بیار	قطعۂ تاریخ عقد مسعود شیخ جہانگیر	غیر مطبوعہ
۶۹	ساقیا دہ بادہ گلگون عیان	قطعۂ تاریخ شادی فردوس رداد ختر محمد معز	غیر مطبوعہ
۷۰	سائلم فریاد بشنو سائلم		غیر مطبوعہ
۷۱	ساقیا کو آر پیش من شراب	قطعۂ تاریخ جشن سیمین جامعہ المعہد الدینی عربی	غیر مطبوعہ
۷۲	سراپا کار و سرتا پا ریاضت کو فصیح الدین	قطعۂ تاریخ عطائے تمغۂ زرین	غیر مطبوعہ
۷۳	سیف را مالک دو عالم داد	قطعہ تاریخ خریدی مکان دکتر سید محمد تنویر الدین خدانمائی	غیر مطبوعہ
۷۴	شاہد رعنا چو آمد در مکان	قطعۂ تاریخ تعمیر مکان استادم سید محمود قادری	غیر مطبوعہ
۷۵	شیخ الشیوخ دوران مفتی خلیل احمد	در مدح مفتی خلیل احمد	گپ شپ
۷۶	شد پروفیسور استاد شفیق	قطعۂ تاریخ صوری تحصیل پروانۂ تقرری بر پروفیسوری در شعبۂ فارسی استادمن دکتر عزیز بانو دام اقبالہا	غیر مطبوعہ

۷۷	شہد روحانی کہ در گوشم چکید	تہنیت و تاریخ صوری بہ موقع مبارکہ تحصیل سند تحفیظ قرآن مجید بہ سیدہ امۃ المقسط فاطمہ المعروف بہ ماہین سلمہا دختر سید صلاح الدین احمد	غیر مطبوعہ
۷۸	شیروانی چون عطا کردی مرا	قطعۂ تاریخ پیشکشی نذرانہ شیروانی از محمد فہیم الدین	غیر مطبوعہ
۷۹	صدر بخش فارسی نامش رفیق فاطمہ	رفیق فاطمہ	غیر مطبوعہ
۸۰	صفحۂ کونین تالیف خداست		غیر مطبوعہ
۸۱	عارف اللہ شاہ حسینی قادری بحرالعلوم	قطعۂ تاریخ وفات حضرت سید شاہ عارف اللہؒ	غیر مطبوعہ
۸۲	عائشہ بیگم قرار جان و دل	قطعہ تاریخ وفات زوج من عائشہ بیگم	غیر مطبوعہ
۸۳	عطا کردی مرا محمود صفری درج بی ارزش	قطعۂ تاریخ تشکر نامہ آقائی محمود مصری، سرکنسولگری جمہوری ایران	غیر مطبوعہ
۸۴	غالب عبقری ہند	قطعہ تاریخ طباعت صوری مقائسہ غالب	مقائسہ غالب
۸۵	فرح بخش اللہ یک منظر مرا		غیر مطبوعہ
۸۶	فضل رحمٰن مثنوی متقی	قطعہ تاریخ طباعت مثنوی نوال السبحان	مثنوی نوال السبحان
۸۷	قربت خواجۂ کونینؐ مبارک باشد	قطعہ تاریخ سفر حرمین شریفین دکتر محمد علی اثر مع اہلیہ وفرزند	غیر مطبوعہ
۸۸	کاہ ہستی کہکشان رامس مکن		غیر مطبوعہ
۸۹	کرد اعداء گلستان را تاخت آہ	قطعۂ تاریخ بم اندازی در مکہ مسجد، حیدرآباد دکن	غیر مطبوعہ
۹۰	کرد زیدی بادل آغشتہ خون	قطعہ تاریخ تاجپوشی	غیر مطبوعہ
۹۱	کم سخن پابند شرع مصطفیؐ	قطعۂ تاریخ وفات حضرت شاہد علی ملتانی	غیر مطبوعہ
۹۲	کن بفرما از تصدق باز کن		غیر مطبوعہ
۹۳	کن قبول اللہ نظم التجا	قطعہ تاریخ طباعت صوری مناجات متقی	مناجات متقی
۹۴	گل بدست آرم نہ بویم حیف حیف		غیر مطبوعہ
۹۵	للعجب رفتن پئے خاوند خویش	قطعۂ تاریخ وفات زوجۂ محمد زین العابدین	غیر مطبوعہ

۹۶	متقی آورد درّ آخرین	قطعہ تاریخ شادی سہیل افروز فرزند دکتر محمد علی اثر	غیر مطبوعہ
۹۷	مرد طالب خوندمیری یا بمرد	قطعہ تاریخ انتقال طالب خوندمیری	غیر مطبوعہ
۹۸	مردِ یزدان شاہ رحیم الدین حسینی قادری	قطعۂ تاریخِ وفات سید شاہ رحیم الدین علی قادری	غیر مطبوعہ
۹۹	مصحف تاریخ دین مصطفیؐ		غیر مطبوعہ
۱۰۰	می برد آدم محض اعمالِ نیک	قطعہ تاریخ وفات محمد قطب الدین صاحب	غیر مطبوعہ
۱۰۱	می کنم آغاز این شعر و سخن	قطعۂ تاریخ طباعت ''اوقات اسلام''	غیر مطبوعہ
۱۰۲	می کنم صد شکر بیچون طبع شد	قطعہ تاریخ طباعت رشک گردون	رشک گردون
۱۰۳	می گفت رمز شان ازل انقلاب کن	قطعۂ تاریخ شادی عزیزی محمد عبدالمجید عدنان سلمہٗ فرزند دوستم ڈاکٹر شفیق پرویز	غیر مطبوعہ
۱۰۴	نسبت خسرو بغداد مبارک باشد	قطعہء تاریخ سفر عراق و زیارت روضہ اطہر پیران پیر غوث اعظم دستگیرؒ سید شاہ اعظم علی صوفی مدظلہ	غیر مطبوعہ
۱۰۵	نسبت ہر جاہ و عزت ختم شد	قطعہ تاریخ برطرفی از تدریس دو حرفی از شعبہ فارسی	غیر مطبوعہ
۱۰۶	نزول رحمت ربّ علا مبارک باد	قطعۂ تاریخ صوری عطائے قرطاس جانشینی سید شاہ محمد رشید الحسن الجیلی والکلیمی دامت فیوضہم	غیر مطبوعہ
۱۰۷	ہست مہ وش چاپ شد نا گفتہ بہ	قطعہ تاریخ طباعت نا گفتہ بہ	نا گفتہ بہ
۱۰۸	ھمدم من تو مگو پاجی مرا		غیر مطبوعہ
۱۰۹	یافتم از دین داران وام و قرض	قطعۂ تاریخ حج اولین بندہ کمترین	غیر مطبوعہ
۱۱۰	یافتم از دینداران وام و قرض	قطعۂ تاریخ حج اول	غیر مطبوعہ
۱۱۱	یافتم صبح بہاران یافتم	قطعہ تاریخ تقرر جز وقتی در شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ	غیر مطبوعہ
۱۱۲	یافت آرام دو عالم متقی	قطعہ تاریخ وفات پروفیسور یعقوب عمر صاحب	غیر مطبوعہ
۱۱۳	یافتش امروز اقبال بلند	قطعۂ تاریخ تحصیل عہدۂ پروفیسری فریسؔ	غیر مطبوعہ
۱۱۴	یک بندۂ بدحال را خوش حال کردہ ایٔ	قطعہ تشکر	غیر مطبوعہ
۱۱۵	یک مرد مردمان دکن بود آہ رفت	قطعہ تاریخ وفات سالار ملت سلطان صلاح الدین اویسی	غیر مطبوعہ

منظوم خطوط:

اردو اور فارسی میں منظوم خطوط نویسی شعرا و ادبا کا خاصا رہا ہے۔ یہ لوگ اپنے دوستوں، بہی خواہوں، استادوں، نوابوں اور بادشاہوں کو منظوم خطوط لکھ کر اپنی لیاقت کا لوہا بھی منوالیا کرتے تھے۔ منظوم خطوط کا جب ذکر نکلتا ہے تو ہمیں مرزا غالبؔ سے علامہ اقبالؔ تک اور اکبر الہٰ آبادی سے علامہ شبلیؔ نعمانی تک بہت سارے شعرا و ادبا یاد آجاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے خطوط ایک زمانے میں اسکول کے نصاب میں ہوا کرتے تھے۔ عموماً ان خطوط میں شوخی و طراری دیکھنے کو ملتی تھی ہوگی۔ کیوں کہ سید عباس متقی کے خطوط میں تو شوخی و طراری پائی جاتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو کاروں کا بہت شوق رہا ہے، ایک زمانے میں ان کے ہاں فیٹ کار تھی اور وہ اپنی کار کو بہت عزیز رکھتے تھے لیکن چند در چند وجوہ کی بنا پر انھیں اپنی کار فروخت کر دینی پڑی۔ موصوف کے اسی شوق کو دیکھتے ہوئے ان کی بڑی صاحبزادی، حال مقیم امریکا نے انھیں ایک کار ''پریمیر پدمنی'' تحفۃً پیش کیا۔ حسب روایت موصوف نے اپنی صاحب زادی کا شکریہ منظوم خط کی شکل میں ادا کیا جس میں نہ صرف صمیم قلب کے ساتھ شکریہ ادا کیا گیا بلکہ خریدی کار کی تاریخ بھی نکالی گئی ہے۔ نظم یہاں مرقوم کی جارہی ہے۔ ؎

بہ نذر کردن ماشین ''پریمئیر پدمنی'' از دختر من سیدہ مہر النساء عفیفہ سلمہا حال مقیم امریکا

دختر من سیدہ مہر النساء — مرحبا، یک تحفۂ ماشین داد
اشہب تازی رود بر راہ خود — گویا اسب برق رو با زین داد
روغنش مانند صبح نو سپید — ہمسفر یک صورت مہوین داد
در حقیقت این عطائے ذوالجلال — صدقۂ نعلین شاہ دینؐ داد
حق نہ دارم من ولیکن حق نگر — شان شاہان از پئے مسکین داد
می نماید در شب تاریک راہ — رہنما و راہبر رہ بین داد
نام ماشینم ''پریمر پدمنی'' — راہ رو را منزل پروین داد
ہفت صد از بیست ونہہ شد نشان — حق نشان این پئے تزئین داد
دہ ہزار و چاردہ ماہ نہم — بسکہ این ماشین پئے مسکین داد

حق تعالیٰ در زبان فارسی
متقی را عزّت تظمین داد

سید عباس متقی نے اپنی ایک دوست کو منظوم خط لکھا تھا اور احوال و کوائف معلوم کیے تھے، اس خط میں ان کے دلی جذبات ہویدا ہیں، پتا نہیں یہ خط حقیقی ہے یا فرضی لیکن ہے بہت رومانی۔ سید عباس متقی جو خود ایک شائستہ طبع اور خوش پوش آدمی ہیں اس خط میں بھی انھوں نے اپنی دیرینہ شائستگی کی روایت کو برقرار رکھا ہے۔ خط ملاحظہ فرمائیے۔

نامہ منظوم

السلام اے شبنمِ شیرین دہن — گل شعار و گل عذار و گل بدن
گوش من از شہد لب محروم شد — بند کردی تو چرا بابِ سخن
تو پئے من مہ جبین و ماہرو — من کجا یابم بدین رنگِ سخن
یادمی آئی مرا تو صبح و شام — می رود بادِ صبا چون در چمن
یافتی آیا تو گپ شپ یا نمی — می رود در شہر دزدان سخن
تو مخور معجون فکر و حبّ نوم — بسکہ تو خوشباش بر شاخِ چمن
کن تہی سینہ ز فکر روز و شب — بشنوید این نغمۂ مرغ چمن

حق ترا آرام و اطمینان بدہ
از پئے نام شہنشاہِ زمنؐ

سید عباس متقی نے جب اپنی فارسی کتاب کا مسودہ بنام ''مینا بدوش'' کی مالی اعانت کے لیے ،قومی قونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی میں داخل کیا اور وہ منظور ہوگئی تو اس مسرت میں موصوف نے محترمہ مسرت جہاں کی خدمت میں ایک منظوم شکریہ فارسی میں لکھا تھا اور اس سے قبل انھوں نے ''سپاس نامہ بخدمت گرامی قدر محترمہ مسرّت جہاں صاحبہ دام اقبالہا انچارج گرانٹ ان ایڈ، قومی قونسل برائی فروغ اردو زبان، دہلی'' سرخی لگا کر کلمات تشکر کا نذرانہ اس طرح پیش کیا ہے۔

شعر تشکر

مسرت جہاں السلام علیک — مزاجِ گرامیؑ والا تبار
چو منظور کردی کتاب فقیر — کہ شد باغ باغ این دلِ زار زار
شدم سر بلند درمیانِ جہاں — چہ خوش یافتم منزلِ پر وقار
چو کردی حزین را تعاون بہ زر — ترا حق بدہ نعمتِ صد ہزار

من امیدوارم سراسر قبول کند خدمت فارسی کردگار
کجا متقی و کجا علم و فن مہربانی و طورِ الفت شعار
بکردم چو عنوان ''مینا بدوش'' بغیر از شنیدہ بیاید خُمار
شنیدند گر گفتۂ متـــــــقـــــی خوشا اہل فن آن ہمہ دل فگار
کند حافظ و شیخ سعدی و روم
بحمد خُدا ، آفرین صد ہزار

حال ہی کی بات ہے کہ سید عباس متقی کے ہاں جو دیوانِ حافظ تھا اس کے چند اوراق اِدھر اُدھر سے پھٹ گئے تھے۔ سید عباس متقی عام طور پر سوتے وقت حافظ کی دو ایک غزلوں کا روز ہی مطالعہ کرتے ہیں (۴۹) بلکہ یہ ان کے وظیفے میں شامل ہے۔ شاید یہی وجہ ہو کہ ان کا نسخہ ناقص الاول، ناقص الاوسط و ناقص الآخر ہو کر رہ گیا تھا۔ سید عباس متقی چاہتے تھے کہ نسخۂ اول سے مطلوبہ اوراق کی نقل کروا کر نئے طور سے دیوان کی جلد بندی کروالیں۔ چناں چہ انھوں نے دیوانِ حافظ کے نسخہ اول (جو سب رنگ کتاب گھر سے ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا تھا) کی تلاش میں جٹ گئے۔ تلاش بسیار کے باوجود جتنے نسخے انھیں بازار میں دستیاب ہوئے وہ نقل کی نقل تھے اس لیے انھیں پسند نہیں آرہے تھے۔ اس سلسلے میں موصوف نے نظام ٹرسٹ لائبریری کا رخ کیا اور وہ نسخہ وہاں مل گیا چناں چہ سید عباس متقی کہتے ہیں کہ اس کی تحصیل کے لیے ممبر شپ ضروری تھی اور سب ملا کر کوئی ۷۰۰ روپے ہوتے تھے اور وہ اس موقف میں نہیں تھے کہ ممبر شپ لے کر نسخہ حاصل کیا جائے، چناں چہ ڈاکٹر نسیم الدین فریس نے جو سید عباس متقی کے دیرینہ دوست ہیں اپنی شاگردہ میمونہ صاحبہ کو فون کیا کہ وہ دیوانِ حافظ کا نسخہ حاصل کریں۔ میمونہ صاحبہ کے شوہر امین صاحب نے نہ صرف وہ نسخہ حاصل کیا بلکہ اس کے مطلوبہ اوراق کی نقل حاصل کروا کے سید عباس متقی تک پہنچانے کا فریضہ انجام دیا۔ یوں سید عباس متقی کی مراد بر آئی۔ سید عباس متقی جو شکریہ ادا کرنے میں ایک مثالی حیثیت رکھتے ہیں فوراً فارسی میں ڈاکٹر فریس کے لیے شکریے کا خط لکھا جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، راقم الحروف کو چوں کہ فارسی سے لگاؤ ہے اور اسی لگاؤ کی بدولت ناچیز نے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی سے ڈپلوما اِن پرشین میں سند حاصل کی ہے۔ لہٰذا میں نے کافی لطف اُٹھایا ہے۔ منظوم خط کچھ یوں ہے۔

السلام اے ہمدم دیرینہ ام یافتم دیوان حافظ یافتم
پس کشیدم عکس اوراق کہن یافتم یا انجم طاق کہن
من ز دو یک ماہ می کردم تلاش یافت آخر این خراب و بد قماش
می کنم شکر تو من از جان و دل شادمان شد بسکہ طبع مضمحل
ترجمہ کرد آفرین سجاد حسین مغفرت فرماش رب قبلتین
شرح شعر حافظ شیراز کرد خوب معنی صحیح را باز کرد
ھم طباعت لائق تعریف ہست ھم کتابت قابل توصیف ہست

خوب طبع کرد سب رنگ مہین
آفرین صد آفرین صد آفرین

یکم فروری ۲۰۱۵ء

نشان	مصرع اولیٰ	بنام	مشمولہ
۱	السلام اے دکترِ عالی مقام	دکتر ضیاءالدین شکیب	غیر مطبوعہ
۲	السلام اے شبنمِ شیرین دہن	شبنم	غیر مطبوعہ
۳	السلام اے ہمدم دیرینہ ام	پروفیسر محمد نسیم الدین فریسؔ	غیر مطبوعہ
۴	اے کہ یارانِ عزیزم السلام	سید عباس متقی کے دوستوں کے نام	غیر مطبوعہ
۵	دختر من سیدہ مہر النساء	سیدہ مہر النساء عفیفہ	غیر مطبوعہ
۶	مسرت جہاں السلام علیک بنام	محترمہ مسرّت جہاں صاحبہ	غیر مطبوعہ

منظوم درخواست:

ہم یہاں سید عباس متقی کے صرف ان منظوم درخواستوں کا جائزہ لیں گے جو انھوں نے مختلف موقعوں پر سپرد قلم کیے ہیں اور دیکھیں گے کہ سید عباس متقی نے ان درخواستوں میں کیا اور کیسے کہا ہے۔ آیئے سب سے پہلے اس درخواست پر نظر ڈالیں جس میں سید عباس متقی نے اپنے ایک آفیسر سے استدعا کی تھی کہ ان کا وظیفہ حضور کی ایک ادنیٰ دستخط کا محتاج ہے۔ انھوں نے لکھا کہ مہربانی فرما کر حکومت نے انھیں جو مراعات عطا فرمائے ہیں وہ بہ عجلت ممکنہ جاری فرمائیں۔

کسی سبب ان کا وظیفہ چھ ماہ تک رک گیا تھا اور تکلیف سے دن کٹ رہے تھے۔ظاہر ہے کہ غریب آدمی کا وظیفہ اگر چھ ماہ تک روک دیا جائے تو اس عہد نارسا میں زحمتوں کا تانتا تو بندھ ہی جاتا ہے ساتھ ہی روحانی تکلیف بھی ہوتی ہے۔بہرحال سید عباس متقی نے ''التماس دستینہ'' کے عنوان سے فارسی میں ایک منظوم درخواست لکھی اور متعلقہ آفسر کے حضور پیش کر دیا۔سید عباس متقی بھی عجیب شخصیت کے حامل آدمی ہیں، نئے دور کے لوگوں کو پرانے طور سکھاتے ہیں۔یہ دور کیا ''دورِ عثمانیہ'' ہے جو شعر و شاعری سے تقدیر بدل جائے ناقدری کا زمانہ ہے ان کی نظم کو متعلقہ آفسر نے کچرے دان میں یہ کہہ کر پھینک دیا کہ ان کے پاس اس فضول بکواس کے لیے کوئی وقت نہیں ہے۔یزید بھی کہیں مراثی عباس سنتا ہے۔غصے میں آ کر حضرت نے مزید چھ ماہ تک ان کا وظیفہ روک دیا۔

اے رئیس انجمن، عالی مقام ما غریبان می گزارند السلام
حق ترا آن رتبۂ عالی بداد شاد باد اے فرد عالی و شاد باد
تو بداری در دلت احساسِ غم خوب دانی تو سرشکِ چشمِ نم
خالی از دام و درم دامان بشد در دلم اندوہ و غم مہمان بشد
ما کجا خواہیم گنجِ سیم و زر کن فقط للہ نگہ مختصر
حق ترا بدہد مدام اقبالِ تام لحہ لحہ لحضہ لحضہ صبح و شام
بر حق ما از کرم امضا بکن
بر فقیران بابِ عشرت وا بکن

یہ اس زمانے کی بات ہے جب کسی جامعہ سے ڈاکٹر عباس متقی عربی سے ایم۔فل کر رہے تھے اور ان کی اپنے نگران سے بن نہیں رہی تھی چناں چہ موصوف نے ایک منظوم درخواست لکھی تھی جو شاید آزادیٔ ہند کے بعد پہلی مرتبہ وجود میں آئی ہے ورنہ اردو ہی میں منظوم درخواست، مشکل سے دستیاب ہوتی ہے۔اس درخواست میں انھوں نے نگرانِ مقالۂ ایم۔فل کی تبدیلی کی التماس کی تھی۔ ؎

السلام اے محترم عالی مقام خوش نصیب و خوش قماش و خوش کلام
می کنم پیش تو حرفِ مدعا بشنوید از الفت خیرالوریٰ
بسکہ می خواہم دگر نگران کار کن قبول این التجائے دل فگار
او بر من ظلم و استبداد کرد بندہ نزدش ہست ناہنجار فرد

او نمی خواہد کہ یابم دکتری ارج و اقبال و علو و مہتری
بلکہ می دارد تمنائے زوال می کند دربارۂ من قیل و قال
راز نکبت حیف طشت از بام کرد بندۂ بدنام را بدنام کرد

ہیچ بر احوال من تخئیل کن
مہترا! پس گائیڈ را تبدیل کن

اسی طرح منظوم درخواستوں کی فہرست ذیل میں دی جا رہی ہے۔

نشان	مصرع اولیٰ	بنام	مشمولہ
۱	التماس دستخط من یافتم	درخواست	غیر مطبوعہ
۲	السلام اے محترم عالی مقام	اعلیٰ افسر کے نام	غیر مطبوعہ
۳	اے رئیس انجمن، عالی مقام	ایک مغرور آفیسر کے نام	غیر مطبوعہ
۴	اے عزیزِ بانوئے عالی مقام	درخواست	غیر مطبوعہ

منظوم رقعہ:

سید عباس متقی نے اپنے دیرینہ دوست جناب محمد احمد کامل جامعہ نظامیہ کی صاحب زادی کی شادی کے لیے ایک فرمائشی رقعہ منظوم لکھا تھا چناں چہ سید عباس متقی کہتے ہیں کہ اس رقعۂ منظوم کو اہل علم و دانش نے بہت سراہا تھا اور ان کے فن کی داد دی تھی، رقعہ منظوم ملاحظہ فرمائیے۔

بنام خُدائے بخشندہ مہربان

رقعۂ منظوم

شادی خانہ آبادی نبیرہ ام قرۃ العینی بی بی جویریہ سلمہا دختر فرزندم نور چشمی محمد احمد المعروف بہ حاجی میاں سلمہٗ

رقعۂ منظوم از نامِ خُدا این شرف ہست از سلام مصطفیٰؐ
برشہؐ ہر دوجہاں لک لک درود می کنم زان بعد بر مقصد ورود
زہرہ بیگم خاکسار دوجہان می کنم عرض این فقیر و ناتوان
ماہ پارہ دختر فرزند من دلبرم ''جویریہ'' رشک چمن
این جگر بند محمد احمد است نیز عمر حسامی جد امجد است

می شود عقدش بہ فضل ذوالجلال یعنی عقدش سنت صاحب خصالؐ

نامِ نوشہ شیخ محی الدین ہست نور چشم افتخارالدین ہست

خانہ اش آماج گاہ حافظان خانوادہ عالمان و فاضلان

آن ہمہ دارند عز ثانیہ یعنی دارند نسبت نظامیہ

بیست و یک ماہِ سپٹمبر ہمان بیست و پنجم بہ ذی قعدہ روان

روز یکشنبہ و بعد شام ہست التجائے من بہ صد اکرام ہست

از قدوم خویش افزائید آب صاحب جاہ و حشم عزت مآب

ہمطعامی را شرف بخشید ھم

ہان! بخشید انبساط دید ھم

آرزومند

زہرہ بیگم

زوجہ محمد عمر حسامی مرحوم

۲۱ ستمبر ۲۰۱۴ء م ۲۵ ذی قعدۃ الحرام ۱۴۳۵ھ بروز یکشنبہ بعد مغرب

نشان	مصرع اولیٰ	بنام	مشمولہ
۱	اے کہ یارانِ عزیزم السلام	رقعۂ منظوم	غیر مطبوعہ
۲	رقعۂ منظوم از نامِ خُدا	بی بی جویریہ سلمہا دختر محمد احمد المعروف باحاجی میاں	غیر مطبوعہ

دعوت نامہ:

ڈاکٹر سید عباس متقیؔ نے اپنے بزرگ دوست اور ممتاز مورخ ڈاکٹر محمد ضیا الدین شکیب حال مقیم لندن کی حیدرآباد آمد پر انھیں اپنے دولت کدہ پر مدعو کیا تھا اور دعوت نامے کو منظوم فارسی میں لکھ کر پیش کیا تھا اور جب موصوف سید عباس متقیؔ کے گھر تشریف لائے تو ان کے شایانِ شان تقریب منعقد کی تھی اور انھیں یہ دعوت نامہ دوبارہ قیمتی فریم میں مقید کر کے پیش کیا تھا۔ اس فریم کی پیش کشی سے قبل راقم الحروف کو بھی اس کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

بنام خدای بخشندہ مہربان

دعوت نامہ

بخدمت گرامی قدر محسن ادبیات فارسی دکتر محمد ضیاء الدین شکیب دامت فیوضہم

اے ضیاء الدین شکیب عالی مقام — می کنم از جان و ایمان السلام
دست شو در خانۂ مسکین نژاد — اے قلیم علم و فن را کیقباد
در مکان بندہ لطفاً پا نہید — روز ما بکنید لطفاً روز عید
آن چہ حاضر ہست چش نان و نمک — ما کجا داریم آن مرغ و سمک
سادی چائے پان کا بیڑا خورید — بابا زردہ ھم چو دل خواہد ، چشید
قدر علم و فضل واللہ وافر است — جذبۂ اخلاص و الفت حاضر است
خانہ ام را از قدوم آباد کن — بسکہ ما سادات را دل شاد کن
روز جمعہ ، روز عید المومنین — بیستم ماہِ روان شام حسین
میر جملہ کنٹۂ تالاب ہست — آنچہ آن تالاب گو بے آب ہست
نزد تالاب است این کاخ فقیر — بر دو حجرہ مشتمل قصرِ حقیر
نام دادم قصر خود را ''بوستان'' — دوستان گویند او را ''گلستان''

منتظر ہستم بیائید از کرم
نیست در راہ غریبان پیچ و خم

سید عباس متقی نے جب عقد سوم کیا تو اپنے دیرینہ دوستوں کو دعوت ولیمہ سے مشرف کرایا۔اس سلسلے میں انھوں نے منظوم خط لکھنے کا اہتمام کیا تھا۔راقم الحروف کو دوران ریسرچ وہ منظوم خط ہاتھ لگا ہے جو بہت دلچسپ ہے ملاحظہ فرمائیے۔

بنام خدای بخشندہ مہربان

دعوت نامۂ ولیمہ

اے کہ یارانِ عزیزم السلام — بشنوید این التماسِ بد خرام
ہم طعامی را بخشیدم شرف — کم ترین کردم نکاح با ضرب دف
من کہ دی شب عقد کردم شکر حق — بسکہ خوانم روز وشب ناس و فلق
ہست او شیرین سخن شیرین دہن — در بہاران ہست گویا یک چمن
حق مرا کرد آفرین زو صد نہال — چیست امروزم بدان حسن و جمال
حق مرا محفوظ کن از چشم بد — دور دار اللہ تو از عزمِ بد
پس چشیدید آمدہ نان و نمک — از کجا من آورم مرغ و سمک

آنچہ حاضر ہست شیرہ را چشید　　کن ز پائے خویش روزم روز عید
روز شنبہ ، نوزدہ اپریل ہست　　شام شش ساعت کہ این تقریب بست

از پئے ما کن دُعائے خیر کُل
می رود تا حشر دورِ جام و مُل

منظوم دعوت نامے اس طرح ہیں۔

نشان	مصرع اولیٰ	بضمن	مشمولہ
۱	اے ضیاءالدین شکیب عالی مقام	دکتر ضیاءالدین شکیب	غیر مطبوعہ
۲	وابستۂ اہل نبیؐ تشریف بیارید	منظوم دعوت نامہ فاتحۂ حضرت امام جعفر صادق	

حوالے:

(۱) رباعیات متقی از سید عباس متقی میں شامل ''کلمات درویش'' ص۹،۸ سے ماخوذ۔
(۲) رباعیات متقی از سید عباس متقی میں شامل ''بلبل چہ گفت۔۔۔!'' ص۱۲، ۱۳ سے ماخوذ۔
(۳) رباعیات متقی از سید عباس متقی میں شامل ''بہ خامہ شاعر رباعیات'' ص۱۴ سے ماخوذ۔
(۴) رشک گردون از سید عباس متقی ص۱۹۔
(۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۰۔
(۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۲۔
(۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۴۔
(۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۵۔
(۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۶۔
(۱۰) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۸۔
(۱۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۹۔
(۱۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۱۔
(۱۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۳۔
(۱۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۴۔
(۱۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۵۔
(۱۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۶۔
(۱۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۹۔
(۱۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۲۔
(۱۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۳۔
(۲۰) ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۴۔

(۲۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۵۔

(۲۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۶۔

(۲۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۷۔

(۲۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۸۔

(۲۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۹۔

(۲۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۷۰۔

(۲۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۷۲۔

(۲۸)فارسی سیکھی ہے تیل بیچیں گے از سید عباس متقی مشمولہ روزنامہ منصف حیدرآباد۔

(۲۹)مناجات متقی حرف تمہید از ڈاکٹر ایم۔اے نعیم فیضی ص۵،۶۔

(۳۰)مناجات متقی (فارسی) از سید عباس متقی ص۷۔

(۳۱)مینا بدوش (فارسی) از سید عباس متقی ص۱۹۔

(۳۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۰۔

(۳۳)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۲۔

(۳۴)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۳۔

(۳۵)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۵۔

(۳۶)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۷۔

(۳۷)ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۸۔

(۳۸)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۵۔

(۳۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۶۔

(۴۰)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۷۔

(۴۱)ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۸۔

(۴۲)ایضاً ایضاً ایضاً ص۳۷۔

(۴۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص۵۹۔

(۴۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۴۔

(۴۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۳۔

(۴۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۵۔

(۴۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۸۔

(۴۸) مخدوم جمالی مینا بدوش کا شاعر غیر مطبوعہ تبصرہ۔

(۴۹) سید عباس متقی نے اپنے ایک نجی انٹرویو میں یہ بات بتائی۔

☆☆☆

چھٹا باب

سید عباس متقی کی خاکہ نگاری کا تنقیدی جائزہ

مجھے پتا نہیں کیا ہوگیا ہے یہ مجھ کو
ہر آدمی پہ نظر بار بار کرتا ہوں
سید عباس متقی

تخلیقی ادب کو ہم دو حصوں یعنی افسانوی ادب اور غیر افسانوی ادب میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ناول، افسانہ، ڈراما، ناولٹ اور ان جیسی اصناف کو افسانوی ادب کہا جاتا ہے کیوں کہ ان میں قصہ پن کی کیفیت پائی جاتی ہے جب کہ ایسا تخلیقی عمل جو دنیا کے حقائق، مسائل، تجربات، مشاہدات اور احساسات کو قصہ پن کے بجائے اپنے احساسات کو مخصوص صنف کی ہیئت کے دائرے میں پیش کرتا ہے تو ایسا ادب غیر افسانوی ادب کہلاتا ہے۔ غیر افسانوی نثر میں مضمون، خاکہ، سفر نامہ، رپورتاژ، سوانح، خودنوشت سوانح، مکتوب نگاری انشا پردازی اور طنز و مزاح نگاری وغیرہ جیسی اصناف کا عمل دخل ہوتا ہے۔

سید عباس متقی نے مضامین، تقاریظ، دیباچے، مقدمے اور پیش لفظ لکھے ہیں۔ طنز و مزاح نگاری تو موصوف کا میدان خاص ہے چناں چہ مزاحیہ طرز پر سید عباس متقی نے خاکے انشائیے، فکاہیے اور طنزیہ و مزاحیہ مضامین بھی سپرد قلم کیے ہیں۔ انھوں نے مختلف ممالک کے سفر بھی کیے ہیں جن میں سفر نامہ ایران، سفر نامہ حج وغیرہ قابل ذکر ہیں لیکن ان کی نوعیت صرف تمہیدی یا اجمالی سفر نامے کی نوعیت سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ علاوہ ازیں موصوف نے خال خال رپورتاژ نگاری کی صنف پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ چناں چہ اس باب میں ان کی صرف خاکہ نگاری پر روشنی ڈالی جائے گی۔

یہاں خاکہ نگاری کے بارے میں اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے تاکہ سید عباس متقی کی خاکہ نگاری کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔

عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ سوانح نگاری اور خاکہ ایک دوسرے کے مترادف ہیں لیکن جاننا چاہیے کہ خاکہ ایک الگ صنف ہے اور سوانح نگاری، خودنوشت سوانح یا آپ بیتی علاحدہ صنف کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ اور بات ہے کہ خاکہ نگاری کا فن نہایت کم وقت میں اردو ادب کی اہم صنف بن کر ابھرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اختصار نویسی کے اس دور میں خاکوں کو سوانح پر ترجیح دی جا رہی ہے۔

محمد حسین آزاد کے تذکرے ''آب حیات'' اور مرزا فرحت اللہ بیگ کی تحریر ''نذیر احمد کی کہانی کچھ میری کچھ ان کی زبانی'' کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خاکہ نگاری کی شناخت قائم ہو چکی ہے۔

ادب میں خاکے سے مراد کچا نقشہ، ڈھانچہ یا لکیروں کی مدد سے بنائی ہوئی دھندلی تصویر کے ہیں۔ خاکے کے لیے اردو میں مرقع، شخصی مرقع، چہرہ بشرہ، جیتی جاگتی تصویر اور قلمی تصویر جیسی اصطلاحیں مروج ہیں۔ یہ ساری اصطلاحیں حقیقی شخصیتوں کے لیے مختص ہیں۔ جب کہ خاکے کی اصطلاح حقیقی اور خیالی ہر دو شخصیتوں کے لیے مقبول عام ہیں۔

انگریزی میں خاکے کے لیے sketch,Pen sketch یا Literary sketch وغیرہ جیسے الفاظ مستعمل ہیں۔

ادبی اصطلاح میں خاکے سے مراد اس تحریر سے ہے جس میں نہایت اختصار سے اشارے، کنایے میں کسی شخصیت کا ناک نقشہ، خدوخال، عادات واطوار، اخلاق وکردار بغیر کسی مبالغے کے اس طرح پیش کر دی جائے کہ جس کے لیے خاکہ قلم بند کیا جا رہا ہے اس کی جیتی جاگتی تصویر آنکھوں میں گھوم جائے۔ اگر مذکورہ شخصیت کے پوٹریٹ کے ساتھ ساتھ افکار وخیالات بھی ابھر کر سامنے آئیں تو کامیاب خاکہ کہلائے گا۔ جناب انور ظہیر خاں 'مت سہل ہمیں جانو' کے دیباچے میں رقم طراز ہیں:

> ''خاکہ کسی جسمانی اور ذہنی وجود کا ایکسرے ہوتا ہے یا پوسٹ مارٹم رپورٹ۔ اس میں شخصیت کو اس کے اصلی چہرے مہرے، رفتار کو احوال و آثار کے ساتھ ایک شگفتہ، شیریں، سلیس اور رواں پیرائے میں پیش کیا جاتا ہے۔ جہاں دال میں نمک کے برابر تخیل کی کارفرمائی تو ہو سکتی ہے لیکن ابہام، مبالغے اور غلو کی آمیزش ناقابل قبول ہوتی ہے۔ اس میں داخلی اور خارجی عناصر کو ہم آمیز کر کے دودھیا کاغذ پر اس طرح رکھا جاتا ہے کہ تمام تر حقیقت بیانیوں اور سفاکیوں کے ساتھ خاکے کے کردار سے ذاتی ربط و ضبط اور ہمدردی کا جذبہ موج تہہ نشیں کی طرح موجود ہو۔ ورنہ خاکہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جائے گا اور خاکہ نگار کا وقار مجروح ہوگا۔''(۱)

انور ظہیر خاں کے اس اقتباس کو پڑھنے کے بعد خاکہ نگاری کی توضیح ہو جاتی ہے اور ان کے بعد ڈاکٹر صابرہ سعید کے اس قول سے خاکہ نگاری کی مکمل توضیح ہو جائے گی۔ وہ لکھتی ہیں:

''خاکے کی کوئی ایسی جامع تعریف کرنا ممکن نہیں ہے جو اس کے تمام فنی اور ادبی پہلوؤں پر حاوی ہو، البتہ اس کے بنیادی اصول اور خط و خال کی یوں نشاندہی کی جا سکتی ہے کہ خاکہ ایک صنف ادب ہے اس کا سانچہ انشائیہ کا ہوتا ہے اور اس میں کسی شخصیت (حقیقی یا خیالی) کی زندگی، سیرت و صورت اور کارناموں کی کچھ جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں اور وہ شخصیت کے ایک ایسے مطالعے کو پیش کرتا ہے جس سے پڑھنے والوں کو جمالیاتی حظ حاصل ہو۔'' (۲)

ڈاکٹر صابرہ سعید کے اس اقتباس کے بعد محمد حسین آزاد کے تذکرے ''آبِ حیات'' کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ محمد حسین آزاد نے ہر شاعر کا چہرہ بشرہ، عادات و اطوار وغیرہ کو نہایت تندہی کے ساتھ پیش کیا ہے وہ آب حیات کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''جو حالات ان بزرگوں کے معلوم ہیں یا مختلف تذکروں میں متفرق مذکور ہیں انھیں جمع کر کے ایک جگہ لکھوں اور جہاں تک ممکن ہو اس طرح لکھوں کہ ان کی زندگی کی بولتی چلتی پھرتی تصویریں سامنے آن کھڑی ہو اور انھیں حیات جاوداں حاصل ہو۔'' (۳)

مذکورہ بیانات کی روشنی میں سید عباس متقی کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ خاکوں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

سید عباس متقی کو خاکہ نگاری پر خاصا عبور ہے انھوں نے بے شمار خاکے لکھے ہیں وہ جس شخصیت پر خاکہ لکھتے ہیں اس شخصیت کی کسی اہم بات کو فروگزاشت نہیں کرتے۔ راقم الحروف کا ماننا ہے کہ شخصیت جتنی نامعقول ہوگی پُر مزاح خاکہ اتنا ہی معقول ہوگا۔ شخصیت کی بے راہ روی خاکے کو راہ راست پر رکھتی ہے۔ شخصیت کی افراتفریط خاکے کے اندر مزاحیہ اور طنزیہ رنگ بھرتی ہے۔ راست رو اشخاص کا خاکہ توصیف نامہ بن کر رہ جاتا ہے۔

پروفیسر مظفر شہ میری کے خیال میں خاکہ نگار اپنے ممدوح میں اپنی ہی آئڈیل زندگی تلاشتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ خاکہ نگار کو وہی باتیں اور عیوب بھاتے ہیں جو اپنی ذات میں درجہ اتم پائے جاتے ہیں، اسی لیے تو سید عباس متقی لکھتے ہیں:

''ہم نے کچھ صاحبان فن کو اپنے فن میں طاق نہ ہونے کے سبب طلاق دے دی ہے
اور اپنے اور ان کے درمیان ایک طویل سد سکندری قائم کر لی ہے۔''(۴)

سید عباس متقی اپنے ممدوح میں اپنا آئیڈیل تلاش کرتے ہیں بالخصوص اپنے دوستوں اور ہم جماعت ساتھیوں کا انتخاب اسی کسوٹی پر کرتے آئے ہیں جب تک انھیں اپنا آئیڈیل ملتا ہے وہ بھی کھل کر ملتے ہیں، بلکہ ان پر کھل کر لکھ مارتے ہیں خواہ خاکہ ہو کہ مضمون، تہنیت ہو کہ قطعہ۔ بہرحال انھیں اپنا آئیڈیل عزیز ہے۔ یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

ہم دونوں نے ایک ساتھ یوں تو بہت سے کام شروع کیے ان میں ایک باقاعدہ روزنامچہ لکھنا بھی ہے۔ درجہ ششم میں تھے کہ ہم دونوں پر ڈائری لکھنے کا بھوت سوار ہوا اور یہ بھوت ہم دونوں پر آج تک سایہ فگن ہے۔ ہم تو خیر ڈائری برائے نام ہی لکھتے ہیں نہ فصاحت نہ بلاغت، نہ موعظت نہ کوئی پیشن گوئی، نہ دنیا کی باتیں نہ سیاست سے بحث، نہ تمدن حاضر پر طعن وطنز، لیکن پرویز کی ڈائری اچھی خاصی ادبی وتہذیبی دستاویز ہے۔ اگر اس کے روزنامچہ کو اس کا ادبی کارنامہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ وہ اپنے روزنامہ میں گویا نثری شاعری کرتا ہے۔ اب وہ ڈائری دکھائے تو کسے دکھائے اور کسے پڑھ کر سنائے۔ وہ کوئی مضمون یا مقالہ تو ہے نہیں کہ کسی محفل میں سنا کر داد تحسین حاصل کی جاسکے۔ ہم ایسے غریب الطبع آدمی ہیں کہ جو سنائے خوشی خوشی سن لیتے ہیں اور لہک لہک کر داد بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ پرویز ہماری ادب شناسی کو غنیمت جان کر اپنی ڈائری کے کچھ اوراق متبرکہ کو کبھی کبھی ہم پر نازل کرتا ہے تاکہ ہم اسے دیکھیں سمجھیں اور جانیں کہ ''دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا''۔(۵)

ڈاکٹر شفیق پرویز کا شمار سید عباس متقی کے ان دوستوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اسکول کا تعلیمی سفر ایک ساتھ طئے کیا تھا اور آج بھی دونوں دوست باہم محبت والفت کے پیکر ہیں۔

وہ جنھیں قریب رکھتے ہیں ان کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں اور انھیں کے بارے میں تمام معلومات کو جاننا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ان کے شاگرد رشید ڈاکٹر فخر عالم اعظمی میں اپنا آئیڈیل یوں تلاشتے ہیں:

''فخر عالم جو بھی سند رکھتے ہیں وہ جعلی نہیں حقیقی ہوتی ہے۔ اگر ارباب فن وفتن اپنے مفادات کے لیے ان کی اسنادات کو جعلی قرار دیں بھی تو وہ ہماری طرح مجبور ومعذور ومجہول نہیں کہ محض لعنۃ اللہ علی الکاذبین کا نعرہ مار کر خاموش ہوجائیں۔''(۶)

اسی طرح جناب یوسف روش سے بھی موصوف کے دیرپا روابط ہیں۔ دونوں میں بہت سی باتیں مشترک ہیں جیسے یوسف روش صاحب کا چہرہ بشرہ دیکھنے پر سراپا متقی ہونے کا گمان ہوتا ہے اور سید عباس تخلص ان کا آئینہ دار ہے۔ اس طرح سید عباس متقی اپنے جلیس خاص یوسف روش پر بھی ایک خاکہ سپرد قلم کر چکے ہیں اور اس خاکے میں جا بہ جا اپنا آئیڈیل ان میں ڈھونڈنے کی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں:

جب موصوف سے دوستی ہوئی اور دوستی نے اپنا رنگ جمایا تو حقیقت روشن ہوگئی اور روش کے دوسرے رنگ اپنی نیرنگیوں کے ساتھ نظر نواز ہونے لگے۔ اس کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ ہمارا تخلص ہی نہیں بلکہ آئینہ ہیں، جو جو خوبیاں بلکہ خامیاں ہم میں موجود ہیں مثلاً عشق و عاشقی، نغمہ سرائی، موسیقی، حسن پرستی، شعر گوئی، سنیما بینی، خاکہ نگاری، طنز و مزاح سے اٹوٹ وابستگی الا یہ کہ ہم عارض ماہ سا و لب ہائے گل گوں سے شراب دو آتشہ نچوڑ لینے کے عادی اور وہ کانچ کے پیمانوں سے بوس و کنار کے رسیا اور پھر ایک مؤمن کو گویا اپنا آئینہ مل گیا۔ المومن مرءۃ المومن۔'' (۷)

خاکوں کے متعلق سید عباس متقی کے وژن کا پتا لگانا چاہیں تو ہمیں ان کے مرقوم خاکوں میں جا بہ جا ان ہی کی صورت جلوہ گر نظر آتی ہے اور ان کے خاکوں میں ممدوح تو ہوتا ہی ہے لیکن وہ اپنے احوال و کوائف کو ضرور پیش کرتے ہیں اور اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ ان کی شخصیت متنازعہ فیہ ہے۔ اس کے اظہار میں انھیں کوئی تامل نہیں۔ سید انور علی کے خاکے ''یار کہن'' میں کہتے ہیں:

''ہماری شخصیت ہی کچھ ایسی متنازع فیہ ہے کہ آدمی جس قدر ہمارے قریب آتا ہے اتنا ہی ہم سے دور ہوتا ہے، اسی باعث ہم کسی کو بھی اپنے سے قریب ہونے کی اجازت نہیں دیتے، اپنی بیگم کو بھی نہیں۔ ہم کوئی فرشتہ تو ہیں نہیں کہ چوبیس گھنٹے تحفظ ذہنی سے کام لیتے رہیں۔ انسان واقع ہوئے ہیں۔ لہٰذا پیکر نسیاں ہیں۔ بہ ایں وجہ ہمارے ملنے والے تاریخ کی طرح بدلتے رہتے ہیں۔'' (۸)

اسی طرح اس خاکے میں مزید لکھتے ہیں:

''موصوف سے پہلی ملاقات کسی مسجد میں ہوئی تھی، آج کل زیادہ ملاقاتیں سنیما ہالوں میں ہوتی ہیں۔ دوسروں کی طرح وہ بھی ہمارے اخلاق ظاہری سے کافی متاثر ہوگئے تھے بعد میں بہت سوں کی طرح ان کا تاثر بھی ختم ہوگیا۔ پہلے پہلے بہت جھک کر ملتے تھے، بعد میں صرف جھک کر ملنے لگے اور اب صرف مل لیا کرتے ہیں۔'' (۹)

سید عباس متقی اپنے احوال میں اپنی غلطیوں، خامیوں، بری عادتوں اور علمی وادبی نقائص کو بھی لکھ چھوڑنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ اپنی بے صبری کا تذکرہ کرتے ہوئے ''شگوفہ کا نیا شگوفہ'' میں رقم طراز ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کی بہت سی باتیں بہت لوگوں کو ناگوار لگتی ہیں اب جو پیکر صبر ہوتے ہیں وہ چپ رہتے ہیں اور جن کا دامن تحمل وشکیبائی سے تہی ہوتا ہے وہ ہماری طرح کہہ دیتے ہیں یا لکھ مارتے ہیں۔''(۱۰)

اپنی لاؤبالی کی بابت فرماتے ہیں:

''جہاں ہم ہوتے ہیں وہاں وقت گھٹنے ٹیک دیتا ہے، زہد مجبور ہو جاتا ہے، تقویٰ چولا بدل دیتا ہے، انا وابا دونوں گمراہ ہو جاتے ہیں، کفایت شعاری راستہ بھول جاتی ہے۔''(۱۱)

سید عباس متقی شاعری میں بھی کمال رکھتے ہیں وہ غزل کی بہ جائے نظم گوئی میں کھل کر سامنے آتے ہیں۔ ان کی غزلیں باوجود عشق مجازی کے نظم نگاری کے مقابلے میں ماند پڑتی ہیں۔ انھوں نے نظم نگاری کی تقریباً اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ وہ بیک وقت اردو اور فارسی میں شاعری کا زبردست ملکہ رکھتے ہیں۔ قطعہ تاریخ لکھنا اور اس قطعے سے تاریخ نکالنا ان کا محبوب مشغلہ ہے اس طرح کئی موقعوں پر انھوں نے تہنیتی، تعزیتی، توصیفی، تضحیکی قطعات تخلیق کیے ہیں۔ ایک دفعہ انھوں نے مولانا جلال الدین حسامیؒ کے اشتعال پر قطعہ تاریخ وفات لکھا تھا جس پر ان کے شاعر دوست نے انھیں تنبیہ فرمائی اس سارے واقعے کو بے باکی سے بیان کرتے ہیں:

''جب حکیم حاذق و عالم دین حضرت العلامیہ جلال الدین حسامی نور اللہ مرقدہ کا انتقال ہوا تو ایک شاگرد رشید کی حیثیت سے ہم نے ایک قطعہ تاریخ وفات کہہ دیا اور وہ اخبار میں شائع ہوا۔ دوسرے دن علی الصبح روش بھائی دروازے پر نظر آئے۔ ہاتھ میں اخبار کا تراشہ تھا، تیور بگڑے ہوئے انداز برانگیختہ لفظوں میں چبھن، جملوں میں کچوکے۔۔۔ کہنے لگے آپ اردو کے پروفیسر ہیں اور فن تاریخ گوئی میں اس قدر کمزور، ہم نے کہا روش بھائی آپ کے منھ میں گاؤں کا اصلی گھی اور شہر کی شکر، آخر بات کیا ہے، ارشاد فرمایا۔ تاریخ غلط ہوگئی ہے کل سے کئی بار حساب جوڑ چکا ہوں۔ ہم نے کہا روش بھائی! ایزی لیجئے! ماہر فن تاریخ گوشعرا نے بھی کہیں کہیں ٹھوکر کھائی

ہے اور ہم تو ابھی بچے ہیں اگر تاریخ بر آمد نہیں ہوتی تو جانے دیجئے آپ کا کیا بگڑتا ہے اور آپ دوستوں پر کیوں بگڑتے ہیں۔ ہم نے کہا کتنے کا فرق ہے، روش بھائی بولے پورے پانچ اعداد کا ہے آپ نے پانچ کا عدد لیا ہی نہیں ہم نے کہا محض پانچ سے کیا ہوتا ہے جانے دیجیے آئندہ پورے حروف گن لیا کریں گے۔ ہم نے لکیر کھینچ کر سنہ تو برابر لکھ دیا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ وہ مغل اعظم کے پرتھوی راج کی طرح غصے سے لرزنے لگے۔ ایسا معلوم ہوا کہ ایک چنگاری تھی جوان کے پائے اقدس میں گھس کر شعلہ جوالہ بنتی ہوئی ان کے تالوئے مبارک سے باہر نکل گئی ہے۔'' **(۱۲)**

سید عباس متقی طنز و مزاح کے افق پر اپنی شناخت رکھتے ہیں لیکن طالب علمی کے دور میں وہ نہایت نٹ کھٹ اور شوخ مزاج واقع ہوئے تھے جس کی بابت خود رقم طراز ہیں:

''ہم تو استادوں سے پٹائی کو بھی ایک سعادت سمجھتے ہیں، دیکھو ہمیں جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو۔ کس کس چیز کو نہ آزمایا گیا' استادوں بزرگوں اور بہی خواہوں نے ایک توپ داغنی باقی رکھی۔ ورنہ ہاتھ' گال' ٹانگیں نیلی ہوجانا یہ تو معلوم کا معاملہ تھا' این سعادت بزور بازو نیست' تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔ وہ تو ہم جیسے بہادر ابن بہادر کا حوصلہ ہے کہ دونوں ہاتھ ہوم ورک نہ کرنے کے سبب متورم ہو گئے ہیں' جغرافیہ کے استاد نے پیٹھ پر ہتھڑ مار مار کے براعظم یورپ اور براعظم ایشیا کے نقشے بنا ڈالے۔ پہاڑے یاد نہ کرنے کی پاداش میں از صبح تا نصف النہار بنچ پر ایک مضبوط چٹان کی طرح کھڑے ہیں۔ تلگو کے پنڈت نے اپنی مہربانی سے دو دو گھنٹے مرغا بنا کر بانگ دینے کے موقف میں لا کھڑا کردیا ہے' لیکن کیا مجال جو ہماری فلک آثار استقامت میں کوئی فرق آیا ہو۔ کیا مجال جو آفاقی ہمتیں پست ہوئی ہوں' شرارتیں جاتی رہی ہوں' شوخیاں رخصت ہوئی ہوں' قہقہوں سے باز آئے ہوں، تعلیم پر توجہ دی ہو۔'' **(۱۳)**

یہ بیش تر اردو خاکوں اور خاکہ نگاروں کی اجارہ داری رہی ہے کہ اکثر خاکوں میں خاکہ نگار اپنے ممدوح سے زیادہ خود اپنی تعریف کی فکر میں رہتا ہے اور ان بیش تر خاکہ نگاروں کی اگر فہرست بنائی جائے تو بلا مبالغہ سید عباس متقی ان میں سر فہرست تو نہیں بعد از سر فہرست ضرور دکھائی دیں گے۔

یہی دیکھیے کہ خاکہ ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال پر لکھا جا رہا ہے اور اس میں ممدوح کے ساتھ اپنا ذکر بھی کس خوبی سے کر رہے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب جب تلاش بسیار پر آتے ہیں تو شہنشاہ جذبات جیسی غیر معمولی شخصیتوں کو پالیتے ہیں اور جب ان کا موڈ نہیں ہوتا تو شگفتہ قلم یعنی کہ عباس متقی جیسی معمولی شخصیتوں کو نہیں پاسکتے۔''(۱۴)

حیدرآباد کی ایک انجمن نے انھیں ''شگوفہ کا نیا شگوفہ'' کے خطاب سے نوازا ہے ایک اور خاکے میں لوگوں نے جوان سے ادبی اور علمی کام لیے ہیں اس کا تذکرہ کرتے ہیں:

''پزیرائی تو کیا ہوگی بے اعتنائی کا ہنوز غم جھیل رہے ہیں، یاروں نے ہم سے کتابوں پر مقدمات لکھوالیے، دوستوں نے اپنے دوستوں کے مقالہ جات لکھوالیے۔ احباب نے مضامین کے مضامین لکھوالیے اور جواباً وہ بتا دیا جس کے دانوں میں پروٹین بہت ہوتا ہے۔''(۱۵)

اسی طرح اپنے شاگرد رشید کے خاکے میں اپنا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ شاگرد کو زمانے کے نشیب وفراز سے آگاہ اور متنبّی کررہے ہیں:

''ظاہر ہے کہ اسفل سافلین قسم کے لوگ جب اقتدار پر آتے ہیں تو علم وفن نہیں دیکھتے ''تن'' دیکھتے ہیں یا پھر ''دھن'' دیکھتے ہیں۔ اگر وہ کسی سے عبرت نہیں لے سکتے تو اپنے استاد ہی سے عبرت لیں کہ ہم نے بھی کبھی انٹرویو دیا تھا اور درجہ اول آئے تھے۔ کمینوں نے گدھوں کا انتخاب کیا اور آج تک ہم کہ اسپ تازی تقدیر کا چابک کھاتے ہوئے سر پٹ دوڑ رہے ہیں۔ منہ میں حلت وحرمت کی لگام لگی ہے، گلے میں شرافت کے گھنگرو بندھے ہیں، آنکھوں پر یک درگیر ومحکم گیر کی اندھیری سجی ہے، گھر سے اسکول جاتے ہیں اور اسکول سے گھر کو آتے ہیں، اسرار خودی ورموزی بے خودی پڑھانا چاہتے ہیں لیکن ایک گائے اور بکری پڑھا رہے ہیں، فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم جیسی کتابوں کے رموز سمجھانے کی آرزو رکھتے ہیں اور بچوں کو پڑھاتے ہیں ''کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچہ''۔ ایمان لانا پڑتا ہے کہ علم وفن کا روزگار سے کوئی تعلق نہیں۔''(۱۶)

اپنے دوست الحاج محمد عبدالباسط خاں کے خاکے میں بھی وہ بہ نفس نفیس جلوہ گر نظر آتے ہیں:

''باسط خاں جب ایم۔فل کررہے تھے تو روز اُن سے ملاقات ہوتی تھی، وہ اپنی تحریر کے نوک پلک درست کروانے غریب خانے پر ٹپک جایا کرتے تھے۔ ان کے تحریر کے نوک پلک درست کرنا ہمارے لیے بہت مشکل تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی نہایت فرماں بردار شوہر اپنی چڑ چڑی بیوی کو خط لکھوار ہا ہو اور اماں آپا سے ہٹ نہیں رہا ہو۔ ہم نے کہا باسط مواد تمہارا بیان ہمارا۔ بس جو لکھاؤں بے تکان صرف لکھتے جاؤ۔ ایم۔فل ہوجاؤ گے۔ اس طرح ہم نے بہت سوں کو ایم۔فل ہی نہیں پی ایچ۔ڈی کروادیا ہے۔''(۱۷)

سید عباس متقی جب اپنے ممدوح کا سراپا بیان کرتے ہیں تو وہ اس قدر منہمک ہو جاتے ہیں کہ ممدوح کی صورت آنکھوں میں گھوم جاتی ہے۔ وہ دوستوں، استادوں، شاگردوں اور ملاقاتیوں پر لکھے گئے خاکوں میں وہی طنز و مزاح کا پہلو رکھتے ہیں۔ انھیں اس بات کا بالکل پتا نہیں ہوتا ہے کہ خاکہ استاد پر لکھا جا رہا ہے اس میں صرف استاد کے اچھے خدوخال ہی آنا چاہیے یا یہ کہ خاکہ شاگرد پر ہے اس میں اپنے بیان کو محتاط رکھنا چاہیے۔

بات دراصل یہ ہے کہ وہ کسی بھی شخصیت پر اتنا آسانی سے خاکہ نہیں لکھتے۔ وہ اپنے ممدوح کے تمام نقوش کو اپنے ذہن کے کسی گوشے میں محفوظ کر لیتے ہیں اور ان کے لیے نت نئے پرمزاح اسلوب کا سہارا لے کر خاکہ تراشتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خاکوں میں سراپا پڑھنے کے بعد اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ ممدوح ان کے استاذ ہیں، شاگرد ہیں، دوست ہیں آخر کیا ہے؟ دیکھیے:

مولانا الحاج محمد حمید الدین عاقل حسامی حیدرآباد دکن کی ایک معروف ومقبول عالمِ دین تھے۔ انھوں نے بہت سوں کو کلمہ پڑھا کر دائرۂ اسلام میں داخل کروایا۔ نیز ان کے مناسب رشتے بھی طئے کیے۔ سید عباس متقی ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ”مولانا عاقل اپنے شباب میں یوسف ثانی تھے اور سارا شہر زلیخا بنا ہوا اسیر محبت تھا۔ وہ اٹھتے تو دلوں میں الفت کے شعلے اٹھا کرتے تھے اور وہ بیٹھتے تو عاشقوں کے دل بیٹھ جایا کرتے تھے۔ صورت ایسی پائی تھی کہ چندے آفتاب اور چندے ماہتاب کے ضرب الامثال اپنی مکمل رعنائیوں کے ساتھ حضرت پر چسپاں ہوتے تھے۔ خدا نے چہرے میں وہ نور رکھا تھا کہ جو دیکھتا مجبور ہاتھوں سے دل رکھ دیا کرتا تھا۔ سفید شملہ اور اس پر چاندنی جیسی اجلی اوڑھنی معلوم ہوتا کہ ”سحر البیان“ کا بدر منیر جلوہ گر ہے۔ عشاق صادق معشوق چہاردہ کو اس محبت سے نہیں گھورتے جس طرح ایک عالم حضرت کو تکا کرتا تھا۔ معلوم ہوتا کہ ایک فرشتہ آسمانی زمین کی سیر فرمانے محلّہ پنچہ شاہ چلا آیا ہے۔ اولیاء کی وہ ذات و روایات جو ہم نے کتابوں میں پڑھی تھی، دیدہ و دانستہ جلوہ گر ہے۔ مستزاد حضرت کی پرلطف، من موہ اور دل نواز گفتگو کہ سننے والے انگشت بدندان دریائے حیرت میں غوطہ زن نظر آتے۔“ (۱۸)

ڈاکٹر ضیا الدین احمد شکیب سے سید عباس متقی کے دیرینہ مراسم ہیں چنانچہ سید عباس متقی نے ایک عبقری شخصیت سے ملاقات نامی خاکہ ان ہی کی نذر کیا ہے۔ جس کا سراپا اس طرح ہے:

''ستواں ناک، آفتابی چہرہ، گہری آنکھیں، دودھ کی طرح اجلا رنگ، شرح و بسط کا جائزہ لیتی ہوئی عمیق نگاہیں، مختصر لیکن دیدہ زیب ڈاڑھی، مضبوط ہاتھ پاؤں، عزم و حوصلے سے مملو سراپا، کردار و خلق کی خوش بو بکھیرتے ہوئے تیور جو کبھی کبھی زود خفگی کی چغلی بھی کھا رہے تھے۔ دل کش انداز، من موہ لہجہ، گرم دم جستجو اور نرم دم گفتگو کا آئینہ دار پیکر۔''(۱۹)

الیاس مسعود خان کا سراپا پڑھیے، لگے گا کہ موصوف آپ کے سامنے کھڑے ہیں:

''گورا چٹا رنگ' کھڑی ناک' کشادہ پیشانی' آفتابی چہرہ' کم گوئی سے مزین مختصر دہانہ، فکر و ذہانت کی غمازی کرتی ہوئی حسین آنکھیں، (یقین ہے کہ کسی زمانے میں حسینائیں ان آنکھوں کو دیکھ کر کہتی ہوں گی کہ ''تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے۔'') خاندانی شرافت و جبلی نجابت کا آئینہ دار، پرنور چہرہ اس پر وضع دار سرخ و سیاہ' گہری اور خار آثار مونچھیں جو دنیائے نزاکت عارض گلگوں و لب ہائے مئے گوں میں باعث نالہ و فریاد ہی کیوں نہ ہوں لیکن اقلیم وجاہت کے شہ سواروں میں سبب وقار و باعث افتخار گردانی جاتی ہے۔ ان کی بانکی اور وضع دار مونچھیں دیکھنے کے بعد کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ اپنی ریا و تصنع سے آراستہ ڈاڑھی انھیں گزران کر اس کے معاوضہ میں ان کی بے ریا و مخلص مونچھیں حاصل کرلیں۔ ان کے سراپا کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اگر لائق استاد نہ ہوتے تو ایک کامیاب ہیرو ضرور ہوتے۔''(۲۰)

مجھے یوسف روش جو حیدرآباد کے کہنہ مشق شاعر ہیں، کا سراپا بہت عمدہ لگا:

''ہم نے جب پہلی بار یوسف روش کو دیکھا تو انھیں اپنا تخلص سمجھا۔ سراپا متقی معلوم ہوتے تھے۔ مقطع چہرہ، سینہ پر لہراتی ہوئی ریش طویل، آواز اذان پر لگے ہوئے کان، منبر و محراب سے روحانی نسبت، تسبیح و مصلے سے قربت، ذکر و شغل کی خو، تہذیب و تمدن کی خوش بو، ایمان و ایقان کا پیکر، عشق نبوی کا مجسمہ، حق گوئی و بے باکی کا نمونہ، روباہی و دل آزاری سے تنفر، تصنع و پرکاری سے توحش۔''(۲۱)

سید عباس متقی کے رفیق دیرینہ دوست ڈاکٹر شفیق پرویز کا سراپا دیکھیے جس میں سابقوں کی بھرمار ہے:

''وہ بچپن ہی سے خوش اخلاق' خوش شکل' خوش پوش اور خوش مذاق واقع ہوا ہے۔ رنگ سرخ و سفید' بڑی بڑی خمار آلود آنکھیں' کھڑی ناک' بھرے بھرے گال' چہرے پر تمکنت کے نقوش تو ماتھے پر اقبال مندی کے آثار مستزاد یہ کہ خاندانی خوشحالی نے اس میں ایک بانکپن بھی پیدا کر دیا تھا۔''(۲۲)

ڈاکٹر عمران اعظمی یوں تو اعظم گڑھ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن حیدر آباد جب سے آئے ہیں پھر کبھی مڑ کر اپنے وطن کو نہیں دیکھا اس طرح حیدر آباد کو انھوں نے وطن ثانی بنا لیا ہے۔ وہ بیک وقت کئی زبانوں پر نہ صرف دست رس رکھتے ہیں بلکہ ان زبانوں میں شاعری کرنے کا زبردست ملکہ بھی رکھتے ہیں۔ موصوف کو آج تک کسی نے خاموش نہیں دیکھا۔ بہت ممکن ہے اسی مناسبت سے سید عباس متقی نے ''عجیب شخص ہے'' کے نام سے ان کا خاکہ کھینچا ہے جس میں سراپا پڑھتے جایئے تو معلوم ہوگا کہ خاکہ نگار نے کس چابک دستی سے ان کی تصویر کھینچی ہے:

''عمران بھائی کو جب ہم نے پہلی بار دیکھا تو انھیں سالک مجذوب اور مجذوب سالک قسم کا کوئی آدمی سمجھا معمولی کرتا، معمولی لنگی، معمولی ٹوپی اور اس پر معمولی صافہ (لیکن ہمیں کیا خبر تھی کہ ان معمولی چیزوں میں ایک غیر معمولی شخصیت چھپی ہوئی ہے)، سینے پر لہراتی ہوئی ریش طویل، گہری نگاہیں، مطالعہ فطرت کی خوگر آنکھیں، گھٹیلا بدن جو ضعیفی کے باوصف ہنوز الف ہے۔ آواز میں پختگی اور انداز میں سادگی مضبوط ہاتھ پاؤں، ان سے مضبوط عزم اور ارادے، تبحر علمی، صاف گوئی اور بے باکی یہ ہے ہمارے شہر کی مشہور ہستی اور ہمارے پر خلوص و پراسرار دوست جناب پروفیسر ڈاکٹر عمران اعظمی۔'' (۲۳)

ڈاکٹر فخر عالم اعظمی سید عباس متقی کے ایک قابل شاگرد ہیں۔ ان کے متعلق خاکے کو سید عباس متقی نے ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم اعظمی'' کا نام دے کر ثابت کر دیا ہے کہ استاذ کو اپنے شاگرد کی علمیت، بلندی اور وقار سے کتنا پیار ہوتا ہے۔ یہی نہیں موصوف نے اس خاکے کو اتنا طول دیا ہے کہ وہ خود علاحدہ ایک کتابچہ کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ سراپا دیکھیے:

''فخر عالم سیرۃً ہی نہیں صورۃً بھی پیدائشی شاعر معلوم ہوتے ہیں اور وہ نقوش صمدانی و آثار حیرانی و پریشانی کہ جو ایک فطری شاعر پر گویں ناگزیر ہوتے ہیں ان میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں، جو انھیں ایک بار دیکھتا ہے بس دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ اب خدا معلوم کیا سمجھ کے دیکھتا ہے۔ کچھ لوگ تو ان کی طویل اور ادھر ادھر بل کھائی ہوئی زلفوں کے سبب ڈر بھی جاتے ہیں پتا نہیں یہ کیا کر گزریں۔ بچے اپنی ماؤں سے چمٹ جاتے ہیں اور مائیں اپنے بچوں کے باپوں سے۔'' (۲۴)

چاند بھائی سید عباس متقی کے نہایت معتقد، مخلص دوست ہی جو دراصل پانچ مساجد کے خادم ہیں سید عباس متقی نے اپنے دیرینہ مراسم کی بنیاد پر ان پر بھی خاکہ قلم بند کر دیا ہے۔ سراپا ملاحظہ کیجیے:

''سیاہ فام، گھنی، گنجان اور طویل ڈاڑھی، چیچک کی تاریخی باقیات سے مزین متبسم چہرہ، پان کی سرخی سے آلودہ دندان و دہن، معیانہ قد، گھٹیلا صاف وشفاف بدن ، دھلے دھلائے اجلے اور سفید کپڑے، سر پر منتخب رومال ، باتیں بھی کچھ ایسی باریک اور معنی خیز کرتے ہیں کہ سامع حیران رہتا ہے کہ یہ غیر تعلیم یافتہ شخص کس مقام عالیہ سے ارشاد فرما رہا ہے۔ گوان باتوں میں کچھ ملنگ باتیں بھی شامل ہوتی ہیں لیکن باتیں ہوتی بڑی دلچسپ ہیں۔'' **(۲۵)**

یہی نہیں سید عباس متقی اپنے ایک بزرگ دوست پر بھی خاکہ لکھا ہے، جوان کے شب وروز کے ساتھی تھے۔ جب تک وہ بقیدِ حیات رہے انھوں نے کبھی سید عباس متقی کو تنہا نہ چھوڑا۔ اس طرح موصوف نے یار کہن کے نام سے اپنے بزرگ دوست سید انور علی کے لیے بھی خاکہ تیار کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

''انور صاحب صورۃً شریف ہی لگتے ہیں، جوانی کا حال اللہ خوب جانتا ہے، بڑھاپے کی گواہی ہم دیں گے۔ بلیک اینڈ وہائٹ ڈاڑھی جیسے ہندوستان اور پاکستان کی تقسیم، طوطے کی گھسی ہوئی چونچ کے مانند ناک جو اکثر تابناک رہتی ہے۔ ناک کے دونوں نتھنوں سے جھانکتے ہوئے بال جنھیں موصوف بڑی بے دردی سے کتر دیا کرتے ہیں اور بعض وقت ناک کتر لیا کرتے ہیں۔ اوپر کا ہونٹ، نیچے کے ہونٹ سے دو قدم آگے۔ منہ میں پورے چونتیس دانت، دو دانت اوپر کے مسوڑوں میں زائد۔'' **(۲۶)**

سید عباس متقی اپنی تحریروں کو جہاں ممدوح کی تعریف، توصیف اور بڑائی بیان کرتے ہیں وہیں ان کا قلم انھیں تنبیہ کرنے اور ان کے عیوب گنانے سے تک نہیں چوکتا۔ یہاں پر بھی وہ ممدوح کے ساتھ ہر دو صورتوں میں اپنی ذات کو شامل رکھتے ہیں۔ بسا اوقات ممدوح کی صرف توصیف سے کام لیتی ہیں۔

مظفر النساء ناز جو حیدرآباد کی ایک بلند پایہ شاعرہ اور بزم خواتین کی روح رواں ہے، کے بارے میں خاکہ نگار نے لکھا ہے:

''وہ اس نکتے کو خوب جانتی ہیں کہ فیاضی انسان کو ہر دل عزیز بناتی ہے اور خساست و کنجوسی ذلیل کرتی ہے۔ جس طرح ناز صاحبہ کا ہاتھ کشادہ ہے اسی طرح ان کا دل بھی کشادہ ہے۔ وہ ملتی ہیں تو دل کھول کر، بات کرتی ہیں تو کسی تحفظ ذہنی کے بغیر، لکھتی ہیں تو ہر مصلحت سے پرے ہو کر۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ ان کے ہاں کوئی بھید بھاؤ نہیں انکی سہیلیوں میں جس طرح مسلم خواتین ہیں اسی طرح ہندو خواتین بھی ہیں اور وہ سب سے شفقت و مہربانی سے پیش آتی ہیں۔'' **(۲۷)**

''جب ہم ناز صاحبہ کی حیات کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ناز صاحبہ کے قلم سے کسی انسان نے کوئی زحمت نہیں اٹھائی، ناز صاحبہ کی زبان نے کسی کا دل نہیں دکھایا، ناز صاحبہ کے اقتدار نے کسی کے جذبات کو مجروح نہیں کیا۔ ناز صاحبہ کے روئے قدس آثار کی ملاحت اور اس عمر میں اس درجہ ملاحت ان کے قیام و رکوع کا غازہ اور سجود حق کا سرمایہ ہے، واقعی خلیق اور متدین افراد عالم ضعف میں بھی اسی بانکپن کے ساتھ ورد انفاس رکھتے ہیں۔'' (۲۸)

بعض دفعہ وہ اپنے ممدوح کی تعریف میں مبالغہ کی حد کو بھی چھو جاتے ہیں:

''ایک روز ایک عجیب وغریب ڈش کھلائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ میں نے آپ حضرات کے لیے بنائی ہے۔ ڈش بہت لذیذ تھی ہم نے تو محض انگلیاں چاٹنے ہی پر اکتفا کیا لیکن بعض لوگوں نے برکت کے حصول کے لیے رکابی کو گھول کر پی لیا۔'' (۲۹)

شاگرد رشید کی زبان دانی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سنسکرت جیسی ادق زبان بھی سیکھی بلکہ اس میں اس طرح ملکہ پیدا کیا کہ جب یہ اپنے مخصوص انداز میں اشلوک پڑھتے ہیں تو پنڈتوں کو پسینہ آ جاتا ہے۔'' (۳۰)

سید مصطفیٰ کمال مدیر شگوفہ ہی ساتھ ہی ساتھ رفیق شگفتہ قلم بھی ہیں چنانچہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب ہمیشہ چاق و چوبند رہتے ہیں، وقت کے اس قدر پابند کہ لوگ اپنی سل کی گھڑیاں ملا لیتے ہیں، ذرا دیر ہو جائے تو بہت خفا ہوتے ہیں اور جب خفا ہوتے ہیں تو ان کا چوکڑا ان کی مرضی کے خلاف متزلزل ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ ہم نے انھیں چوکڑے کے بغیر دیکھ لیا لگا زندگی میں پہلی بار دل سے مسکرا رہے ہیں۔'' (۳۱)

ایک اور مقام پر سید مصطفیٰ کمال کی توصیف میں رقم طراز ہیں:

''ڈاکٹر مصطفیٰ کمال بہرحال مبارک باد کے مستحق ہیں کہ جنھوں نے نہایت پامردی سے طنز و مزاح کی مسلسل خدمات کو خود پر واجب کر رکھا ہے۔ یقیناً اس ادارے پر کچھ موسم ایسے بھی آئے جن میں ہمتیں پست کرنے والے بادِ صرصر کے جھونکے چلے جھلسا دینے والی آندھیاں اٹھیں، گرداب مایوسی نے پائے استقلال کو متزلزل کرنے کی کوشش کی، دیوار بیزاری نے سد باب کا تہیہ کر لیا لیکن مصطفیٰ کمال نے واقعی کمال دکھایا اور بازوؤں کو شل کر دینے والے فلک بوس تموج میں اپنے سفینہ شوق کو ساحل مراد تک پہنچایا۔'' (۳۲)

سید عباس متقی نے ڈاکٹر فخر عالم آعظمی کی توصیف میں رطب اللسان ہیں:

''عالم کو شاید عقل و عمیق نگاہی کچھ اضافہ ہی ملی ہے تب ہی تو وہ لوگوں کی بے تکی اضافتوں کو پکڑ لیتے ہیں۔ ابھی ہم جن باتوں کو سن کر اس کے معانی و مفاہیم پر ہی غور کرتے رہتے ہیں کہ عالم ان باتوں سے درست اور نا درست جملوں کو الگ، درست جملوں سے غلط لفظوں کو الگ، غلط لفظوں سے غلط تراکیب کو الگ اور غلط تراکیب سے غلط تلفظ کو الگ کر لیتے ہیں۔ پتا نہیں انھوں نے یہ چھلنی کہاں سے لائی ہے کم بخت اس چھلنی نے ان کی شخصیت کو چھلنی کر دیا ہے۔ لوگ اعلی ظرف ہوں تو منھ در منھ ٹوک دیتے ہیں اور اعلی ظرف نہ ہوں تو ہمیں روک لیتے ہیں تا کہ ہم پر اپنے علم و عرفان کا نزلہ اتار سکیں۔'' (۳۳)

اسی خاکے میں اس طرح بھی کہتے ہیں:

''عالم اتنے صاف دل اور زود گو اور حاضر جواب واقع ہوئے ہیں کہ اظہار رائے میں کسی معقول قدغن کو خاطر میں لاتے ہیں نہ نامعقول بندش کو اور آواز بھی اتنی بلند پائی ہے کہ زمین پر کہیں تو آسمان سن لے۔ چنانچہ ان کا دل ان کے احساسات کا ترجمان، ان کی زبان ان کے دل کی تابع، ان کے الفاظ ان کی زبان کے مطیع، ان کا لہجہ ان کے لفظوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جب وہ شروع ہوتے ہیں تو سننے والوں کو سوچنا پڑتا ہے کہ خدا معلوم کہاں جا کر رکیں گے، بلکہ رکیں گے بھی یا نہیں اور اس عرصہ میں سننے والے دل تھام کر سنتے ہیں کہ کہیں کوئی نشتر جانب خویش شرف انتساب نہ حاصل کر لے۔ وہ اتنا حق بولتے ہیں کہ حق گوئی کے دعوے دار بھی پر تولنے لگتے ہیں، بعض وقت تو ان حضرات کو بھی خاطر میں نہیں لاتے جنھیں خاطر میں لاتے لاتے ہم بوڑھے ہو گئے۔'' (۳۴)

اس قول کے بعد یہ کہنا بھی بجا معلوم ہوتا ہے:

''ہم نے عقیدت کی عینک لگا کر شریفوں کو دیکھا ہے وہ حقیقت کی عینک لگا کر کمینوں کو دیکھ لیتے ہیں۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ عالم کا دیکھنا اور ہے اور فخر عالم کا دیکھنا اور ہے۔'' (۳۵)

اپنے استاذ پروفیسر مغنی تبسم کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہیں:

''ہم نے دانشوروں، عالموں اور واعظوں کو تک اپنے ہم عصروں کی غیبت کرتے سنا ہے لیکن پروفیسر مغنی تبسم سے کسی ہم عصر و ہم مرتبہ کی غیبت کرتے نہیں سنا یہ ان کے کردار کی پختگی کا ایک روشن پہلو ہے۔'' (۳۶)

سید عباس متقی نے اپنے استاذ محترم مولانا حمید الدین عاقل کی تعریف کے دوران کس خوبی سے اپنا خطاب پیش کرتے ہیں دیکھیے:

''غرض ان ہجویہ الفاظ کو ہم نے دین دار، راست گو، متقی، دنیا بیزار، ملت نواز، دوراندیش، خیر خواہ، خوب رو وخوش خو جیسے حمدیہ الفاظ سے بدل دیا۔ اگر ہم اتنا بھی کمال نہ دکھا سکیں تو ہمارے لیے ''شگفتہ قلم'' جیسا خطاب بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ مستزاد یہ کہ نہ مصرعے وزن سے خارج ہوئے نہ بحر ہی میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔ لوگوں نے کہا حضرت کل آپ نے جس شخص کی مذمت فرمائی تھی آج اسی کی اس حد تک تعریف کرتے ہیں تو ہم نے کہا حضرت ہم اپنے پیر کے مرید ہیں کسی پلید کے مرید نہیں اور لگے ہاتھوں وہ واقعہ بھی سنا دیا جو بیگن کے قصے کے نام سے مشہور ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک دفعہ بیگن تناول فرما کر انگلیاں چاٹتے ہوئے بیگن کی تعریف فرمائی تو وزیر نے کہا قبلہ وکعبہ اسی لیے خدا نے اس کے سر پر تاج رکھا ہے۔ دوسرے دن بادشاہ نے درد شکم کی تاب نہ لا کر بیگن کی مذمت فرمائی تو وزیر نے کہا جہاں پناہ اسی لیے خدا نے اس کے سر میں میخ ٹھونکی ہے۔ بادشاہ حیران رہ گیا تو وزیر نے کہا کہ عالم پناہ میں آپ کا غلام ہوں بیگن کا غلام نہیں۔'' (۳۷)

محترم حمید الدین عاقل جب بھی وعظ فرماتے تھے لوگوں کا اژدہام رہتا تھا۔ نوجوان بہ کثرت ان کے بیانات سنتے تھے راقم الحروف کو بھی ان کے مواعظ و مضحکات سے مستفید ہونے کا شرف رہا۔ سید عباس متقی نے ان کے وعظ کی بابت جو لکھا ہے، بجا لکھا ہے:

''مولانا حقیقی معنی میں ایک کراماتی شخصیت ہیں۔ بحمد للہ تعالیٰ آج ۱۹۵۷ء سے ۲۰۰۷ء تک پوری نصف صدی سے عید گاہ میر عالم میں عیدین کے موقع پر مسلسل خطاب فرمارہے ہیں، کیا یہ ایک کرامت نہیں اور پھر تین تین گھنٹے دوزانو بیٹھے وعظ فرماتے ہیں۔ سننے والوں نے ہزار دفعہ زانو بدل بدل کر سنا لیکن کہنے والے نے جتنا کہا دوزانو کہا اور کیا مجال جو آثار تکان نے کہیں اپنا اثر دکھایا ہو۔ وہی سرشاری وشادمانی وہی سرسبزی وشادابی کہ اس چمن لالہ زار و گلشن نو بہار کا خاصہ تھی تین گھنٹے کی محنت شاقہ کے بعد بھی بعینہ موجود ہے۔ وہی انار وہی پھلجھڑیاں اور وہی آتش بازی ہے اور وہی سرفرازی ہے۔ وہی گفتگو ہے وہی گفتگو میں خوبو ہے۔ بزم وعظ کے بعد ایک مختصر سی محفل مکرر منعقد ہوتی جس میں حضرت کے چاہنے والے اور عقیدت مند جمع ہوا کرتے، کوئی نہ کوئی شخصیت عنوان ظرافت قرار پاتی اور یوں حضرت کے ارشادات عالیہ سے محفل زعفران زار ہو جاتی۔ لطیفہ گوئی کا طریقہ اور لطیفہ سازی کا قرینہ کوئی حضرت عاقل سے سیکھے کہ عقل و دانش جبہ سائی کرتی نظر آتی ہے تو دیدہ و دل تعلیم و تدریس کے موتی رولتے دکھائی دیتے ہیں۔'' (۳۸)

جناب یوسف روش کے اوصاف حمیدہ گنواتے ہوتے اپنی رائے یوں پیش کرتے ہیں:

''حضرت عجیب قلندر واقع ہوئے ہیں جب توبہ توڑتے ہیں تو اخبار میں شائع کرتے ہیں کہ کس کے ساتھ توبہ توڑی ہے اور توبہ شکنی کی تاریخ کیا تھی نیز وہ شبھ گھڑی کیا تھی اور اس طرح جس بدنصیب کے ساتھ وہ توبہ توڑتے ہیں وہ خود ایک تاریخ بن جاتا ہے۔ چنانچہ روش بھائی کے پاس ایک لسٹ ہے جس میں ان نامبارک ونامسعود ہستیوں کے اسماء گرامی مرقوم ہیں جن کے ساتھ حضرت نے یا جام اٹھایا تھا یا جام توڑا تھا۔'' (۳۹)

پھر یہ بھی دیکھیے کہ یوسف روش کا کیا حال ہے:

''انھوں نے پندرہ سالوں کے ان تمام مشاعروں کو باضابطہ لکھ رکھا ہے جن مشاعروں میں موصوف نے بہ نفس نفیس شرکت کی اور مشاعرہ پڑھا مستزاد یہ کہ جو لکھتے ہیں با قاعدہ جدول میں لکھتے ہیں۔ سلسلہ مشاعرہ، تاریخ مشاعرہ، بزم وادارہ، نگران مشاعرہ، طرحی وغیر طرحی کی صراحت کے علاوہ مشاعرے کا مشاہرہ۔ ہم سوچتے ہیں کہ اگر روش بھائی آئندہ طعام وقیام، چائے بسکٹ، نمک پارے، بوندی، کیک پیسٹری کے علاوہ پان بیڑی سگریٹ کا بھی ذکر کردیں تو مشاعرہ بہ تمام وکمال قلمی ویڈیوگرافی بن جائے گا۔'' (۴۰)

ڈاکٹر شفیق پرویز ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں اور شگفتہ قلم کے رفیق دیرینہ بھی۔ جن کی دوستی اسکول سے شروع ہوئی ہے۔ جس کی بابت سید عباس متقی کا کہنا ہے:

''ہم کھیل کے شیدائی وہ پڑھنے کا دیوانہ' ہم لٹو اور پتنگ کے دیوانے اور وہ کتابوں کا کیڑا، ہم باغوں اور چمنوں کے متوالے وہ سودا سلف کا حد میں، ہم حسن و جمال کے شیدائی وہ نماز روزے کا پابند، ہم عاشق مزاج اور وہ معشوق طبع، ہم لاکھ سمجھاتے کہ یہ پڑھنا لکھنا' یہ سوالات یہ جوابات' یہ ہوم ورک' یہ کلاس ورک' یہ سائنس کے فارمولے یہ جغرافیہ کے نقشے' یقیناً مردوں کی مردانگی ہے لیکن بعض وقت دیوانوں کی دیوانگی بھی بن جاتی ہے اور یہ شریف طالب علموں کا شیوہ بھی تو نہیں' چلو تھوڑی دیر ہوا کھا آئیں' گھومیں پھریں' عنفوان شباب کے مزے لوٹیں' گائیں بجائیں موج مستی کریں' بعد میں ترس جاؤ گے تو یہ موسم یہ دن نہ آئیں گے۔ لیکن کیا مجال جو اس کے گوشہ نشین دل نے صحرا نورد دماغ کا مشورہ قبول کیا ہو۔'' (۴۱)

ممدوح کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''اب ہم اپنے منہ سے کیا کہیں' کیا جانتا نہیں، پہچانتا نہیں' بغل میں طور روشن ہے اور وہ ہے کہ بغلیں جھانک رہا ہے۔ تاہم وہ تمام باتیں جو ایک پکے مسلمان میں ہونی چاہیے اس میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ للّٰہیت' زہد' تقویٰ' توکل' خدمت خلق' ایثار' اکتفا' ذکر

فکر اور بے نیازی بلکہ بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جو بہت کم لوگوں میں نظر آتی ہیں۔ اس پر کئی موسموں نے رنگ برسائے اور وہ ہر رنگ میں مگن رہا۔اس کے لبوں پر ایک ہی فقرہ رہا ''اللہ اور رسولؐ''۔ پرویز کو کسی سے حسد نہیں' کسی چیز کی حرص نہیں۔ سرور کائناتﷺ سے اسے بے پناہ عشق ہے۔اس کی گفتگو کے بیشتر مضامین ذات نبویؐ اور اسلامیات سے متعلق ہوتے ہیں۔ خدا اور رسول کے سامنے اسے نہ دنیا کی پرواہ رہتی ہے نہ قرابت کا احساس' نہ عزت کی پرواہ رہتی ہے نہ آبرو کا خیال۔اس کے پیش نظر ایک ہی آیت رہتی ہے۔العزۃ للہ ولرسولہ۔''(۴۲)

ممدوح کی توصیف میں اس طرح کی باتیں تو کوئی اپنا ہی کہہ سکتا ہے:

''جب لکھنے پر آتا ہے تو وہ نیکی کر دریا میں ڈال والے محاورے کا قائل نہیں بلکہ نیکی کر ڈائری میں لکھ مار کا قائل ہوتا ہے۔ عجیب آدمی ہے اپنی نیکیوں کو تک بھولنا نہیں چاہتا۔اب یہی دیکھیے کہ اس کی بے شمار نیکیاں ہمیں اپنے گناہوں کی طرح آج تک یاد ہیں۔''(۴۳)

سید عباس متقی اپنے ایک مشفق دوست قاری ایم۔ایس خاں کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کرتے ہیں:

''ایم۔ایس۔خاں کی شخصیت نہ صرف باطنی خوبیوں سے مالا مال ہے بلکہ خدا نے انھیں ظاہری وجاہت اور خوبی سے بھی مالا مال فرمایا ہے۔یہ وجاہت اور خوبصورتی انھیں وراثت میں ملی ہے،اس لیے ان کا سارا کنبہ ہی ہمہ خاندان آفتاب است بلکہ آفتاب و ماہتاب است والی صورت رکھتا ہے۔''(۴۴)

پھر یوں بھی کہنے سے باز نہیں آتے:

''ہم نے ایم۔ایس۔خاں کے لیے ایک عدد کرسی منگوا رکھی ہے،وہ نیچے بیٹھ سکتے ہیں نہ نچلے۔امراض و احوال نے انھیں بہت پھیلا دیا ہے۔ہماری کرسی میں سما جاتے ہیں یہی دم غنیمت ہے۔گاڑی نہیں چلاتے اس لیے آمد و رفت میں مجبوری رہتی ہے،فون کر کے آتے ہیں اور آٹو یا پھر بس اور اگر بس نہ ملے تو پھر مجبوراً گیارہ نمبر کی بس تو ہے ہی۔انھیں پھرنے کا بلکہ مارے مارے پھرنے کا بہت شوق ہے۔ اب یہی دیکھیے اپنا روپیہ خرچ کر کے مختلف مقامات کی سیر کرتے ہیں اور سیر حاصل لکھ چھوڑتے ہیں اور معاوضے میں انھیں ایک دھیلہ بھی نہیں ملتا۔نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ کے مصداق وہ قوم کو کچھ نہ کچھ دینا چاہتے ہیں اور قوم انھیں داد و تحسین کے سوا دے بھی کیا سکتی ہے۔''(۴۵)

اسی خاکے میں قاری ایم ایس خاں کے بارے میں ان کی قرأت قرآن پاک اور نعت خوانی کا تذکرہ بے محل نہیں سمجھتے:

''یہ مختصر سا خاکہ اپنے اختتام تک ہرگز نہ پہنچے گا اگر ہم ایم۔ایس خاں کی فن قراءت کلام مجید اور نعت خوانی پر گفتگو نہ کریں۔خدا نے جہاں ایم۔ایس خاں کو آواز دی ہے وہیں قرأت کے فن سے بھی نوازا ہے۔جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو ایک سماں سا بندھ جاتا ہے،نورانی قلوب متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔یہی حال ان کی نعت خوانی کا بھی ہے جب وہ اپنے مخصوص ترنم میں نعت شریف پڑھتے ہیں قلوب مطہرہ عشق نبویؐ میں ڈوب جاتے ہیں اور ہر طرف ایک نور افشانی سی محسوس ہونے لگتی ہے۔چنانچہ موصوف نے ای۔ٹی۔وی پر سالہا سال نعت شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے اور نسیم صاحب کی نعت ''میرے دل کا ارماں مدینے کی گلیاں'' نے تو عشاقان رسول اکرمؐ میں دھوم مچادی تھی اور انھیں باقاعدہ تعریفی خطوط آنے لگے تھے۔ ترنم کے تو کیا کہنے ایک زمزمہ ہے کہ احساس کی موجوں کو برانگیختہ کرتا ہوا گزر جاتا ہے ایک آبشار ہے کہ اپنی صدائے دل نواز سے مسحور کر رہا ہے۔مستزاد اذان کی ادائیگی کے تو کیا کہنے سوئے ہوئے بلکہ سوئے دل بیدار ہو جائیں۔''(۴۶)

جناب سید انور علی کو سید عباس متقی نے کس درجے عشق ہے اس کا اندازہ اس اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے:

''انور صاحب ہم سے کافی محبت کرتے ہیں اس کے ثبوت میں چائے پلانے اور کبھی کبھی کھانا کھلانے کے علاوہ جوتے دلانے سے گریز نہیں کرتے۔بمبئی گئے تو ہمارے لیے جوتے لے آئے جنھیں ہم زخم جگر کی طرح سنبھال کر رکھے ہیں۔جب ہم سوچو ہے پورے کر لیے اور حج کی تیاری شروع کردی تو انور صاحب ہر مرحلے میں ہمارے رفیق کار رہے۔بمبئی تک بلکہ جہاز تک ہمیں الوداع کہا۔ہم حج سے لوٹے تو انور صاحب مکرر ہمیں لینے بمبئی چلے آئے اور بہت خوش تھے گویا انھیں یقین تھا کہ حج کے بعد ہم ضرور انسان بن گئے ہوں گے مگر ہمارا معاملہ بہرصورت ''خر باشد'' والا رہا۔''(۴۷)

ان کے چاہنے والوں میں جہاں سید انور علی کی شخصیت ملتی ہے وہیں چاند بھائی سے سید عباس متقی کی الفت اور یگانگت کا اندازہ لگانا ہو تو ہمیں کوئی مشکل نہیں ہوگی صرف خاکے کے اس حصے کو پڑھ لیں:

''نہایت فعال اور کارکرد شخصیت ،بس کام سے کام ہے، کسی سے لین نہ کسی سے دین، یہاں کام کیا یہاں سے جوفراغت پائی تو وہاں کام کیا، اب یہی دیکھیے چار چار مساجد کی خدمات نہایت تندہی اور حسن وخوبی سے انجام دینا کوئی معمولی بات نہیں اور خدمات بھی کس طرح کی، علماء ابا کریں ، زہاد کو پس و پیش ہو، متقی تیوری چڑھائے ،عباد کو پسینے چھوٹیں، ائمہ نفرو ہوں، خطباء دامن بچائیں ،فصحا گریز کریں، بلغا منحرف ہوں، ناک پر دستی رکھیں اور حفاظ کان پر ہاتھ۔ ہمارا مطلب ہے مساجد کے بیت الخلا کی صفائی ، واعظ بلند اقبال منبر پر کھڑے ہوکر مسلسل تین گھنٹے وعظ تو کر سکتا ہے لیکن مصلیان مسجد کے وقتاً فوقتاً سکھائے ہوئے ڈھیلے، بول و براز سے معمور نالیوں سے اٹھانا اس کے بس کا روگ نہیں، فصحا لچھے دار گفتگو کرتے ہوئے ابی سینا کے نکات تو بیان کر سکتے ہیں لیکن ہاتھ میں برش لیکر پیشاب اور پاخانے کی ضدی باقیات کو رگڑ رگڑ کر ہٹانا، پانی بہانا اور فینائیل چھڑکنا ان کا وتیرہ نہیں۔'' (۴۸)

چاند بھائی کا واقعی جواب نہیں کہ وہ کھڈی کے ایعاد ثلاثہ کو اس درجے صاف اور شفاف کر دیتے ہیں کہ وہ مثال آئینہ ہو جاتی ہے اور بقول سید عباس متقی ہر شخص اس میں اپنے نجی کمال کے علاوہ اپنا عکس جمال بھی بہ آسانی دیکھ سکتا ہے۔

سید عباس متقی کے خاکوں کی ایک نرالی بات یہ بھی ہے کہ وہ جس شخص کا خاکہ کھینچتے ہیں اس کے کہیں اجمالاً تو کہیں مفصلاً ذکر چھیڑا تے ہیں۔

الیاس مسعود خاں کے خاکے میں ان کے دیوان خانے کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے سارے دیوان خانے کی تصویر آنکھوں میں گھوم جاتی ہے:

''فیاضی اور مہمان نوازی ان میں منجانب اللہ ودیعت ہے۔ دل بڑا اور دیوان خانہ چھوٹا ہے اور اس سے چھوٹا وہ راستہ ہے جس سے مہمان کو ان کے دیوان خانے میں خود کو داخل کرنا پڑتا ہے۔ ہم جب بھی الیاس بھائی کے دیوان خانے میں داخل ہوتے ہیں تو خود کو تین قسطوں میں داخل کرتے ہیں۔ پہلے ہم اپنا بیگ داخل کرتے ہیں۔ پھر اپنے مابقی جسم کو آڑھا ترچھا کر کے دیوان خانے کے دروازے کی مرضی کے بغیر داخل کر ہی دیتے ہیں۔'' (۴۹)

آگے یہ بھی لکھتے ہیں:

''اس چھوٹے سے دیوان خانے میں بڑی بڑی چیزیں دیکھنے کو ملتی ہیں جو الیاس بھائی کے آفاقی ذوق کی آئینہ دار ہیں۔ مثلاً ایک بڑا اور دیدہ زیب صوفہ سیٹ' ایک

عدد آراستہ شوکیس جس میں ہمہ اقسام کی ٹرافیاں اور قیمتی اشیا' سلیقے سے لگی ہیں۔ اگر آپ صوفے پر بیٹھے بیٹھے تھک جائیں تو پاؤں پھیلائے بغیر نیچے بھی بیٹھ سکتے ہیں' لیکن اگر آپ پاؤں پھیلا کر بیٹھنا چاہیں تو آپ کے پاؤں دوسروں کے زانو سے بوس وکنار کرنے لگیں گے۔ عظیم الشان اور دیدہ زیب گاؤ تکیے جو ایک ایک آدمی کی جگہ گھیر لیتے ہیں' اوران گاؤ تکیوں کے طفیل گاؤ تکیوں سے لگے آدمی کو جگہ نہیں ملتی۔ ایسی ہی کچھ چیزوں نے ان کے دیوان خانے کو مختصر کر دیا ہے۔''(۵۰)

اسی طرح ڈاکٹر عمران اعظمی کے خاکے کو پڑھتے ہیں تو ان کے کمرے کے ساتھ ساتھ وہ کمرہ بھی آنکھوں میں آجاتا ہے جہاں اندازی کی کوئی جرأت نہیں کرسکتا:

''عمران بھائی کے چھوٹے سے گھر کو دیکھ کر ہمیں اپنا گھر یاد آ گیا (کون سا گھر یاد آیا یہ ہم فی الحال مخفی رکھتے ہیں) کہیں مشاہیر کے خطوط کا انبار ہے تو کہیں مضامین نو کے تودے، کہیں ملفوظات کے پلندے ہیں تو کہیں شاعری کا ڈھیر، حضرت کا قلم ایک ہے لیکن اس آفتاب عالم تاب کی شعاعیں چار دانگ عالم میں فیض رساں ہیں۔ ہم نے جب موصوف کو ''عجیب آدمی'' کہہ ہی دیا ہے تو اب موصوف کے مکان کو ''عجائب گھر'' کہنے میں ہمیں بہر حال اخلاقی جواز حاصل ہے۔''(۵۱)

جب ایک عبقری شخصیت سے ملاقات والا خاکہ نظر نواز ہوتا ہے تو آنکھیں ضرور اس عبارت پر رک جاتی ہیں:

دالان اور دیوان خانے کا جو جائزہ لیا تو ہم نے فارسی میں سوچا کہ آیا این خانۂ ڈکتر ضیاء الدین شکیب است کہ خانۂ کتب است کہ زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد ''کتب'' اینجاست۔ مستزاد کاغذات کے پلندے، مسودات کے فائلس، اخبارات کے تراشے، سلیقہ مندی اور بے حد صفائی اور فضائے علم افزا اور پھر ہم ابھی جائزہ لے ہی رہے تھے کہ ڈاکٹر شکیب صاحب ایک معصوم سی مسکراہٹ کے ساتھ تشریف لے آئے۔''(۵۲)

سید عباس متقی جس طرح دیوان خانے کا ذکر کرتے ہیں اسی طرح ممدوح کے گھر کا حال نہ صرف بیان کرتے ہیں بلکہ اسے ایک اچھے نام سے بھی نوازتے ہیں۔ چنانچہ مظفر النساء ناز صاحبہ کے خاکے میں افراد خاندان اور مکان کا تذکرہ کیوں کیا ہے:

''ان کے دونوں صاحبزادوں کے علاوہ ان کی بہو بھی نہایت فعال اور لائق استاد واقع ہوئی ہیں اگر ان کے مکان کو ''قصر اتالیق'' کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔''(۵۳)

اردو کے اکثر خاکوں میں دیکھا یہ جاتا ہے کہ خاکہ نگار صرف ممدوح کی تعریف اور توصیف سے کام لیتا ہے اور اس کے عیوب کو پس پردہ ڈال دیتا ہے۔ پتا نہیں اس طرز کی نگارش منصۂ شہود میں لاتے ہوئے اسے کس بات کا خوف رہتا ہے لیکن ایک بات ضرور ہے کہ آج میں حقائق سے پردہ اٹھانے والے قلم کار اور خاکہ نگار عہد ماضی کی طرح عہد حاضر میں بھی تیار بیٹھے ہیں۔

سید عباس متقی ان قلم کاروں میں شمار کیے جاتے ہیں جو اپنی ذات پر طنز، مضحکہ اور مزاح کی پھل جھڑیاں چھوڑ کر خود ہی مزہ لیتے ہیں۔ یہ بات حقیقت ہے کہ وہی انسان اپنے عیوب کو دوسروں پر ظاہر کرنے کی جرأت وہمت کرتا ہے جسے کو اپنے کردار پر پورا پورا ایقان اور بھروسہ ہوتا ہے۔

عباس متقی نے اپنی ذات پر طنز اور مضحکہ آمیز فقرے کہتے ہیں جس کا رنگ اس تحریر میں ہمیں جا بہ جا ملے گا۔ ساتھ ہی انھوں نے اپنے ممدوح کو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رکھا۔ انھوں نے اپنے خاکوں میں ممدوح کے روشن پہلوؤں کو ہی نہیں دکھایا بلکہ ان کی بشری کمزوریوں کو بھی نہایت بے تکلفی سے بیان کرنے کو گوارا کیا ہے اور ان کمزوریوں اور عیوب کو واکرنے میں انھوں نے کہیں بھی نہ تامل کرتے دکھائی دیتے ہیں اور نہ ہی مضطرب پائے گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے استاذ سے لے کر دوست احباب اور شاگرد کے عیوب کو بھی آئینہ دکھایا ہے۔ اپنے استاذ پروفیسر مغنی تبسم کے صنف نازک کی طرف جھکاؤ کو نہایت بے باکی سے بیان کرتے ہیں:

> ''ڈاکٹر صاحب کے ہاں لیاقت کی معراج اس بات پر بھی منحصر تھی کہ آیا لائق شخص کون ہے؟ کھوسٹوں، ضعیفوں، بدصورتوں اور بدرخوں کو وہ خاطر ہی میں نہ لاتے تھے۔ ہاں اگر صاحب لیاقت کا تعلق خوش بختی سے صنف نازک سے ہوتا تو وہ شخص البتہ لائق گردانا جاتا اور اگر لائق شخص خوش شکل و صبیح رو بھی ہو تو اب اس کی لیاقت میں دو رائے ممکن نہ ہوتی۔'' (۵۴)

سید عباس متقی نے ''متانت اور نرگسیت کا پیکر'' کے عنوان سے پروفیسر مغنی تبسم پر خاکہ سپرد قلم کیا ہے۔ جس میں اس طرح اپنے دوست کے غم کو اپنا غم بنا کر پیش کیا ہے:

> ''ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ انھوں نے اپنے دور صدارت میں ڈاکٹر نسیم الدین فریس کو پی ایچ۔ ڈی میں داخلہ نہیں دیا اور ان لوگوں کو داخلہ دیا جنھیں آج تک بھی اپنے مقالے داخل کرنے کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔ مستزاد وہ پرانے وقتوں کے کھائے ہوئے زخموں کے علاوہ عطا فرمائے ہوئے زخموں کو بھی بھولنے کا ملکہ

رکھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ماضی کے مکروہ دھندلکوں کو بھول کر ڈاکٹر نسیم کے ساتھ مل کر دکنی لغت تیار کی۔''(۵۵)

استاذ محترم کی خدمت کرنا ہر اعتبار سے جائزہ اور شرعی رو سے واجب گردانا جاتا ہے لیکن پروفیسر مغنی تبسم کی خدمت میں لگے رہے خدمت گزاروں کی بابت اپنی رائے یوں پیش کرتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کے شاگردوں میں دو گروہ تھے۔ ایک وہ جو اُن کی خدمت کرتا تھا دوسرا وہ جو اُن کی زبان کی خدمت کرتا تھا۔ مغنی صاحب کی نگہ کرم و نوازش بے حد ان پر ہوتی تھی جو اُن کی خدمت کرتے تھے یا ان کے خانوادۂ گرانمایہ کی، زبان کی خدمت ان کے ہاں ثانوی حیثیت رکھتی تھی۔''(۵۶)

بشری کمزوریاں کس میں نہیں ہوتیں۔ خود خاکہ نگار میں پائی جاتی ہیں لیکن پروفیسر مغنی تبسم میں جو پائی گئی ہے شاید اس سے سید عباس متقی کو روحانی تکلیف ہوتی ہوگی تب ہی تو انھوں نے استاذ کا لحاظ کیے بغیر لکھ دیا:

''ڈاکٹر صاحب میں جدت پسندی، شدت پسندی کے ساتھ ساتھ اذیت پسندی بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ہماری صاحبزادی کی شادی میں بہ نفس نفیس تشریف لائے، مبارک باد دی لیکن قاب تبریک میں ناگوار بول کے دو قطرے بھی ٹپکا دئے، کہنے لگے میں آپ کی دعوت پر نہیں بلکہ آپ کے سمدھی مظہر خوش نویس کی دعوت پر آیا ہوں۔ مانا کہ وہ استاد گرامی قدر مظہر خوش نویس سے بہ نسبت این جانب، زیادہ قریب تھے۔''(۵۷)

اس اقتباس سے پتا چلتا ہے کہ سید عباس متقی جب عیوب تلاشنے پر آتے ہیں تو اپنے اساتذہ تک کو خاطر میں نہیں لاتے چنانچہ اپنے استاذ مولانا الحاج محمد حمید الدین عاقل حسامی دامت برکاتہ کی عیب جوئی اس طرح کرتے ہیں:

''حضرت نے بارہا یہ فرمایا کہ سلام میں پہل کرنے والا نیکیوں میں سبقت لے جاتا ہے۔ ایک دن یہ معلوم کرنے کے لیے حضرت واقعی نیکیوں میں سبقت لے جانے کا ذوق صادق رکھتے ہیں یا عام واعظین کرام کی طرح محض وعظ فرمانے پر اکتفا فرماتے ہیں سلام نہیں کیا بلکہ انتظار سلام فرمایا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت امیر ملت اسلامیہ اپنی طویل وعریض کار میں سامنے کی سیٹ پر مقیت بھائی کی بغل میں بیٹھے مست سیر گزر رہے تھے اور ہم امیر الغربا و مساکین مست الست پا پیادہ ٹھک رہے تھے۔ اتنے میں

موصوف کی نظر چہرہ اقدس پر پڑی اور مابدولت نے روایت کہن سے اختلاف فرماتے ہوئے کہ من جملہ وجوب نہ تھا،سلام سے شعوری گریز فرمایا تاکہ قبلہ حسب بیان شریف سلام میں پہل فرمائیں اور نیکیوں میں خدا واسطے سبقت لے جائیں لیکن حضرت نے روایت کہن سے اختلاف سے اتفاق نہ فرماتے ہوئے چشم حیرت کو وا فرمائے گزر گئے اور ہم سوچتے رہ گئے کہ جو لوگ سلام لینے کے عادی ہو جاتے ہیں انھیں شعوری طور پر سلام کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ پھر ہم نے ایسی حماقت نہیں کی اور حضرت کی وفات حسرت آیات تک جھک جھک کر سلام کرتے رہے اور حضرت حسب روایت مسکرا مسکرا کر سلام کا جواب دیتے رہے۔''(۵۸)

آگے تصویر کشی کی بابت لکھتے ہیں:

''ہم نے تصویر کشی کے عنوان سے مولانا کے تین ادوار دیکھے ہیں ایک اباحت و اجتناب کا دور کہ کیمرہ مین جب سامنے آ کر تصویر کشی کی جرأت کرتا تو مولانا تحقیر وتنفر سے اپنا منہ پھیر لیا کرتے تھے اور عکاس کی آرزوئے عکاسی عکس برآب ہو کر رہ جاتی۔ دوسرا دور اباحت و اجازت کا کہ جس میں مولانا فوٹو کھینچنے والے سے ناراض نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہوئے چشم پوشی فرمایا کرتے تھے۔ تیسرا دور اختیار واشتیاق کا ہے جس میں مولانا دوسرے مولاناؤں ،دانشوروں اور رہنماؤں کے ساتھ گروپ فوٹو کھنچواتے ہیں اور ضرورت شدید کے تحت فلم بندی بھی کرواتے ہیں۔''(۵۹)

ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال کی مصروفیتوں پر کاری ضرب لگاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کی ایک خو بلکہ خوبی یہ بھی ہے کہ فون پر بہت عجلت میں ہوتے ہیں ارشاد تو فرماتے ہیں لیکن مدعا نہیں سنتے۔ پتا نہیں اس شوق عجلت میں ان کا مصروف ''دل'' شامل ہوتا ہے یا موہوم ''بل''۔''(۶۰)

ڈاکٹر عمران اعظمی واقعی بے حد باتونی شخصیت کا دوسرا نام ہے اور جب وہ گفتگو فرماتے ہیں تو سامع بڑی عقیدت سے ان کی باتیں سنتا ہے اور خود کو موصوف کی گفتگو میں شامل پاتا ہے ان کے اس عیب کو سید عباس متقی نے عرفان کا نام دے رکھا ہے:

''وہ صوفیانہ نقوش جو اہل اللہ میں پائی جاتی ہیں موصوف میں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں الا یہ کہ صوفی کم گو ہوتے ہیں اور کم خوردن وکم خفتن کے ساتھ ساتھ کم گفتن پر بھی شدت

سے کاربند ہوتے ہیں۔حضرت کم خوردن اور کم خفتن پر تو مدت مدید سے پابند ہیں ہی،
جوں ہی دائرۂ کم گفتن میں داخل ہو جائیں گے اللہ کے حکم سے ان کا شمار اہل عرفان
میں ہو جائیگا۔'' (۶۱)

سید عباس متقی کو جیسے بات میں سے بات نکالنے پر قدرت ہے اسی طرح خاکہ نگاری کے فن میں انھیں اس اعتبار سے بھی ملکہ حاصل ہے کہ جب وہ کسی کا خاکہ کھینچ رہے ہوتے ہیں تو ممدوح کے دوست احباب کا بھی تذکرہ کیے بغیر نہیں رہتے۔کمال تو یہ ہے کہ قاری کو ہی لطف آتا ہے جو ممدوح پر لکھے گئے فقروں میں موجود ہوتا ہے۔اس خصوص میں جناب حمید عادل کا تذکرہ دیکھیے:

''حمید عادل ہم دونوں کے مشترکہ دوست ہیں، منحنی جان واقع ہوئے ہیں دور سے
بچے اور قریب سے غیر شادی شدہ لگتے ہیں جب ان کی صاحب زادی کی شادی کا
رقعہ آیا تو ہم حیران رہ گئے اور سوچنے لگے کیا دور آ گیا ہے بچوں کے بھی داماد آنے
لگے ہیں۔'' (۶۲)

وہ اپنے بزرگ دوست کے ڈکارنے سے بہت پریشان ہوئے ہیں اس بات کا اندازہ ہمیں یارِ کہن نامی خاکے کے اس اقتباس سے ہو جاتا ہے:

''انور صاحب کھاتے کس قدر ہیں پتا نہیں لیکن ڈکاریں خوب لیتے ہیں اور ہر ڈکار کے
ساتھ گیاس کی شکایت بھی کرتے ہیں۔ہم نے ایک دن ان سے دریافت کیا تھا کہ
آپ کے پیٹ میں آپ کی گیاس ہے یا بھوپال گیاس ہے۔'' (۶۳)

یارِ کہن کے بعد یوسف روش پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں سید عباس متقی کی نگاہ سے جناب روش کی تنقیدی بصیرت کو جاننے کا موقع ملتا ہے:

''روش بھائی کی تنقیدی روش بھی خوب ہے، جب کبھی کسی شاعر کا قطعہ تاریخ شائع ہوتا
ہے وہ کاغذ قلم سنبھال کر تنقیح کے لیے بیٹھ جاتے ہیں۔مصرعہ تاریخ اگر صحیح ہوتا ہے تو
انھیں اپنی زحمت پر افسوس ہوتا ہے اور اگر شومیِ تقدیر سے مصرعہ تاریخ سے مطلوبہ سال
برآمد نہیں ہوتا تو وہ غریب شاعر کی شامت ہی آ جاتی ہے خط لکھ کر فون ملا کر اور اگر سیکل
موجود ہو تو خود پہنچ کر تنبیہ محمود سے گریز نہیں کرتے۔'' (۶۴)

وہ ڈاکٹر عمران اعظمی کے علاوہ جناب یوسف روش کی گفتگو پر بھی نالاں دکھائی دیتے ہیں:

''گفتگو میں صرف روش بھائی ہی بولتے ہیں اور وہ روایتی بٹن والے مقرر کی طرح بہت بولتے ہیں۔ہم مجبور آدمی ہیں سنتے رہنے کو بھی گفتگو ہی سمجھتے ہیں۔روش بھائی اگر کبھی کبھی دوسروں کی بھی سن لیں تو سننے والوں پر کرم کے مترادف ہوگا۔''(۶۵)

ڈاکٹر فخر عالم آعظمی کے متعلق لکھتے ہیں:

''عالم نے گریز کو کبھی داخل شخصیت ہونے نہیں دیا، وہ کبھی ٹوکنے سے چوکتے نہیں۔اب یہی دیکھیے اپنے ایک استاد کو کہہ دیا کہ آپ کی انگریزی تو بہت خوب ہے لیکن اردو اتنی صحت مند نہیں اور طرفہ تماشا یہ کہ استاد بھی اتنے اعلی ظرف ثابت ہوئے کہ شدت یقین سے سر کو ہلا دیا، حالانکہ یہ سر وہ سر ہے جسے سر کا خطاب دیا جانا چاہیے۔''(۶۶)

سید عباس متقی کا یہ خاص وصف ہے کہ وہ اپنے ممدوح کی جہاں مدح کرتے ہیں وہیں زم سے بھی گریز نہیں کرتے۔ان کا خیال ہے کہ خاکہ اسی کا نام ہے کہ شخصیت میں جو اوصاف پائے جاتے ہیں اس کا ذکر ان کی شخصیت کو سمجھنے میں نہایت سود مند ہوگا:

''ایک مشاعرے میں موصوف لہک لہک کر غزل پڑھ رہے تھے، جب لہک میں قدرے اضافہ ہوا تو ان کی زلفیں ہر مصرعے پر وجد کرنے لگیں اور جب اس لہک میں فلک آثار اضافہ ہوا تو حسب عادت دیرینہ انھوں نے اپنے ہاتھ اپنی جیبوں میں ڈال لیے اور جانب مقطع رواں ہوئے۔ایک شعلہ طرار نے آوازہ کسا! حضرت ہاتھ میں کیا ہے؟اب کون جانے اس دوشیزہ کو فخر عالم کے پیکر میں میراں جی کی روح کیوں دکھائی دینے لگی، لیکن عالم نے برجستہ کہا محترمہ میرے ہاتھ میں خواہ کچھ ہو لیکن وہ نہیں ہے جو آپ کے دماغ میں ہے۔''(۶۷)

سید عباس متقی جب خاکہ نگار کی حیثیت سے جلوہ گر ہوتے ہیں تو وہ اپنے ممدوح کی حاضر جوابی، اس کا شوق، اس کی نصیحت اور اس کے مواعظ و مضحکات کو بھی پیش کر دیتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر فخر عالم اعظمی کی حاضر جوابی کا واقعہ دیکھیے:

''ایک دن پروفیسر غیاث متین مرحوم نے اپنا تازہ مجموعۂ کلام نہایت محبت سے فخر عالم کو عنایت فرمایا۔جناب نے کتاب کھولی اور پہلی غزل کا پہلا شعر پڑھا اور سر پیٹ کر کہنے لگے کہ حضرت پہلی غزل کا پہلا شعر ہی غلط ہے۔اس میں ایطا ہوگیا ہے اگر ایطائے خفی ہوتا تو مکروہ تنزیہی کی طرح قابل معافی ہوتا لیکن یہ ایطائے جلی ہے جو شریعت شعر و شاعری میں مکروہ تحریمی کی طرح حرام سے قریب ہے جو قطعاً ناجائز ہے، کیسے آپ نے اس شعر کو شامل تصنیف فرما لیا ہے۔پروفیسر غیاث متین کا رنگ ورنگ

سخن پہلے ہی سے کچھ اڑا اڑا رہتا تھا یہ سنتے ہی رہا سہا رنگ بھی طوطوں کی طرح اڑ گیا۔
اب یہ بھی کیا کریں ان سے رہا بھی تو نہیں جاتا، جہاں کوئی کجی دیکھتے ہیں، سامنے ہی
کہہ دیتے ہیں اور سننے والا بعد میں دیکھ لیتا ہے۔'' (۶۸)

ایک اور جگہ ڈاکٹر آعظمی کی خوبو کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں کہ پروفیسر غیاث متین کی گھگھی بندھ جاتی ہے:

''اب یہ مولانا کے مواعظ ہی کا نتیجہ تھا کہ ہم نے مسجد کے سامنے کھجور کی دکان لگالی اور مسجد کے اندر دہی بڑے بیچنے لگے اور لگے ہاتھوں شادی بھی کر لی۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے باپ بنے جا رہے ہیں۔ پہلے صرف اپنے ہوا کرتے تھے اب بچوں کے بھی ہو رہے ہیں اور اپنے بھی۔ بعض موسموں میں تو ایسا ہوا کہ نومبر میں نانا بنے اور دسمبر میں پھر ابا۔ یہ مولانا کے مواعظ کا طفیل ہے۔'' (۶۹)

ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال، موصوف کے دیرینہ دوست ہیں جس سے انھیں ممدوح کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال کی طنز و مزاح نگاری کی بابت سید عباس متقی اپنا وژن اس طرح پیش کرتے ہیں:

''ان کی مثال اکھاڑے کے پہلوانوں کے درمیان ٹہلتے ریفری کی ہے جو خود کبھی پٹ بجا کے نہیں لڑتا، پٹ بجانے والوں کو لڑواتا ہے۔'' (۷۰)

ممدوح کے شوق و ذوق پر بھی سید عباس متقی کی گہری نظر ہوتی ہے چنانچہ جناب یوسف روش کی روش سے پردہ اٹھاتے ہیں:

''شائد ہماری یہ بات سن کر ان کے دیکھنے والوں کو بہت تعجب ہوگا کہ انھیں گانے بجانے کا بھی بہت شوق ہے مدتوں وہ دیدار کے دلیپ کمار کی طرح گلے میں ہارمونیم لٹکا کر محبت کے گیت گائے ہیں۔ ایک دن اپنا کرتا ہٹا کر دکھایا پسلی کے نیچے ہارمونیم کا داغ پڑ گیا ہے اور پتا نہیں روش بھائی کہاں کہاں کس کس قسم کے داغ پال رکھے ہیں۔ تاہم دل کے داغوں نے تو آب آتشیں میں گھل گھل کر صورت شعر نکاسی کی راہ پالی ہے، لیکن ان داغوں کا کیا جائے کہ جو نہ سنائے جا سکتے ہیں نہ دکھائے ہی بنتی ہے۔'' (۷۱)

سید عباس متقی ممدوح کی نصیحت کو بھی حرز جاں بناتے ہیں:

''ایک دن حضرت والا تبار جناب باسط خاں دامت فیوضھم مع اپنے رفیق دیرینہ جناب کے ساتھ غریب خانے پر تشریف لائے، کہنے لگے، قبلہ و کعبہ اب اپنا قبلہ

بدل دیجیے، کب تک خانگی مدرسوں میں چکر لگاتے رہیے گا۔ سرکاری ملازمت کی فکر کیجیے۔ اردو سے ایم۔اے کر لینے سے کیا ہوگا ، اردو سے تو وہ لوگ بھی ایم۔اے پاس ہیں جو مرزا غالب کی ایک غزل بھی ہجوں سے نہیں پڑھ سکتے۔ اردو پنڈت کیجیے شائد اس راستے سے کوئی سرکاری نوکری ملنے کے اسباب بن جائیں۔ خانگی مدرسوں کی نوکری خربوزے اور چھری کی طرح ہوتی ہے، ہمیشہ مدرسین گھاٹے میں رہتے ہیں۔'' (۷۲)

انھیں اپنے ممدوح کی لطیفہ گوئی پر بھی فخر ہے اس لیے دھڑلے سے اپنے ممدوحوں کے لطائف کا تذکرہ بے جا نہیں گردانتے خواہ اس میں خود خاکہ نگار کے حمق کا تصور ابھر رہا ہو اپنے استاذ پروفیسر مغنی تبسم کو وہ متانت اور نرگسیت کا پیکر مانتے ہیں۔ لہٰذا ان کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک حرف پر سر دھنتے ہیں۔ اقتباس دیکھیے :

''مغنی صاحب کسی نہ کسی کے بارے میں کچھ نہ کچھ ارشاد فرماتے اور سامعین بے خود ہو کر غل مچاتے تھے، ایسا معلوم ہوتا کہ جوش نے کوئی پھڑکتا ہوا مصرع کہہ دیا ہو۔ اتنے میں کسی نے مظہر خوش نویس کے بارے میں پوچھا تو مغنی صاحب نے کہا مظہر صاحب تو (نعوذ باللہ) اللہ میاں ہیں۔ اتنا سننا تھا کہ محفل ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوگئی بہت دیر تک اس کفریہ فقرے کی گہرائی اور گیرائی پر سامعین گفت وشنید فرماتے رہے مظہر صاحب شرمندہ کہ حضرت نے یہ کیا ارشاد فرما دیا ہے۔ ہم نے نسیم سے پوچھا کہ بھائی! یہ تو صریح کفر ہے۔ نسیم نے کہا درحقیقت مغنی صاحب مظہر صاحب کو ''اللہ میاں کی گائے'' کہنا چاہتے تھے، ''گائے'' ان کے ذہن میں رہ گئی اور منہ سے صرف ''اللہ میاں'' نکل گیا۔'' (۷۳)

مولانا عاقل حسامی کی برجستہ گوئی کو کس اہتمام سے کوڈ کیا ہے :

''مولانا عاقل سے زیادہ ہم نے بذلہ سنج ، لطیفہ گو بلکہ لطیفہ ساز کسی اور کو نہیں پایا۔ ایک دن دارالعلوم حیدرآباد میں ہم نے اساتذہ کے درمیان ایک مزاحیہ مضمون سنایا۔ محفل زعفران زار ہوگئی۔ ابھی لوگوں کے لبوں پر تبسم کی پھلجھڑیاں جگمگا رہی تھیں کہ حضرت عاقل جلوہ افروز ہوئے۔ لوگوں کو جو مسکراتے ہنستے دیکھا فرمایا کیا بات ہوئی ہے۔ مولانا نوال الرحمان نے عرض کیا کے حضرت متقی صاحب نے ایک مزاحیہ مضمون ''ہمارا بستر'' سنایا ہے۔ بہت ہی پر لطف مضمون تھا۔ حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ غنیمت ہے کہ متقی صاحب نے ہمارا بستر سنایا ہے وہ ''ہم بستر'' بھی سنا سکتے ہیں۔'' (۷۴)

یوں تو مولانا عاقل کی زور بیانی کے کئی قصے مشہور ہیں۔سید عباس متقی نے اس واقعے کو خاکے کا جزو بنایا ہے:

> ایک دن حضرت حسامیہ منزل میں وعظ فرما رہے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ چل رہا تھا۔جب بات یہاں پہنچی کہ فرعون ،موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کرتے کرتے جب دریائے نیل پر پہنچ گیا تو اس کا گھوڑا نیچے اترنے ڈر رہا تھا۔حضرت نے فرمایا کہ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک گھوڑی پر تشریف لائے اور اپنی گھوڑی کو نیل میں اتار دیا۔پیچھے ہی فرعون کا گھوڑا تھا اس نے یہ کہہ کر نیل میں کود پڑا'' پیار کیا تو ڈرنا کیا''۔بس پھر کیا تھا محفل قند گل گوں سے معمور ہوگئی۔''(۷۵)

سید عباس متقی کی مزاح نگاری بعض اوقات لطائف کی توضیح ہوا کرتی ہے جس کا اعتراف انھوں نے اپنی رشحات میں بھی کیا ہے۔اس طرح انھوں نے ایک فرضی خاکہ حکیم مرزا عجیب الھیت بیگ کے نام سے لکھا جس کے مطالعے سے ہمیں اصل لطیفہ یاد آ جائے گا:

> ''جب ہم مرزا کے مطب پہنچے تو انھوں نے ہمیں دیکھ کر ہی پہچان لیا کہ بندہ اجابت سے محروم ہے۔مرزا نے ہارے ہوئے جواری کی طرح خفت مٹانے کے لیے ہم سے دریافت کیا حضرت آپ کرتے کیا ہیں۔ہم نے کہا مرزا ہندوستان میں کون آدمی اپنے کام سے مطمئن ہے جو ہم اپنے کام کی بابت آپ سے عرض کریں ہمیں اپنے مطلب کا کام آج تک نہیں ملا ہے اس لیے ہم کام کرتے نہیں جب کام نہیں کرتے تو کام کا نعم البدل شاعری کرتے ہیں۔مرزا نے ہمیں بے روزگار کیا پایا گویا من کی مراد پائی۔وہ یوں اچھلے گویا اب چیخنے کی تمہید باندھنے والے ہوں۔نوکر کو آواز دی کہنے لگے اب دیکھتا ہوں آپ کو اجابت کیسے نہیں آتی ہے۔اب آپ کو اجابت کے لیے دوا کی نہیں غذا کی ضرورت ہے۔خدا جھوٹ نہ بلوائے ہم نے مرزا کے دستر پر کچھ ایسا ڈٹ کر کھایا مانو وہ ہمارے ولیمے کی دعوت ہو اور بعد میں انھیں دعا دی کہ خدا انھیں بھی بامراد کرے۔''(۷۶)

سید عباس متقی اپنے ممدوح کے لطیفے کے رنگ والے پہلو کو کبھی نظر انداز نہیں کرتے۔انھوں نے عزم وعمل کا پیکر مظفر النساء ناز نامی خاکے میں محترمہ ناز کی اس عادت کا کیا ہے؟ سید عباس متقی کے اس خاکے کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ محترمہ ناز صاحبہ کو اپنے دوست احباب کی اچھی تصویر کو

جمع کرنے کا عجیب وغریب شوق ہے۔اس شوق کی اہمیت اور حیثیت اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب ان کی کسی سہیلی یا احباب میں سے کوئی انھیں داغ مفارقت دے جائے اور ان کے اہل خانہ کو ان کی مناسب تصویر نہ ملے جس سے اخبارات میں پر ملال نوٹ دیا جا سکے:

''ہم نے کہا کہ آپ اس نیک کام کو جلد جلد نہ ادا کریں ورنہ لوگ آپ کو اپنی تصویر دے کر اپنی موت کے تصور میں کھو جائیں گے۔بعض لوگوں کو موت سے بہت ڈر لگتا ہے کہیں صاحب مزاح خواتین اپنی حریف کو یہ کہہ کر نہ چھیڑنے لگیں کہ راہ پر آ جایئے ورنہ ناز صاحبہ کو آپ کی تصویر دے دوں گی۔'' (۷۷)

جب ہم سید عباس متقی کے فن خاکہ نگاری پر بات کرتے ہیں تو ان کی ایک خوبی یہ بھی کارے سامنے آتی ہے کہ وہ خاکے میں ممدوحوں کے علاوہ خود بھی پیش پیش دکھائی دیتے ہیں اور کوشش یہ کرتے ہیں کہ ممدوح کی شخصیت سے بعض پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے خاکہ نگار کی شرکت بے حد ضروری ہے۔مولانا عاقل کے خاکے میں دیکھیے:

''ہماری شخصیت میں مولانا عاقل کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔اگر آج ہم ایک شاعر ہیں تو وہ مولانا کا طفیل ہے،اگر ہم ایک مقرر ہیں تو وہ مولانا کا طفیل ہے،اگر ہم ایک مزاح نگار ہیں تو وہ مولانا کا طفیل ہے،اگر ہم ایک بیوی کے شوہر ہیں تو وہ مولانا کا طفیل ہے اگر دو بیویوں کے شوہر ہیں تو وہ مولانا کا طفیل ہے اگر ہم تین بیویوں کے شوہر ہیں تو وہ مولانا کا طفیل ہے اور اگر خوبی تقدیر سے ان شاء اللہ العزیز المستعان چار بیویوں کے مطلق العنان شوہر ہوں گے تو وہ بھی یقیناً مولانا ہی کا طفیل ہوگا۔نیک بخت مرید اپنی تمام نیکیوں کو اپنے پیر سے منسوب کرتا ہے۔'' (۷۸)

اسی خاکے میں خود خاکہ نگار کی شرکت یہاں بھی ضروری گردانی گئی ہے:

''ہم نے دارالعلوم حیدرآباد میں کئی سال پہلے بحیثیت مدرس زاں بعد کچھ مدت کے لیے شعبۂ پرائمری کے صدر مدرس کی حیثیت سے خدمت انجام دی ہیں۔وہ دور ہماری زندگی کا ایک سنہرا دور تھا،افلاس بام عروج پر تھا تو تقوی ثریا پر،غربت حیات کا طرہ امتیاز تھی تو زہد اپنے کمال پر۔ہم پیسے پیسے کو محتاج تھے لیکن دل غنا و بے نیازی سے لبریز تھا۔انہی دنوں ایک دفعہ ہم مولانا عاقل سے ملنے ان کے در دولت پہنچے،حضرت نے ملاقات کی اور دیر تک احوال بلکہ حال زار پوچھتے رہے،اور اتنی دیر پوچھا کہ ایک

امید کی ہلکی سے لہر ہمارے دل مایوس میں دوڑ گئی۔قبلہ نے ارشاد فرمایا تم بیٹھو میں ابھی
آ تا ہوں۔اس ارشاد عالیہ نے تو مزید امیدوار بنا دیا۔کچھ دیر بعد حضرت لوٹ آئے۔
اب یہ ہماری قسمت تھی کہ ہاتھ خالی تھے۔''(۷۹)

مصطفیٰ خیاط نامی خاکے میں ماہر شروانی جناب مصطفیٰ ممدوح قرار پاتے ہیں لیکن شیروانی کی توصیف اور زیب تن کرنے کے بعد انسان نے خوش نما دکھائی دینے یا نہ دینے کے لیے انھوں نے پنڈت نہرو کی شخصیت کا سہارا لیا ہے:

''پنڈت نہرو ہندوستان کی آزادی تک چھریرے واقع ہوئے تھے اسی لیے ان کے بدن پر شیروانی بہت اچھی معلوم ہوتی تھی لیکن جب وہ وزیر اعظم بن گئے تو شاید وہ خوشی میں موٹے ہو گئے تھے اب انھیں توند بھی نکل آئی تھی لیکن انھوں نے شیروانی نہیں چھوڑی تاہم ان کے پیٹ کا ابھار ان کی شیروانی پر ایک داغ معلوم ہوتا تھا۔ہم سوچتے ہیں کہ انھوں نے ''توند آمد شیروانی برخواست'' پر عمل کیوں نہ کیا۔''(۸۰)

حکیم حاذق مظفر الدین سعید کے خاکے میں خاکہ نگار کی شرکت اس طرح بھی دیکھی گئی ہے:

''غرض جب درد کولھا نے شدت اختیار کر لی اور نماز کی ادائیگی کے وقت خدا یاد آنے لگا تو ہم نے اللہ شافی اللہ کافی کا ورد کرتے ہوئے ہمہ اقسام کی ایلو پیتھک، ہومیو پیتھک اور ایورویدک دواؤں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔آہستہ آہستہ درد میں تو کوئی کمی نہیں ہوئی البتہ چال میں فرق آ گیا کہ درد کے سبب ہم لچک کر چلنے اور ٹھک کر سنبھلنے کے عادی ہو گئے۔جی چاہا کہ اپنا تخلص بدل کر تیمورا ختیار کر لیں کہ شاید لنگ ہی کچھ اورنگ و تاج کا باعث ہو۔''(۸۱)

اپنے رفیق خاں محمد عبدالباسط خاں کے خاکے میں خود خاکہ نگار کو اس طرح دیکھ سکیں گے کہ وہ اپنی سرکاری ملازمت پر ملامت کر رہا ہے:

''باسط کی آواز آئی اس بار تم ناکام نہیں رہو گے تمہارا نام سر فہرست ہے۔ بھاگو، تمہارے کاسہ تقدیر میں اسکول اسسٹنٹ کی بھیک اب گرا ہی چاہتی ہے۔اتنا سنتے ہی ہم ''ماڈرن ٹائم'' کے چارلی چپلن کی طرح سر پر پاؤں ہی نہیں اپنا سب کچھ رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پھر واقعی ہمارے بھیک کے کٹورے میں ترقی کی خیرات ڈال دی گئی۔''(۸۲)

اسی خاکے میں اپنے اپنا عکس اس طرح بھی دیکھتے ہیں:

''حسینوں نے وقت سے پہلے جوان کر دیا تھا تو فلموں نے وقت سے پہلے بالغ۔ عنفوان شباب نے ابھی سر ہی ابھارا تھا کہ والدین نے اس پر سہرا باندھ دیا۔ یہ آج تک بھی نہ معلوم ہوسکا کہ یہ قید و بند کی صعوبتیں کن نامعلوم خدشات کے تحت ہم پر طاری کر دی گئی تھیں اور کن موہوم اندیشوں کے باعث ہمارے ہاتھ میں ہتھکڑی اور پاؤں میں بیڑی ڈال دی گئی تھی۔'' **(۸۳)**

پھر ڈاکٹر فخر عالم اعظمی کے خاکے میں تجربے کی باتیں کرنے لگتے ہیں:

''جس میں جرأت نکاح نہ ہو اس میں جرأت گناہ کیا ہوگی۔ ہر قسم کی جراءتیں تو دہلیز عقد پر دم توڑ دیا کرتی ہیں۔'' **(۸۴)**

سید عباس متقی کی انشائیہ نگاری، مضامین اور خاکوں میں ہمیں بعض فرضی نام بھی ملتے ہیں جس سے انھوں نے بالراست طنز کے تیر چلائے ہیں اور قاری کو پتا چلتا جائے گا کہ وہ تیر کس حد تک نشانے پر لگے ہیں۔ چراغ شاہ کے نام سے استفادہ کرتے وہ لکھتے ہیں:

''ان کا یار غار چراغ شاہ انھیں دیکھ کر بہت جلتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ پڑھے لکھے آدمی کو فیاض ہونا چاہیے۔ ہم کہتے ہیں کہ جس صفت عالیہ سے علما و ادبا کی شخصیتیں عاری ہوں اسے محض گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ لوگوں میں تلاش کرنا ایک کار عبث ہے۔'' **(۸۵)**

پہیلی کے طرز پر تین ظرفی ناموں سے استفادہ کیا گیا ہے جن میں ہمرو پہلوان، جھمرو دادا اور مرزا عجیب الہیت بیگ کے سہارے دیو آنند تک پہنچا گیا ہے۔ اقتباس پڑھنے پر ہمیں اور بھی دیو آنند چہرے آنکھوں کے سامنے گھوم جاتے ہیں جو دراصل ہمرو پہلوان، جھمرو دادا نہیں ہرگز نہیں ہو سکتے:

''سنتے ہیں کہ ہمرو پہلوان کے قبضے میں ساٹھ بنگلے ہیں جو کبھی غربا و مساکین کے ہنستے کھیلتے گھر ہوا کرتے تھے اور جھمرو دادا کے پاس تیس کوٹھیاں ہیں جن میں سے کئی ایک اوقاف کی ملکیت ہیں۔ مرزا عجیب الہیت بیگ کا دعویٰ ہے کہ اوقاف کی جائیدادوں پر کوہ قاف کے دیو قابض ہیں اور وہ اتنے آنند پسند ہیں کہ ارباب مجاز محبت و عقیدت سے انھیں دیو آنند کہتے ہیں۔'' **(۸۶)**

پہلوانوں کی کم عقلی پر ماتم کرتے دکھائی دیتے ہیں:

''مرزا رستم بیگ پہلوان قسم کے آدمی ہیں لیکن بہت ڈرپوک واقع ہوئے ہیں۔ پولیس کی بو سے بھاگتے ہیں، کبھی اپنے ہاتھ سے بقرعید کے موقع پر جانور کو ذبح نہیں کیا، خون

دیکھتے ہیں تو چکر آنے لگتا ہے۔تعلیم یافتہ ضرور ہیں لیکن تعلیم ان کی خباثتوں پر فتح نہ پاسکی۔تعلیم سے کبھی خباثتیں دور نہیں ہوتیں ،اگر ایسا ہوتا تو امریکا شرافت و مروت کا آئینہ دار ہوتا اور برطانیہ میں برتری کے جراثیم نہیں پائے جاتے ، بچّے ماؤں کے قدموں کے نیچے جنت تلاش کرتے اور باپ کو جنت کا دروازہ سمجھتے۔'' (۸۷)

عباس متقی جہاں فرضی ناموں کا سہارا لے کر اپنی بات بہر حال کر جاتے ہیں وہیں ان کی تحریروں میں ہم نے انھیں براہ راست بھی طنز کرتے دیکھا ہے۔خواہ اس طنز میں وہ کیا جاتے ہیں ہنوز معلوم نہ ہوسکا۔ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال پر کیا گیا طنز اس طرح ہے:

''ہم میں اور مصطفیٰ کمال میں ایک بات تو قدر مشترک ہے کہ وہ شگوفہ نکالتے رہے اور گھر پہ گھر بناتے رہے اور ہم شگوفہ میں لکھتے رہے اور گھر پہ گھر بساتے رہے۔کون طنز و مزاح کی خدمت زیادہ کر رہا ہے یہ ہم شگوفہ کے خریداروں پر چھوڑتے ہیں۔'' (۸۸)

ایک اور خاکے میں چبھن کو برابر محسوس کیا جا سکتا ہے:

''ہم نے صاف صاف کہہ دیا کہ بھئی یہ مکان ہمارے داماد کی ملکیت ہے اور انھوں نے ہمیں رہنے کے لیے مرحمت فرمایا ہے۔یہ سنتے ہی ان کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہونے لگے گویا یہ ہی ان کے دل میں تھا۔کہنے لگے ہاں! اردو کا استاد اور ایسا عالی شان مکان بنوائے یہ ممکن ہی نہیں۔البتہ اردو کے کسی پرچہ کا مدیر ایسا مکان ضرور بنوا سکتا ہے بلکہ ہم تو ایک ایسے مدیر کو بھی جانتے ہیں جس نے اپنی ہر لڑکی کی شادی کے بعد اپنے لیے ایک ایسا مکان بنوایا ہے۔اب خدا معلوم موصوف نے یہ کوئی شگوفہ چھوڑا تھا یہ فی الواقعی یہ صحیح بات تھی ،ہم پہلی بات کو زیادہ قرین قیاس سمجھتے ہیں۔'' (۸۹)

پروفیسر مغنی تبسم کے بارے میں سید عباس متقی کا طنز کہا تک بجا ہے دیکھیے:

''جب ملاقات ہوتی چشم اقدس میں تنفر کی پرچھائیاں ہویدا رہتیں۔کبوتر با کبوتر باز با باز کے مصداق مغنی صاحب کو لائق قلم کاروں سے زیادہ قم بردار تملق ساز لوگوں سے دلچسپی ہوتی اور صاحب ہنر فنکاروں سے زیادہ بے ہنر ماہ پاروں سے لگاؤ ہوتا ،خدا جھوٹ نہ بلوائے ہم خود کو برہمنوں میں ہریجن متصور کیا کرتے تھے۔'' (۹۰)

بعض وقت سید عباس کا یہی طنز ہلکا پھلکا لیکن تلوار سے زیادہ تیز لگتا ہے جس سے کلیجہ چھلنی ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ایک خاکے میں اپنے شاگرد کو تنبیہ محمود عطا کر رہے ہیں:

''اب یہ ہماری بھی تو اوج آ ثار سنک ہی ہے کہ ہمارے استادوں نے ہم پر تادیب کے لیے ہاتھ اور تنقید کے لیے انگلی ضرور اٹھائی لیکن کبھی توصیف کے لیے قلم نہیں اٹھایا لیکن ہم ہیں کہ اپنے شاگرد پر نہ صرف قلم اٹھا رہے ہیں بلکہ اپنی انا واستغنا پر صدق دل سے استغفار پڑھ کر لکھ بھی رہے ہیں۔'' (۹۱)

استادوں پر زبردست طنز کیے بغیر نہیں رہتے:

''مصطفیٰ ٹیلر کی زندگی نہایت آزمائش اور کڑے امتحان سے گزری ہے۔انھوں نے اپنی زندگی کے راز ہائے گونا گوں پر سے پردے اٹھاتے ہوئے کہا کہ وہ لڑکپن ہی سے فن خیّاطی کی جانب مائل رہے اور ''استاد بھومیا'' ساکن داراب گنج کے ہاں محض چھ آنے روزینہ پر نوکر ہوئے اور اپنی شبانہ روز جدوجہد سے اپنے فن میں کمال حاصل کیا۔ انھیں اس بات کا دکھ ہے کہ اساتذۂ فن نے کبھی دل کھول کر اپنے شاگردوں کو اپنا فن نہیں سکھایا بلکہ اپنے فن کو اپنے شاگردوں سے چھپاتے رہے اور مزید افسوس کا مقام ہے کہ ''اخفائے فن'' کا سبق انھوں نے اپنے اساتذہ سے حاصل کیا تھا۔'' (۹۲)

خانگی مدارس کے مالکوں پر عباس متقی کا طنز ایسا بھی ہوسکتا ہے:

''کچھ خانگی مدارس کے مالکین بھی عجیب ڈرا یکولا قسم کے اشخاص ہوتے ہیں پڑھنے والے بچوں کے غریب والدین کا بھی خون چوستے ہیں اور پڑھانے والے اساتذہ کا بھی، پھر بھی انھیں گلہ ہوتا ہے کہ ہنوز پیٹ خالی ہے۔'' (۹۳)

جناب قاری ایم۔ ایس خاں کے اخبارات میں لکھنے کی عادت پر ان کے بعض دوستوں بالخصوص خاکہ نگار کا طنز پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے:

''ان کے بعض دوستوں نے انھیں دل کی گہرائی سے مشورہ دیا تھا کہ وہ اخبارات میں لکھنے کی بجائے اخبارات بیچنے کا کام کریں، اخبار کے لیے لکھیں گے تو روٹی نہیں ملے گی اور اخبار بیچیں گے تو روٹی ملنے کے امکانات زیادہ روشن ہوں گے اور یوں ان کی جیب احمقوں کے سر کی طرح خالی نہ رہے گی لیکن ایم۔ ایس۔ خاں نے ان گھٹیا مشوروں پر کبھی کان نہیں دھرا اور کان علم وفن کے جویا رہے۔'' (۹۴)

نام نہاد حکمیوں پر سید عباس متقی کا طنز پر مزاح بھی لگتا ہے جس میں فرضی ناموں کا اطلاق حقیقی لگتا ہے۔ حکیم مرزا عجب الہیبت بیگ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اب ہمیں کیا معلوم تھا کہ مرزا کوئی سند یافتہ حکیم نہیں ہیں بلکہ اپنے چچا مرحوم کے مطب کو اپنی غائب دماغی اور حاضر جوابی کی بدولت چلا رہے ہیں۔ بعض وقت تو اندازہ لگانا مشکل ہوتا تھا کہ مرزا مطب کو چلا رہیں ہیں یا مطب مرزا کو چلا رہا ہے۔'' (۹۵)

حکیموں کے سامنے دوسرے حکیم کی تعریف کبھی نہیں کرنا چاہیے لیکن سید عباس متقی نے مرزا عجب الہیت بیگ کے سامنے حکیم سجاد الزماں کا ذکر کر کے دیکھتے ہیں:

''ایک دن ہم نے دریافت کیا مرزا حکیم سجادنالزماں کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہنے لگے مسخرہ ہے۔ نبض دیکھنی نہیں آتی ہے چلا ہے حکیم بننے۔ میرے والد کا شاگرد نامعقول ہے۔ اس کی بداخلاقیوں کے سبب خارج فرمادیئے تھے۔ دوائی منہ میں رکھ کر مریض سے پوچھتا ہے درد گیا؟ مریض مجبور ہوتا ہے۔ حکیم کی ڈانٹ سن کر کہہ دیتا ہے ہاں درد گیا۔ چلیے دوسرے مریضوں کو اطمینان ہو گیا۔'' (۹۶)

لگے ہاتھوں حکیم شہباز کا تذکرہ بھی کر دیتے ہیں:

''مرزا وہ جو حکیم شہباز کا آج کل بڑا شہرہ ہے۔ سنا ہے خواتین تو شہبازی کی دیوانی ہیں ہم نے پہلو بدل کر سوال کیا اور مرزا نے ایک عدد گونج دار آواز میں جماہی لی اور اس بے چارے کا شجرہ سنانے لگے۔ والد مرحوم کے پاس دوائیاں پیسا کرتا تھا اب نسخے لکھ کر روپے اینٹھ رہا ہے۔ بڑا چال باز ہے، لچھے دار گفتگو سے لوگوں کو الو بناتا ہے۔ نہ اخلاق نہ کردار، بس روپیہ کے پیچھے بھاگتا ہے جیسے لیڈر کرسی کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ نواب بیدار خاں بہادر کے ہاں اوپر کا کام کیا کرتا تھا اب باضابطہ مطب چلا رہا ہے۔ یاقوت پورہ یونیورسٹی کا ڈگری ہولڈر ہے۔ اچھا حکیم بہرام الدولہ عشوہ۔ یہ نام سنتے ہی مرزا غصے سے پہلے لال پھر پیلے ہو گئے۔'' (۹۷)

حکیموں کی حکمت مریض کو تمام امراض سے آزاد کر دیتی ہے۔ اس بابت سید عباس متقی کے خیالات کچھ اس طرح ہیں:

''مرزا کا جہاں مطب تھا اس کے بغل ہی میں ''کفن'' کی دکان کھل گئی تھی۔ غسالوں کا بیان ہے، مریض دو ایک دن تو مطب میں آتا پھر اس کے بعد اس مریض کے قرابت دار ہمارے یہاں دیکھے جاتے۔ پھر وہ مریض مرزا کے مطب میں ہرگز دیکھا نہیں جاتا۔ مرزا ادھر مصروف اور کفن دفن کا کاروبار کرنے والے ادھر مصروف۔'' (۹۸)

سید عباس متقی کی تحریروں کو پڑھنے کے بعد اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ گینیز بک میں نام پانے کے لیے کیا کیا جانا چاہیے اور کیا کیا ہونا کافی ہے۔ ان کے خیال میں جناب

یوسف روش کا نام گینیز بک میں شامل ہونا چاہیے کیوں کہ اول تو انھوں نے ہزاروں مشاعروں میں شرکت کی ہے ثالنیاً انھیں ڈائری میں لکھ چھوڑا بھی ہے اقتباس دیکھیے :

''اب یہی دیکھیے کہ انھوں نے نہ صرف متعدد مشاعرے پڑھے ہیں بلکہ لکھے بھی ہیں ۔ اگر مشاعرے میں شرکت اور کلام نوازی کی تعداد کا مقابلہ ہو تو ان کا نام گینیز بک میں بھی آسکتا ہے ۔ انھوں نے محض پندرہ سالوں میں دو ہزار ننیانوے مشاعرے پڑھ چکے ہیں اور ہمارے مضمون کے اختتام تک یقین ہے کہ مشاعروں کی تعداد دو ہزار اور پرسو ہو چکی ہوگی ۔'' **(۹۹)**

اسی طرح وہ ہمارے ملک ہندوستان کا نام بھی گینیز بک میں دیکھنے کے خواہش مند ہیں :

''ہمارے ملک ہندوستان جنت نشان کا بھی جواب نہیں ، عجوبہ عالم واقع ہوا ہے اب اس کا نام تو گینیز بک میں آنا چاہیے کہ یہاں چاول دو روپیے میں ایک کلو ملتے ہیں اور چائے پانچ روپیے میں ایک پیالی ۔ یا اللعجب ، ترقی معکوس کا مطلب ہم پر اب آشکار ہو گیا ہے ۔'' **(۱۰۰)**

سید عباس متقی اپنی تحریروں میں مختلف زبانوں کے الفاظ فقرے اور جملوں کے علاوہ فارسی ، عربی اور اردو زبان کے مصرعوں کو استعمال کرتے ہیں بعض دفعہ پورے کے پورے شعر میں سرنامہ مضمون بناتے ہیں تو کبھی تضمین سے کام لیتے ہیں ۔ نثر میں مصرعوں کے استعمال کی مثالیں دیکھیے :

''روپے پیسے کے معاملے میں ڈاکٹر صاحب کتنے ہی حاتم کیوں نہ ہو داد و تو صیف کے معاملے میں نہایت تنگ دل بلکہ تنگ دہن واقع ہوئے تھے ۔ کیا مجال جو کبھی منہ کھول کر دل سے داد دیں ۔ ہاں کبھی کبھی ایک آدھ تبسم سے اپنی خوشی و خوش نودی کا اظہار ضرور فرمایا کرتے تھے اور غریب الادب شعرائے کرام و ناہنجار ادباء عظام ''یہ ایک تبسم بھی کسے ملتا ہے'' کا نعرہ مار کر مغنی تبسم کے ایک تبسم پر اکتفا کر لیا کرتے تھے ۔'' **(۱۰۱)**

جناب یوسف روش کے خاکے میں فارسی مصرعے کا استعمال کس خوبی سے کیا ہے :

''ہم نے پوچھا کہ روش بھائی آپ تو سنی العقیدہ ہیں پھر کسی کے دست مقدس پر بعیت کیوں نہیں فرما لیتے کہ ''مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم'' کہنے لگے کوئی حقیقی معنی میں مجھے خدا رسیدہ نظر ہی نہیں آیا ، ہم نے کہا روش بھائی یہ شہر خلوص ہے اس کا دوسرا نام بلد عرفان بھی ہے ۔ یہاں ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں والا معاملہ ہے ، شرط ایقان وتلاش کی ہے ۔ کہنے لگے ، کہاں ہے ؟ ہم نے کہا ذرا نظر اٹھایئے ایک تو روبرو ہی ہے اس پر حسب عادت ایک زبردست قہقہہ لگایا اور حسب روایت ہاتھ ملایا اب خدا معلوم یہ ہاتھ ملانا مصافحہ محبت تھا یا بیعت عقیدت ۔'' **(۱۰۲)**

مظفر النساء ناز صاحبہ کے لیے لکھا گیا خاکہ پڑھنے پر علامہ اقبال کے مصرعے کا ہو بہو استعمال ملتا ہے:

''جب ہم ناز صاحبہ کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ہر صبح، صبح بہار اور ہر شام، شام امن ہے۔ اقبال نے جو فرمایا تھا کہ وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ، ان کی ذات اس مصرع کا مرقع بن کر منصۂ شہود پر جلوہ گر دکھائی دیتی ہے۔ اتنی شہرت لیکن کوئی غرور نہیں اتنی دولت لیکن کوئی نخوت نہیں، اتنا عظیم عہدہ لیکن کوئی تکبر نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک معصوم شخصیت سے مل رہے ہیں جس کو آلائش گیتی نے چھوا تک نہیں ہے۔ نیکی وخداترسی ناز صاحبہ کا طرہ امتیاز ہے۔'' **(۱۰۳)**

پروفیسر مغنی تبسم کے خاکے میں فارسی مصرعے کا استعمال ایک کیفیت پیدا کر دیتا ہے:

''ڈاکٹر صاحب نے اپنی شاگردہ سے شادی رچا کر اپنے ہونہار شاگردوں کے لیے انتخاب کی راہوں کو وسیع فرما دیا تھا جس پر ان کے ہونہار شاگرد ''ہر چہ بادا باد ما کشتی درآب انداختیم'' فرماتے ہوئے نکل پڑے ہیں۔'' **(۱۰۴)**

علاوہ ازیں سید عباس متقی پیرا گراف کے پیرا گراف تک اردو میں ہندی اور فارسی طرز پر لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جناب الیاس مسعود کے خاکے میں رانی پدمنی کا واقعہ ہندی الفاظ کے امتزاج ترتیب دیتے دکھائی دیتے ہیں:

''رانی پدمنی کے تو بھاگ کھل گئے۔ جیون کی اپسرا نے آکاش میں پوتر جل سے اشنان کیا۔ اپنی سندرتا سے من کو پرسن کیا۔ وہ جوگی جو مدتوں سے گھنگھور گھٹاؤں' کالی گھپاؤں میں ایک ٹانگ پر کھڑا اپنی کامناؤں اور بھاؤناؤں کا بلیدان کرتا ہوا تپسیا کے چھپر کپٹ تلے جوگ کا امرت پی رہا تھا' جاگ اٹھا۔ سنگیت کی مدھر سروں کے ساتھ آشاؤں کا پنر جنم ہوا۔ دھرتی مدھیرا کی ورشا سے جل تھل ہوگئی۔ باورے پنچھی سندر پنکھ پھیلائے دھرتی سے گگن کی اور پرویش کرنے لگے۔ شریر کے ساتھ آتما کے سنسار میں سکھ اور سنتوش کی لہر دوڑ گئی۔ من موہنی نے پوچھا۔ سوامی یہ چمتکار کیسا؟ ہم نے کہا' رنگ اور روپ کے سنگھاسن پر براجمان رانی روپ متی تیرا پتی اپنے متر شریمان الیاس مسعود خان کے دوار سے آ رہا ہے۔ یہ سندر اور کومل کلپنا اسی کلاکار کا اپہار ہے۔ رانی چندر مکھی نے چندر سمان مکھ پر لاج کا آنچل ڈالے ہزاروں ورش پہلے کی بھاشا میں کہا۔ پڑوترا مٹکولایٹ کڑا۔ گھوم بھدروشا اٹ پڑی۔ ہم نے کہا سندری شدھ ہندی میں کہو یا اشدھ سندھی میں۔ مہارانی بھانومتی نے کہا سوامی اس مہا پرش کے دوار تم پھر کب پرویش کرو گے۔ ہم نے کہا گنڈوتی ہر سکھ میں دکھ کی کٹھنائیاں اور ہر سنتوش میں اوشیہ

کشٹ ہوتے ہیں۔منش کے بھاگ میں جولکھا ہے وہی اوشیہ ہوتا ہے۔لوبھ اور چنتا کے کارن منش کی آتما پر ماتما سے دور ہو جاتی ہے۔الیاس بھائی کے عطریات بہت قیمتی ہوتے ہیں بار بار انہیں کشٹ دینا اچت بھروش بھنڈار تا ہے۔تمہیں گیان نہیں، ان کے کشٹ میں ہمارا کشٹ ہے۔کلاوتی نے زبان کھولی اور بولی کنتو سوامی ہم تو خس، حنا، شمامہ، لوبان، عود اور خاص کر کیوڑے سے بہت پرسن ہوتے ہیں۔ہماری منو کامناؤں میں بھرشٹا چار کا آپ کو کوئی ادھیکار نہیں۔'' **(۱۰۵)**

اسی طرح ڈاکٹر محمد ضیاء الدین احمد شکیب کے خاکے میں فارسی پیراگراف ان کی فارسی دانی پر دال ہے:

''قسمت مان کہ بہ این ہمہ تحصیل سند دکتری و پیش دکتری ہنوز بچہ ہائے ہفتم و ششم را گائے اور بکری یا آدمی نامہ می آموزیم ،آموختن ساقی نامہ ٔاقبال در نصیب ما نیست۔'' **(۱۰۶)**

پھر ڈاکٹر شکیب کے بارے میں یہ لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کا چہرہ بہت نورانی ہے معلوم نیست کہ آیا این نورانیت از وجہ نیک اعمالیست کہ از سبب خوش حالیست ولیکن ما خوش گمان ہستیم بدین سخن اول را ترجیح بدہیم وگرنہ بیشتر مردمان لندن خوشرو مرفع الحال شوند لیکن صاحب حال وصاحب کمال نہ شوند، ماشاءاللہ اس عمر میں بھی وہ نوجوانوں کی طرح چاق و چوبند اور مستعد نظر آرہے تھے۔'' **(۱۰۷)**

اپنی تحریروں میں انگریزی الفاظ کا استعمال اس چابک دستی سے کرتے ہیں کہ گویا اس پیراگراف سے وہ لفظ نکال دیں تو لطف جاتا رہے:

''ہم انھیں پیدائشی پارسا سمجھتے ہیں،لیکن انھیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ شاگردان پارسا اپنے معصوم بزرگوں کے عشق میں ''اسپیڈ بریکر'' کی تعمیر نہیں کیا کرتے بلکہ ان کے عشق کی نیا کو پار لگانے میں ممدو معاون ثابت ہوتے ہیں۔'' **(۱۰۸)**

عربی مقولے کا ذکر بھی کیا خوبی سے کرتے ہیں:

''غریب کی بھولی بھالی صورت ،صورت تلمیح ہماری آنکھوں میں گھوم گھوم جاتی ہے اور ہمارے ذہن کے کسی گوشے میں عربی زبان کا مشہور مقولہ ''القرض مقراض المحبۃ'' کوند جاتا ہے۔'' **(۱۰۹)**

ایک خاکے میں بے روزگاری اور بھوک کی حقیقت کو وا کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''بیروزگاری میں دو چیزیں بہت شدت دکھاتی ہیں ایک بھوک دوسرے عشق۔ اگر آدمی بھوکا بھی ہو اور عاشق بھی تو بچے اس پر پتھر پھینکتے نظر آتے ہیں۔''(۱۱۰)

دوسرے خاکے میں ایک فقہی مسئلہ اور اس کا حل چاروں فقہ کی روشنی میں پاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ موصوف جب بھی پروفیسر مغنی تبسم کے دولت کدے پر حاضری دیتے وہاں لڑکیوں کی چہل پہل پاتے اس خصوص میں کہتے ہیں:

''حسین دوشیزاؤں کی چہل پہل ہمارے اندر پہلے رشک کے محمود جذبات کو جنم دیتیں، بعدازاں حسد کے غیر محمود جراثیم کو گردش کرنے پر مجبور کردیا کرتی۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے چاہ بلور میں ایک بے نام سی جلن محسوس ہونے لگتی۔ ایک دفعہ جو ابلیس نے وسوسہ کی یلغار کی تو ہم نے ازراہ تعوذ، استغفار پڑھی اور گویا ہوئے استاد کا درجہ باپ کے برابر ہوتا ہے، نسیم نے لقمہ دیا ''درجہ'' ہوتا ہے خود استاد نہیں، شاگردہ سے نکاح چاروں فقہ میں جائز ہے۔''(۱۱۱)

جب نکاح کا ذکر چھڑ چکا تو وہ اپنے شاگرد رشید ڈاکٹر فخر عالم اعظمی کو یاد کرلیتے ہیں جن کی شادی ابھی تک نہیں ہوئی ہے:

''اب یہی دیکھیے کہ وہ زندگی کی عمر بہاراں سے نبرد آزما ہیں اور ہنوز مصرع واحد کی طرح لڑکھڑا رہے ہیں زندگی ہرگز مصرعہ واحد کا نام نہیں مصرعہ ثانی سے شعر میں رنگ پیدا ہوتا ہے۔ ہم رباعی کے شاعر ہیں، دو ایک مصرعوں میں ہم اپنے افکار عالیہ کو ظاہر نہیں کرسکتے۔''(۱۱۲)

سید عباس متقی دوسرے مرتبہ شادی کرنے والے تھے کہ ان کے دیرینہ دوست جناب محمد عبدالباسط خاں سے ملاقات ہوگئی اور لگے گھر کی روداد سنانے حالاں کہ اس خاکے میں اس واقعے کی چنداں ضرورت نہ تھی:

''ایک دن باسط خاں راستے میں مل گئے ہم نے کہا ایک سو روپے تو نکالو۔ اتنا سنتے ہی انھوں نے سو کا نوٹ نکال کر دے دیا اور پوچھا، خیریت! ہم نے کہا لوگ دیکھنے آرہے ہیں اور گھر میں کوئی نہیں۔ باسط نے حیرت سے پوچھے جب گھر میں کوئی نہیں تو لوگ دیکھنے کس کو آرہے ہیں۔ ہم نے کنواری دوشیزاوں کی طرح شرما کر کہا لوگ ہمیں دیکھنے آرہے ہیں۔ باسط خاں کی حیرت بڑھ گئی، پوچھا۔ تم کو دیکھ کر کیا کریں گے؟ ہم نے کہا کہ اگر ہم انھیں پسند آجائیں تو ان کی صاحبزادی ہماری شریک

حیات بن جائے گی۔ کہنے لگے بھابھی کہاں ہے؟ ہم نے کہا کہ ہم نے انھیں میکے
بھیج دیا ہے، ایسے مبارک موقع پر ہر شریف آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔'' (۱۱۳)

سید عباس متقی نثر میں بکثرت آیات قرآنی استعمال کرتے ہیں۔ مضمون کی طوالت کے پیش نظر دو ایک مثالیں دی جاتی ہیں:

''ہم نے دیکھا کہ لوگ لب سڑک تو بہت کچھ تعریف و توصیف سے کام لیتے ہیں
لیکن جب موقع آتا ہے تو صم بکم عمی کا آئینہ دار ہو جاتے ہیں اور یہ دورخی نہ صرف یہ
کہ نزد بندگان خدا نا محبوب ہے بلکہ نزد خدائے عزوجل بھی محمود نہیں۔'' (۱۱۴)

سید عباس متقی ایک شریف انسان اور ایک عظیم پہلوان دارا سنگھ کی بابت نوجوانوں سے مخاطب ہیں:

''نوجوانو! جم میں اپنے جسم کو بنانے والو! آؤ! دارا سنگھ سے نصیحت حاصل کرو۔ کبھی ان
کا نام کسی تھانے میں نہیں لیا گیا اور تم ہو کہ دنگل سے نکلتے ہی دنگے کرنے لگتے ہو اور
جوں ہی سینہ پر سو گرام گوشت ابھر آیا اور تم ہو کہ حباب کی طرح ابھر آئے۔ بھول گئے،
مالک جسم و جاں نے کیا ارشاد فرمایا تھا، ولا تمشی فی الارض مرحا۔ اے لوگو
زمین پر اکڑ کے مت چلو۔ ذرا غور سے دیکھو دارا سنگھ بھی تو آخر پہلوان تھے بلکہ رستم ہند
تھے لیکن کسی نے انھیں سینہ تان کر مغرورانہ چال چلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (۱۱۵)

سید عباس متقی کی تحریروں میں روزمرہ، ضرب الامثال اور محاوروں کا استعمال بھی پایا جاتا ہے۔ بالخصوص ان کے خاکوں میں محاوروں میں تحریف نگاری کثرت سے ملتی ہے۔ مولانا عاقل کی بابت رقم طراز ہیں:

''ہجو کو قصیدہ بنا دینا ہمارے بائیں ہاتھ کا اور قصیدہ کو ہجو بنا دینا ہمارے سیدھے ہاتھ کا
کام ہے۔'' (۱۱۶)

مظفر النساء ناز کے افراد خاندان کا تذکرہ اس سفا کی سے کرتے ہیں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے پائے:

''اب یہ موت ہی کا تو شدید احساس تھا کہ موصوفہ نے اپنی جائیداد کو اپنے جیتے جی اپنی
اولاد میں تقسیم کر دیا تا کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔'' (۱۱۷)

ہاتھ ڈالنا والے محاورے میں اضافے کو کیا خوب صورتی سے برتا ہے:

''باسط خاں جس کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو صرف ہاتھ ہی نہیں ڈالتے بلکہ آستین چڑھا
کر خود اس کام میں کود پڑتے ہیں۔'' (۱۱۸)

روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد کے نام سے لکھا خا کہ دیو آنند کی شخصیت کو نہ صرف چار چاند لگاتا ہے بلکہ داغ دار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔اس خاکے میں دیو آنند کی شخصیت کے نشیب وفراز کو جس تندہی سے برتا ہے وہ خاکے کے مطالعے سے پوری طرح عیاں ہو جاتا ہے لیکن کے۔ایل سہگل کا تذکرہ اوراس پر محاورہ اوراس محاورے میں تحریف پڑھنے سے متعلق رکھتی ہے:

''ایک تو سہگل کی آواز ہی پر درد، اس پر طرہ یہ کہ اس گیت میں پوشیدہ جذبات بھی رقت انگیز کہ سننے والوں کا کلیجہ اگر موجود ہوتو منہ کو آجاتا ہے۔''(۱۱۹)

نیکی کر دیا میں ڈال والا محاورے کو تشہیرے جھوڑ کر ممدوح کی جبلت بیان کی ہے:

''روش بھائی کی سیکل پھرتی اور عمر دیکھ کر ہم دریائے حیرت میں غوطہ زن ہو جاتے ہیں۔کیا غضب کا امتزاج ہے۔اقبال نے جو مصرع ''ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے'' ارشاد فرمایا تھا، حضرت روش پر بہ تمام وکمال صادق آتا ہے۔ اس عمر میں بھی آدمی کا ہے کو ہیں چھلاوہ ہیں۔سائے کی طرح آتے ہیں اور بھوت کی طرح غائب ہو جاتے ہیں۔''(۱۲۰)

محاورے میں تحریف واضافے سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کو خوش آئند سمجھا جائے تو مناسب ہوگا:

''ایک دن عمران بھائی نے کہا کہ وہ ایک ایک دن میں تیس تیس ہزار روپیہ تک کما لیا کرتے تھے اور یہ اس دور کی بات ہے جب سرکاری عہدہ دار محض تین چار ہزار روپے تنخواہ پایا کرتا تھا۔عمران بھائی مال وزر کے معاملے میں بھی اتنے ہی خوش بخت واقع ہوئے ہیں جس قدر علم وفن کے معاملے میں خوش نصیب واقع ہیں۔یہ اور بات ہے کہ اہل دکن کا ہمارے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ جب اپنے آپ کو دیکھتے ہیں تو خود پر تھوک لینے کو جی چاہتا ہے (پان کھا کر)۔''(۱۲۱)

سید عباس متقی کے محاوروں میں ضائع بدائے وافر حقدار میں ملیں گے۔انھوں نے بار ہا سابقوں اور لاحقوں سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔بعض دفعہ سابقوں کے تواتر استعمال سے لاغر پیر گراف میں جان پر جاتی ہے۔یہاں سابقہ ذر کا استعمال دیکھیے:

''جس طور سے حضرت وعظ فرماتے اس کی دیوانہ وار نقل جاری رہتی۔ حد تو یہ ہوئی کہ ہماری تقریر پر لوگوں کو حضرت کی تقریر کا گمان ہونے لگا۔ تو من شدی من تو شدم والا معاملہ ظہور پزیر ہونے لگا۔ تصوف کے وہ نکات کہ جن کا ادراک واحساس تقدیر کا خاصہ ہے بہ صورت اتم حاصل رہتا۔ ہوش در دم، نظر بر قدم، سفر در وطن خلوت در انجمن جیسے عناوین زندگی میں اپنے اثرات مرتب کرنے لگے۔'' (۱۲۲)

لائق سے نالائق کا سفر نہایت مختصر ہے غور کیجیے:

''بیویوں کی بات اور ہے نالائق سے نالائق بیوی سے بھی لائق سے لائق آدمی گزارہ کر لینے پر قادر ہوتا ہے۔'' (۱۲۳)

دل اور دماغ کے تامل میل کی مثال اس سے اچھا کیا ہوسکتی ہے:

''فخر عالم کو جان لینا چاہیے کہ یہ حیدرآباد ہے یہاں لوگ محبت سے باتیں کرتے ہیں قواعد سے نہیں۔ یہاں شاعری دل سے کی جاتی ہے دماغ سے نہیں۔'' (۱۲۴)

انکساری اور عاجزی کی انتہا خاکساری سے ہوتے ہوئے بامِ عروج پر پہنچ کر گردانی جاتی ہے چنانچہ مریضانہ کوشش حکیم حاذق مظفرالدین سعید کے خاکے میں انکساری کی اچھوتی اصطلاح دیکھیے:

''آج ہم جس بلند پایہ، تجربہ کار اور حاذق حکیم پر اپنا بیمار قلم چلانے جارہے ہیں ان کا نام نامی اسم گرامی حضرت حکیم مظفرالدین سعید ہے۔

حکیم صاحب سے ہماری پہلی ملاقات ہمارے درد کولھا کی مرہون منت ہے۔ اگر ہمارے کولھے میں درد نہ ہوتا تو شاید حکیم صاحب سے نہ ملاقات ہوتی نہ ملاقاتوں کا سلسلہ چل پڑتا اور نہ ہم اس وقت حضرت حکیم صاحب پر کچھ لکھنے کی مریضانہ کوشش کررہے ہوتے۔'' (۱۲۵)

جناب چاند بھائی والے خاکے میں انسانوں کی انا پر کاری ضرب لگاتے ہیں۔ ایسی ضرب کے انسان کا ضمیر جاگ اٹھے۔ سید عباس متقی کے الفاظ دیکھیے:

''کون ہے جو اپنے ہاتھ سے اپنا گل دان نہیں دھوتا اور اتنا رگڑتا ہے کہ کنگورے چمکنے لگتے ہیں مگر آدمی ہے بہت مجبور جو چکا تا ہے نہ خود دیکھ سکتا ہے نہ دوسروں کو دکھا سکتا ہے اور اتنی غیر شائستہ خدمت کے باوصف پتا نہیں کس منہ سے انا ربکم الاعلیٰ کہنے سے نہیں چوکتا۔'' (۱۲۶)

سید عباس متقی افسانہ نگار ہرگز نہیں ہیں تاہم ان کی تحریروں پر غور کرنے پر ہمیں کہیں کہیں افسانوی رنگ جھلکتا دکھائی دیتا ہے اس خصوص میں حکیم مرزا عجیب الہیت بیگ نامی فرضی خاکے کو پڑھتے جایئے ویسے ویسے افسانوی شبیہ بنتی جائے گی۔

سید عباس متقی مذکورہ خاکے میں حکیم کے ہاں اپنی بپتا لے کر جاتے ہیں کہ اجابت صاف نہیں ہے اس پر حکیم مرزا کی باتوں کو جو افسانوی کیفیت دی ہے پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے:

> ''اجابت کا صاف ہوجانا کچھ ایسی خوشی تھی کہ جس کا بیان لفظوں کا متحمل نہیں۔الغرض ہم مرزا کے مطب پہنچے اور مطلب بیان کر دیا۔مرزا نے نبض دیکھی قبض پوچھا۔ہم نے کہا مرزا ایک ہفتے سے آرزو مند ہوں۔امید کا دامن تھامے جاتا ہوں مایوس لوٹ آتا ہوں۔ہوائیں چلتی ہیں بجلیاں چمکتی ہیں۔بادل گرجتے ہیں بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موسلا دھار بارش ہوگی جل تھل ایک ہوگا مگر سوکھا پڑا رہتا ہے۔دور تک بنجر ہی بنجر، حدنظر تک قحط کے آثار۔اب تو خالی ہاتھ جانے، خالی ہاتھ آنے کی گویا عادت سی پڑ گئی ہے۔'' **(۱۲۷)**

جب اجابت اجازت نہیں لیتی ہے تو حکیم مرزا ایک فرضی معجون دیتے ہیں اور طریقہ استعمال اس طرح بتلاتے ہیں:

> ''یہ معجون گنجلک ہے۔اسے نیم گرم پانی سے رات میں لے لو۔آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑے گا۔لاوا جوش ما کر ابلے گا۔سیاہ دھویں کے بادل اٹھیں گے۔کالی بارش ہوگی۔مرزا نے اس جوش اور ولولہ انگیزی سے منظر کھینچا کہ ہمیں ایٹم بم کی کارستانیاں یاد آنے لگیں، **''ذکر اپنے لاوے کا اور پھر بیاں اس کا''** معجون گنجلک کے ساتھ یہ ''حسب خوب خواہ'' لے لینا۔اس گولی نے اچھے اچھوں کا لوہا موم کر دیا ہے۔جو ہوتا ہے باہر کھینچ لاتا ہے۔مانو کسی لیڈر کی چھپی ہوئی دولت ہو۔'' **(۱۲۸)**

بالآخر لعوق گاڑھالا استعمال کرنے کی ہدایت دیتے ہیں مگر کچھ نہ دوا نے کام کیا والا معاملہ ہوتا ہے۔اقتباس کی نزاکت غور طلب ہے:

> ''یہ ''لعوق گاڑھالا'' ہے۔کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ہم نے سوچ ہی لیا اب کامیابی قدم ہی چومتی ہے۔کہنے لگے کہ یہ چچا مرحوم کا آخری نسخہ ہے۔کیمیا کی طرح چھپا رکھا تھا۔مجھے تم پر رحم آتا ہے اس لیے اس نایاب دوا کا استعمال کروا رہا ہوں۔پہاڑوں میں رکھ دیا جائے تو سونا نکل پڑے، دریاؤں میں ڈال دیا جائے تو موتی ابل پڑیں۔فضاء میں رکھ چھوڑوں تو موسم بدل جائے۔محض دکھادوں تو مئے

کش سنبھل پڑیں۔ یہ کہتے ہوئے مرزا لڑکھڑا گئے کیوں کہ ان کی کرسی کے صرف تین پاؤں ہی تھے۔ وہ تو خیر گزری کہ ہم نے ہاتھ دے دیا ورنہ وہ ٹانگ سے گئے ہوتے۔'' **(۱۲۹)**

چاند بھائی کے ڈنڈے کی بابت بیان دیکھیے:

''ڈنڈا کرنے میں چاند بھائی کا جواب نہیں جب وہ بند موری میں ڈنڈا مارتے ہیں تو سالہا سال سے بند دہانے اور مدتوں سے بند موہانے چیخ و پکار کے ساتھ کھل جاتے ہیں اور مدتوں اپنی کشادہ قلبی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ نو واردوں کو ساغر انتظار نہیں کھینچنا پڑتا اور جو کچھ کہ من جملہ فراغت ہوتا ہے وہ سیدھا منزل مقصود کی جانب دوڑ جاتا ہے۔ یہ سب چاند بھائی کی محنت شاقہ کے منھ بولتے نتائج ہیں۔'' **(۱۳۰)**

مصطفیٰ خیاط کے واقعے سے ذہن پر جو شبیہ بنتی ہے اس کے لیے درج ذیل اقتباس کا پڑھنا اور غور کرنا از حد ضروری ہے:

''مصطفیٰ ٹیلر دوران گفتگو اپنے ماضی کو یاد کر کے قدرے مغموم ہو گئے، ان کا ماضی بھی دیگر فن کاروں کی طرح مصائب گونا گوں و آفات بوقلموں سے (مقفیٰ و مسجع زبان کی مثال) آراستہ و پیراستہ رہا ہے۔ وہ جراحت حیات کو ٹانکے لگاتے رہے اور تقدیر کی مقراض بھی اپنا کام کرتی رہی۔ وہ عزم و استقلال کی سوزن سے زندگی کے چاک سیتے رہے لیکن حادثات نے دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں کوئی فصل رہنے نہ دیا۔ وہ دامن دریدہ میں امید کے پیوند لگاتے رہے لیکن آلام کے خاروں نے کھونچ لگانے سے گریز نہ کیا۔'' **(۱۳۱)**

سید عباس متقی دوستی کرنے کے لیے مزاج کے تال میل کو ضروری سمجھتے ہیں اور ممدوح سے دوستی کے ارتقا کے تعلق سے کہتے ہیں:

''انور صاحب کے مزاج میں ہم اعتدال کی کچھ کمی محسوس کرتے ہیں، فراخ دلی پر آجائیں تو حاتم کے والد بزرگوار، تنگ دلی پر آجائیں تو ہمارے برادر، دینے پر آجائیں تو اکلوتی لنگی دے دیں نہ دینے پر آئیں تو گالی بھی نہ دیں۔ نرم ہوں تو نرگس، سخت ہوں تو خار ببول، بنجاروں کی طرح دوستی کرتے ہیں تو دوستی، دشمنی کرتے ہیں تو دشمنی، ہمارے مزاج میں بھی شاید اعتدال نہیں ورنہ دوستی کیسے ہوتی۔'' **(۱۳۲)**

یہاں تشبیہ کے متعلق سید عباس متقی کی تحریروں سے اقتباس پیش کیے جاتے ہیں حالاں کہ تشبیہ ہو کہ استعارہ دونوں شاعری کے لوازمات میں شمار کیے جاتے ہیں لیکن نثر نگاروں نے ان سے بڑے بڑے کام نکالے ہیں بالخصوص ایسے ادیب جو خیر سے شاعر بھی ہیں انھوں نے اپنی

نثر میں تشبیہ کو خوب برتا ہے جناب یوسف روش کے متعلق پہلے شعری آہنگ برتتے ہوئے کہتے ہیں اقبال نے جو مصرع ''ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے'' ارشاد فرمایا تھا۔ بہ تمام و کمال حضرت روش پر صادق آتا ہے اور ان کے آنے جانے پر تشبیہ کا استعمال جناب روش کی شخصیت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے:

> ''سائے کی طرح آتے ہیں اور بھوت کی طرح غائب ہو جاتے ہیں۔'' (۱۳۳)

سید عباس متقی چاند بھائی کے خاکے میں کھڈی کو ایم۔ ال۔ اے کی سیٹ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اقتباس دیکھیے:

> ''یوں بھی کھڈی کوئی ام۔ ال۔ اے کی سیٹ نہیں جس پر میلے زبردستی براجمان رہیں۔ البتہ مرغن غذاؤں کے پیچھے نتائج چاند بھائی کو پریشان بلکہ حیران کر دیا کرتے ہیں کہ انھیں بہانے کے لیے چاند بھائی کو پسینہ بہانا پڑتا ہے۔'' (۱۳۴)

ایک اور تشبیہ دیکھیے جس میں اپنے کانوں کو گدھے کے کانوں سے تشبیہہ دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''سرکاری ملازمت کا نام سنتے ہی ہمارے کان گدھے کے کانوں کی طرح کھڑے ہو گئے۔ جی میں آیا کہ رینک رینک کر دنیا ایک کر دیں۔'' (۱۳۵)

قبرستانوں میں جگہ کا پر رہنا عام بات ہے اسے حکام کے دلوں سے جوڑ کر تشبیہہ بنائی گئی ہے:

> ''قبرستان حکام کے دلوں کی طرح اتنے تنگ ہو گئے ہیں کہ قبرستانوں میں جلی عبارت میں لکھ دیا گیا ہے کہ ''تدفین کے لیے جگہ نہیں ہے۔'' (۱۳۶)

سید عباس متقی اجابت جیسی ناپاک ضرورت سے بھی تشبیہ نکالنے کا حوصلہ رکھتے ہیں اور اجابت کے انتظار کو قوالوں کے انتظار سے جوڑنے پر کیا خوب تشبیہ تشکیل پاتی ہے:

> ''ہم اجابت کے ایسے منتظر تھے جیسے قوال نوٹوں کی بارش کا منتظر ہوتا ہے۔'' (۱۳۷)

بیت الخلاء کو پارلیمنٹ سے کیا علاقہ لیکن دونوں کے تعفن میں یکسانیت کو جوڑ کر تشبیہ بنائی گئی ہے:

> ''وہ بیت الخلا جو تعفن اور بدبو سے مانند پارلیمنٹ اور اسمبلی ہو چکا تھا فینائیل اور ڈیٹال کی مسحور کن خوش بو سے پھر شرفا کے بیت الخلا میں تبدیل ہو جاتا ہے تاکہ اب جو جائے تو چین سے بیٹھ کر چین سے بیٹھنے کا لطف لے سکے۔'' (۱۳۸)

اردو پنڈت کی ضرورت کو آدمی نے بالغ ہونے سے جوڑ کر بھی تشبیہ بنائی جا سکتی ہے جس کی عمدہ مثال ہمیں سید عباس متقی کے ہاں ملے گی:

''ہم نے کہا بھائی! ہم نے اردو عالم سنا ہے اردو فاضل سنا ہے، اردو کامل سنا ہے، یہ اردو پنڈت کیا ہوتا ہے۔ کہنے لگے یہ ایک کورس کا نام ہے اور یہ صرف چھ ماہ کا ہوتا ہے اور سرکاری ملازمت کے لیے یہ بہت ضروری ہے جس طرح شادی کے لیے آدمی کا بالغ ہونا ضروری ہے اسی طرح سرکاری مدارس میں اردو کی تدریس کے لیے یہ اردو پنڈت کی سند ناگزیر ہے۔'' **(۱۳۹)**

ایک اور لالچی لیڈر اور غصیلے سانڈ کی تشبیہ دیکھیے:

''بس پھر کیا تھا جب شرح صدر ہو گیا تو ہم نے اپنی بلا سبب جھکی ہوئی کمر کو سیدھا کیا اور بے وجہ کے آثار ضعف کو خیر باد کہتے ہوئے دفتر پیامات کی جانب دوڑ پڑے **جیسے کسی لالچی لیڈر کو کرسی دکھائی گئی ہو یا غصیلے سانڈ کو لال چادر۔''** **(۱۴۰)**

کھڈی میں غلاظت کا چپکے ہوئے رہنا عام بات ہے لیکن عوامی سہولیات یعنی مسجد کے طہارت خانے وغیرہ پر غلاظت کے ساتھ ساتھ کھڈی کا رنگ بھی بدلا ہوا رہتا ہے۔ اب بھنگی یا خاکروب یا پھر مقدس مقامات کے خدام کو صفائی کے دوران جو مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ اس کیفیت کو سید عباس متقی کی زبانی سنیے:

''کھرچن براز پر جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے وہ سائے سپٹ کی طرح ہٹ دھرم ہو جاتی ہے اور تیزاب کے بہاؤ کو خاطر میں نہیں لاتی اور ضدی وزیر کی طرح اپنے مقام سے ٹس سے مس نہیں ہوتی۔'' **(۱۴۱)**

غلیظات کو ضدی وزیر سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

ڈاکٹر فخر عالم اعظمی ہنوز غیر شادی شدہ ہیں۔ اس پر سید عباس متقی کا بھرپور طنز اور تشبیہہ کی عمدہ مثال ذیل میں دیکھیے:

''وہ مصرع واحد کی طرح لڑکھڑا رہے ہیں زندگی ہرگز مصرعہ واحد کا نام نہیں مصرعہ ثانی سے شعر میں رنگ پیدا ہوتا ہے۔ ہم رباعی کے شاعر ہیں، دو ایک مصرعوں میں ہم اپنے افکار عالیہ کو ظاہر نہیں کر سکتے۔'' **(۱۴۲)**

مجرد ہونے کو مصرع واحد سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

مصطفیٰ خیاط کے فن کے بارے میں سید عباس متقی یوں گویا ہیں:

''وہ جراحت حیات کو ٹانکے لگاتے رہے اور تقدیر کی مقراض بھی اپنا کام کرتی رہی۔''(۱۴۳)

تقدیر کی مقراض اس مثال میں تشبیہہ بالاضافت ہے۔

یہ بھی دیکھیے:

''وہ عزم و استقلال کی سوزن سے زندگی کے چاک سیتے رہے۔''(۱۴۴)

تشبیہ بالاضافت کی عمدہ مثال ہے۔

درج ذیل اقتباس میں تشبیہہ بالاضافت اور استعارہ تبیعہ کی مثالیں دیکھیے:

''وہ دامن دریدہ میں امید کے پیوند لگاتے رہے لیکن آلام کے خاروں نے کھونچ لگانے سے گریز نہ کیا۔''(۱۴۵)

مذکورہ مثال میں ''امید کے پیوند'' اور ''آلام کے خاروں'' تشبیہ بالاضافت ہے جب کہ ''کھونچ لگانے سے گریز نہ کرنا'' استعارہ تبیعہ کی مثال ہے۔

تشبیہہ کی ایک اور مثال دیکھیے:

''مرزا نے ہارے ہوئے جواری کی طرح خفت مٹانے کے لیے ہم سے دریافت کیا حضرت آپ کرتے کیا ہیں۔''(۱۴۶)

اوپر کی مثال میں ''ہارے ہوئے جوراری کی طرح'' والا فقرہ تشبیہہ کی مثال ہے۔

سید عباس متقی کے خاکوں میں ہمیں مبالغے کی مثالیں بھی جا بہ جا ملتی ہیں۔ ذیل میں اختصار کے پیش نظر چند مثالیں دی جا رہی ہے۔

ڈاکٹر عمران آعظمی کے خاکے میں ان کے مکان کا نقشہ کھینچتے ہوئے سید عباس متقی نے مبالغے سے کام لیا ہے:

''خود کو تین قسطوں میں داخل کرتے ہیں۔ پہلے ہم اپنا بیگ داخل کرتے ہیں۔ پھر اپنے مابقی جسم کو آڑھا ترچھا کر کے دیوان خانے کے دروازے کی مرضی کے بغیر داخل کر ہی دیتے ہیں۔''(۱۴۷)

یہ مبالغے کی عمدہ مثال ہے۔

اسی طرح آگے سید عباس متقی رقم طراز ہیں:

''ایک دن جب انھوں نے پہلی بار ہم سے ارشاد فرمایا کہ موصوف نے ہماری کتاب ''ڈرتا ہوں آئینے سے'' بروز رسم اجرا خرید کر پڑھی ہے تو ہم نے حسب قاعدہ نہایت خندہ پیشانی سے شکریہ ادا کیا اور سوچنے لگے چلیے حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں کچھ ایسے بھی ادب نواز قسم کے لوگ آباد ہیں، جب اسی بات کو ہم نے موصوف سے دو ایک بار پھر سنا تو ہمیں اس کی فروختگی پر افسوس ہونے لگا اور سوچنے لگے کہ رسم اجرا میں جو لوگ کتاب فروخت کرتے ہیں اس رسم کو ختم کر دینا چاہیے جب دو ایک بار انھوں نے پھر یاد دلایا تو ہمیں اس کتاب کی اشاعت پر افسوس ہونے لگا اور جب موصوف نے آخری مرتبہ فون پر اس بات کو دہرایا تو ہم اپنے قابو میں نہ رہے، فرط غم میں ہم نے اپنا گریبان چاک کر لیا، سر پر جتنے بال تھے سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ چکر سا آنے لگا، آنکھوں میں اندھیرا سا چھا گیا۔ منہ سے کف اور کف کے ساتھ عجیب وغریب آوازیں بھی برآمد ہونے لگیں۔'' (۱۴۸)

اوپر کی مثال پڑھنے سے سید عباس متقی کی گفتگو میں مبالغہ آرائی کی کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔

مبالغے کی ایک اور مثال دیکھیے:

''بچوں کے بھی داماد آنے لگے ہیں۔'' (۱۴۹)

بچوں کے داماد آنا مافوق الفطرت بات ہے۔ لہٰذا یہ مبالغے کی مثال ہے۔

سید عباس متقی اپنے ایک بزرگ دوست سید انور علی مرحوم کے قبض سے پریشان ہو کر کہتے ہیں جو مبالغے سے کم نہیں۔ مثال دیکھیے:

''آپ کے پیٹ میں آپ کی گیاس ہے یا بھوپال گیاس ہے۔'' (۱۵۰)

مبالغے کی کیا ہی خوب مثال ہے۔

اوپر دی گئی مثال کے بعد مبالغے کی ایک اور مثال دیکھیے:

''ہم نے کہا قبلہ! اچھی تحریر پڑھنے کی چاٹ لگ گئی ہے اس لیے لکھنے پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔'' (۱۵۱)

مبالغے کی اس سے عمدہ مثال کیا ہو سکتی ہے کہ خود کی تحریر کو اچھی تحریر کہا جا رہا ہے۔

مبالغے کے بعد استعارے کی یہ بھی مثال دیکھیے:

''انھیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ شاگردان پارسا اپنے معصوم بزرگوں کے عشق میں ''اسپیڈ بریکر'' کی تعمیر نہیں کیا کرتے بلکہ ان کے عشق کی نیا کو پار لگانے میں ممد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔'' **(۱۵۲)**

اسپیڈ بریکر کی تعمیر استعارے کی بہترین مثال ہے۔

سید عباس متقی کے خاکوں میں ایک طرف تشبیہ، استعارے اور دیگر قسموں کا ذکر ملتا ہے تو دوسری طرف ان کے خاکوں میں عام ترکیبوں اور جملوں، محاوروں، ضرب الامثال وغیرہ میں انحراف بھی پایا جاتا ہے۔ اس خصوص میں انحراف کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

''دن پھر گئے تو راتیں بدل گئیں۔ پہلے پابندی سے مئے نوشی کیا کرتے تھے اور اب پابندی سے نماز پڑھتے ہیں۔'' **(۱۵۳)**

دن پھر جانا اردو کا ایک مقبول محاورہ ہے۔ یہاں سید عباس متقی نے ''دن پھر گئے تو راتیں بدل گئیں'' کہہ کر محاورے میں انحراف کر رہے ہیں۔

پروفیسر مغنی تبسم کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے سید عباس متقی لکھتے ہیں کہ وہ نہایت تنگ دل بلکہ تنگ دہن واقع ہوئے تھے:

''روپے پیسے کے معاملے میں ڈاکٹر صاحب کتنے ہی حاتم کیوں نہ ہو داد و توصیف کے معاملے میں نہایت تنگ دل بلکہ تنگ دہن واقع ہوئے تھے۔'' **(۱۵۴)**

اوپر کی مثال میں تنگ دل کے ساتھ تنگ دہن انحراف ہے۔

ڈاکٹر عمران آعظمی کی اعلیٰ ظرفی کے متعلق سید عباس متقی رقم طراز ہیں:

''عمران بھائی جس خطہ ارضی سے تعلق رکھتے ہیں یعنی کہ اعظم گڑھ، واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ ظرفی جو آگے چل کر اعظم ظرفی ہو جاتی ہے میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے۔'' **(۱۵۵)**

یہاں اعلیٰ ظرفی آگے چل کر اعظم ظرفی ہوگئی ہے۔ یہی انحراف ہے۔

سعدی الدین قریشی مرحوم سید عباس متقی کے استاد تھے جنھوں نے دانیو پروگریسیو ہائی اسکول میں انھیں اردو کی تعلیم دی تھی اور وہ ماہر اقبالیات کے نام سے جانے جاتے تھے۔ سید عباس متقی اپنے استاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سعدی صاحب عاشق اقبالؔ تھے اور اپنے شاگردوں کو بھی اقبالؔ کے وسیلے سے اقبال مند بنانے کے آرزومند بھی۔ غضب تو یہ تھا کہ ان کی شکل و شباہت بھی کچھ اقبالؔ سے ملتی جلتی تھی یا ممکن ہے کہ اقبالؔ کے بے پناہ عشق نے انہیں فنافی الاقبال کردیا ہو۔'' (۱۵۶)

اس مثال میں فنافی الاقبال دراصل فنافی اللہ میں انحراف ہے۔

ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال کی ان تھک کوششوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سید عباس متقی کہتے ہیں:

''ہم موصوف کی اس شبانہ روز کارکردگی کو قہقہانہ سلام کرتے ہیں۔'' (۱۵۷)

اس مثال میں قہقہانہ اضافہ ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ سید مصطفیٰ کمال طنز ومزاح نگاری کو فروغ دیتے ہوئے آج انچاس ویں پائیدان پر ہے۔

''افسوس تعلیم نے مہر و مروت کا گلا گھونٹ دیا ہے۔'' (۱۵۸)

سید عباس متقی نے مہر و مروت کا گلا گھونٹنے کا سبب تعلیم کو قرار دیا ہے۔ اس لیے تعلیم اور مہر و مروت میں انحراف ملتا ہے۔

سید عباس متقینے اپنے خاکوں میں اردو ادب کی تاریخ یا ان کی اہم ہیئتوں کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ یہاں چند مثالوں کے ذریعے اس پہلو پر روشنی ڈالی جائے گی۔

ڈاکٹر آعظمی کے خاکے میں میراں جی کا تذکرہ دیکھیے:

''اب کون جانے اس دوشیزہ کو فخر عالم کے پیکر میں میراں جی کی روح کیوں دکھائی دینے لگی، لیکن عالم نے برجستہ کہا محترمہ میرے ہاتھ میں خواہ کچھ ہو لیکن وہ نہیں ہے جو آپ کے دماغ میں ہے۔'' (۱۵۹)

حیدرآباد دکن کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے سید عباس متقی نے قلم کاروں کی جو سرپرستی یہاں کی جاتی ہے۔ اس کی بابت لکھتے ہیں:

''سارے ہندوستان میں جو مقام اہل فن کے لیے ممبئی کا ہے وہی کچھ مقام اہل قلم کے لیے حیدرآباد دکن کا ہے، گو یہاں کے لوگ جہاں کے وہیں رہ گئے لیکن واردان دکن کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔'' (۱۶۰)

سرزمین حیدرآباد دکن کی تین مایہ ناز شخصیتوں کا ذکر کرتے ہوئے سید عباس متقی لکھتے ہیں کہ اکیسویں صدی کی جب بھی تاریخ رقم کی جائے گی تو مورخ درج ذیل ان ہستیوں کو کبھی فراموش نہیں کرے گا:

''اکیسویں صدی میں جب مورخ بیسویں صدی کی تاریخ لکھتے ہوئے سرزمین دکن کو سرنامہ علم وفضل بنائے گا، تو تین شخصیتوں پر اس کے لیے مفصل گفتگو ناگزیر ہو گی۔ایک جامعہ عثمانیہ کے حوالے سے خود فرمانروائے دکن سلطان العلوم اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خان بہادر نوراللہ مرقدہ، دوسرے جامعہ نظامیہ کے عنوان سے حضرت العلامہ فضیلت جنگ مولانا انواراللہ شاہ فاروقی قدس سرہ العزیز اور تیسرے دارالعلوم حیدرآباد کے وسیلے سے امیر ملت اسلامیہ مولانا الحاج محمد حمیدالدین عاقل حسامی دامتفیوضہم۔'' (۱۶۱)

اوپر کی مثال میں تین عظیم شخصیتوں میں اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خان بہادر، فضیلت جنگ مولانا انواراللہ شاہ فاروقی اور مولانا الحاج محمد حمیدالدین عاقل حسامی ہیں۔

جامعات کی روایات کو تازہ کرتے ہوئے سید عباس متقی نے جو بات کہی ہے وہ ان کے اظہار خیال کا ایک ذریعہ ہے۔گو اس میں ممدوح کی ساکھ متاثر ہوئی ہے۔مثال دیکھیے:

''انھوں نے جامعہ عثمانیہ کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی شریک درس کو شریک حیات بنایا اور دیگر روایتوں کی پاس داری بھی برتی اور اپنے عقد ثانی کا اعلان نہیں فرمایا اور تادم وظیفہ ایسے چھپاتے تھے گویا انھوں نے کوئی گناہ کیا ہو۔'' (۱۶۲)

سید عباس متقی کو مختلف لباسوں کے بارے میں خاصی معلومات ہیں۔ذیل میں چوبغلا اور انگرکھا کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے نواب واجد علی شاہ کے موٹاپے کی نسبت مذکورہ لباس کو اہمیت دیتے ہیں۔اقتباس دیکھیے:

''ماضی قریب میں ایک لباس ہوا کرتا تھا جسے چوبغلا اور انگرکھا کہتے تھے۔یہ پاجامے کے نیفے کی طرح ہوتا تھا جس قدر تو ند نکلتی جائے پھیلاتے جائیے، صرف ذرا اس کی ڈوریاں باندھنے کی زحمت اٹھانی پڑتی تھی۔نواب واجد علی شاہ مرحوم اپنے بے پناہ موٹاپے کے سبب اس لباس کو بہت پسند فرماتے تھے اور یہی ان کے بدن اقدس پر بہت موزوں بھی ہوا کرتا تھا۔ابعاد ثلاثہ ہر سمت و ہر جہت سے وا ہوتے تھے لیکن کیا مجال جو اس کے حسن میں ذرہ برابر کمی واقع ہو۔ہاں اتنا ضرور ہے کہ اگر ان کی آدھی تصویر دیکھی جائے تو دیکھنے والا شک میں پڑ جاتا ہے کہ آیا یہ مرد کی تصویر ہے یا کسی صحت مند خاتون کی۔'' (۱۶۳)

سید عباس متقی کے خاکوں میں متضاد الفاظ کا استعمال بھی پایا جاتا ہے۔ذیل میں کچھ مثالیں دی جاتی ہیں۔جن سے متضاد الفاظ کے پہلو کو تقویت ملتی ہے۔مثال دیکھیے:

''اب ہمیں کیا معلوم تھا کہ مرزا کوئی سند یافتہ حکیم نہیں ہیں بلکہ اپنے چچا مرحوم کے مطب کو اپنی غائب دماغی اور حاضر جوابی کی بدولت چلا رہے ہیں۔'' (۱۶۴)

اوپر کی مثال میں غائب دماغی اور حاضر جوابی کو متضاد الفاظ سمجھا جائے گا۔

''ہم توبہ شکنی کے تو قائل ہیں لیکن دل شکنی کے نہیں، ہم روش بھائی کو ہم اپنا بڑا بھائی ہی نہیں پیر بھائی سمجھتے ہیں اور موصوف کے حکم کو ٹال بھی تو نہیں سکتے۔'' (۱۶۵)

یہاں توبہ شکنی اور دل شکنی متضاد پہلو ہیں۔

اسی طرح ایک اور مثال دیکھیے جس میں الٹی ہوگئی سب تدبیریں، کچھ نہ دوا نے کام کیا والا معاملہ ہے:

''مرزا کی ہر تدبیر الٹی ہو یہ ضروری نہ تھا البتہ دو چار مریضوں میں سے دو تین مریض دوسری شکایتوں سے دوچار ہوجاتے تھے۔مثلاً کسی کو متلی کی دوا دی تو ہکلانے لگا۔کسی کی آنکھ میں دوا ٹپکائی تو بواسیر کی شکایت ہوگئی۔سر کے درد کی دوا دی تو دوا کھاتے ہی دونوں گھٹنے سوج گئے۔داڑھ میں پھاہا رکھا تو پیٹ میں مروڑ شروع ہوگئی۔کان میں دوا ٹپکائی تو بغل میں باگرا آگیا، جب مرزا کی دواؤں سے معتد بہ لوگ خدا کو پیارے ہونے لگے تو بعض اداروں نے انھیں ایوارڈ دینا چاہا کہ خاندانی منصوبہ بندی کے لیے مرزا کی خدمات سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔'' (۱۶۶)

اوپر کی مثال میں گو متضاد الفاظ نہیں پائے جاتے لیکن تمام اقتباس کا رنگ متضاد ہے۔

سید عباس متقی کے خاکوں میں غیر متوقع موڑ والی کیفیت ملتی ہے۔ذیل میں دو ایک مثالوں کے ذریعے واضح کیا جاتا ہے کہ غیر متوقع موڑ کیا ہے۔سید انور علی جو کہ سید عباس متقی کے بزرگ دوست تھے جن کی عدم اعتدالی کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''انور صاحب کے مزاج میں ہم اعتدال کی کچھ کمی محسوس کرتے ہیں،فراخ دلی پر آجائیں تو حاتم کے والد بزرگوار،تنگ دلی پر آجائیں تو ہمارے برادر،دینے پر آجائیں تو اکلوتی لنگی دے دیں نہ دینے پر آئیں تو گالی بھی نہ دیں۔نرم ہوں تو نرگس،سخت ہوں تو خار ببول، بنجاروں کی طرح دوستی کرتے ہیں تو دوستی، دشمنی کرتے ہیں تو دشمنی، ہمارے مزاج میں بھی شاید اعتدال نہیں ورنہ دوستی کیسے ہوتی۔'' (۱۶۷)

اوپر کی مثال میں ''دینے پر آجائیں تو اکلوتی لنگی دے دیں نہ دینے پر آئیں تو گالی بھی نہ دیں۔'' تک غیر متوقع موڑ کہلاتا ہے۔

''حکیم ندرت کا پورا نام بھی نہ لیا تھا کہ مرزا نے لاحول پڑھی، کہنے لگے اس غریب کو حکمت سے کیا علاقہ، ہڑلہ معلوم نہ بڑلہ معلوم، اطریفل کا علم نہ معجون و جوارش میں تمیز، بلدی کی گرہ مل گئی ہے بن بیٹھا ہے پنساری، یرقان کے چٹکلے دیا کرتا تھا اور اب ایڈس کا علاج کرر ہا ہے۔کوئی اس غریب سے ''ایڈس'' کا فل فارم تو معلوم کرلے۔'' (۱۶۸)

اس مثال میں ''اب ایڈس کا علاج کرر ہا ہے۔کوئی اس غریب سے ''ایڈس'' کا فل فارم تو معلوم کرلے'' کو غیر متوقع موڑ کہا جا سکتا ہے۔

سید عباس متقی کے خاکوں میں ہمیں مقفیٰ و مسجع زبان کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ یہاں اختصار کے پیش نظر دو ایک مثالوں پر اکتفا کیا جا رہا ہے:

''مصطفیٰ ٹیلر دوران گفتگو اپنے ماضی کو یاد کر کے قدرے مغموم ہو گئے، ان کا ماضی بھی دیگر فن کاروں کی طرح مصائب گونا گوں و آفات بوقلموں سے آراستہ و پیراستہ رہا ہے۔'' (۱۶۹)

مقفیٰ و مسجع زبان کی مثال ''مصائب گونا گو و آفات بوقلموں'' ہے۔

''ڈاکٹر صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ ایک وہی تو میدان طنز و مزاح کے عظیم شہ سوار ہیں جو شہسواری کے محض فن سے واقف نہیں بلکہ دادفن کا ملکہ اور نقدفن کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔وہ سامنے ہوں تو لولوئے طنز و لالۂ مزاح اپنی بہار دکھاتے ہیں۔'' (۱۷۰)

اوپر کی مثال میں ''لولوئے طنز و لالۂ مزاح'' مقفیٰ و مسجع زبان کی عمدہ مثال ہے۔

سید عباس متقی چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی بڑی باتیں کہہ جاتے ہیں۔ایک مثال دیکھیے:

''دو تعلیم یافتہ دوستوں میں اب وہ دوستی نہیں رہی جو دو اَن پڑھ دوستوں میں ہوتی ہے۔'' (۱۷۱)

تعلیم یافتہ دوستوں اور اَن پڑھ دوستوں کا فرق اس سے اچھا بیان کرنا مشکل ہے۔

اس طرح سید عباس متقی کی تحریروں میں بالخصوص خاکوں میں ہمیں تشبیہ، استعارے اور کچھ صنعتوں کے علاوہ مقفیٰ و مسجع زبان، غیر متوقع موڑ اور تشبیہ بالاضافت وغیرہ سے مزاح پیدا کرنے کا رجحان ملتا ہے۔

راقم الحروف کو سید عباس متقی کی نجی فائلوں اور ان کی مطبوعہ کتابوں سے ماخوذ خاکوں کی تفصیلات اس طرح ہیں۔

نشان	خاکہ برائے	عنوان خاکہ	مشمولہ
1	الیاس مسعود خاں	خلوص اور خوشبو کا آدمی	
2	انورالدین پروفیسر	نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو	
3	ایم ایس خاں قاری	ایک مشفق دوست' ایک مخلص قلم کار	
4	چاند بھائی	پانچ مساجد کا واحد خدمت گزار	
5	حمیرا جلیلی ڈاکٹر	اردو کی ایک خاموش خدمت گزار	
6	دارا سنگھ	ایک شریف انسان، ایک عظیم پہلوان	
7	دیو آنند	روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شدم	
8	سید عزیز الدین صابر قاضی	پیکر اخلاص وعمل	
9	سید مصطفیٰ کمال ڈاکٹر	شگوفہ کا نیا شگوفہ	
10	شفیق پرویز ڈاکٹر	رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز	
11	صادق حیات	جدید فارسی ادب کا ایک منفرد قلم کار	
12	ضیاالدین شکیب ڈاکٹر	ایک عبقری شخصیت سے ملاقات	
13	عمر احمد شفیق	ایک شخص کئی روپ	
14	عمران اعظمی ڈاکٹر	عجیب شخص ہے	
15	فخر عالم اعظمی ڈاکٹر	شاگرد رشید علامہ فخر عالم اعظمی	
16	محمد باسط خاں الحاج	خدمت اور خلوص کا پیکر	
17	مصطفیٰ خیاط	مصطفیٰ خیاط (ماہر شیروانی)	
18	مظفر النساء ناز	عزم وعمل کا پیکر، مظفر النساء ناز	
19	مغنی تبسم پروفیسر	متانت اور نرگسیت کا پیکر	
20	ناصر الدین احمد	یادوں کے جھروکوں سے	
21	یوسف روش	ٹیکنو کریٹ شاعر یوسف روش	

الغرض انھوں نے اپنے اساتذہ دوستوں، ملاقاتیوں کے علاوہ اپنے شاگردوں پر بھی خاکے لکھے ہیں، جن میں کسی رعایت کے بغیر اُن کے نقوش ظاہری ونقوش باطنی کو لفظوں کا پیرہن دیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ خاکہ نگار کو چاہیے کہ شخصیت کو انسان ہی رہنے دے۔شیطان بنانے یا

فرشتہ ٹھہرانے کی ہرگز کوشش نہ کریں کیوں کہ شخصیتیں انسان ہوا کرتی ہیں سایوس ملک نہیں۔ چنانچہ ہم ان کے خاکوں میں اس نوع کی مثالیں دیکھنا چاہیں تو ہم ان کے استاذ پروفیسر مغنی تبسم پر لکھا گیا خاکہ دیکھیں کہ اس میں سید عباس متقی نے ان کی مئے نوشی، عدم تبسم نیز ان کی بے مروتی کا برملا اور متاثر کن اظہار کیا ہے۔ لیکن کیا مجال جو اہانت کا اظہار ہو سکے۔ ان کے ہاں لفظوں کا انتخاب ایسا ہوتا ہے کہ جس سے شخصیت کو سمجھنے میں مدد ضرور ملتی ہے لیکن رسوائی کا کوئی پہلو اجاگر نہیں ہوتا۔ اسی طرح ان کے دوست واحباب کی بات کی جائے تو یوسف روش کے خاکے میں بھی کچھ ایسی ہی باتیں پوشیدہ ملیں گی جنھیں پڑھنے کے بعد انسانی عظمت کا احترام پیدا ہونا ہے، اہانت کے جذبات نہیں۔

حوالے:

(۱)انور ظہیر خاں ۔مت سہل ہمیں جانو دیباچہ ص۱۰۔
(۲)ڈاکٹر صابرہ سعید اردو ادب میں خاکہ نگاری ص۶۴۔
(۳)محمد حسین آزاد ۔ آب حیات دیباچہ۔
(۴)سوئے دار چلے (ڈاکٹر سید عباس متقی کے منتخب خاکے)مرتب محمد انورالدین ،زیر طبع سے خاکہ ''شاگرد رشید علامہ فخر عالم آعظمی''،ص۱۴۴۔
(۵)ایضاً ایضاً ایضاً ''رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز''،ص۱۰۳۔
(۶)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ فخر عالم آعظمی''،ص۱۴۸۔
(۷)ایضاً ایضاً ایضاً ''ٹیکنو کریٹ شاعر یوسف روش''،ص۲۴۰۔
(۸)ایضاً ایضاً ایضاً ''یار کہن:سید انور علی''،ص۶۸۔
(۹)ایضاً ایضاً ایضاً ص۶۸۔
(۱۰)ایضاً ایضاً ایضاً ''شگوفہ کا نیا شگوفہ''،ص۸۸۔
(۱۱)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ فخر عالم آعظمی''،ص۱۶۱۔
(۱۲)ایضاً ایضاً ایضاً ''ٹیکنو کریٹ شاعر یوسف روش''،ص۲۴۴۔
(۱۳)ایضاً ایضاً ایضاً ''رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز''،ص۹۹۔
(۱۴)ایضاً ایضاً ایضاً ''شگوفہ کا نیا شگوفہ''،ص۸۹۔
(۱۵)ایضاً ایضاً ایضاً ''عجیب شخص ہے''،ص۱۲۹۔
(۱۶)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ فخر عالم آعظمی''،ص۱۵۷۔
(۱۷)ایضاً ایضاً ایضاً ''الحاج محمد عبدالباسط خان: خدمت وخلوص کا پیکر''،ص۱۸۹۔
(۱۸)ایضاً ایضاً ایضاً ''مولانا الحاج محمد حمیدالدین عاقل حسامی :مواعظ اور مضحکات''،ص۱۲۳۔
(۱۹)ایضاً ایضاً ایضاً ''ایک عبقری شخصیت سے ملاقات''،ص۱۱۵۔

(۲۰)ایضاً ایضاً ایضاً ''الیاس مسعود خان''،ص۷۔

(۲۱)ایضاً ایضاً ایضاً ''یوسف روش: حیات اور شاخسانے''،ص۲۳۹۔

(۲۲)ایضاً ایضاً ایضاً ''رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز''،ص۹۷۔

(۲۳)ایضاً ایضاً ایضاً ''عجیب شخص ہے''،ص۱۲۸۔

(۲۴)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگر رشید علامہ فخر عالم آعظمی''،ص۱۵۸۔

(۲۵)ایضاً ایضاً ایضاً ''چاند بھائی''،ص۴۰۔

(۲۶)ایضاً ایضاً ایضاً ''یار کہن (سید انور علی)''،ص۶۹۔

(۲۷)ایضاً ایضاً ایضاً ''عزم وعمل کا پیکر مظفر النسا ناز''،ص۲۱۰۔

(۲۸)ایضاً ایضاً ایضاً ''عزم وعمل کا پیکر مظفر النسا ناز''،ص۲۰۹۔

(۲۹)ایضاً ایضاً ایضاً''الیاس مسعود خان''،ص۹۔

(۳۰)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی''،ص۱۴۷۔

(۳۱)ایضاً ایضاً ایضاً'شگوفہ کا نیا شگوفہ''،ص۸۷۔

(۳۲)ایضاً ایضاً ایضاً ''شگوفہ کا نیا شگوفہ''،ص۸۴۔

(۳۳)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی''،ص۱۶۶۔

(۳۴)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی''،ص۱۵۵۔

(۳۵)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی''،ص۱۵۵۔

(۳۶)ایضاً ایضاً ایضاً ''پروفیسر مغنی تبسم متانت اور نرگسیت کا پیکر''،ص۱۹۵۔

(۳۷)ایضاً ایضاً ایضاً ''مولانا الحاج محمد حمید الدین عاقل حسامی :مواعظ اور مضحکات''،ص۱۲۲۔

(۳۸)ایضاً ایضاً ایضاً ''مولانا الحاج محمد حمید الدین عاقل حسامی :مواعظ اور مضحکات''،ص۱۱۵۔

(۳۹)ایضاً ایضاً ایضاً ''یوسف روش حیات اور شاخسانے''،ص۲۴۶۔

(۴۰)ایضاً ایضاً ایضاً ''یوسف روش حیات اور شاخسانے''،ص۲۴۱۔

(۴۱) ایضاً ایضاً ایضاً ''رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز''، ص۹۹۔

(۴۲) ایضاً ایضاً ایضاً ''رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز''، ص۱۰۰۔

(۴۳) ایضاً ایضاً ایضاً ''رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز''، ص۱۰۴۔

(۴۴) ایضاً ایضاً ایضاً ''قاری ایم۔ایس۔خان ایک مشفق دوست ایک مخلص قلمکار''، ص۳۳۔

(۴۵) ایضاً ایضاً ایضاً ''قاری ایم۔ایس۔خان ایک مشفق دوست ایک مخلص قلمکار''، ص۳۵۔

(۴۶) ایضاً ایضاً ایضاً ''قاری ایم۔ایس۔خان ایک مشفق دوست ایک مخلص قلمکار''، ص۳۹۔

(۴۷) ایضاً ایضاً ایضاً ''یار کہن (سید انور علی)''، ص۳۷۔

(۴۸) ایضاً ایضاً ایضاً ''چاند بھائی''، ص۴۱۔

(۴۹) ایضاً ایضاً ایضاً ''الیاس مسعود خان''، ص۹۔

(۵۰) ایضاً ایضاً ایضاً ''الیاس مسعود خان''، ص۹۔

(۵۱) ایضاً ایضاً ایضاً ''عجیب شخص ہے''، ص۱۳۸۔

(۵۲) ایضاً ایضاً ایضاً ''ایک عبقری شخصیت سے ملاقات''، ص۱۱۵۔

(۵۳) ایضاً ایضاً ایضاً ''عزم وعمل کا پیکر مظفر النسا ناز''، ص۲۱۳۔

(۵۴) ایضاً ایضاً ایضاً ''پروفیسر مغنی تبسم متانت اور نرگسیت کا پیکر''، ص۱۶۹۔

(۵۵) ایضاً ایضاً ایضاً ''پروفیسر مغنی تبسم متانت اور نرگسیت کا پیکر''، ص۱۹۱۔

(۵۶) ایضاً ایضاً ایضاً ''پروفیسر مغنی تبسم متانت اور نرگسیت کا پیکر''، ص۱۹۲۔

(۵۷) ایضاً ایضاً ایضاً ''پروفیسر مغنی تبسم متانت اور نرگسیت کا پیکر''، ص۱۹۸۔

(۵۸) ایضاً ایضاً ایضاً ''مولانا الحاج محمد حمید الدین عاقل حسامی مواعظ اور مضحکات''، ص۱۱۲۔

(۵۹) ایضاً ایضاً ایضاً ''مولانا الحاج محمد حمید الدین عاقل حسامی مواعظ اور مضحکات''، ص۱۲۰۔

(۶۰) ایضاً ایضاً ایضاً ''شگوفہ کا نیا شگوفہ''، ص۹۲۔

(۶۱) ایضاً ایضاً ایضاً ''عجیب شخص ہے''، ص۱۲۸۔

(۶۲) ایضاً ایضاً ایضاً ''عجیب شخص ہے''، ص۱۳۲۔

(۶۳)ایضاً ایضاً ایضاً ''یار کہن (سید انور علی)''،ص۷۰۔

(۶۴)ایضاً ایضاً ایضاً ''ٹیکنو کریٹ شاعر یوسف روش''،ص۲۴۳۔

(۶۵)ایضاً ایضاً ایضاً ''ٹیکنو کریٹ شاعر یوسف روش''،ص۲۴۷۔

(۶۶)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی''،ص۱۵۵۔

(۶۷)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی''،ص۱۵۲۔

(۶۸)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی''،ص۱۶۰۔

(۶۹)ایضاً ایضاً ایضاً ''مولانا الحاج محمد حمید الدین عاقل حسامی مواعظ اور مضحکات''،ص۱۱۱۔

(۷۰)ایضاً ایضاً ایضاً ''شگوفہ کا نیا شگوفہ''،ص۸۷۔

(۷۱)ایضاً ایضاً ایضاً ''ٹیکنو کریٹ شاعر یوسف روش''،ص۲۴۷۔

(۷۲)ایضاً ایضاً ایضاً ''الحاج محمد عبد الباسط خان خدمت وخلوص کا پیکر''،ص۱۸۴۔

(۷۳)ایضاً ایضاً ایضاً 'پروفیسر مغنی تبسم متانت اور نرگسیت کا پیکر''،ص۱۹۴۔

(۷۴)ایضاً ایضاً ایضاً ''مولانا الحاج محمد حمید الدین عاقل حسامی مواعظ اور مضحکات''،ص۱۱۴۔

(۷۵)ایضاً ایضاً ایضاً ''مولانا الحاج محمد حمید الدین عاقل حسامی مواعظ اور مضحکات''،ص۱۱۴۔

(۷۶)ایضاً ایضاً ایضاً حکیم مرزا عجیب الھیت بیگ''،ص۸۱۔

(۷۷)ایضاً ایضاً ایضاً ''عزم وعمل کا پیکر مظفر النسا ناز''،ص۲۱۱۔

(۷۸)ایضاً ایضاً ایضاً ''مولانا الحاج محمد حمید الدین عاقل حسامی مواعظ اور مضحکات''،ص۱۱۱۔

(۷۹)ایضاً ایضاً ایضاً ''مولانا الحاج محمد حمید الدین عاقل حسامی مواعظ اور مضحکات''،ص۱۱۳۔

(۸۰)ایضاً ایضاً ایضاً ''مصطفیٰ خیّاط ماہر شیروانی''،ص۱۹۶۔

(۸۱)ایضاً ایضاً ایضاً ''حکیم حاذق مظفر الدین سعید''،ص۱۷۶۔

(۸۲)ایضاً ایضاً ایضاً ''الحاج محمد عبد الباسط خان خدمت وخلوص کا پیکر''،ص۱۸۸۔

(۸۳)ایضاً ایضاً ایضاً ''الحاج محمد عبد الباسط خان خدمت وخلوص کا پیکر''،ص۱۸۳۔

(۸۴)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی''،ص۱۴۷۔

(۸۵)ایضاً ایضاً ایضاً ''دیو آنند روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد''،ص۴۹۔

(۸۶)ایضاً ایضاً ایضاً ''دیو آنند روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد''،ص ۴۶۔

(۸۷)ایضاً ایضاً ایضاً ''دیو آنند روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد''،ص ۴۸۔

(۸۸)ایضاً ایضاً ایضاً ''شگوفہ کا نیا شگوفہ''،ص ۸۷۔

(۸۹)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی''،ص ۱۶۵۔

(۹۰)ایضاً ایضاً ایضاً ''پروفیسر مغنی تبسم متانت اور نرگسیت کا پیکر''،ص ۱۹۶۔

(۹۱)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی''،ص ۱۴۶۔

(۹۲)ایضاً ایضاً ایضاً ''مصطفیٰ خیّاط ماہر شیروانی''،ص ۱۹۶۔

(۹۳)ایضاً ایضاً ایضاً ''الحاج محمد عبدالباسط خان خدمت و خلوص کا پیکر''،ص ۱۸۴۔

(۹۴)ایضاً ایضاً ایضاً ''قاری ایم۔ ایس۔ خان ایک مشفق دوست ایک مخلص قلمکار''،ص ۳۳۔

(۹۵)ایضاً ایضاً ایضاً ''حکیم مرزا عجیب الھیت بیگ''،ص ۷۵۔

(۹۶)ایضاً ایضاً ایضاً ''حکیم مرزا عجیب الھیت بیگ''،ص ۷۶۔

(۹۷)ایضاً ایضاً ایضاً ''حکیم مرزا عجیب الھیت بیگ''،ص ۷۷۔

(۹۸)ایضاً ایضاً ایضاً ''حکیم مرزا عجیب الھیت بیگ''،ص ۷۸۔

(۹۹)ایضاً ایضاً ایضاً ''ٹیکنو کریٹ شاعر یوسف روش''،ص ۲۴۱۔

(۱۰۰)ایضاً ایضاً ایضاً ''دیو آنند روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد''،ص ۵۲۔

(۱۰۱)ایضاً ایضاً ایضاً ''پروفیسر مغنی تبسم متانت اور نرگسیت کا پیکر''،ص ۱۹۰۔

(۱۰۲)ایضاً ایضاً ایضاً ''ٹیکنو کریٹ شاعر یوسف روش''،ص ۲۳۹۔

(۱۰۳)ایضاً ایضاً ایضاً ''عزم و عمل کا پیکر مظفر النسا ناز''،ص ۲۱۰۔

(۱۰۴)ایضاً ایضاً ایضاً ''پروفیسر مغنی تبسم متانت اور نرگسیت کا پیکر''،ص ۱۹۴۔

(۱۰۵)ایضاً ایضاً ایضاً ''الیاس مسعود خان''،ص ۱۲۔

(۱۰۶)ایضاً ایضاً ایضاً ''ایک عبقری شخصیت سے ملاقات''،ص ۱۱۶۔

(۱۰۷)ایضاً ایضاً ایضاً ''ایک عبقری شخصیت سے ملاقات''،ص ۱۱۵۔

(۱۰۸)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی''،ص ۱۵۳۔

(۱۰۹) ایضاً ایضاً ایضاً ''ٹیکنو کریٹ شاعر یوسف روش''، ص ۲۴۵۔

(۱۱۰) ایضاً ایضاً ایضاً ''الحاج محمد عبد الباسط خان خدمت وخلوص کا پیکر''، ص ۱۸۳۔

(۱۱۱) ایضاً ایضاً ایضاً ''پروفیسر مغنی تبسم متانت اور نرگسیت کا پیکر''، ص ۱۹۳۔

(۱۱۲) ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی''، ص ۱۵۱۔

(۱۱۳) ایضاً ایضاً ایضاً ''الحاج محمد عبد الباسط خان خدمت وخلوص کا پیکر''، ص ۱۹۰۔

(۱۱۴) ایضاً ایضاً ایضاً ''عزم وعمل کا پیکر مظفر النسا ناز''، ص ۲۰۹۔

(۱۱۵) ایضاً ایضاً ایضاً ''دارا سنگھ ایک شریف انسان ایک عظیم پہلوان''، ص ۲۹۔

(۱۱۶) ایضاً ایضاً ایضاً ''مولانا الحاج محمد حمید الدین عاقل حسامی مواعظ اور مضحکات''، ص ۱۲۲۔

(۱۱۷) ایضاً ایضاً ایضاً ''عزم وعمل کا پیکر مظفر النسا ناز''، ص ۲۱۱۔

(۱۱۸) ایضاً ایضاً ایضاً ''الحاج محمد عبد الباسط خان خدمت وخلوص کا پیکر''، ص ۱۸۵۔

(۱۱۹) ایضاً ایضاً ایضاً ''دیو آنندروئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد''، ص ۴۵۔

(۱۲۰) ایضاً ایضاً ایضاً ''ٹیکنو کریٹ شاعر یوسف روش''، ص ۲۴۴۔

(۱۲۱) ایضاً ایضاً ایضاً ''عجیب شخص ہے''، ص ۱۲۹۔

(۱۲۲) ایضاً ایضاً ایضاً ''مولانا الحاج محمد حمید الدین عاقل حسامی مواعظ اور مضحکات''، ص ۱۱۰۔

(۱۲۳) ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی''، ص ۱۴۴۔

(۱۲۴) ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی''، ص ۱۶۱۔

(۱۲۵) ایضاً ایضاً ایضاً ''حکیم حاذق مظفر الدین سعید''، ص ۱۷۵۔

(۱۲۶) ایضاً ایضاً ایضاً ''چاند بھائی''، ص ۴۳۔

(۱۲۷) ایضاً ایضاً ایضاً ''حکیم مرزا عجیب الھیت بیگ''، ص ۷۹۔

(۱۲۸) ایضاً ایضاً ایضاً ''حکیم مرزا عجیب الھیت بیگ''، ص ۷۹۔

(۱۲۹) ایضاً ایضاً ایضاً ''حکیم مرزا عجیب الھیت بیگ''، ص ۸۰۔

(۱۳۰) ایضاً ایضاً ایضاً ''چاند بھائی''، ص ۴۲۔

(۱۳۱) ایضاً ایضاً ایضاً ''مصطفیٰ خیاط ماہر شیروانی''، ص ۱۹۹۔

(۱۳۲)ایضاً ایضاً ایضاً ''یار کہن (سید انور علی)''،ص۷۴۔

(۱۳۳)ایضاً ایضاً ایضاً ''یوسف روش حیات اور شاخسانے''،ص۲۴۵۔

(۱۳۴)ایضاً ایضاً ایضاً ''چاند بھائی''،ص۴۲۔

(۱۳۵)ایضاً ایضاً ایضاً ''الحاج محمد عبدالباسط خان خدمت وخلوص کا پیکر''،ص۱۸۵۔

(۱۳۶)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی''،ص۱۴۸۔

(۱۳۷)ایضاً ایضاً ایضاً ''حکیم مرزا عجیب الھیت بیگ''،ص۸۰۔

(۱۳۸)ایضاً ایضاً ایضاً ''چاند بھائی''،ص۴۲۔

(۱۳۹)ایضاً ایضاً ایضاً ''الحاج محمد عبدالباسط خان خدمت وخلوص کا پیکر''،ص۱۸۵۔

(۱۴۰)ایضاً ایضاً ایضاً ''عجیب شخص ہے''،ص۱۴۱۔

(۱۴۱)ایضاً ایضاً ایضاً ''چاند بھائی'' ص۴۵۔

(۱۴۲)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید علامہ فخر عالم آعظمی'' ص۱۵۱۔

(۱۴۳)ایضاً ایضاً ایضاً ''مصطفیٰ خیال ماہر شیروانی'' ص۱۹۹۔

(۱۴۴)ایضاً ایضاً ایضاً ''مصطفیٰ خیال ماہر شیروانی'' ص۱۹۹۔

(۱۴۵)ایضاً ایضاً ایضاً ''مصطفیٰ خیال ماہر شیروانی'' ص۱۹۹۔

(۱۴۶)ایضاً ایضاً ایضاً ''حکیم مرزا عجیب الھیت بیگ'' ص۸۱۔

(۱۴۷)ایضاً ایضاً ایضاً ''عجیب شخص ہے'' ص۱۲۹۔

(۱۴۸)ایضاً ایضاً ایضاً ''عجیب شخص ہے'' ص۱۳۱۔

(۱۴۹)ایضاً ایضاً ایضاً ''عجیب شخص ہے'' ص۱۳۲۔

(۱۵۰)ایضاً ایضاً ایضاً ''یار کہن'' ص۷۰۔

(۱۵۱)ایضاً ایضاً ایضاً ''شگوفہ کا نیا شگوفہ'' ص۹۳۔

(۱۵۲)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید '' ص۱۵۳۔

(۱۵۳)ایضاً ایضاً ایضاً ''سید انور علی'' ص۷۲۔

(۱۵۴)ایضاً ایضاً ایضاً ''متانت اور نرگیست کا پیکر'' ص۱۹۰۔

(۱۵۵)ایضاً ایضاً ایضاً ''پروفیسر عمران آعظمی'' ص۱۲۹۔

(۱۵۶)ایضاً ایضاً ایضاً ''رفیق دیرینہ''ص۱۰۰

(۱۵۷)ایضاً ایضاً ایضاً ''شگوفہ کا نیا شگوفہ''ص۵۱۔

(۱۵۸)ایضاً ایضاً ایضاً ''دیو آنند''ص۴۸۔

(۱۵۹)ایضاً ایضاً ایضاً ''شاگرد رشید''ص۱۵۲۔

(۱۶۰)ایضاً ایضاً ایضاً ''عمران آعظمی''ص۱۲۹۔

(۱۶۱)ایضاً ایضاً ایضاً ''مواعظ اور مضحکات''ص۱۰۸۔

(۱۶۲)ایضاً ایضاً ایضاً ''پروفیسر محمود قادری''ص۱۵۰۔

(۱۶۳)ایضاً ایضاً ایضاً ''ماہر شیروانی ''ص۱۹۵۔

(۱۶۴)ایضاً ایضاً ایضاً ''حکیم مرزا عجیب الھیت بیگ''،ص۷۵۔

(۱۶۵)ایضاً ایضاً ایضاً ''یوسف روش حیات اور شا خسانے''ص۲۴۶۔

(۱۶۶)ایضاً ایضاً ایضاً ''حکیم مرزا''ص۸۱۔

(۱۶۷)ایضاً ایضاً ایضاً ''یار کہن''ص۴۷۔

(۱۶۸)ایضاً ایضاً ایضاً ''حکیم مرزا''۷۶۔

(۱۶۹)ایضاً ایضاً ایضاً ''مصطفٰی خیاط''۱۹۹۔

(۱۷۰)ایضاً ایضاً ایضاً ''شگوفہ کا نیا شگوفہ''ص۹۳۔

(۱۷۱)ایضاً ایضاً ایضاً ''روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد''ص۴۸۔

☆☆☆

﴿ساتواں باب﴾

سید عباس متقی بحیثیت طنز و مزاح نگار

متقی سے دل لگاتے ہیں جناب
آدمی اچھا نہیں ہے دیکھیے

ڈاکٹر سید عباس متقی

اس باب کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے جن میں پہلے حصے میں سید عباس متقی کی طنزیہ ومزاحیہ کتابوں کا عمومی تعارف پیش کیا گیا ہے۔ جب کہ دوسرے حصے میں موصوف کے طنز و مزاح کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

سید عباس متقی کی کتابوں کا عمومی تعارف:

اس حصے میں سید عباس متقی کی مندرجہ ذیل کتابوں کا عمومی تعارف پیش کیا جائے گا۔

(۱) دکھتی رگیں ۱۹۸۹ء
(۲) چھٹی انگلی ۱۹۹۳ء
(۳) میری بلا سے ۱۹۹۶ء
(۴) ڈرتا ہوں آئینے سے ۲۰۰۳ء
(۵) لگے ہاتھوں ۲۰۰۷ء
(۶) ہیں کواکب کچھ ۲۰۰۹ء
(۷) ٹک ٹک دیدم ۲۰۱۰ء
(۸) من خوب می شناسم ۲۰۱۲ء
(۹) ناگفتہ بہ ۲۰۱۳ء
(۱۰) گپ شپ ۲۰۱۴ء
(۱۱) با دشمنان مدارا ۲۰۱۵ء۔

(۱) دکھتی رگیں (۱۹۸۹ء):

سید عباس متقی نے اپنے طالب علمی کے دور سے ہی اپنی شاعری اور انشا پردازی کی ابتدا کر دی تھی اور بے حساب تحریری وتقریری مقابلوں میں شرکت کر کے انعام اول ودوم سے نوازے جاتے رہے تھے۔ انھوں نے اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ ادب سے بھی اپنا رشتہ استوار رکھا ہے چناں چہ موصوف نے نعتیں اور سلام بھی کہے ہیں، غزلیں اور نظمیں بھی لکھی ہیں، انشائیے اور تنقیدی و تحقیقی مضامین بھی قلم بند کیے ہیں لیکن ان کے دل کا معاملہ طنزیہ ومزاحیہ مضامین ہی میں بہتر طور پر کھل کر سامنے آسکا ہے۔ وہ مزاح نگاری کے میدان میں دبے پاؤں داخل ہوئے ہیں، جس وقت دکھتی رگیں شائع ہو کر منظر عام پر آئی ان کی طنز ومزاح نگاری کی عمر زیادہ نہیں رہی تھی۔

''دکھتی رگیں'' کا عمومی جائزہ لیں تو پتا چلتا ہے کہ اس کتاب کی لمبائی 22.3 سنٹی میٹر یا 8.78 انچ ہے اور چوڑائی 14.4 سنٹی میٹر یا 5.669 انچ ہے۔سرورق Black & White ہے،جس پر دکھتی رگیں لکھا ہوا ہے۔سرورق کے درمیانی حصے میں دکھتی رگوں کے تصور کو تصویر کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔نیچے حصے میں سیّد عبّاس متّقی مرقوم ہے۔سرورق کے پچھلے جانب سید عباس متقی کی تصویر درمیان میں دی گئی ہے،جس کے اوپر DUKHTI RAGEN اور تصویر کے نیچے Syed Abbas Muttaqui لکھ دیا گیا ہے۔

سب ٹائیٹل پر جلی حروف میں ''دکھتی رگیں'' اور اس کے نیچے'' (طنز و مزاح)'' پھر موصوف کا نام ''سیّد عبّاس متّقی'' لکھا ہوا ہے۔صفحہ نمبر دو پر جو تفصیلات دی گئی ہیں وہ اس طرح ہیں۔سنہ اشاعت ۱۹۸۹ء،طباعت خورشید پریس،چھتہ بازار،حیدرآباد،کتابت محمد مظہر وانور خوش نویس،قیمت سات روپے،تعداد چھ سو،ناشر سید عباس متقی اور ملنے کے پتے سید عباس متقی ۱۳؍۱۹۴۔۳۔۱۷ یثرب نگر یاقوت پورہ،حیدرآباد۔۵۰۰۰۲۳،دفتر ''شگوفہ'' ۳۶،بیچلرس کواٹر،جواہر لال نہرو روڈ،حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ تحریر ہے۔

تیسرے صفحے پر صرف یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

''یہ کتاب فخر الدین علی احمد میموریل سوسائٹی لکھنؤ کے مالی تعاون سے شائع ہوئی''

چوتھے صفحے پر مصنف کا اجمالی تعارف پیش کیا گیا ہے،جو اس طرح ہے:

نام:۔سید عباس متقی،پیدائش:۔۱۷؍جنوری ۱۹۵۳ء،

ولدیت:۔سید محمد،تعلیم:۔ایم۔اے،ایم۔فل(عثمانیہ)،

پہلا مطبوعہ مضمون:۔مولانائے دکن(روزنامہ منصف حیدرآباد)،

تحقیقی مقالہ:۔قاضی احمد علی قاضی،حیات اور کارنامے،

پیشہ:۔درس وتدریس،

غیر مطبوعہ کتابیں:

(۱) طنز و تبسم (طنزیہ و مزاحیہ مضامین) (۲) رشکِ تموج (غزلیات اور نظموں کا مجموعہ)
(۳) بازیچہ (بچوں کی نظمیں) (۴) مثنوی نوال السبحان فی مطالب سورۂ رحمٰن
(۵) تہذیب و تہنیت (تہنیتی نظمیں) (۶) حج متقی (سفر نامۂ حجاز)
(۷) حجت ایمان (نعتوں کا مجموعہ)۔

اگلے صفحے پر انتساب اس طرح ہے:

''میں اپنی اس پہلی کوشش کو اپنے استاذ و مربی حضرت الحاج
محمد حمید الدین حسامی عاقل مدظلہ کے نام معنون کرتا ہوں۔''

چھٹے صفحے پر '' تقاریظ تبسم'' کے عنوان سے فہرست تقاریظ و پیش گفتار لکھ دیے گئے ہیں، جن میں ''تعارف'' کے عنوان سے ڈاکٹر محمد علی اثر ریڈر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ، ''پیش لفظ'' کے نام سے ڈاکٹر یوسف سرمست پروفیسر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ، ''دیباچہ'' کی سرخی تلے ڈاکٹر مصطفیٰ کمال مدیر شگوفہ حیدرآباد کی تحریریں شامل کی گئی ہیں اور ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' میں خود سید عباس متقی رقم طراز ہیں۔ اس طرح صفحہ نمبر ۷ تا ۱۵ ان ہی عناوین کا احاطہ کرتے ہیں۔

صفحہ نمبر ۱۶ پر ''فہرست تبسم'' کے نام سے فہرس لکھی گئی ہے جو اس طرح ہے:

(۱) خدا بچائے ان سڑکوں سے (۲) تلاشِ روزگار
(۳) گدھا (۴) گرانی کی پریشانی
(۵) جٹ منگنی، پٹ شادی، جھٹ طلاق (۶) مچھر
(۷) بچاؤ ہمیں عقیدت مندوں سے (۸) کھٹمل
(۹) ہم بیروزگار ہیں (۱۰) مہمان کیسے کیسے
(۱۱) پیٹ پونچھن (۱۲) مولوی نورالدین
(۱۳) ......دے کے انٹرویو (۱۴) کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا مکان ہے
(۱۵) مولانائے دکن (۱۶) تنگ آچکے پیشۂ تدریس سے ہم
(۱۷) مرو تو سارے............ (۱۸) ہوئے جو اردو پنڈت

تعارف میں سید عباس متقی کے استاذ محمد علی آثر صاحب نے موصوف کا تعارف پیش کراتے ہوئے جو لکھا ہے اس سے ان کی طنزیہ اور مزاحیہ نگاری اور اس میدان میں ان کے مقام ورتبے کا تعین ہوجاتا ہے:

''سید عباس ایک ملنسار، خوش اخلاق اور منکسر المزاج انسان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اساتذہ اور ساتھیوں کے حلقہ میں یکساں مقبول ہیں۔ انھوں نے نعتیں بھی کہی ہیں اور نظمیں اور غزلیں بھی۔ انشائیے بھی لکھے اور تنقیدی تحقیقی مضامین بھی، لیکن ان کے دل کا معاملہ طنزیہ ومزاحیہ مضامین ہی میں بہتر طور پر کھل سکا ہے۔ شاید اسی وجہ سے انھیں اب تک شعروں کے انتخاب کی رسوائی نہیں اٹھانی پڑی عباس مزاح نگاری کے میدان میں دبے پاؤں داخل ہوئے۔ ان کے طنز ومزاح نگاری کی عمر زیادہ نہیں۔ وہ گزشتہ چھ آٹھ سال سے طنزیہ ومزاحیہ مضامین لکھ رہے ہیں۔ اس مختصر سے عرصہ میں انھوں نے حیدرآباد کے نئے مزاح نگاروں میں اپنا ایک منفرد مقام بنالیا ہے۔ ان دنوں وہ حیدرآباد کی مشہور انجمن ''زندہ دلان حیدرآباد'' کے ادبی جلسوں میں ''اوپننگ بیٹس مین'' کے طور پر پیش کیے جارہے ہیں، جس سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ اس انجمن کو ان پر کس قدر اعتماد ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں دیر تک ''کریز'' پر جمے رہ کر طنز ومزح کے ''رن بنانے'' بلکہ ''چوّے'' اور ''چھکّے'' لگانے کی اچھی صلاحیت موجود ہے۔(۱)

سید عباس متقی بحیثیت طنز ومزاح نگار زندہ دلان حیدرآباد کے ادبی جلسوں کی وجہ سے ابھر کر آئے ہیں اور ادبی حلقوں میں ان کی خوب پزیرائی ہوتی رہی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ۱۹۸۹ء میں ان کا پہلا طنز ومزاح پر مشتمل انشائیوں کا مجموعہ منظر عام پر آیا۔

کتاب کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ سید عباس متقی میں بات کہنے کا سلیقہ ہے، بات سے بات پیدا کرنے کے گُر سے وہ خوب واقف ہیں۔ فہرست تبسم پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں بیک وقت خواجہ حسن نظامی، پطرس بخاری، کنہیا لال کپور، رشید احمد صدیقی اور مشتاق احمد یوسفی کی یادیں آنے لگتی ہیں کیوں کہ سید عباس متقی کے مضامین میں تنوع پایا جاتا ہے۔ بلاشبہ انھوں نے مذکورہ مزاح نگاروں کے مضامین اور انشائیوں کا مطالعہ کیا ہوگا تب ہی تو ہم ان کے ایک ایک مضمون کو پڑھتے ہیں تو یادرفتگان میں کھو سے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر یوسف سرمست پروفیسر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ نے سید عباس متقی کی خلافِ توقع حرکات میں ان کا یہ مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ''دکھتی رگیں'' بھی شامل رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ رقم طراز ہیں:

''وہ ایک دن اچانک یہ مجموعہ لے کر آ گئے اور فرمائش یہ کی کہ اس کے بارے میں مجھے کچھ لکھنا بھی ہوگا۔ میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ مزاحیہ کے بارے میں کچھ لکھنا میرے بس کی بات نہیں تھی اس لیے کہ اس میں ماورائے سخن بھی ایک بات ہوتی ہے وہ میری گرفت میں آتی نہیں۔ مگر لکھنے سے انکار بھی ممکن نہیں تھا کیوں کہ متقی ان کا ایم۔فل کا ''وائی واؤ'' وقت پر نہ ہونے پر میری ''دکھتی رگ'' پر ہاتھ رکھ چکے تھے اگر اس بار بھی کچھ ایسا ہوتا تو معلوم نہیں کیا کر گزرتے۔ اس لیے خیر اسی میں نظر آئی کہ اپنی دکھتی رگ کو بچانے کے لیے ان کی دکھتی رگوں کو اپنے قلم سے چھیڑوں۔''(۲)

یوسف سرمست صاحب کے بعد دیباچہ کے نام سے مدیر ماہنامہ شگوفہ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال نے سید عباس متقی کی کتاب پر طنز و مزاح کی تصویر کشی کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ابھی کل کی بات ہے کہ سید عباس متقی مکتب طنز و مزاح میں ''رفت گیا اور بود تھا'' کا سبق حاصل کر رہے تھے آج تیزی کے ساتھ ترقی کے زینے پھلانگتے ہوئے تالیف نسخہ ہائے مزاح میں مصروف ہیں اور طنز و مزاح کے سرمایہ بلکہ اسباق میں ایک نئی کتاب کا اضافہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے سید عباس متقی کا جو تعارف پیش کیا ہے وہ یقیناً حقیقت پر مبنی ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

''عباس متقی میں بہ ظاہر اس انداز اور مزاح کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔ نام ہی نہیں اطوار کے اعتبار سے بھی وہ بجا طور پر متقی کہلائے جا سکتے ہیں۔ چہرہ، بشرہ، لباس اور حرکات و سکنات سے ان کی روایت پسندی عیاں ہے۔ اس قبیل کے حضرات (بشمول خواتین) ہر قسم کی بے راہ روی سے پرہیز کی تلقین کرتے ہیں لیکن عباس متقی نے افراط و تفریط اور کج روی کو ہدف بناتے ہوئے پند و موعظت کا دفتر نہیں کھولا بلکہ روایت سے انحراف پر طنز و مزاح کے پردے میں ایسے ایسے گل کھلائے ہیں جن سے گلشنِ ادب کی مہک میں اضافہ ہوا ہے۔ نئے اقدار کے حامل اس دور میں عباس متقی سرگشتۂ خمار رسوم و قیود کا کامیابی کے ساتھ تیشہ زن ہونا اور مزاح کا رس

کانوں میں گھولنا حیرت کے ساتھ ساتھ مسرت کا باعث ہے۔متوازن رویہ، زبان پر عبور، اسلوب کی دلکشی، عربی اور فارسی سے شغف اور کلاسیکی ادب کے مطالعے نے ان کے مزاج کو دو آتشہ بنایا ہے۔ان کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ سنجیدہ وثقہ چہرے کے پیچھے ایک بے حد شوخ وطرار اور ذہین وفطین شخص چھپا بیٹھا ہے۔'' (۳)

انتساب کے طور پر سید عباس متقی اپنے استاذ گرامی قدر کی شان میں لکھتے ہیں کہ میں اپنی اس پہلی کوشش کو اپنے استاذ و مربی حضرت الحاج محمد حمید الدین حسامی عاقلؔ مدظلہ کے نام معنون کرتا ہوں۔فخر الدین علی احمد میموریل سوسائٹی لکھنؤ کے مالی تعاون کے بعد ۱۹۸۹ء میں پہلی بار سید عباس متقی کی پہلی کاوش منظر عام پر آئی۔تعداد چھ سو کاپیاں تھیں۔ناشر کی حیثیت سے سید عباس متقی کا نام ہے۔محمد مظہر وانور خوش نویس نے کتابت فرمائی اور خورشید پریس چھتہ بازار حیدرآباد سے اس کی طباعت عمل میں آئی ۱۱۲ صفحات پر مشتمل اس مجموعے کا سرورق پرکشش ہے اور آخری صفحے پر موصوف کی تصویر ہے۔کیا ہی اچھا ہوتا کہ ٹائیٹل ملٹی کلر ہوتا لیکن جو بھی ہے غنیمت ہے اندرون صفحات پر کتابت تو خوب ہے لیکن ناقص سیاہی اور طباعت نے الفاظ کی نشست کو خراب کر دیا ہے نتیجتاً کئی کئی صفحات کا پڑھنا اور پڑھ کر سمجھنا مشکل ہو گیا ہے۔راقم الحروف نے ان جگہوں پر سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کی ہے۔

''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' کے عنوان سے مستند باتیں سید عباس متقی نے لکھی ہیں ساتھ ہی ان گوشوں کو بھی کھولا ہے جس کے سبب انھیں کتاب کی طباعت اور منظر عام پر لانے کا خیال پیدا ہوا۔آخر میں ان سبھی بہی خواہوں کا شکریہ ادا کیا ہے جن کے مفید مشورے اور ہمت افزائی شامل حال رہی۔

(۲) چھٹی انگلی (۱۹۹۳ء):

چھٹی انگلی سید عباس متقی کے مزاحیہ مضامین کا دوسرا مجموعہ ہے جس کو انھوں نے ریڈیائی فرمائش پر تو کبھی اپنی طبیعت کی جلا کے لیے اور کبھی کبھی یوں ہی قلم برداشتہ لکھے ہیں۔اس طرح نو مضامین پر مشتمل یہ کتاب قارئین کے لیے تفریح کا سامان مہیا کرتی ہے۔

کتاب کے سرسری مطالعے سے معلوم پڑتا ہے کہ سید عباس متقی نے اس کتاب کو ہنگامی حالات میں شائع کیا ہے۔کیوں کہ بابری مسجد کی شہادت کا سانحہ ابھی ابھی ہوا تھا۔ملک میں افراتفری اور کرفیو کے حالات ہو گئے تھے۔ایسے میں سید عباس متقی نے اپنے اس انشائیوں کا مجموعہ شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔کتاب کی لمبائی 18.5 سنٹی میٹر اور 7.3 انچ ہے جب کہ جوڑائی 12.7 سنٹی میٹر یعنی 5 انچ پر محیط ہے۔سرورق light Brown Colour میں شائع کیا گیا ہے، جس پر اوپری حصے میں دائیں جانب ''چھٹی اُنگلی'' جس کے نیچے ایک جزیرے میں ایک ناریل کے درخت کے نیچے ایک نحیف و ناتواں شخص اپنے دونوں ہاتھوں کو پیچھے کر کے ٹھہرا ہوا ہے، جس کی نگاہیں آسمان کی طرف حیرت سے تک رہی ہیں اور آسمان میں ایک ہوائی جہاز نما کوئی چیز پرواز کر رہی ہے۔جس کی آواز سے خشکی سے متصل پانی میں ارتعاش پیدا ہو رہا ہے اور سب سے نیچے ڈاکٹر سیّد عبّاس متّقی لکھا ہوا ہے۔

سب ٹائیٹل پر جلی حروف میں چھٹی انگلی، اس کے نیچے خوش نما دائرے میں طنز ومزاح اور سب سے نیچے سیّد عبّاس متّقی طبع کیا ہوا ہے۔صفحہ نمبر۲ پر سب سے پہلے کتابت:۔محمد رفیع خوش نویس، تعداد:۔ ۵۰۰، طباعت:۔دائرہ الکٹرک پریس چھتہ بازار، اشاعت:۔۱۹۹۳ء، قیمت:۔۳۰ روپے کے علاوہ یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

''یہ کتاب اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کے تعاون سے شائع ہوئی''

تیسرے صفحے پر انتساب کو اپنے والدین کریمین کے نام سے معنون کیا ہے اور لکھا ہے کہ

''والد محترم جناب سید محمد صاحب اور والدہ محترمہ جناب دولت بیگم صاحبہ کے نام۔''

اگلے صفحے پر سید عباس متقی کا مختصر تعارف اور ان کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ (متوقع) کتابوں کی فہرست اس طرح دی گئی ہے۔نام:۔سید عباس متقی، پیدائش:۔۱۷/جنوری ۱۹۵۳ء، ولدیت:۔سید محمد صاحب، تعلیم:۔ایم۔اے، ایم۔فل (جامعہ عثمانیہ)، ڈپلوما ان پیلوگرافی (جامعہ عثمانیہ)، پی ایچ۔ڈی، تحقیقی مقالہ برائے ایم۔فل۔قاضی احمد علی قاضی حیات اور کارنامے، پیشہ:۔درس وتدریس۔

مطبوعہ کتابیں:

(۱) تسلیماً کثیراً (۱۹۹۰ء)　(۲) دکھتی رگیں (۱۹۸۹ء)

(۳) مثنوی نوال السبحان (۱۹۹۲ء)　(۴) تنہائیاں (۱۹۹۳ء)

(۵) چھٹی انگلی (۱۹۹۳ء)

غیر مطبوعہ:

(۱) ہیں کواکب کچھ (خاکے)　(۲) میری بلا ڈرے (طنز ومزاح)

(۳) ہوش کے ناخن (طنز ومزاح)　(۴) تہذیب وتہنیت (تہنیتی نظمیں)

(۵) حجت الایمان (نعتیں)　(۶) تاریخیں

(۷) بازیچہ اطفال (بچوں کی نظمیں)　(۸) ناگزیر

(۹) حج متقی (سفرنامہ حجاز)　(۱۰) چیستاں

(۱۱) دھول دھپّہ　(۱۲) معنی خیز

(۱۳) شعر النظیف فی شرح البردۃ الشریف۔

پانچواں صفحہ فہرست مضامین سے متصف ہے۔اس فہرست میں سید عباس متقی نے مضامین اور انشائیوں سے قبل ڈاکٹر حبیب ضیاء اور رفیعہ منظورالامین صاحبہ کے تاثرات کو ''چھٹی انگلی کا مصنف'' اور ''چھٹی انگلی۔ایک تاثر'' کے نام سے شامل کیا ہے اوران دونوں کے بعد ''سردست'' کے نام سے سید عباس متقی نے پیش لفظ لکھا ہے۔پھر فہرست شروع ہوتی ہے۔

(۱) کچرا　(۲) ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے

(۳) شادی خانے سے دواخانے تک　(۴) وضو کو مانگ کے پانی

(۵) بیل جیتا ہے بہر کیف ذبح　(۶) لیجیے ہم بھی پروفیسر ہوئے

(۷) مُردوں کا انتقال　(۸) بس کہ دشوار ہے تحقیق کا آساں ہونا

(۹) اتفاقاً ہوگئی۔

مذکورہ فہرست کے بعد صفحات ۶ سے ۱۶ تقاریظ وپیش لفظ پر منحصر ہیں اور صفحہ نمبر ۱۷ سے مضمون ''کچرا'' شروع ہوتا ہے اور صفحہ ۱۲۰ پر ''اتفاقاً ہوگئی'' تمام ہوتا ہے۔

ابتدا میں ڈاکٹر حبیب ضیا کی تمہید ہے پھر محترمہ رفیعہ منظورالامین کا تاثر شامل ہے اس کے بعد سر دست کے عنوان سے پیش لفظ ہے جس میں کرم فرماؤں کا شکریہ پیش پیش ہے اگر اسے پیش لفظ کی بجائے کلمات تشکر کہیں تو زیادہ مناسب ہے۔ ڈیمائی سائز پر ۱۲۰ صفحات پر مشتمل کتاب کا سرورق دیدہ زیب تو نہیں عبرت آموز ضرور ہے۔ اس کتاب کو اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کے تعاون سے شائع کیا گیا ہے۔

سید عباس متقی نے انتساب اپنے والد محترم جناب سید محمد صاحب اور والدہ محترمہ جناب دولت بیگم صاحبہ کے نام منسوب کیا ہے۔ کتابت محمد رفیع الدین خوش نویس کی ہے جب کہ ناقص طباعت دائرہ الکٹرک پریس چھتہ بازار میں عمل میں آئی۔ اردو زبان سے کما حقہ وقفیت نہ رکھنے والوں کے لیے کتاب دیکھنے سے یہ کتاب، کتاب نہیں بلکہ اس کتاب میں شامل پہلا مضمون نظر آئے گی۔ ویسے زبان و بیان کی عمدگی کے سبب صاحب زبان اشخاص اسے سر آنکھوں پر رکھیں گے کتاب کا سائز چھوٹا ہونے کی وجہ سے رخت سفر کے لیے سودمند ہے۔ کتاب کی قیمت صرف ۳۰ روپے اور ۱۹۹۳ء کی اشاعت ہے تعداد اشاعت ۵۰۰ ہے جملہ حقوق کس کے حق میں ہے معلوم نہیں البتہ صفحہ چار پر ۱۳ عدد غیر مطبوعہ کتابیں ہیں جن میں سے نصف سے زائد کتابیں ہنوز زیر طبع ہی ہیں۔

مجموعی اعتبار سے تمام مضامین کی زبان سادہ اور سلیس ہے اور بازاریت، پھکڑ پن، سوقیانہ انداز سے مبرا ہیں۔

(۳) میری بلا سے (۱۹۹۶ء):

میری بلا سے سید عباس متقی کے طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا تیسرا مجموعہ ہے جو دوسرے مجموعے کی اشاعت کے تین سال بعد منظر عام پر آیا۔ اس کتاب کا عبوری جائزہ لیں تو جو باتیں قارئین کتاب اور ناقد کو معلوم ہوں گی وہ اس طرح ہیں۔

''دکھتی رگیں'' کی طرح یہ کتاب بھی ڈیمائی سائز یعنی لمبائی 22.3 سنٹی میٹر یا 8.78 انچ ہے اور چوڑائی 14.4 سنٹی میٹر یا 5.669 انچ ہے۔ سرورق سبز رنگ کا ہے جس پر ایک تصویر طالب خوندمیری نے آڑھی ترچھی اس طرح کھینچی ہیں کہ اس میں ایک شخص اپنی پوری

کوشش سے بین بجا رہا ہے جس کے سامنے ایک گائے اس بین سے رقص کرنے کے موڈ میں نظر آتی ہے اس طرح اس محاورے کی تضحیک کی گئی ہے کہ '' بھینس کے آگے بین بجانا''۔ صاحب بین اور بھینس کے آگے گھانس پوس بھی اُگی ہوئی ہے۔ مجموعی اعتبار سے اسکیچ بھلا معلوم ہوتا ہے۔ جس کے اوپر ''میری بلا سے'' سفید سیاہی سے لکھا ہوا ہے اور سب سے نیچے سیاہ روشنائی سے ڈاکٹر سید عباس متقی شائع کیا ہوا ہے۔ پچھلے ٹائیٹل پر سید عباس متقی نے اپنی تصویر شائع کروائی ہے جس کے اوپر انگریزی زبان میں MERI BALA SE اور تصویر کے نیچے Dr.SYED ABBAS MUTTAQUI شائع ہوا ہے۔

کتاب کے سب ٹائیٹل پر درمیان سے کچھ اوپر ''میری بلا سے'' اس کے نیچے ''(طنزیہ و مزاحیہ مضامین)'' اور درمیان سے کچھ نیچے ڈاکٹر سید عباس متقی اور اس کے نیچے ''سلسلۂ اشاعت زندہ دلان حیدرآباد'' ہے۔ دوسرے صفحے پر سب سے اوپر مگر صفحہ نمبر کے بعد ''جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں'' لکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد جو تفصلات دی گئی ہیں، وہ اس طرح ہیں۔ کتابت:۔ محمد غالب خوش نویس و محمد اکمل خوش نویس، سرورق:۔ طالب خوند میری، تحریر سرورق:۔ محمود سلیم خوش نویس، طباعت:۔ دائرہ پریس چھتہ بازار، بائینڈنگ:۔ حفیظیہ بائینڈنگ چھتہ بازار، ناشر:۔ زندہ دلانِ حیدرآباد، تعداد:۔ ۵۰۰، سنہ اشاعت:۔ ۱۹۹۶ء۔ قیمت:۔ ۱۰۰ روپے۔ ''یہ کتاب اردو اکیڈیمی کی جزوی اعانت سے شائع ہوئی''، ملنے کے پتے:۔ دفترِ شگوفہ۔ بیچلرز کورٹرس معظم جاہی مارکٹ، مکان مصنف ۱۳/۱۹۴-۳-۷ امدینہ نگر، یاقوت پورہ حیدرآباد ۵۰۰۰۲۳۔

سید عباس متقی نے کتاب کا انتساب اپنے استاذ گرامی اور سمدھی عالی جناب محمد مظہر خوش نویس کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس طرح صفحہ نمبر ۳ پر کلمات انتساب اس طرح درج ہیں۔

> ''اپنے استاد اور سمدھی جناب محمد مظہر خوش نویس مرحوم کے نام جن کی بے لوث محبتیں میں بُھلا نہیں سکتا''

چوتھے صفحہ پر حسب سابق سید عباس متقی کا تعارف اور ان کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابوں سے آگاہی سمجھادی گئی ہے، جن میں سے بعض کتابیں ۱۹۹۶ء سے ۲۰۱۶ء تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوسکی ہیں۔ بہرحال اس صفحے پر جو کچھ بھی لکھا گیا ہے، وہ یوں ہے۔

نام:۔ڈاکٹر سید عباس متقی، پیدائش :۔۱۷رجنوری ۱۹۵۳ء، ولدیت:۔جناب سید محمد صاحب، تعلیم:۔ایم۔اے، ایم۔فل، پی ایچ۔ڈی (عثمانیہ)، پیشہ:۔درس وتدریس۔

کتابیں، مطبوعہ:

(۱)تسلیماً کثیراً (۱۹۹۰ء) (۲)دکھتی رگیں (۱۹۸۹ء)

(۳)مثنوی نوال السبحان (۱۹۹۲ء) (۴)تنہائیاں (۱۹۹۳ء)

(۵)چھٹی انگلی (۱۹۹۳ء) (۶)فی ظلال البردہ (۱۹۹۶ء)

(۷)میری بلا سے (۱۹۹۶ء)۔

غیر مطبوعہ:

(۱)ہیں کواکب کچھ (۲)قاموس تاریخ

(۳)حج متقی (۴)ٹک ٹک دیدم

(۵)ہوش کے ناخن (۶)حشو وزوائد

(۷)دھول دھپّہ۔

سید عباس متقی کی اس کتاب میں ۱۳ مضامین شامل ہیں اور آخر میں قطعہ تاریخ طباعت میری بلا سے چار مصرعوں پر مشتمل اس طرح سے لکھا ہے کہ جس سے سال ۱۹۹۶ء برآمد ہوتا ہے۔مصرعے اس طرح ہیں:

جو میری بلا سے یہ شائع ہوئی
کہا متقی نے بہ فضلِ خدا
یہی تو طباعت کی تاریخ ہے
''کتابِ ظرافت'' سنہ بے بہا

ابتدا میں تمہید مجازی کے نام سے مضطر مجاز نے تقریظ لکھی ہے، جس میں انھوں نے سید عباس متقی کے فن کے بارے میں جامع تبصرہ کیا ہے جس کے مطالعے سے قاری سید عباس متقی کی فن ظرافت سے واقف ہوسکتا ہے۔انھوں نے جگہ جگہ کتاب سے اقتباسات بھی اخذ کیے ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں کہ اس تحریر کا لطف اس وقت تک اٹھایا نہیں جاسکتا جب تک غالبؔ اور جوشؔ کے کلام سے واقف نہ ہو۔مضطر مجاز کی تمہید سے اقتباس دیکھیے :

''ان کی اس تیسری کاوش کا خیر مقدم کرتے ہوئے ہم ان سے یہ ضرور کہیں گے کہ ادب کے مختلف شعبوں، تحقیق کہ ترجمہ، نظم کہ نثر، طنز کہ مزاح۔ میں اپنے آپ کو ضرور مشغول رکھیں لیکن اس راز کو جلد سے جلد پانے کی کوشش کریں کہ ان کی پہلی محبت کون سی ہے؟ کیوں کہ ہر عبقری ایک پہلو دار شخصیت ضرور رکھتا ہے لیکن اس کی پہچان تو اس کی کسی ایک صلاحیت سے ہوتی ہے جو اسے انفرادیت بھی عطا کرتی ہے اور آفاقی پہچان بھی۔ شاید مزاح نگاری ہی ان کی پہچان ہے۔ اگر وہ گیلری کی تالی سے خود کو بچا سکیں تو عجب نہیں کہ بہت دور تک نکل جائیں۔'' (مضطر مجاز)

۱۱۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں شامل مضامین

(۱) ریورس گیر (۲) ایک چھوہا تھا
(۳) دکنی حکیم (۴) پچھلے ۳۶۵ دنوں کا کیا کروں
(۵) کھاؤ قسم (۶) ہماری اسناد جعلی نہیں
(۷) ووٹ کیوں نہ دیا (۸) آخر یہ بڑھاپا آتا کیوں ہے
(۹) کار کو پٹرول نے مارا (۱۰) شیروانی کی فریاد
(۱۱) لکھنا خط کا اور رہ جانا اس کا ہماری جیب میں (۱۲) کٹی عمر ہوٹلوں میں
(۱۳) التوا کو ''وائی وا'' کہتے ہیں ہم

جیسے مضامین بہت عمدہ ہیں لیکن اس کی طباعت ناقص ہوئی ہے جس کے سبب خوش نویسوں کی خوش نویسی کو پڑھنا مشکل دکھائی دیتا ہے۔

سید عباس متقی نے خشت اول کے عنوان سے پیش لفظ لکھا ہے جس میں ان کے طنز و مزاح کی بسم اللہ خوانی کا ذکر اور ان کے مضامین کے ارتقاء کے بابت خود انھوں نے لکھتے ہوئے بالآخر ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا ہے جنھوں نے ان کی کتابوں کے سلسلے میں ان کی مدد و نصرت فرمائی جن میں قارئین مضامین متقی سر فہرست ہیں۔

(۴) ڈرتا ہوں آئینے سے (۲۰۰۳ء):

سید عباس متقی کے انشائیے اور طنزیہ اور مزاحیہ مضامین پر مشتمل یہ کتاب ''ڈرتا ہوں آئینے سے'' کے نام سے موسوم کی گئی ہے، جس کے سرورق پر ایک آئینہ اور اس میں گدھے کی صورت دیکھ کر واقعی ناظر کتاب آئینے سے ڈرنے لگتا ہے کہ یہ کہیں وہ تو نہیں۔ آئینے کے بازو میں جلی حروف میں کتاب کا نام اور آئینے کے نیچے صاحب کتاب کا نام شائع کیا گیا ہے۔ ملٹی کلر سرورق ہونے کی وجہ سے گدھا واضح طور پر دکھائی دے رہا ہے۔ سرورق کے پچھلے حصے میں ایک اور فریم جڑ دیا گیا ہے اور اس میں کوئی اور نہیں بلکہ خود صاحب کتاب کی وہ مشہور ومعروف تصویر چسپاں ہے جو عموماً روزنامہ منصف کے انشائیے اور مضامین کے ساتھ شائع کی جاتی ہے اور جس کے نیچے موصوف کا سیل نمبر دیا جاتا ہے۔

ٹائیٹل کے پشت پر تصویر کے اوپر DARTA HUN AINE SE اور اس کے نیچے By:Dr.Abbas Muttaqy لکھا ہوا ہے اور تصویر کے نیچے ''ڈاکٹر سید عباس متقی'' بھی واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔

۱۲۰ صفحات پر مشتمل کتاب کی ہارڈ بائینڈنگ کی گئی ہے جو ان کی سابقہ کتابوں سے زیادہ خوش نما اور عمدہ طباعت پر مشتمل ہے۔ سب ٹائیٹل پر نام کتاب کے ساتھ ''طنز ومزاح'' اور مصنف کے نام کے علاوہ سلسلۂ اشاعت زندہ دلانِ حیدرآباد اچھا معلوم ہوتا ہے۔

دوسرے صفحے پر جو تفصیلات شامل کی گئی ہیں وہ تقریباً ان کی کتابوں میں شامل رہتی ہے:

نام تصنیف	:ڈرتا ہوں آئینے سے
مصنف	:ڈاکٹر سید عباس متقی
کمپیوٹر کتابت	:شیخ سعدی ارشد، محمد اطہر احمد صدیقی
طباعت	:دائرہ پریس چھتہ بازار حیدرآباد
بائنڈنگ	:حفیظیہ بائینڈنگ چھتہ بازار
ناشر	:زندہ دلانِ حیدرآباد
تعداد	:۶۰۰

سنہ اشاعت :۲۰۰۳ء

ملنے کے پتے :(۱) دفتر شگوفہ بیچلر کواٹرس، معظم جاہی مارکٹ، حیدرآباد

(۲) مکان مصنف: 17-3-194/13

جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں

''یہ کتاب اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی جزوی امداد سے شائع ہوئی۔''

سید عباس متقی نے کتاب کا انتساب اپنے اساتذہ کے نام معنون کیا ہے جس کی بابت موصوف لکھتے ہیں کہ ''انھیں کے فیض سے میری نگاہ روشن ہے۔'' اگلے صفحے پر سید عباس متقی کا تعارف اور ان کی نوادر دو شعری و نثری تصانیف کی فہرست سال اشاعت کے ساتھ دی گئی ہے۔

فہرست مضامین پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ۱۷ مضامین اس طرح ملتے ہیں:

(۱) سیکل (۲) گدھ جو عنقا ہو گئے

(۳) خانقاہوں میں مجاور رہ گئے (۴) حکیم مرزا عجیب الہیت بیگ

(۵) قلم گفتہ کہ من...... (۶) بنام تنویر منیار

(۷) بستر (۸) ہمیں سے محبت ہمیں سے لڑائی

(۹) مردم شماری سے مردم آزاری تک (۱۰) چکر نمبر ون

(۱۱) بکرے کی کہانی بکرے کی زبانی (۱۲) شکار اپنے داؤ پر

(۱۳) صاحب دل ہیں کوئی ''بل'' کے طرف دار نہیں (۱۴) ''سو'' میں سے ''بارہ''

(۱۵) دیکھنا مرزا کا فلم ''فائر'' اور لگنا آگ کا تن بدن میں (۱۶) لو اب ہم بھی کروڑ پتی ہیں

(۱۷) قوم نے ڈھونڈھ لی فلاح کی راہ۔

اس کتاب میں موصوف نے نہ کسی کی تحریر کو جگہ دی ہے نہ اپنے خیالات کا اظہار کرنا ضروری گردانا ہے بلکہ صفحہ ۷ سے مضامین شروع ہو کر صفحہ ۱۱۹ پر تمام ہوتے ہیں اور آخری صفحے پر ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس نے قطعہ تاریخ طباعت، مجموعہ ظرافت، گلدستہ لطافت، آئینہ فطانت کی سرخی تلے ''ڈرتا ہوں آئینے سے'' پر شان دار قطعہ تاریخ قلم بند کیا ہے جو چودہ اشعار پر مشتمل ہے جن سے آخری دو شعر اس طرح ہیں۔

سال طبع جو پوچھا تو مضمون دیکھ کر
ہاتف کو قہقہوں سے نہ فرصت ذرا ملی
یاروں نے سر اٹھا کے کہا سال یہ فریس
ڈرتا ہوں آئینے سے ہے تصنیف متقی

کتاب ہذا کمپیوٹر کتابت سے مزین ملٹی کلر ہونے کے علاوہ عمدہ کاغذ اور نفیس طباعت پر مشتمل ہے جس کو اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش نے جزوی مالی اعانت دی ہے۔

اس کتاب کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مضامین صفحہ ۷ سے شروع ہوتے ہیں اور مضمون کا اختتام سب ٹائیٹل والے صفحے سے مماثلت نہ رکھتا ہو تو اس صفحے کو چھوڑ دیا گیا ہے اس طرح فوراً بعد والے صفحے سے نیا مضمون شروع ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ہر مضمون کا موضوع صفحے کے اوپری حصے کے درمیان سے شروع ہوتا ہے۔ ان ہی چند وجوہ کی بنا پر یہ کتاب موصوف کی اگلی کتابوں سے زیادہ خوب صورت اور نفیس ہے۔

(۵) لگے ہاتھوں (۲۰۰۷ء):

طنز و مزاح مضامین، خاکے اور انشائیوں پر مشتمل سید عباس متقی کا پانچواں مجموعہ ''لگے ہاتھوں'' کے نام سے شائع ہو کر داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اس مجموعے کا عبوری جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ یہ ڈیمائی سائز یعنی چھٹی انگلی (۱۹۹۳ء) کی طرح ہے۔

اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں غور طلب بات یہ ہے کہ سرورق پر ''سبحانی'' نے سید عباس متقی کا کارٹون تیار کیا ہے جو ان کا عکس معلوم ہوتا ہے۔ اس کی پشت پر Lage Hathaon اور Dr.Syed Abbas Muttaqui مرقوم ہے۔

سب ٹائیٹل بھی گزشتہ کتابوں کی طرح ہی ہے اور سلسلہ اشاعت زندہ دلانِ حیدرآباد بھی شائع ہوا ہے۔ دوسرے صفحے پر وہی سب معلومات ہیں جو عموماً کتابوں میں ہوتی ہیں۔

نام تصنیف : لگے ہاتھوں
مصنف : ڈاکٹر سید عباس متقی
کمپیوٹر کتابت : ارشد
طباعت : اعجاز پریس چھتہ بازار حیدرآباد

بائینڈنگ :حفیظیہ بائینڈنگ چھتہ بازار

ناشر :زندہ دلانِ حیدرآباد

تعداد :۶۰۰

سنہ اشاعت :۲۰۰۷ء

ملنے کے پتے :(۱) دفتر شگوفہ بیچلر کواٹرس، معظم جاہی مارکٹ، حیدرآباد

(۲) مکان مصنف: 17-3-194/13

جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں

''یہ کتاب اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی جزوی تعاون سے شائع ہوئی۔''

انھوں نے انتساب کو اپنے داماد اور استاذ زادے کے نام معنون کیا ہے۔انتساب یوں لکھتے ہیں:

''میں اپنی اس تصنیف کو اپنے داماد عزیزی محمد اصغر سلمہٗ (حال مقیم امریکا) کے نام معنون کرتا ہوں جنھوں نے اپنے اخلاق و کردار کے ذریعے ایک زمانے کا دل جیت لیا ہے۔''

اگلے صفحے پر موصوف کی کتابوں کا تعارف اور خود سید عباس متقی کی وہی معلومات شائع کی گئی ہیں جو ان کی کتابوں پر ہوتی ہیں۔''حرف اولین'' کے نام سے پیش لفظ لکھ چھوڑا ہے۔فہرست مضامین اس طرح ہے:

(۱) کچرا (۲) ہم بھی اگر کتے ہوتے

(۳) علامہ اقبال اور شاہین سلمہ (۴) آپ کا ج مہا گریٹ کا ج

(۵) سیکھی ہے مہ رخوں کے لیے ہم نے فارسی (۶) لال لگام

(۷) جو وعدہ کیا وہ نبھانا پڑے گا (۸) یہیں تو ہم نے جنم لیا تھا

(۹) چار بوڑھے چاروں جوان (۱۰) ہم تو تیرے عاشق ہیں

(۱۱) مولانائے دکن، مواعظ و مضحکات (۱۲) سارے جہاں میں دھوم ہمارے کچن کی ہے

(۱۳) جادوگرسیّاں (۱۴) الیاس مسعود خاں......خلوص اور خوشبو کا آدمی

(۱۵) دکھ اٹھائے جو بتوں کے تو خدایاد آیا (۱۶) عقد کے چار دن معین ہیں

صفحہ ۹ سے پہلا انشائیہ ''کچرا'' شروع ہوتا ہے اور اس صفحے کی نسبت یعنی طاق اعداد کی ترتیب کے ساتھ دیگر مضامین رکھے گئے ہیں اور اگر طاق صفحہ پر مضمون ختم ہوتا ہے تو اگلا جفت عدد والے صفحے کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

۱۲۸ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی طباعت گوارا ہے۔ سید عباس متقی نے اس میں نہ خود کوئی تاریخ قطعہ طباعت لکھی ہے اور نہ ہی کسی کو اس کی زحمت دی ہے۔ دیگر کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی جزوی مالی اعانت سے شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہے اور اردو حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے۔

(٦) ہیں کواکب کچھ (۲۰۰۹ء):

''ہیں کواکب کچھ'' سید عباس متقی کی چھٹی طنزیہ و مزاحیہ مضامین اور خاکوں پر مشتمل کتاب ہے، جس میں انھوں نے طنز و مزاح کی کچھ ایسی پھل جھڑیاں چھوڑی ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کتاب کا انتساب نہایت خوب صورت اور پر اثر ہے کہ موصوف نے اپنے پانچ ماں کے پوتے سید عبداللہ شکیب سلمہٗ کے نام اس کتاب کو معنون کیا ہے، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انھیں اپنے پوتے سے کس قدر اور بے پناہ محبت ہے۔ یہ انتساب اس کا لطیف اظہار ہے۔

''ہیں کواکب کچھ'' کا سرسری مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ کتاب کا سرورق نہایت سادہ اور سیاہ رکھا گیا ہے جو موصوف کی طبیعت ثانیہ سے مغائر ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سید عباس متقی کی بیشتر کتابیں رنگ برنگی تصویروں اور رنگارنگ کارٹونوں سے مزین ہوتی ہیں۔ پتا نہیں اس کتاب کی طباعت کے وقت وہ سنجیدگی کی کس منزل سے گزر رہے تھے ہوں گے کہ انھوں نے اپنے مزاج کے خلاف اس درجے سادگی کو اختیار کیا ہے۔ سرورق کا دایاں جز بالکلیہ طور پر سیاہ ہے جس پر ''ہیں کواکب کچھ'' اور ''ڈاکٹر سید عباس متقی'' سفید فونٹ پر بھلا معلوم ہوتا ہے جب کہ سرورق کا بایاں حصہ بالکلیہ سفید ہے اور جس پر انگریزی میں "Hain Kawakib Kuch" اور "Dr.Syed Abbas Muttaqui" سیاہ فونٹ میں لکھا ہوا ہے۔ تاہم اس کتاب میں موجود مضامین اور خاکے کتاب کے سرورق کے برعکس نہایت شگفتہ اور تبسم ریز ہیں۔

''دکھتی رگیں''،''میری بلا سے'' کی طرح یہ کتاب بھی ڈیمائی سائز یعنی لمبائی 22.3 سنٹی میٹر یا 8.78 انچ ہے اور چوڑائی 14.4 سنٹی میٹر یا 5.669 انچ ہے۔ غرض آخری صفحے پر قطعۂ تاریخ طباعت کتاب ظرافت بھی مزاحیہ ہونے کی وجہ سے اس کی افادیت میں چار نہیں بلکہ آٹھ چاند لگ جاتے ہیں۔

ایک مصرع اردو ہے ایک فارسی
چون بود اوراق این کان ظریف
سال می آمد نہ می آمد بگو
''ہیں کواکب کچھ'' ہے عنوان ظریف

تاریخ صرف چار مصرعوں پر ہے جن کی خوبی یہ ہے کہ اس کے دو مصرے اردو میں اور دو فارسی میں ہیں جس سے ۱۴۲۹ھ سال برآمد ہوتا ہے یہی شمسی تاریخ ۲۰۰۸ء ہے اس کے متعلق خود سید عباس متقی رقم طراز ہیں:

''جو چیز مجھے اس کتاب میں مزہ دے گئی وہ اس کتاب کی مزاحیہ تاریخ طباعت ہے۔ یہ تاریخ چار مصرعوں پر مشتمل ہے اور یہ چار مصرعے دو اردو کے ہیں اور دو فارسی کے، نیز آخری شعر میں ''تعمیہ'' ہے اور تخرجہ سے تاریخ برآمد ہوتی ہے اور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ''می آمد'' کو پڑھنا بھی ہے اور نہیں بھی۔ پڑھیں گے تو ہے نہیں پڑھیں گے تو تاریخ ہے۔ فن تاریخ گوئی سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس سے بہت لطف آسکتا ہے۔'' (پیش لفظ (پردہ اٹھے......) ص ۶)

سب ٹائیٹل پر جلی حروف میں ''ہیں کواکب کچھ'' اور اس کے نیچے ''طنز و مزاح'' اس طرح نیچے حصے میں ''ڈاکٹر سید عباس متقی'' اور اس کے نیچے سلسلۂ اشاعت زندہ دلانِ حیدرآباد ثبت ہے۔

دوسرا صفحے پر پھر ایک بار سلسلۂ اشاعت زندہ دلانِ حیدرآباد لکھا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں درج ذیل معلومات پہنچائی گئی ہیں، جو سلسلے وار اس طرح ہیں:

نام تصنیف : ہیں کواکب کچھ
مصنف : ڈاکٹر سید عباس متقی

کمپیوٹر کتابت :ارشد
طباعت :اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدر آباد
بائینڈنگ :حفیظیہ بائینڈنگ چھتہ بازار
ناشر :زندہ دلانِ حیدر آباد
تعداد :۶۰۰
سنہ اشاعت :۲۰۰۸
ملنے کے پتے :(۱) دفتر شگوفہ بیچلر کواٹرس، معظم جاہی مارکٹ، حیدر آباد
(۲) مکان مصنف: 17-3-194/13
جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں
''یہ کتاب اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کے جزوی تعاون سے شائع ہوئی۔''

صفحہ تین پر انتساب اور صفحہ چار پر حسب سابق موصوف کا تعارف اور ان کی دس تصنیفات دی گئی ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱) دکھتی رگیں (۲) تسلیماً کثیراً
(۳) مثنوی نوال السبحان (۴) تنہائیاں
(۵) چھٹی انگلی (۶) فی ظلال البردہ
(۷) میری بلا سے (۸) ڈرتا ہوں آئینے سے
(۹) لگے ہاتھوں (۱۰) ہیں کواکب کچھ۔

کتاب ہذا میں سید عباس متقی نے کسی کی کوئی تحریر شامل نہیں کی بلکہ پیش لفظ کو ''پردہ اٹھے ۔۔۔'' کے نام سے لکھ چھوڑا ہے، جس میں انھوں نے کتاب کا اجمالی تعارف اور شکریہ کا فریضہ نہایت اہتمام سے انجام دیا ہے۔

اس کتاب میں جملہ دس تخلیقات ہیں جن میں چھ مضامین اور چار خاکے ہیں لیکن کتاب کی فہرست میں سلسلہ نشان میں (۶) کی بجائے (۷) لکھا جانے سے اور (۶) کو چھوڑ دینے سے (۱۱) کا احتمال ہوتا ہے۔ کتاب میں شامل فہرست بالترتیب اس طرح ہے:

(۱) اک بنگلہ بنے نیارا (مضمون)
(۲) تہذیب رواں سے ایک ملاقات (مضمون)
(۳) شاگرد رشید علامہ فخر عالم (خاکہ)
(۴) کیف بی بی کے نام ایک کھلا خط (مکتوب)
(۵) مرغ کی فریاد (انشائیہ)
(۶) شگوفہ کا ایک نیا شگوفہ (خاکہ نما مضمون)
(۷) رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز (خاکہ)
(۸) شیطان سے ایک ملاقات (انشائیہ)
(۹) ''بھارت رتن'' کے ہم مستحق ہیں (مضمون)
(۱۰) حلم والے حلیم کھاتے ہیں (مضمون)۔

کتاب کے پیش لفظ میں سید عباس متقی نے ''پردہ اٹھے...........'' کے عنوان سے کچھ تمہیداً اپنے بارے میں اور اپنی کتاب کے بارے میں تعارف پیش کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی شوخ طبعی تمہید میں بھی در آئی ہے۔

کتاب کی اشاعت کے بعد محترمہ ماہ ناز نے کتاب ہذا پر خوب صورت تبصرہ کیا ہے جس میں وہ لکھتی ہیں:

> ''سید عباس متقی ایک منجھے ہوئے ادیب اور مزاح نگار ہیں۔ ان کی زبان کی ادبی شان انھیں دوسرے مزاح نگاروں میں ممتاز کرتی ہے۔ ان کی تحریروں میں گھسے پٹے اور پامال لطیفے نہیں ہوتے بلکہ وہ زبان اور واقعات سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ ان مضامین کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے کس طرح زمانے کی غیر مہذب روش کو اپنے طنز کا نشانہ بنایا ہے اور کس طرح لوگوں کی غیر اخلاقی باتوں پر نکتہ چینی کی ہے۔'' (روزنامہ منصف حیدرآباد مورخہ جمعرات ۲۲ جنوری ۲۰۰۹ء)

سلسلۂ اشاعت زندہ دلانِ حیدرآباد کی اشاعتوں میں یہ کتاب ایک بہترین اضافہ ہے۔ اس کتاب کو اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش سے جزوی مالی اعانت ملی ہے۔ تعداد میں ۶۰۰

کاپیاں شائع کرنے والے ناشر زندہ دلانِ حیدرآباد نے ۱۲۸ صفحات ہونے کے باوجود قیمت کی وضاحت کہیں نہیں کی ہے لیکن دفتر شگوفہ بیچلر کوارٹرس معظم جاہی مارکٹ حیدرآباد کے علاوہ مکان مصنف کے پتے ملنے کے مقامات ہیں۔ کمپیوٹر کتابت کا کام ارشد صاحب نے پورا کیا ہے اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد میں شائع ہونے کے باوجود کتاب کی طباعت ناقص تو نہیں کہہ سکتے گوارا ضرور ہے۔ بائنڈینگ کا فریضہ حفیظیہ بائینڈنگ چھتہ بازار نے انجام دیا ہے۔ مجموعی اعتبار سے سید عباس متقی نے اچھا کام کیا ہے۔

(۷) ٹک ٹک دیدم (۲۰۱۰ء):

طنز و مزاح کی نوعیت کے مضامین پر مشتمل یہ مجموعہ سید عباس متقی کی ساتویں تصنیف ہے جس کو جناب والا نے ''ٹک ٹک دیدم'' کا نام دیا ہے اور یہ وہ مضامین ہیں جو وقتاً فوقتاً اخبارات اور رسائل کی زینت بنتے رہے اس طرح پندرہ مضامین کو انھوں نے اس کتاب میں جگہ دی ہے۔

سید عباس متقی نے سابق کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی ڈیمائی سائز یعنی لمبائی 22.3 سنٹی میٹر یا 8.78 انچ ہے اور چوڑائی 14.4 سنٹی میٹر یا 5.669 انچ پر شائع کیا ہے۔

سرورق ملٹی کلر سے مزین ہے جس پر ایک الّو بیٹھا ہوا ٹک ٹک دیکھ رہا ہے۔ اس الّو کا گھورنا کتاب کے نام سے مطابقت رکھتا ہے۔ کتاب کے بائیں ٹائیٹل پر دائیں جانب سید عباس متقی کی تصویر اور اس کے مقابل انگریزی میں "TUK TUK DEEDAM" اور موصوف کی اردو، فارسی تصانیف کی فہرست دی گئی ہے۔ اردو تصانیف میں ان کی حسب ذیل دس کتابیں دی گئی ہیں:

(۱) دکھتی رگیں ۱۹۸۹ء	(۲) تسلیماً کثیراً ۱۹۹۰ء
(۳) مثنوی نوال السبحان ۱۹۹۲ء	(۴) تنہائیاں ۱۹۹۳ء
(۵) چھٹی انگلی ۱۹۹۳ء	(۶) فی ظلال البردہ ۱۹۹۶ء
(۷) میری بلا سے ۱۹۹۶ء	(۸) ڈرتا ہوں آئینے سے ۲۰۰۳ء
(۹) لگے ہاتھوں ۲۰۰۷ء	(۱۰) ہیں کواکب کچھ ۲۰۰۹ء۔

جب کہ فارسی تصانیفات میں (۱) رباعیات متقی ۲۰۱۰ء (۲) رشک گردون ۲۰۱۱ء اور (۳) مناجات متقی ۲۰۱۲ء دی گئی ہیں۔

دوسرے صفحے پر ان کی دوسری اردو کتابوں کی طرح موصوف کا اجمالی تعارف جس میں نام کتاب: ٹک ٹک دیدم، مولف: دکتر سید عباس متقی، تاریخ تولد: ۱۷/ جنوری ۱۹۵۳ء، پدر بزرگوار: سید محمد صاحب مرحوم، مدارج تحصیل: ایم۔اے، ایم۔فل، پی ایچ۔ ڈی (اردو) عثمانیہ یونیورسٹی، ایم۔اے (فارسی) عثمانیہ یونیورسٹی، شغل: درس وتدریس، اردو پنڈت، گریڈ II، گورنمنٹ ہائی اسکول، مغل پورہ نمبر ۳، حیدرآباد دیا گیا ہے۔ اس کے نیچے بائیں ٹائیٹل پر دی گئیں اردو کتابوں کی فہرست جوں کی توں دی گئی ہے لیکن رباعیات متقی فارسی ۲۰۱۰ء کو بھی شامل کیا گیا ہے پتا نہیں کیوں؟

تیسرا صفحہ انتساب سے متصف ہے جو ڈاکٹر مصطفیٰ کمال مدیر شگوفہ کے نام ہے اور انتساب کے نیچے ایک فارسی مصرع ''شگوفہ ہائے تبسم بچین زشاخِ کمال'' تحریر ہے۔ چوتھا صفحہ کتابی معلومات سے مزین ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے:

نام تصنیف : ٹک ٹک دیدم

مصنف : ڈاکٹر سید عباس متقی

کمپیوٹر کتابت : ارشد سعدی

طباعت : دائرہ پریس چھتہ بازار حیدرآباد

تعداد : ۶۰۰

سنہ اشاعت : ۲۰۱۱ء

قیمت : ۲۰۰ روپے

ملنے کے پتے : (۱) دفتر شگوفہ بیچلر کوارٹرس، معظم جاہی مارکٹ، حیدرآباد

(۲) مکان مصنف: 17-3-194/13، مدینہ نگر، بی بلاک، یاقوت پورہ حیدرآباد ۲۳

جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں

''یہ کتاب اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کے جزوی تعاون سے شائع ہوئی۔''

پانچویں صفحے پر موصوف نے ''عرض کیا ہے'' کے نام سے اپنی باتیں لکھی ہیں:

''خدا کا شکر ہے کہ طنزیہ و مزاحیہ مضامین پر مبنی میری یہ ساتویں تصنیف بہ عنوان ''ٹک ٹک دیدم'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کے دو ایک پیراگراف ضرور آپ کو پسند آئیں گے اور دو ایک جملے ممکن ہے کہ آپ کو ازبر بھی ہو جائیں۔ ممکن ہے کبھی انھیں پڑھتے ہوئے آپ مسکرانے لگیں اور کبھی قہقہہ مار کر ہنسنے لگیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی آپ انھیں پڑھتے پڑھتے کچھ سوچنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ وہی باتیں ہیں جنھیں آپ سوچتے، دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ دیکھیے کہ میں نے کہاں تک آپ کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیا ہے۔'' (ٹک ٹک دیدم ص ۵)

اگلے صفحے پر صرف ایک شعر لکھا ہوا ہے۔

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

صفحہ سات پر فہرست ہے جس کی ترتیب اس طرح ہے:

(۱) مرا مزاج لڑکپن سے احمقانہ ہے (۲) سنیما کا کریز
(۳) والدہ کی الماری (۴) ہم نے رائل انفیلڈ المعروف بہ بلٹ خریدی
(۵) ہم نے گولڈ میڈل حاصل کیا (۶) پیرس سے بلاوا آیا ہے
(۷) آؤ پھر شادی کریں (۸) حمیت کا جوتا خباثت کے سر
(۹) کاغذ کی فریاد (۱۰) میرے اللہ تو بھائی سے بچانا مجھ کو
(۱۱) ضرورتِ رشتہ (۱۲) سرکس کا شیر
(۱۳) ہاں! ہم ایڈیٹ ہیں (۱۴) اور پانالغتِ فارسی کا
اور (۱۵) ہمارا گھر۔

مجموعی اعتبار سے ۱۵ مضامین پر مشتمل اس کتاب کو ٹک ٹک دیدم کہنا بجا ہے۔ آخر میں ۱۷ اشعار پر مشتمل قطعہ تاریخ طباعت ٹک ٹک دیدم کا آخری شعر ملاحظہ فرمائیں۔

موج ہوا پر سال یہ لکھ دے
ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم
۱۴۳۲ھ

(۸) من خوب می شناسم (۲۰۱۲ء):

من خوب می شناسم سید عباس متقی کی ساتویں طنزیہ ومزاحیہ مضامین اور خاکوں پر مشتمل تصنیف ہے جس میں انھوں نے اپنے ان خاکوں کو بھی شامل کیا ہے جو ان کے پر خلوص دوستوں اور بہی خواہوں کے بارے میں نجی تاثرات ہیں نیز انھوں نے ملک میں وقوع پذیر ہونے والے ان واقعات کی بھی تصویر کشی کی ہے جو آئے دن ہوتے ہیں۔ اس خصوص میں موصوف خود کہتے ہیں:

> ’’اس تصنیف کے کچھ مضامین میں، میں نے اپنے پر خلوص دوستوں اور بہی خواہوں کے بارے میں گویا اپنے نجی تاثرات قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ نیز ہندوستان کے موجودہ سلگتے ہوئے موضوعات پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ میری تحریر کا منشا اس قدر ہے کہ غم زدہ دلوں میں کچھ مسرت کی کلیاں کھلاؤں، روتوں کو ہنساؤں اور ہنستے ہنستے اگر ممکن ہو تو کچھ کام کی باتیں بھی بتاؤں۔ میں ایک طنز نگار ہوں، اگر میری طنزیہ تحریر باعث کرب ہوتی ہے تو اسے انگیز کر لیا جائے تو ممنون رہوں گا۔ اب کیا کیا جائے کہ میں اپنے منصب سے سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔‘‘ (من خوب می شناسم ص ۵)

کتاب ہذا کا ٹائیٹل ملٹی کلر رکھا گیا ہے جس پر ایک جوکر نہایت ہی اطمینان سے دیوار کو ہاتھ سے ٹیکا لگا کر بائیں ہاتھ کی انگلی سے خود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس طرح ٹھہرا ہوا ہے کہ پہلی بار دیکھنے والے کی بے ساختہ ہنسی نکل جاتی ہے۔ اس کے سر آنے کتاب کا فارسی نام من خوب می شناسم (طنز ومزاح) اور اس کے قدموں کے قریب ڈاکٹر سید عباس متقی شائع کیا گیا ہے۔ آخری ٹائیٹل پر سید عباس متقی کی خوب صورت قلمی تصویر اور اس کے اوپر "MAN KHOOB MI SHANASAM" اور اس کے نیچے Dr.Syed Abbas Muttaqui لکھ دیا گیا ہے۔

سب ٹائیٹل پر کتاب کے نام اور مصنف کے نام کے علاوہ سلسلۂ اشاعت زندہ دلان حیدرآباد ہے اور اگلے صفحے پر ان کی مذکورہ بالا کتابوں کی طرح موصوف کا تعارف اور اردو فارسی کتابوں کی فہرست دی گئی ہے۔

انتساب کی جگہ سید عباس متقی نے اپنے ایک ہونہار شاگرد اور بھانجے ڈاکٹر شیخ سعدی ارشد، شعبہ ٹرانسلیشن مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد کے نام نامی کا انتخاب کیا ہے، جن کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے ''بشنوید از بندہ'' پیش گفتار میں لکھتے ہیں:

''میں اپنی اس کتاب کو اپنے شاگرد رشید ڈاکٹر شیخ سعدی ارشد کے نام معنون کرتا ہوں جو ہمدردی و خلوص کا پیکر اور طنزیہ و مزاحیہ ادب سے خاصا شغف رکھتے ہیں۔لطیفہ گو بھی ہیں اور لطیفہ ساز بھی، ان کے بعض مختصر لطیفے مجھے اس درجہ پسند آئے کہ میں نے ان لطیفوں کو سامنے رکھ کر مزاحیہ وطنزیہ مضامین لکھ دیئے جو کافی پسند کئے گئے۔'' (من خوب می شناسم ص ۵)

چھٹا صفحہ خالی چھوڑ دیا گیا ہے اور ساتویں صفحے پر فہرست دی گئی ہے۔کتاب کی فہرست میں شیر کی شادی کے عنوان سے ایک مضمون ہے جو صرف فہرست میں شامل ہے لیکن کتاب میں شامل نہیں۔ممکن ہے سہواً رہ گیا ہو۔اس ایک مضمون کی عدم شمولیت کا اثر صفحات نمبروں پر پڑا نتیجتاً سوائے صفحہ نمبر نو کے کوئی صفحہ بھی فہرست میں دیے گئے نمبر کا مطیع نہیں۔

کتاب میں شامل خاکے یا خاکہ نما مضامین اس طرح ہیں:

(۱) ایک عبقری شخصیت سے ملاقات

(۲) یوسف روش (حیات اور شاخسانے)

(۳) عجیب شخص ہے (پروفیسر عمران اعظمی)

(۴) پروفیسر مغنی تبسم (متانت اور نرگیست کا پیکر)

(۵) پچاس کروڑ کی معشوقہ

(۶) مکھی کی فریاد

(۷) چاند بھائی (پانچ مساجد کا واحد خدمت گزار)

(۸) حسرت ان مونڈوں پہ ہے

(۹) ہندوستان یا ریپ استھان

(۱۰) میرے بیٹے کو حقارت سے نہ دیکھو صاحب

(۱۱) الحاج محمد باسط خاں (خدمت اور خلوص کا پیکر)

(۱۲) قاری ایم۔ ایس۔ خاں (ایک مشفق دوست، ایک مخلص قلم کار)

شامل ہیں۔ آٹھویں صفحے پر فارسی زبان کا صرف ایک شعر دیا گیا ہے۔

بحرفی می توان گفتن تمنائے جہانی را
من از ذوق حضوری طول دارم داستانی را

صفحہ نمبر ۹ سے اصل کتاب شروع ہو کر صفحہ ۱۱۰ پر تمام ہوتی ہے۔ کتاب کے آخر میں صفحہ نمبر ۱۱۱ اور ۱۱۲ پر قطعہ تاریخ طباعت من خوب می شناسم فارسی زبان میں رقم کیا ہے جو چودہ اشعار پر مشتمل ہے۔ بحر چھوٹی ہے اور من خوب می شناسم کی تکرار ٹیپ کے مصرعے کے طور پر آٹھ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ حالاں کہ کتاب کی نوعیت اردو ہونے کی وجہ سے قطعہ تاریخ بھی اردو میں رہتا تو اچھا ہوتا تھا لیکن کتاب کا نام فارسی فقرے پر ہے بہت ممکن ہے اسی نسبت سے قطعہ تاریخ کے لیے بھی فارسی کا انتخاب کیا گیا ہے۔

۱۱۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا سرورق پر کشش اور پر مزاح کارٹون پر مشتمل ہے جس میں ایک جوکر من عرفہ نفس و قد عرف ربہ کے مصدق من خوب می شناسم میں منہمک ہے آخری ٹائیٹل پر سید عباس متقی کی قلمی شہ پارے کی ایک خوب رو تصویر اور اس پر انگریزی میں MAN KHOOB MI SHANASAM لکھا ہوا اور نیچے Dr.Syed Abbas Muttaqi لکھا ہوا ہے۔ کتاب کا نام اور سرورق دیکھتے ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ صرف اور صرف مزاحیہ تخلیق ہی ہوسکتی ہے اس کے باوجود بھی (طنز و مزاح) لکھا ہوا ہے کمپیوٹر کتابت انور پاشاہ نے کی ہے ۲۰۱۲ء میں شائع شدہ ۲۰۰ روپیے قیمت والی اس کتاب کی تعداد اشاعت ۶۰۰ ہے اور اس اشاعت میں اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کا جزوی مالی تعاون شامل ہے اور زندہ دلانِ حیدرآباد بطور ناشر نے دائرہ پریس چھتہ بازار حیدرآباد میں کتابوں کی طباعت عمل میں لاتے ہوئے منظر عام پر لانے کی سعی کی ہے۔

(۹) نا گفتہ بہ (۲۰۱۳ء):

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ سید عباس متقی نے اپنے طالب علمی کے دور سے ہی اپنی شاعری اور انشا پردازی کی ابتدا کر دی تھی اور بے شمار مقابلوں میں شرکت کر کے انعامات سے سرفراز کیے جاتے رہے تھے، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ ادب سے بھی اپنا رشتہ استوار رکھ چھوڑا ہے۔

''نا گفتہ بہ'' کا عمومی جائزہ لینے پر معلوم ہوگا کہ اس کتاب کی لمبائی 22.3 سنٹی میٹر یا 8.78 انچ ہے اور چوڑائی 14.4 سنٹی میٹر یا 5.669 انچ ہے۔ سرورق ملٹی کلر سے مزین ہے، جس پر دائیں جانب سرورق کے درمیانی حصے میں سترہ ضخیم کتابوں کو اس طرح سے ایک کے اوپر ایک رکھا گیا ہے کہ ان کتابوں کی پشت پر عباس متقی کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابوں کے نام پڑھے جا سکتے ہیں اور ان کتابوں کی لمبائی کتابوں سے متصل ٹھہرے شخص کے کندھوں تک جا پہنچتی ہے، جس کے اوپر جلی حروف میں ''نا گفتہ بہ'' لکھا ہوا ہے اور سب سے نچلے حصے میں سیّد عبّاس متّقی مرقوم ہے۔ سرورق کے پچھلے جانب سید عباس متقی کی تصویر درمیان میں دی گئی ہے، جس کے اوپر NAGUFTABEH اور تصویر کے نیچے Dr.Syed Abbas Muttaqui لکھا ہوا ہے۔

سب ٹائیٹل پر جلی حروف میں ''نا گفتہ بہ'' اور اس کے نیچے ''(طنز و مزاح)'' پھر موصوف کا نام ''سیّد عبّاس متّقی'' لکھا ہوا ہے، جس کے نیچے سلسلۂ زندہ دلانِ حیدرآباد لکھا ہوا ہے۔ صفحہ دو پر جو تفصیلات دی گئی ہیں وہ اس طرح ہیں۔

اسم کتاب	نا گفتہ بہ
مولف	دکتر سید عباس متقی
تاریخ تولد	۱۷/ جنوری ۱۹۵۳ء
پدر بزرگوار	سید محمد صاحب مرحوم
مدارج تحصیل	ایم۔اے، ایم۔فل، پی ایچ۔ڈی۔ (اردو) عثمانیہ یونیورسٹی
	ایم۔اے (فارسی) عثمانیہ یونیورسٹی
شغل	درس و تدریس

تالیفات اردو:

(۱) دکھتی رگیں ۱۹۸۹ء (۲) تسلیماً کثیرا ۱۹۹۰ء
(۳) مثنوی نوال السبحان ۱۹۹۲ء (۴) تنہائیاں ۱۹۹۳ء
(۵) چھٹی انگلی ۱۹۹۳ء (۶) فی ظلال البردہ ۱۹۹۶ء
(۷) میری بلا سے ۱۹۹۶ء (۸) ڈرتا ہوں آئینے سے ۲۰۰۳ء
(۹) لگے ہاتھوں ۲۰۰۷ء (۱۰) ہیں کوکب کچھ ۲۰۰۹ء
(۱۱) ٹک ٹک دیدم ۲۰۱۰ (۱۲) من خوب می شناسم ۲۰۱۲ء
(۱۳) ناگفتہ بہ ۲۰۱۳

تیسرے صفحے پر جو انتساب کی عبارت لکھی ہوئی ہے وہ یہ ہے:

اپنے شاگرد رشید
جناب مشتاق الرحمٰن (شاکر) کے نام

چوتھے صفحے پر مصنف کا اجمالی تعارف پیش کیا گیا ہے ساتھ ہی ساتھ کتاب کی اشاعت، قیمت، ناشر وغیرہ کی تفصیل درج ہے:

نام تصنیف	:	ناگفتہ بہ
مصنف	:	ڈاکٹر سید عباس متقی
کمپیوٹر کتابت	:	انور پاشاہ
طباعت	:	دائرہ پریس، چھتہ بازار، حیدرآباد
ناشر	:	زندہ دلان حیدرآباد
تعداد	:	۶۰۰
قیمت		۳۰۰ روپے
سنہ اشاعت		۲۰۱۳ء
ملنے کا پتا	:	1) دفتر شگوفہ، بیچلر کوارٹرس، معظم جاہی مارکٹ، حیدرآباد 2) مکان مصنف: 17-3-194/13 مدینہ نگر، بی بلاک، یاقوت پورہ، حیدرآباد۔۲۳

جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں
''یہ کتاب اردو اکیڈیمی، آندھرا پردیش کے جزوی تعاون سے شائع ہوئی۔''

پانچویں صفحے سے فہرست شروع ہوتی ہے جس میں سے بیشتر مضامین ان کی گزشتہ اور بعد کی کتابوں میں بھی شائع ہوئے ہیں، جیسے ۲۰۱۵ء میں موصوف کی طنز و مزاح مضامین پر مشتمل ایک کتاب ''گپ شپ'' کے نام سے شائع ہوئی ہے جس میں انھوں نے کتاب ہذا سے سات مضامین اور خاکوں کو شامل کیا ہے۔جن میں کیٹ ونسلیٹ کے نام،تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے ،مصطفیٰ خیاط (ماہر شیروانی)،کاہلوں کی انجمن ،ہماری تہنیت،شیر کی شادی شیر سے اور جادوگرسیّاں اہم ہیں جن میں جادوگرسیّاں ایسا فکائیہ ہے جو لگے ہاتھوں (۲۰۰۷ء) میں بھی شائع ہو چکا ہے نیز ہم آزاد ہیں، بچاؤ ہمیں پڑسیوں سے،''بھائی'' کا انصاف اور ہم کو چھٹی نہ ملی اس نے سبق یاد کیا،ایسے مضامین ہیں جو گپ شپ کے بعد شامل ہونے والی کتاب بادشمنان مدارا میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ان کے علاوہ روز نامہ منصف حیدرآباد میں شائع ہونے والے مضامین میں سے منتخبہ مضامین کارنامۂ حیات، وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا،آیا اب بھی ہیں بیٹیاں منحوس، دلیپ کمار کا بنگلہ، دیوآنند (روئے گ ل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد)اور خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا۔۔۔کوشامل کرلیا گیا ہے۔

اس کتاب میں انھوں نے کسی سے کوئی مقدمہ،تقاریظ ، دیباچہ یا تبصرہ وغیرہ نہیں لکھوایا ہے اور نہیں خودی کوئی پیش لفظ لکھے ہیں بلکہ صفحہ ۷ سے ۱۴۳ تک تخلیقات شامل ہیں اور آخری صفحہ پر قطعۂ تاریخ طباعتِ ''ناگفتہ بہ'' فارسی زبان میں ہے،جس سے ۱۴۳۵ھ برآمد ہوتا ہے۔

ہست مہ وش چاپ شد ناگفتہ بہ
حرفِ سرکش چاپ شد ناگفتہ بہ
متقی سال طباعت بشنوید
راز دل کش چاپ شد ناگفتہ بہ

مجموعی اعتبار سے کمپوز کیے گئے مضامین میں کمپوزنگ کی غلطیاں بہت کم ہیں اور فونٹ بھی نمایاں پڑھا جاسکتا ہے۔طباعت کے لیے جو روشنائی استعمال کی گئی ہے گوارا کی جاسکتی ہے لیکن کئی کئی مقامات پر سید عباس متقی نے اپنی دیگر کتابوں کی طرح قدیم املا استعمال کیا ہے اور اس کتاب کی تخلیقات کو طاق صفحے سے شروع کیا ہے اور اگر طاق صفحے پر کوئی تخلیق ختم ہوتی ہے تو

جفت صفحات خالی چھوڑ دیے گئے ہیں۔ بہر حال نا گفتہ بہ طنز و مزاح کے ادب میں معقول اضافہ کہہ سکتے ہیں۔

(۱۰) گپ شپ (۲۰۱۴ء):

''گپ شپ'' سید عباس متقی کی ان منتخبہ مضامین پر مشتمل کتاب ہے جن کے تقریباً تمام مضامین نہ صرف اخبارات ورسائل کی زینت بنتے رہے بلکہ ۲۲ رشحات قلم سے سوائے ایک مضمون کے سبھی مضامین، خاکے اور انشائیے ان کی اس سے بیش تر کتابوں میں شائع ہو کر شرف قبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ چناں چہ فہرست کتاب پر نظر ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ مضامین مرزا نے اپنا بنگلہ دکھایا، شیطان سے ایک ملاقات دونوں مضامین ہیں کوا کب کچھ (۲۰۰۹ء) میں شامل ہیں۔ ہمارا گھر اور سنیما کا کریز، ٹک ٹک دیدم (۲۰۱۰ء) میں ملیں گے۔ اقبال کا شاہین اور ہمارا کبوتر، جسے لگے ہاتھوں میں عنوان بدل کر علامہ اقبال اور شاہین سلمہٗ کے موضوع پر وہی متن پیش کیا گیا ہے علاوہ ازیں جادو گر سیاں، ہم بھی اگر کتے ہوتے اور کچرا ایسے مضامین ہیں جنھیں لگے ہاتھوں (۲۰۰۷ء) میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ جادو گر سیاں، تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے، شیر کی شادی، جسے شیر کی شادی شیر سے کے عنوان سے، نامہ اپڈیٹ بنام کیٹ ونسیلٹ کو کیٹ ونسلیٹ کے نام ایک کھلا خط کے نام سے، مکھی کی فریاد، مصطفیٰ ٹیلر جسے مصطفیٰ خیاط (ماہر شیروانی) کے موضوع سے، ہماری تہنیت اور کاہلوں کی انجمن کو نا گفتہ بہ (۲۰۱۳ء) میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

پروفیسر مغنی تبسم (متانت اور نرگیست کا پیکر) یوسف روش (حیات اور شاخسانے)، پچاس کروڑ کی معشوقہ، چاند بھائی جسے چاند بھائی کے ساتھ (پانچ مساجد کا واحد خدمت گزار) کی سرخی تلے، ہندوستان یا ریپ استھان اور مکھی کی فریاد، ایسے مضامین ہیں جنھیں بیک وقت من خوب می شناسم (۲۰۱۲ء) میں پڑھا جاسکتا ہے۔

مذکورہ مضامین، انشائیے اور خاکوں کو سید عباس متقی نے اس خیال سے کہ سابقہ کتابیں فی سبیل اللہ تقسیم کی وجہ سے منسوخ ہو چکی ہیں انھیں ان میں سے منتخبہ مضامین کو محفوظ کرنے یا دوبارہ قارئین کے تفنن طبع کے لیے بار دوم کے طور پر یکجا کی ہیں لیکن انھیں بار دوم یا دوسری اشاعت اس لیے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اول یہ مضامین ہو بہ ہو کسی ایک کتاب سے نہیں ہیں ثانیاً

سارے کے سارے مضامین دوسری کتابوں سے ماخوذ بھی نہیں ۔ان میں ایک مضمون ایسا ہے جو صرف اخبارات کی نذر رہوا ہے ۔سید عباس متقی کی کسی طنز ومزاح پر مشتمل کتاب میں شامل نہیں اور وہ ہے کون جیتا ہے تیرے سر کے قلم ہونے تک ۔

سید عباس متقی کا یہ مضمون ایک تاریخ ساز عدالتی فیصلے کے ارد گرد گھومتا ہے جس کا فیصلہ جرم کے سولہ سال بعد کیا گیا اور یہی فیصلہ سید عباس متقی کو کھلنے لگا اور یہ مایہ ناز مضمون کی تخلیق ہوئی ۔ سید عباس متقی ایک طرف اس فیصلے سے خوش ہیں کہ دیر آید درست آید مگر دوسری طرف لکھتے ہیں:

> ''بحمد اللہ تعالیٰ ہماری عدالتوں میں خیر سے کچھ ایسے طویل مقدمات بھی ہیں جن کا اس دنیا میں اب کوئی والی وارث نہیں رہا۔ مدعی مر گئے، مدعا علیہ انتقال فرما گئے، گواہان آن جہانی ہو گئے، وکلا جہنم رسید ہو گئے اور جج خدا کو پیارے ہو گئے ۔مزید برآں مقدمے کے اوراق کو دیمک نے اپنی غذا بنالی۔ظاہر ہے کہ جس خدا نے یہ دنیا بنائی ہے اور وہی کل قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا ۔آخر اس نے ابتداء ہی میں تو مالک یوم الدین فرما کر حقیقی فیصلے کے دن سے آگاہ فرما دیا ہے۔ گواہوں کی مجال نہ ہوگی کہ خدا کے حضور جھوٹ بول سکے۔ ویسے انسان ازلی جھوٹا ہے اس لئے خدا اس کے جھوٹے منھ پر مہر لگا دیگا اور اس کے ہاتھ پاوؤں خود اس کے جرم کی گواہی دین گے۔ جب انسان اپنی بنائی ہوئی چیز میں آواز ثبوت رکھ سکتا ہے تو خدا بھی اپنی بنائی ہو چیزوں میں آواز ثبوت رکھا ہے ۔الیوم نختمو اعلی افواہہم وتکلمنا ایدیھم وتشھدوا ارجلھم بما کانو یکسبون۔اگر کوئی کم بخت اس پر یقین نہ رکھتا ہو تو نہ رکھے، اعمال کے ثواب میں ایمان شرط ہے عذاب میں ایمان کی شرط نہیں۔''(گپ شپ ص ۲۴،۲۳)

کتاب کا انتساب سید عباس متقی کے استاد گرامی قدر پروفیسر محمد علی اثر کے نام ہے ابتدا میں کوئی پیش لفظ یا تقریظ وتمہید نہیں پائی جاتی ۔البتہ آخر میں قطعہ تاریخ طباعت ،''گپ شپ'' فارسی زبان میں شامل ہے، جس سے سنہ اشاعت ۲۰۱۵ء برآمد ہوتا ہے۔ ؎

دھمیں تصنیف این طنز و مزاح
بر ھمین اوراقِ وافر طبع شد
سالِ چاپ آمد ببین در جام جم
طبع شد'' گپ شپ'' بالاخر طبع شد

۲۴۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی مالی اعانت حاصل ہے۔ کتاب کی کمپوزنگ انور پاشاہ المعروف بہ سید عباس متقی نے کی ہے۔ سرورق پر دو نامعلوم کارٹون نما پرندوں کی طرح نظر آنے والے دو ذی روح حیوان زدہ ٹہنی پر ''گپ شپ'' میں مشغول ہیں جب کہ آخری سرورق پر حیوان ظریف علامہ سید عباس متقی روایتی پوشاک میں جلوہ افروز ہیں۔

ناشر کی جگہ زندہ دلانِ حیدرآباد کا نام ملتا ہے جب کہ دائرہ پریس چھتہ بازار حیدرآباد میں ۶۰۰ کتابوں کی طباعت عمل میں آئی۔ قیمت صرف ۱۳۵ روپے اور ملنے کے پتے دو ہیں ایک دفتر شگوفہ بیچلر کوارٹرس ،معظم جاہی مارکٹ حیدرآباد اور دوسرے خود مکان مصنف یعنی 17-3-194/13 مدینہ نگر بی بلاک یاقوت پورہ حیدرآباد-23 درج ہے۔

(۱۱) بادشمنان مدارا (۲۰۱۵ء):

طنز ومزاح کی نوعیت کے مضامین ،انشائیے اور قلمی خاکوں پر مشتمل یہ مجموعہ سید عباس متقی کی اب تک کی آخری تصنیف ہے۔جس کو انھوں نے ''بادشمنان مدارا'' کے نام سے منظر عام پر لایا ہے نیز یہ وہی مضامین ہیں جو وقتاً فوقتاً اخبارات اور رسائل کی زینت بنتے رہے۔ بلکہ ان میں سے بعض مضامین ان کی گزشتہ مضامین میں بھی شائع ہو چکے ہیں جیسے ''گدھے جو عنقاء ہو گئے'' ان کی تصنیف ''ڈرتا ہوں آئینے سے ۲۰۰۳ء'' میں شائع ہو چکا ہے۔جب کہ ''سنیما کا کریز'' کو ''گپ شپ ۲۰۱۴ء'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔یہی نہیں بچاؤ ہمیں پڑوسیوں سے، بھائی کا انصاف، ہم آزاد ہیں اور ہم کو چھٹی نہ ملی اس نے سبق یاد کیا ،ایسے مضامین ہے جو ''ناگفتہ بہ ۲۰۱۳'' میں ان کی تصنیف کی زینت بن چکے ہیں ،اس طرح ''بادشمنان مدارا'' دیگر مطبوعہ و غیر مطبوعہ اکیس تخلیقات پر مشتمل ہے۔

سید عباس متقی نے یہاں پر بھی اسی فارمولے کا تتبع کیا ہے جو انھوں نے اپنی اس سے بیشتر کتابوں کی اشاعت کے معاملے میں کیا ہے یعنی ڈیمائی سائز لمبائی تقریباً 22.3 سنٹی میٹر یا 8.78 انچ ہے اور چوڑائی 14.4 سنٹی میٹر یا 5.669 انچ پر منحصر ہے۔

موصوف نے اس کتاب کو ISBN کے ساتھ ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس نئی دہلی سے شائع کرنے کی نفیس کوشش کی ہے اس طرح سید عباس متقی کی کتابوں میں یہ پہلی کتاب ہے جو حیدرآباد کے باہر ISBN کے ساتھ شائع ہوکر منظر عام پر آئی ہے۔

سرورق ملٹی کلر سے مزین ہے جس پر دو مرغ ایک دوسرے کو گھور رہے ہیں جن میں سے ایک مرغ اپنے پورے آب وتاب کے ساتھ رونق افروز کے جب کہ دوسرے مرغ کی صرف گردن اور کلغی نظر آرہی ہے۔دیکھنے والوں کو کتاب کے نام سے مماثلت نظر آتی ہے۔سید عباس متقی نے سرورق پر سب سے اوپر ''طنزومزاح'' اور اس کے نیچے ''بادشمنان مدارا'' جلی حروف میں لکھا ہے اور مرغ کے پائے دان پر موصوف کا نام ثبت کیا ہوا ہے۔بائیگروئنڈ سفید ہونے سے خوش نما معلوم ہوتا ہے۔ سرورق کے پچھلے حصے پر موصوف کی مجذوبانہ تصویر ہے جو ان کے تخلص سے مماثلت رکھتی ہے اور اس کے اوپر "BA DUSHMANAN MUDARA by Dr.Syed Abbas Muttaqi" ہے اور تصویر کے نیچے حصے میں ناشر کا نام ویب سائیٹ ،بارکوڈ اور اس کے نیچے ISBN:978-93-5073-685-2 لکھا ہوا ہے۔

سب ٹائیٹل پر کتاب کا نام،صنف،مصنف کا نام اور ناشر کے نام کے علاوہ سلسلۂ زندہ دلانِ حیدرآباد لکھا ہوا ہے جب کے صفحہ نمبر دو پر سب سے اوپر ''جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں'' لکھا ہوا ہے اور اس کے نیچے وہ عبارت لکھی ہوئی ہے جو تلنگانہ اسٹیٹ اردو اکیڈیمی سے جزومالی اعانت حاصل کرنے والوں کو اکیڈیمی کی جانب سے جبراً لکھنی ہوتی ہے اور وہ ہے:

''یہ کتاب تلنگانہ اسٹیٹ اردو اکیڈیمی کی جزوی مالی اعانت سے شائع ہوئی ہے۔'' اس کے نیچے انگریزی میں اس طرح لکھا ہوا ہے:

"BA DUSHMANAN MUDARA
by
Dr.Syed Abbas Muttaqi
Year of Edition 2015
ISBN:978-93-5073-685-2
300/-"

نام تصنیف : بادشمنان مدارا (طنز ومزاح)

مصنف وناشر : ڈاکٹر سید عباس متقی

سنہ اشاعت : ۲۰۱۵ء

قیمت : ۳۰۰ روپے

صفحات : ۲۲۴

تعداد : ۵۰۰

کمپیوٹر کتابت : انور پاشا

زیر اہتمام : سید عبدالنافع خبیب

نائب معتمد بزم سعدی شیرازیؒ

مطبع : روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

ملنے کے پتے

(۱) دفتر شگوفہ بیچلر کواٹرس، معظم جاہی مارکٹ، حیدرآباد

(۲) مکان مصنف: 17-3-194/13، مدینہ نگر، بی بلاک، یاقوت پورہ حیدرآباد ۲۳

فون نمبر: 9391323968

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3191,Vakil Street, KUcha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)

Ph:2316162,23214465, Fax : 0091-11-23211540

E-mail: info@ephbooks.com,ephdelhi@yahoo.com

website: www.ephbooks.com

اس طرح دوسرے صفحے کی تفصیلات تمام ہوتی ہے۔ صفحہ نمبر تین پر انتساب لکھا گیا ہے جو ان کے ایک شاگرد (راقم الحروف) کے نام معنون ہے۔ اس انتساب میں بھی سید عباس متقی کی شوخی اور بذلہ سنجی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں:

”شاگرد رشید

محمد انورالدین سلمہٗ

پی ایچ۔ڈی ریسرچ اسکالر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف حیدرآباد

کے نام

جنہوں نے ایک ایسے شخص پر پی ایچ۔ڈی کرنے کا بیڑا اٹھار کھا ہے جو خود پی ایچ۔ڈی کر رہا ہے‘‘

صفحہ چار اور پانچ پر سید عباس متقی کا اجمالی تعارف اور ان کی اردو و فارسی تصانیف سنہ اشاعت کے حوالے سے دی گئی ہیں جو اس طرح ہیں:

اسم کتاب	بادشمنان مدارا
مصنف	دکتر سید عباس متقی
تاریخ تولد	۱۷/جنوری ۱۹۵۳ء
پدر بزرگوار	سید محمد صاحب مرحوم
مدارج تحصیل	ایم۔اے، ایم۔فل، پی ایچ۔ڈی۔(اردو) جامعہ عثمانیہ،
	ایم۔اے (فارسی) جامعہ عثمانیہ
	پی ایچ۔ڈی ریسرچ اسکالر (فارسی) مانو
پیشہ	درس وتدریس

تالیفات اردو:

(۱) دکھتی رگیں ۱۹۸۹ء

(۲) تسلیماً کثیرا ۱۹۹۰ء

(۳) مثنوی نوال السبحان ۱۹۹۲ء

(۴) تنہائیاں ۱۹۹۳ء

(۵) چھٹی انگلی ۱۹۹۳ء

(۶) فی ظلال البردہ ۱۹۹۶ء

(۷) میری بلا سے ۱۹۹۶ء

(۸) ڈرتا ہوں آئینے سے ۲۰۰۳ء

(۹) لگے ہاتھوں ۲۰۰۷ء

(۱۰) ہیں کو کب کچھ ۲۰۰۹ء

(۱۱) ٹک ٹک دیدم ۲۰۱۰

(۱۲) من خوب می شناسم ۲۰۱۲ء

(۱۳) ناگفتہ بہ ۲۰۱۳

(۱۴) گپ شپ ۲۰۱۴ء

(۱۵) بادشمان مدار ۲۰۱۵۔

تصنیفات فارسی:

(۱) رباعیاتِ متقی ۲۰۱۰ء

(۲) رشکِ گردون ۲۰۱۱ء

(۳) مناجاتِ متقی ۲۰۱۲ء

(۴) مقائسہ غالب ۲۰۱۳ء

(۵) مینا بدوش ۲۰۱۴ء۔

اس کے بعد صفحہ چھ اور سات پر فہرست مضامین اس طرح ہے:

(۱) بخال ہندوش بخشم ہمہ ''یاقوت پورہ'' را (۲) ہم نے لوری سنائی
(۳) عزم و عمل کا پیکر، مظفر النساء ناز (۴) ہم نے پھر انٹرویو دیا اور پھر فیل ہو گئے
(۵) "Ben-Hur" معصوم بچپن اور معصوم یادیں (۶) چیونٹی کی فریاد
(۷) تہلکہ در تہلکہ (۸) بڑے گھر کی بیٹی، پروفیسر حبیب ضیاء
(۹) گدھ جو عنقا ہو گئے (۱۰) سینما کا کریز
(۱۱) بچاؤ ہمیں پڑوسیوں سے (۱۲) قرض بھی دینا کتے اور قتل بھی ہونا کتے
(۱۳) انگلی میں داغ لگا بیٹھے (۱۴) اللہ دلوائے گا تو لیوے گا
(۱۵) کوہ نور کی واپسی (۱۶) وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
(۱۷) بھائی کا انصاف (۱۸) ہم آزاد ہیں
(۱۹) گاڑی والے گاڑی دھیرے ہانک رے (۲۰) لذتوں کا ثواب باقی ہے
(۲۱) ہم کو چھٹی نہ ملی اس نے سبق یاد کیا

صفحہ نمبر آٹھ کو اس خیال سے خالی رکھا گیا ہے کہ کتاب کے مشمولات طاق صفحے نمبرات سے شروع ہوں۔ اس طرح صفحہ نمبر ۹ سے ۲۲۴ تک وہ سب مضامین شامل ہیں جو فہرست میں دیے گئے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب کی اشاعت ہنگامی طور پر عمل میں آئی ہے جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سید عباس متقی نے اپنی روایتی روش کو برقرار نہیں رکھا۔ میری مراد پیش لفظ، تقاریظ کے علاوہ قطعۂ تاریخ طباعت سے ہے جو اس کتاب میں نہیں پائے جاتے۔

الغرض سید عباس متقی کی سابقہ کتابوں کی بہ نسبت کتاب ہذا کئی جہتوں سے سلیس، عمدہ اور نفیس کہلائے جانے کی مستحق قرار پاتی ہے۔ اولاً اس کا سرورق اور بائینڈنگ موٹے اٹے والی قیمتی ہے، ثانیاً ریاست تلنگانہ کے باہر ایسے پبلیشر کے یہاں شائع کی گئی ہے جو ہندوستان ہی نہیں ساری ممالک میں بہترین اردو کتابوں کے پبلیشر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، ثالثاً یہ واحد کتاب ہے جو ISBN کے ساتھ شائع ہوئی ہے، رابعاً کتاب، کتابت اور طباعت نہایت دیدہ زیب اور پرکشش ہے۔

سید عباس متقی کی طنز ومزاح کا تنقیدی جائزہ:

اب ہم سید عباس متقی کی طنز یہ ومزاحیہ نثر کا جائزہ لیں گے جس میں موصوف کی اُن تخلیقات کا جائزہ لیا جائے گا، جن کو انھوں نے روزناموں، ماہناموں اور دیگر رسائل میں وقتاً فوقتاً شائع کیا اور ان کو اپنے مزاحیہ مجموعوں میں شامل کیا ہے۔ان میں مزاحیہ وطنزیہ مضامین، فکاہیے، انشائیے، فرضی خاکوں کے علاوہ اپنے دوست احباب کے حقیقی خاکے شامل ہیں۔ذیل میں طنز ومزاح کے معروف اُصولوں کی روشنی میں ان تخلیقات کا جائزہ لیا جائے گا۔

سید عباس متقی نے اپنی بیشتر تخلیقات میں کہیں نہ کہیں آیات قرآنی کو ضرور کوڈ کیا ہے۔ایسی بیسیوں مثالیں ملیں گی جس میں موصوف نے مکمل آیت یا آیت مبارکہ سے اقتباس شامل کرلیا ہو۔اسی طرح سید عباس متقی وقتاً فوقتاً اپنے موضوعات اور تخلیقات کو معیار بخشنے کے لیے احادیث نبوی ﷺ کا استعمال کرتے ہوئے ملیں گے۔

تشبیہ:

تشبیہ کے لغوی معنی ''مشابہت دینا'' ہے یعنی کسی چیز کو کسی چیز کے مشابہ یا ہم شکل قرار دینا کہلاتا تشبیہ کی کچھ معروف قسمیں یہ ہیں۔

(۱) تشبیہ مرسل:

وہ تشبیہ جس میں حرفِ تشبیہ موجود ہو۔جیسے:

> میری بیوی بہرحال و بہرصورت ایک مطلق العنان ماں ہے۔چنانچہ اپنے بچوں کو نہایت فراخی سے پیٹا کرتی ہے۔غرض وہ پیٹ رہی تھی۔**بچے خوشی خوشی مار کھارہے تھے گویا مار نہ ہو نرم ولذیذ کیلے ہوں۔**''(۴)

ماں کی مار کو کیلے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ایک اور مثال:

''شاید مدتوں بعد کنڈی کے درشن ہوئے تھے۔ **کنڈی کچرے سے ابل رہی تھی جیسے مدہوش ساقی نے ساغر چھلکا دیا ہو۔**'' (۵)

کنڈی کا کچرے سے ابلنا یقینی بات ہے اور GHMC کی ناقص کارکردگی کی منہ بولتی تصویر آئے دن دیکھنے کو ملتی ہے، لیکن کنڈی سے مدہوش ساغر سے تشبیہہ دینا سید عباس متقی کا ہی کا کمالِ فن ہے۔

''میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ آج آپ کو متحد ہونا ہے اور متحد ہو کر ووٹ دینا ہے۔ آپ کا ووٹ آپ کا تاریخی مستقبل ہوگا۔ آج ہر طرف اندھیر ہے۔ گلی گلی کوچہ کوچہ اندھیرا ہے۔ یہ سب آپ لوگوں کے طفیل ہے۔ **آپ اندھوں کی طرح ووٹ دیتے ہیں اور بے وقوفوں کی طرح انتخاب کرتے ہیں۔**'' (٦)

ہمارے ملک میں اندھوں کی طرح ووٹ دینا اور احمقوں کی طرح بے وقوف ہونا کوئی نئی بات نہیں۔ یہاں '' کی طرح '' حرف تشبیہہ سے لوگوں کی جہالت پر کاری ضرب ہے۔

وہ نہیں چاہتے کہ ان کے چھوٹے چھوٹے مکانوں کے درمیان ایک بنگلہ تعمیر ہو۔ اب ان کے اندر پردے کا شدید احساس جاگ اٹھتا ہے۔ چونا لگانے کے لیے یہ چیونٹیاں ہی کیا کم تھیں کہ ایک آدھ **محلے کا دادا مکوڑے کی طرح آ کھڑا ہوتا ہے۔**'' (۷)

یہاں چیونٹیوں سے مراد وہ بھائی لوگ ہیں جن سے سبھی بھائی بہن ڈرتے ہیں۔ ان بھائیوں میں سے دو ایک محلے کے بھائی اپنے محلے میں کتا بھی شیر ہوتا ہے کہ مصداق مکوڑے کی طرح چیونٹیوں پر حاوی ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

دو ان پڑھ دوست جب دوستی کرتے ہیں تو ان کی دوستی گاؤں کی **شفاف ہوا کی طرح خالص اور صحت بخش ہوتی ہے۔**'' (۸)

سچی دوستی کو شفاف ہوا سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ایک اور مثال:

''شگوفہ کے دفتر کے سامنے ریلنگ ٹوٹ گئی ہے اور لوگ ڈرتے ڈرتے **دیوار سے لگے لگے مانند چھچوندر شگوفہ کے دفتر میں گھستے ہیں** اور کونے کونے سے لوٹ آتے ہیں۔'' (۹)

یہ بڑی بلیغ تشبیہ ہے۔ جن لوگوں کو ان سیڑھیوں پر چڑھنے کا اتفاق ہوا ہو وہ ضرور اس بات سے اتفاق کریں گے کہ اچھا خاصا آدمی ان سیڑھیوں پر چڑھتا ہوا چھچھوندر لگتا ہے۔

تشبیہ ہی کی کچھ اور مثالیں ملاحظہ کریں:

''پہاڑے یاد نہ کرنے کی پاداش میں از صبح تا نصف النہار بنچ پر ایک **مضبوط چٹان کی طرح** کھڑے ہیں۔'' (۱۰)

اسی طرح تشبیہہ کی دوسری مثال دیکھیے:

''جب تم نے دیکھا کہ دین کے راستے سے تمہیں دنیا مل نہیں رہی ہے تو تم نے مزاح نگاری شروع کردی، **جیسے مایوس شکاری شیر کو بھول کر خرگوش پر اکتفا کر لیتا ہے۔**'' (۱۱)

تشبیہہ کی تیسری مثال اس طرح ہے:

''حلیم کی مقدار کنجوس کی نیت **کی طرح** تہ قاب تھی۔'' (۱۲)

ایک اور اقتباس دیکھیے:

''ہم آج تک اس راز کو نہیں سمجھ سکے کہ یہ کم بخت کتے راستے کے بیچوں بیچ ہی کیوں بیٹھتے ہیں۔ کیا مجال جو اِدھر یا اُدھر رونق افروز ہوں۔ مختصر گلی ہو کہ کشادہ راستہ، بیچ ہی میں تشریف رکھیں گے۔ **ایک مشاق انجینئر کی طرح** پہلے راستے کا مرکز دریافت کرتے ہیں پھر اس مرکز پر وہ اپنا مرکز جمائے براجمان ہوتے ہیں۔'' (۱۳)

یہاں کتوں کے سڑکوں پر بیچوں بیچ بیٹھنے کو انجینئر سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

(۲) تشبیہ موکدہ:

وہ تشبیہ جس میں حرف تشبیہہ نہ ہو۔ جیسے:

''ووٹ دینا اتنا مشکل نہیں جتنا ووٹنگ کے نتیجہ تک صبر وسکون سے گزارہ کرنا۔ ووٹ دینے اور نتیجہ نکلنے کے درمیان کا عرصہ، عرصہ محشر ہوتا ہے۔'' (۱۴)

نتیجہ نکلنے کے صبر آزما عرصے اور عرصہ محشر میں تشبیہ واقع ہوئی ہے۔

''دور حاضر میں شرفا المعروف بہ غربا اپنے بال بچوں کے ساتھ مفلوک الحالی کی چھت کے نیچے، مجبوریوں کے در و دیوار کے سائے تلے، امیدوں کے فرش پر زندگی گزارتے ہیں۔'' (۱۵)

اس میں مفلوک الحالی کی چھت، مجبوریوں کے در و دیوار اور امیدوں کے فرش تشبیہاتِ موکدہ ہیں۔

(۳) تشبیہ مفرد:

جب کوئی واحد چیز کو دوسری واحد چیز سے تشبیہہ دی جائے تو وہ تشبیہہ مفرد کہلاتی ہے۔ جیسے:

> اژدہام صوفیا کے دربار میں ہوتا ہے جہاں لنگر تو چلتا ہے پیٹ کی چکی نہیں چلتی۔'' (۱۶)

پیٹ کو چکی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ دونوں واحد ہیں۔

(۴) تشبیہ مرکب:

جب دو چیزوں کو کسی ہیئتِ مجموعی میں اس طرح تشبیہہ دے کہ اس کے اجزا میں سے کسی ایک جز کو نکال دیں تو تشبیہہ غلط ہو جائے۔ جیسے:

> ''ہمارے ملک میں مکان کی تعمیر اور شادی کی تقریب ایک جیسی دو چیزیں ہیں، دونوں ہی میں آدمی لٹ لٹا کر الف ہو جاتا ہے، ہاں شادی کی بات اور ہے اس میں تو شریفوں کو ننگا بھوکا بھی ہونا پڑتا ہے۔'' (۱۷)

مکان کی تعمیر اور شادی کی تقریب واقعی ایک جیسی دو چیزیں ہیں کیوں کہ مکان کی تعمیر کے لیے جو تخمینہ لگایا جاتا ہے ہمیشہ تعمیری اخراجات اس سے کہیں زیادہ ہی ہوتے ہیں اور شادی کی تقریب بھی بہ ظاہر دو گھروں کو جوڑتی ہے لیکن معلوم نہیں کہ دل جڑتے ہیں یا نہیں، لڑکی کے والد اور بھائی ضرور لوٹ جاتے ہیں۔ یہ ساری کیفیت کو سید عباس متقی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ''دونوں ہی میں آدمی لٹ لٹا کر الف ہو جاتا ہے، ہاں شادی کی بات اور ہے''۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی نکال دیں تو تشبیہ باقی نہ رہے۔ ایک اور مثال:

> کمینوں نے گدھوں کا انتخاب کیا اور آج تک ہم کہ اسپ تازی تقدیر کا چابک کھاتے ہوئے سرپٹ دوڑ رہے ہیں، منہ میں حلت و حرمت کی لگام لگی ہے، گلے میں شرافت کے گھنگھرو بندھے ہیں، آنکھوں پر یک در گیر و محکم گیر کی اندھیری سجی ہے۔'' (۱۸)

آخری سطر تشبیہ مرکب کی مثال ہے۔

(۵) تشبیہ قریب:

ایسی تت شبیہ جس میں وجہت شبیہ آسانی سے معلوم ہو جائے۔ جیسے:

”جس جانور نے ہمیں اپنا مکان بیچنے پر تک مجبور کر دیا، وہ ابوشیر کی گائے ہے۔ جب دیکھیے راستہ روکے کھڑی ہے، مانو ٹرافک پولیس کا کوئی رشوت خور جوان ہو۔“ (۱۹)

یہ بہت اچھیت شبیہ ہے جس میں ایک طرف گائے کو ٹرافک پولیس کے رشوت خور جوان سے تشبیہہ دی گئی ہے تو دوسری طرف اس واقعے کی طرح اشارہ کیا گیا ہے جس کے سبب سید عباس متقی کو اپنا ذاتی مکان فروخت کرنا پڑا۔ واقعہ یہ ہے کہ سید عباس متقی نے اپنے قصاب پڑوسی کو اپنی گلی میں دروازہ کھولنے کی اجازت مرہمت فرمائی تھی جس کے نتیجے میں پڑوسی نے دروازہ کھولا اور جانوروں کو گلی میں باندھنا شروع کر دیا۔ گلی میں دروازہ کھولنے کی اجازت دینا خود اپنا دروازہ بند کر لینے کے مترادف ثابت ہوا۔

(۶) تشبیہ بعید:

وہ تشبیہہ جس میں وجہ تشبیہہ یا وجہ مشبّہ تھوڑا غور کرنے کے بعد ہی سمجھ میں آئے۔ جیسے:

”اسے کتا کہنا کسی طور مناسب نہیں کیوں کہ کتا منوں مٹی میں دبے ہوئے انسانوں کی بازیافت کرتا ہے اور بش نے ہزاروں بے قصوروں کو منوں مٹی میں دبا دیا ہے۔ ہاں اگر (pig) کہا جاتا تو شائد مناسب ہوتا لیکن یہ معصوم جانور بھی اتنا برا نہیں کہ اسے مشبہ بہ کے طور پر پیش کیا جائے، بلکہ کسی جانور میں مسٹر بش سے شرف انتساب حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ کیوں کہ اس میں جو مکر وفریب، ایذا رسانی اور جارحیت کے جراثیم ہیں وہ کسی جانور میں نہیں پائے جاتے۔“ (۲۰)

اس اقتباس میں امریکا کے صدر جارج ڈبلیو بش پر ضرب کاری کی گئی ہے کہ اس نے اپنے دور صدارت میں ملک عراق کو تہس نہس کر دیا تھا جس کی مخالفت ساری دنیا کے ممالک نے کی تھی لیکن بے فیض رہی۔

(۷) تشبیہ بالاضافت:

ایسی تشبیہہ جس میں مضاف، مضاف الیہ کا استعمال ہوا ہو۔ جیسے:

''وہ **جراحتِ حیات** کو ٹانکے لگاتے رہے اور **تقدیر کی مقراض** بھی اپنا کام کرتی رہی۔ وہ عزم و **استقلال کی سوزن** سے **زندگی کے چاک** سیتے رہے لیکن حادثات نے **دامن کے چاک** اور **گریباں کے چاک** میں کوئی فصل رہنے نہ دیا۔ وہ دامن دریدہ میں امید کے پیوند لگاتے رہے لیکن **آلام کے خاروں** نے کھونچ لگانے سے گریز نہ کیا۔'' **(۲۱)**

اس اقتباس میں فارسی اضافت اور اردو اضافت کا عمل دخل نظر آتا ہے لیکن عربی سے کوئی مضاف مضاف الیہ نہیں۔

(۲) استعارہ:

حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا رشتہ بظاہر دو غیر مشابہ اشیاء میں ایک زائد باطنی کیفیات کی موجودگی کے سبب ایک کو دوسری سے قرار دینے والا لسانی تعمل ہے۔ سید عباس متقی کے یہاں کہیں کہیں استعارے کی مثالیں ملتی ہیں۔ ذیل میں کچھ مثالیں دی جاتی ہیں:

''کیا آپ ایسے شخص کو اپنے خالی سروں پر مسلط کرلیں گے۔ جو گڑ پر چپکی ہوئی مکھیوں کو چن کر کھاتا ہو۔ آپ کو پتا نہیں اس کے ارادے کس قدر خطرناک ہیں کرسی ملتے ہی وہ آرام کرسی پر دراز ہو جائے گا۔'' **(۲۲)**

یہاں کرسی اقتدار کا اور آرام کرسی آسائش کا استعارہ ہے۔

ایک آدھ مثال اور:

''اب بجھے ہوئے دل کے اطراف کہاں پروانوں کا ہجوم رہے گا۔

دل کو شمع سے استعارہ کیا گیا ہے جو پروانوں کے قرینے سے سمجھ میں آتا ہے۔ یہ استعارہ بالکنایہ ہے۔

(۳) روزمرہ:

روزمرہ کے معنی ''ہمیشہ'' یا ''ہر روز'' کے ہیں۔ اصطلاح عام میں روزمرہ ان الفاظ یا جملوں کو کہتے ہیں جو روزمرہ یا ہر روز کی زندگی میں بولے جاتے ہیں۔ ''روزمرہ'' الفاظ کی ایسی ترتیب، وزن اور بندش ہے جن کو اہلِ زبان نے اپنی تحریر و تقریر میں اپنایا ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو وہ الفاظ یا جملے قواعد کے اعتبار سے خواہ کتنے ہی درست کیوں نہ ہوں ''روزمرہ'' نہیں کہلائیں گے۔

روزمرہ کے الفاظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں انھیں زبان وقواعد کے پیمانے سے نہیں ناپا جاسکتا۔ مثلاً ہم یہ کہیں کہ ''ہمارا ہر روز کا یہ معمول ہے۔'' صرف ''دس پانچ'' روپے کی تو بات ہے۔ ''بار بار'' کیوں تقاضا کرتے ہو۔'' وغیرہ

ان جملوں میں ''ہر روز'' ''دس پانچ''، ''بار بار'' روزمرہ ہیں۔ اگر ہم تھوڑی سی ترمیم کر کے اس طرح کہیں کہ ''ہمارا ہر دن کا معمول ہے''۔ ''صرف دس سات روپے کی تو بات ہے''۔ کئی بار کیوں تقاضا کرتے ہو''۔ یہ جملے روزمرہ کے خلاف ہیں کیوں کہ ''ہر روز'' کے بجائے ''ہر دن''۔ ''دس پانچ'' کی جگہ ''دس سات''، ''بار بار'' کی جگہ ''کئی بار'' کا استعمال سراسر روزمرہ کے خلاف ہے۔

سید عباس متقی کی تحریروں میں صحت مند روزمرہ کا استعمال ہوا ہے۔ یہاں اس ایک اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ روزمرہ کا کس حد تک استعمال کرتے ہیں:

> ''ہماری محبوبہ بحمداللہ تعالیٰ کوئی خیالی پیکر نہیں جیتی جاگتی، اٹھتی بیٹھتی کھاتی پیتی بلکہ ناچتی گاتی ایک انسان ہے، ہم سے بے پناہ محبت کرتی ہے، ہماری باتوں پر **کھلکھلا کر ہنستی بھی** ہے اور ہماری نادانیوں پر **سر پکڑ کر روتی بھی ہے**۔ پیار بھی کرتی ہے اور روٹھ بھی جاتی ہے۔ خوابوں اور خیالوں میں تو آتی ہی ہے، ہمارے گھر بھی چلی آنے کا وعدہ کیا ہے، اور دنیا امید پر قائم ہے۔ ایک دن اپنی تصویر بھجوائی کہنے لگیں فی الحال اس سے دل بہلائیں کسی روز میں بھی **ٹپک جاؤں گی**۔'' **(۲۳)**

اوپر کے اقتباس میں ''کھلکھلا کر ہنسنا''، ''سر پکڑ کر رونا'' اور ''ٹپک جانا یا ٹپک پڑنا'' روزمرہ ہے۔ جو اچانک وارد ہونے کے لیے مستعمل ہے اس کے بجائے کوئی اور استعمال مناسب نہیں۔ ایک اور اقتباس:

> ''ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجیے اللہ میاں نے ہی تو مجھ غریب کو اپنے مبارک ہاتھوں سے بنایا ہے اور پھر اتنا پھرتیلا، فعال اور محنتی بنایا ہے کہ جو میرے بارے میں غور کرتا ہے تو اس کے اندر بھی میری عظمت و بزرگی کے **چراغ روشن ہو جایا کرتے ہیں**۔'' **(۲۴)**

چراغ روشن ہونا یا کرنا روزمرہ ہے۔

(۴) محاورے:

محاورے کے لغوی معنی ''گفتگو کرنا یا ہم کلام ہونا'' کے ہیں لیکن اہلِ زبان کی اصطلاح میں دو یا دو سے زائد الفاظ کے اس مجموعے کو محاورہ کہتے ہیں جو کسی مصدر سے مل کر بنا و اور اپنے لغوی یا حقیقی معنی کے بجائے دوسرے مجازی یا غیر حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہو۔

سید عباس متقی کے ہاں محاوروں کی بہتات ہے۔ یہاں چند ایک محاوروں کے ذریعے ان کے فن پر بات کی جائے گی:

''تعجب ہے کہ یہاں عورت کی دلال عورت ہوتی ہے۔ یہ عورتیں شریف عورتوں کو **سبز باغ دکھا کر** دوزخ میں ڈھکیل دیا کرتی ہیں'' **(۲۵)**

سبز باغ دکھانا محاورہ ہے۔

''معاف فرمایئے بحمد اللہ تعالیٰ ہم ایک بھرپور حقیقی مرد ہیں ضعیفی اگر دیوار شباب کا چونا گرا رہی ہو تو کیا ہوا اب بھی دشمنوں کو **چونا لگانے کی صلاحیت** رکھتے ہیں۔'' **(۲۶)**

چونا لگانا بطور محاورہ مستعمل ہے۔

''کوئی بچہ کچرا پھینکنے راضی نہیں۔ اچانک گھر میں کوئی مہمان چلا آئے گا تو گھر کو گھوڑ خیال کرے۔ بڑے سے **چھوٹے تک سب کچرا کرتے ہیں** اور کچرا پھینکنے سے روتے ہیں چیختے چیختے گلا بیٹھا جا رہا ہے۔ کیا مجال جو کوئی بچہ مری بات مانے۔'' **(۲۷)**

کچرا کرنا محاورے کے طور پر اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کسی کی بے عزتی کرنا مقصد ہو۔

''اس محلّہ کو ڈرایا، اس محلے کو دھمکایا، اس بستی میں نوٹ تقسیم کیے۔ اس علاقے میں پدیا ترا کی آخرش **اپنا اُلّو سیدھا کرلیا۔**'' **(۲۸)**

الو سیدھا کرنا اردو کا بہت مقبول محاورہ ہے جو اپنی بات کو مقدم رکھنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ چوں کہ الو ہمیشہ الٹے لٹکے ہوئے رہتے ہیں اور سیدھے بیٹھنا ان کا شیوہ نہیں۔

''کرفیو نے شادیوں کے اوقات بدل ڈالے تھے بعض دلھوں کے مقدارات بھی اکثر شادیاں بعد مغرب کی بجائے صبح تا نصف النہار کا شکار ہوگئی تھیں بلکہ محض نصف النہار کا کیوں کہ ہم نے آج تک ناشتہ کیے بغیر صبح کی شادی میں کبھی حاضری نہیں دی اور یوں

بھی نوشہ کے نکلنے تلک دو پہر تو ہو ہی جاتی ہے اور اس بے چارے کو کیا پتا کہ گھڑیوں کے ساتھ **براتیوں کے بھی بارہ بج رہے ہیں**۔'' **(۲۹)**

بارہ بجنا بھی محاورے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

''ہم انھیں دیکھ کر **باغ باغ ہو جاتے ہیں**۔ ہم انوکھی چیزوں کے شیدائی ہیں۔'' **(۳۰)**

باغ باغ ہونا، مسرت کی ایک علامت ہے یہ محاورہ بہت زیادہ خوشی ملنے پر بولا جاتا ہے۔

''مجھے تو یہ دیکھ کر شرم آتی ہے کہ انسان کی بیوی دھوبی، حجام دودھ والے، رکشہ والے، آفیسر نہ جانے کتنے لوگوں سے ہم کلام ہوتی ہے۔ اس کا آفیسر تو اسے ایسی خونخوار نگاہوں سے دیکھتا ہے گویا **آڑ نہ ہو آڑے ہاتھوں لے لے**۔'' **(۳۱)**

آڑے ہاتھوں لینا بھی معروف محاورہ ہے۔ یہ ایسے وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کا استحصال کرنا چاہتا ہو۔

''جب ذرا بڑے ہوئے آپ ہی آپ سنیما جانے لگے۔ یہ اور بات ہے کہ ٹکٹ کے پیسوں کے لیے **زمین آسمان ایک کرنا پڑتا**۔'' **(۳۲)**

زمین آسمان ایک کرنا یا زمین آسمان کے قلابے ملانا بہت ممکن کوشش کرنے کے معنی میں مستعمل ہیں۔ یہ محاورہ ایسے وقت بولا جاتا ہے جب کہ اس شخص نے نہایت کدوکاوش کے ساتھ کام کیا ہو جس کی تحسین کی جارہی ہے۔

''ہمیں اپنے لڑکپن کا زمانہ جب جب یاد آتا ہے بقول اقبال **کلیجہ منہ کو آتا ہے**، لیکن فرق صرف اس قدر ہے کہ ہمارے لڑکپن کے ذکر کے ساتھ ہی ہمارے کلیجے کے علاوہ دوسروں کے کلیجے بھی منہ کو آنے لگتے ہیں۔'' **(۳۳)**

کلیجہ منہ کو آنا کہہ کر دل کی گھبراہٹ مراد لی جاتی ہے۔

''جب ہم پہلے مسجد میں داخل ہو گئے تو از روئے قواعد و شرع پہلی صف میں نماز پڑھنے کا حق ہمیں حاصل ہو گیا لیکن جب ہم بڑوں میں شامل ہو کر پہلی صف میں رکعت باندھ لیتے کوئی نہ کوئی اللہ کا خاص بندہ ہماری نماز اور نماز کے خشوع و خضوع کو خاطر میں لاتے ہوئے ہمیں دھیرے دھیرے پہلی صف سے آخری صف میں لا کھڑا کرتا، ہم اس حرکت پر **چراغ پا ہو جاتے**۔'' **(۳۴)**

چراغ پا ہونا بطور ناراضگی اور خفگی کے استعمال ہوتا ہے۔

''اب یہی دیکھیے ، ہندوستانی ڈاکٹرس اس ملک میں خدمت کا حلف لے کر گردے چراتے ہیں اور ضرورت مندوں کو بیچ کر پاش علاقوں میں گھر بناتے ہیں ۔ **کیا دل گردہ ہے**۔'' (۳۵)

دل گردہ ہونا ،شجاعت ، دلیری اور بہادری کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔اسی خصوص میں یہ مثال بھی دیکھیے :

''آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور ہاتھوں سے **طوطے ہی نہیں پورا چڑیا گھر اڑ گیا** جن میں وہ مبارک و مسعود کبوتر بھی تھے جو فضائے خواب میں شبنم تک نامہ و پیام لے جایا اور لے آیا کرتے تھے۔'' (۳۶)

ہاتھوں کے طوطے اڑ جانا والا محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔اوپر دیے گئے اقتباس میں سید عباس متقی نے حواس باختہ ہو جانے میں شدت پیدا کرنے کے لیے محاورے میں زبردست تحریف کی ہے۔

(۵) توضیح محاورہ:

''اخبارات میں کچھ ایسی سرخی کے ساتھ خبر شائع کرتے کہ ایک کاہل ماں نے اپنے بچے کو محض اپنی کاہلی کے سبب دو سال بعد جنم دیا۔ بچے اگر وقت پر پیدا ہو بھی جاتے تو مائیں اپنی کاہلی کے سبب انھیں وقت پر دودھ کہاں پلاتیں، **بچے رو رو کے گھر ،محلّہ ہی نہیں آسمان سر پر اٹھا لیتے**۔'' (۳۷)

دراصل آسمان سر پر اٹھانا بطور محاورہ مستعمل ہے لیکن یہاں آسمان کے ساتھ ساتھ گھر اور محلّہ استعمال کر کے محاورے میں توضیح کی گئی ہے۔

(۶) ضرب الامثال میں تحریف:

ضرب الامثال میں تحریف کر کے مزاح پیدا کرنا بھی طنز و مزاح نگاری کا ایک اص پہلو ہے اس طرح کی مزاح نگاری میں ایک طرف محاورے سے لطف اٹھانے کا مزہ آتا ہے تو دوسری طرف محاورے کی تحریف ایک خاص گدگداہٹ پیدا کرتی ہے۔ذیل میں دیے گئے اقتباسات میرے اس قول کی تصدیق کریں گے :

''انھوں نے شیروانی نہیں چھوڑی تاہم ان کے پیٹ کا ابھار ان کی شیروانی پر ایک داغ معلوم ہوتا تھا۔ ہم سوچتے ہیں کہ انھوں نے **''توند آمد شیروانی برخواست''** پر عمل کیوں نہ کیا۔'' **(۳۸)**

دراصل یہ تحریف ایک فارسی ضرب المثل ''آب آمد تیمّم برخاست'' کی روش پر قلم بند کی گی ہے۔

''اشرف المخلوقات کی مجبوریوں پر غور کرو۔ وہ بے چارے **وحدانیت حق کے ساتھ ساتھ وحدانیت زوج** کے بھی قائل ہوگئے ہیں اور وہ کلمۂ لاشریک پڑھتا ہوا زندگی گزار دیتا ہے۔'' **(۳۹)**

سید عباس متقی نے مذکورہ اقتباس میں وحدانیت حق کے ساتھ ساتھ وحدانیت زوج کا استعمال کر کے ان لوگوں پر ملامت کی ہے جو صرف اور صرف ایک نکاح سے مطمئن ہوجاتے ہیں حالاں کہ اسی ایک رب ذوالجلال نے چار شادیوں کی اجازت مرحمت فرما کر گناہوں سے باز رہنے کی سبیل نکالی ہے۔

فارسی کی ایک ضرب المثل کا انحراف ملاحظہ کیجیے:

''افسوس صد افسوس۔ بندر اپنی لکڑی کو زمین پر کریدتا ہوا حیف در حیف کا نعرہ مارتا رہا اور ہم بھی بندر کی عقل سلیم پر سر دھنتے رہے، ہم نے کہا، چلو ذرا شیر کو سمجھائیں کہ اس میں یہ انسانوں کی خو بو کہاں سے اور کیوں کر پیدا ہوگئی ہے، کہیں اس نے انسانوں کے ساتھ کچھ دن تو نہیں بتائے جو **''صحبت انساں ترا انساں کند''** والا معاملہ پیدا ہوگیا ہو۔'' **(۴۰)**

''صحبت صالح ترا صالح کند، صحبت طالع ترا طالع کند'' فارسی ضرب المثل ہے جس کا مطلب ہے، اچھی صحبت انسان کو نیک اور بری صحبت اُسے برا بنا دیتی ہے۔ لیکن سید عباس متقی نے صحبت صالح کے بجائے صحبت انساں استعمال کر کے یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ شیر کو انسان کی صحبت اختیار نہیں کرنی چاہیے تا کہ وہ انسان کی بعض بری عادتوں سے بچا رہے۔

ذیل میں اردو کے ضرب المثل کی تحریف دیکھیں:

''ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا جنم ہی ظلم وستم سہنے کے لیے ہوا ہے۔ وہ تو خیر گزری کہ ہماری رحم دل حکومت نے رحم کی تصویر لینے اور جوف رحم کے راز معلوم کرنے

کو جرم قرار دیا ہے ورنہ لوگ تو لڑکی کی پیدائش کو رحم مادر ہی میں نہایت بے رحمی سے ختم کر دیا کرتے کہ رہے **بانس اور نہ بجے یہ بے سری بانسری**۔'' (۴۱)

اصل ضرب المثل 'نہ رہے بانس نہ بجے بانسری' ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی چیز کی اصل کو برخاست کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ کیوں کہ جب اصل ہی نہ ہو تو اس سے پیدا ہونے والی کسی چیز کے پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سید عباس متقی نے یہاں اس ضرب المثل کی تحریف کر کے نئی بات پیدا کی ہے۔

منزلِ مراد کو پہنچنا محاورہ ہے۔ اس کی تحریف دیکھیں:

''جن لوگوں سے گفت وشنید ہوا کرتی تھی وہ **منزل مراد کو جا پہنچے یا منزل نامراد کو**۔'' (۴۲)

منزل مراد کو پہنچنا سے مراد مرضی کے مطابق کام کا انجام پانا۔ جب کہ نامرادی عجلت پسند انسانوں کا ثمرہ ہے۔

منزلِ مقصود کی ترکیب یوں بدلی گئی ہے:

''مصطفیٰ کمال نے شگوفہ کا دفتر پتا نہیں کیوں اتنی اوپر اور اتنے کونے میں رکھا ہے کہ جوانوں کو بھی دیکھا گیا کہ وہ قسطوں میں چڑھتے اور ہر قسط پر دم لیتے ہیں تا کہ **''منزل مسدود''** تک با آسانی پہنچ سکیں۔'' (۴۳)

منزل مسدود سے مراد ایسی منزل ہے جو بند کی گئی ہو یا روک دی گئی ہو۔ شگوفہ کا دفتر کچھ ایسی ہی منزل ہے جس تک پہنچتے پہنچتے آدمی بے دم ہو کے گر نہ پڑے تو یہ اس کے صحت مند ہونے کی دلیل ہے۔

گدھے کو ووٹ نہ دینے کی توجیہہ ضرب المثل میں تحریف کر کے دی گئی ہے۔

''خبر دار ''گدھے'' کو ووٹ نہیں دینا۔ وہ آپ کے گھر کا ہے نہ اپنے گھاٹ کا۔'' (۴۴)

ہلکی سی تحریف سے ضرب المثل میں نئی معنویت پیدا ہو گئی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

اس بات پر ایمان لے آئیں کہ **دانے دانے پر اللہ نے کھانے والے کا نام مع ولدیت** کے لکھ چھوڑا ہے۔'' (۴۵)

(۷) صنائع و بدائع:

انسان کی تلاش ہمیشہ خوب سے خوب تر کی جستجو رہی ہے چنانچہ وہ خوب صورت اور عمدہ چیزوں کو طرح طرح سے آراستہ و پیراستہ کرنے کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے اور حسن کو مزید چار چاند لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہمارے شعرا بھی اپنے کلام کو صرف شعری وزن اور دیگر ضروریات شعری سے آراستہ نہیں کرتے بلکہ لفظی اور معنوی خوبیوں کے ذریعے بھی شعر میں حسن پیدا کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ شعر میں حسن پیدا کرنے کے اس طریقے کار کو ہم ''صنائع و بدائع'' کہتے ہیں۔ یہی کیفیت قاری کو نثر میں بھی ملے گی۔

صنائع لفظی:

ایسے الفاظ جو کلام کے صرف لفظی حسن کو بڑھاتے ہیں ''صنائع لفظی'' کہلاتے ہیں۔ علمائے ادب نے اس کی تقریباً پچیس قسمیں لکھی ہیں لیکن ہم یہاں انھیں کا ذکر کریں گے جسے سید عباس متقی نے اپنی نثر میں روا رکھا۔

تجنیس:

ایسے دو لفظ جو صورت یا تلفظ کے اعتبار سے مشابہ ہوں مگر ان کے معنی مختلف ہوں۔ علم بدیع کی اصطلاح میں تجنیس کہلاتے ہیں۔ اس کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) تجنیس تام:

جب دو لفظ حروف کی تعداد ترتیب اور اعراب کے لحاظ سے بالکل ایک ہوں اور معنی مختلف رکھتے ہوں تو اسے تجنیس تام کہتے ہیں۔

مثلاً:۔ ڈالی (بمعنی شاخ، ٹہنی یا ڈالنا مصدر سے ماضی مونث) اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ تجنیس تام مستوفی ۲۔ تجنیس تام مماثل

۱۔ تجنیس تام مستوفی:۔ جب دو الفاظ میں سے ایک اسم ہو اور دوسرا فعل ہو تو تجنیس تام مستوفی کہا جاتا ہے۔ جیسے:

''یہ ایک متوسط بلکہ نیم متوسط خاندان کے معصوم چشم و چراغ ہیں۔ غربت اور افلاس نے انھیں ایسا **پیٹا** ہے کہ مزید کسی کے **پیٹنے** کی ضرورت نہیں۔ (۴۶)

پیٹنا مصدر سے پیٹا اور پیٹنے استعمال ہوا ہے۔

''لوگ سونا دیکھ کر لوگوں کو موت کی نیند سلا دیا کرتے ہیں اور مال و زر دیکھتے ہیں۔''(۴۷)

مذکورہ اقتباس میں سونا بطور اسم استعمال ہوا ہے جو زرد رنگ کی ایک مشہور دھات ہے اور دوسرے سونا فعل کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کے معنی نیند پوری کرنے کے ہیں۔

(۲) تجنیس تام مماثل:

جب دونوں لفظ اسم ہوں تو تجنیس تام مماثل کہتے ہیں۔ جیسے: کل بمعنی مشین اور آرام و قرار۔ یہ دونوں کا استعمال اردو زبان وادب میں کم سہی لیکن کہیں کہیں ہوا ہے۔ جیسے:

''پتا نہیں انھوں نے یہ **چھلنی** کہاں سے لائی ہے کم بخت اس **چھلنی** نے ان کی شخصیت کو **چھلنی** کر دیا ہے۔''(۴۸)

اس اقتباس میں چھلنی کا استعمال تین مرتبہ ہوا ہے پہلی چھلنی سے مراد وہ آلہ ہے جس سے چاول، گیہوں، آٹا وغیرہ چھانا جاتا ہے یا صاف کیا جاتا ہے۔ دوسری چھلنی بطور اسم اشارہ استعمال ہوئی ہے جب کہ تیسری چھلنی بھی وہی آلہ ہے جو داغ دار اور پارہ پارہ کرنے کے معنوں میں ہے۔

(۳) تجنیس مرکب:

جب تجنیس کے دو لفظوں میں ایک منفرد اور دوسرا مرکب ہو تو اس صورت کو تجنیس مرکب کہیں گے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ جیسے:

''اگر **رقعہ** پر تناول طعام رقم نہیں ہوتا تو بغور اس چھوٹے سے کارڈ کو تلاش کرنے لگتے ہیں جسے عرف عام میں **راشن کارڈ** کہا جاتا ہے۔''(۴۹)

یہاں رقعہ اس کارڈ کو کہتے ہیں جو دعوت میں شرکت کے لیے دیا جاتا ہے یا گزارش کی جاتی ہے۔ بعض دعوتیں ہوٹل وغیرہ میں ہوتی ہیں جہاں رقعہ کو بطور داخلہ پاس یا ٹکٹ کے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں کارڈ پر واضح طور پر لکھا رہتا ہے کہ رقعہ اپنے ساتھ لائیں۔ دوسرے راشن کارڈ وہ رقعہ ہے جس پر ریاستی حکومت ہر ماہ غریبوں اور مساکین کو سبسڈی یعنی رعایتی قیمت پر راشن مہیا کرتی ہے۔ اس طرح رقعہ منفرد اور راشن کارڈ مرکب لفظ ہیں۔

(۴) تجنیس مرکب متشابہ:

مفرد اور مرکب الفاظ کا کتابت و خط میں موافق ہونا۔ جیسے:

''الیکشن کے موسم میں ہر سمت ایک شوروغوغا برپا رہتا ہے اس زمانے میں شیاطین برہنہ رقص کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ وہ وہ غیبتیں ہوتی ہیں۔ وہ وہ اتہام باندھے جاتے ہیں کہ خدا کی پناہ ہر شخص کا تعارف کھل کر سامنے آتا ہے گویا وہ **میدان خطابت** یہ ہو **میدان قیامت** ہو۔'' **(۵۰)**

(۵) تجنیس خطی:

متجانس الفاظ کی ظاہری شکل یکساں ہو مگر نقاد و حرکات و انواع حروف کے لحاظ سے لفظ بدل جائے۔ جیسے:

''ڈاکٹر صاحب کی ایک خو بلکہ خوبی یہ بھی ہے کہ فون پر بہت عجلت میں ہوتے ہیں ارشاد تو فرماتے ہیں لیکن مدعا نہیں سنتے۔ پتا نہیں اس شوق عجلت میں ان کا مصروف ''**دل**'' شامل ہوتا ہے یا موہوم ''**بل**''۔'' **(۵۱)**

دل اور بل میں تجنیس خطی پائی جاتی ہے۔

''نواب شاہ عالم دامت برکاتہم نے اپنے آفس سے بہ نفس نفیس باہر تشریف لاکر اس نابکار زمانہ و نابکار دوراں کا جس تپاک سے استقبال فرمایا وہ ہمارے لیے ایک ان مٹ یادگار ہے جسے بھلایا نہیں جاسکتا۔ دل سے ناقدری کا **غبار** اور دماغ سے بے اعتنائی کا **بخار** جاتا رہا۔'' **(۵۲)**

غبار اور بخار میں تجنیس خطی موجود ہے۔

''اتنا یاد ہے کہ فرمایا تھا کہ عارض حسن میں بوقت تبسم ہلکا سا **ڈمپل** پڑتا ہے اور **سمپل** سی بات ہے کہ ہم آج تک اسی ڈمپل میں اپنے کامل وجود کے ساتھ غوطہ زن ہیں۔'' **(۵۳)**

ڈمپل انگریزی میں اس گڑھے کو کہتے ہیں جو گالوں پر پڑتے ہیں اور انگریزی میں سمپل یعنی معمولی کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ اس طرح انگریزی الفاظ کے اردو املا سے تجنیس خطی بنائی گئی ہے۔

(۶) تجنیس محرف:

متجانس الفاظ کو نوع، عدد اور ترتیب حروف میں مشابہ ہونا مگر حرکات وسکنات میں فرق ہونا۔ جیسے:

''ایک **عالم** حضرت **عالم** سے خفا ہے۔'' (۵۴)

عالم عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی جہاں اور دنیا کے آتے ہیں جب کہ عالم ڈاکٹر فخر عالم آعظمی کے نام کا ایک حصہ ہے۔ اس طرح دو عالم سے تجنیس خطی بنائی گئی ہے۔

''بعض وقت تو ان حضرات کو بھی خاطر میں نہیں لاتے جنھیں خاطر میں لاتے لاتے ہم بوڑھے ہو گئے۔ بات یہ ہے کہ ہم نے عقیدت کی عینک لگا کر شریفوں کو دیکھا ہے وہ حقیقت کی عینک لگا کر کمینوں کو دیکھ لیتے ہیں۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ **عالم کا دیکھنا** اور ہے اور فخر **عالم کا دیکھنا** اور ہے۔'' (۵۵)

چوں کہ عالم عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی جہاں اور دنیا کے آتے ہیں اور عالم کا دیکھنا سے مراد زمینی لوگوں کا دیکھنا مراد ہے جب کہ عالم کا دیکھنا ڈاکٹر فخر عالم آعظمی کے دیکھنے سے مشتق ہے اس طرح تجنیس خطی قرار پاتی ہے۔

(۷) سرحرف تجنیس:

متجانس الفاظ کی ظاہری شکل کچھ بھی ہو لیکن ان الفاظ کا ابتدائی حرف یا آخری حرف ایک ہو۔ جیسے:

''آپ کو یہ جان کر بہت حیرت ہوگی کہ وہ کم بخت **تیزاب**، **پیشاب** اور **شراب** تینوں کو ملا کر پیتا ہے۔'' (۵۶)

تیزاب کا ''ب''، پیشاب کا ''ب''، اور شراب کے ''ب'' کو سرحرف تجنیس کہتے ہیں۔

''فخر عالم کی کلاس لینا کوئی آسان کام نہیں آدمی کا پتا ہی **پانی** نہیں ہوتا خود آدمی **پانی پانی** ہو جاتا ہے۔'' (۵۷)

پتا پانی ہونا محاورہ ہے اور آدمی کا پانی پانی ہونا بھی اردو کا ایک محاورہ ہے ان دونوں محاوروں سے مشترک حرف ''ی'' سرحرف تجنیس ہے۔

''جب پولیس کا ''**پ**''اور پہلوانوں کا ''**پ**'' دونوں ''**پ**'' جب آپس میں مل جاتے ہیں تو اخلاص کا ''الف'' بیچ میں اتر آتا ہے اور اس طرح ''**پاپ**'' کی ابتدا ہو نے لگتی ہے۔'' **(۵۸)**

پولیس اور پہلوان حرف تہجی ''پ'' سے شروع ہوتے ہیں اسی مناسبت سے ہندی کا پاپ بھی حرف تہجی ''پ'' سے شروع ہوتا ہے۔ یہ ''پ'' کی تکرار دراصل سر حرف تجنیس ہے۔

''وہ کبھی **چیل** کی **چغلی** کرنے لگتا کہ اس کا **چگنا** کم ہے **چیخنا** زیادہ ہے، تو کبھی کوئے کی غیبت کرتا ہے کہ کالا بھجنگ ہے اور اس پر کانوں میں زہر ٹپکانے والی کائیں کائیں، چالو اتنا واقع ہوا ہے کہ آدمی ادھر پتھرا اٹھانے کا خیال باندھے اور وہ ادھر رفو چکر۔'' **(۵۹)**

الفاظ چیل، چغلی، چگنا اور چیخنا ایک ہی حرف تہجی ''چ'' سے بنے ہیں یہی سر حرف تجنیس ہے۔

''ہم نے سنا ہے کہ حلیم میں تین گاف ہوتے ہیں **گوشت، گیہوں اور گھی**، لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کی حلیم میں تین کاف ہوتے ہیں، کوفت، کلکلاہٹ اور کوسنے۔ بھلے ہی حلیم میں تین گاف نہ ہوں لیکن حلیم کھانے والا آج ان تین کافوں سے گزر رہا ہے۔'' **(۶۰)**

گوشت، گیہوں اور گھی حرف تہجی ''گ'' سے شروع ہوتے ہیں جب کہ کوفت، کلکلاہٹ اور کوسنے ایسے الفاظ ہیں جو حرف تہجی ''ک'' شروع ہوتے ہیں۔ یہ دونوں حروف سر حرف تجنیس کے زمرے میں آتے ہیں۔

''**شیروانی** پہننے والے کو صوفی ہونا چاہئے ہمارا مطلب یہ ہے کہ اسے کم کھانا چاہیے۔ جو لوگ پیٹو قسم کے ہوتے ہیں اور دستر کے **شیر** ہوتے ہیں انھیں **شیروانی** زیب نہیں دیتی۔'' **(۶۱)**

شیروانی، شیر اور شیروانی ایک ہی حرف ''ش'' سے شروع ہوتے ہیں چنانچہ ''ش'' سر حرف تجنیس میں سے ہوگا۔

''اسے **گائے، گوبر، گھاس** کے علاوہ کچھ سوجھتا نہیں اور ہمیں عارض و کاکل اور چشم و ابرو کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ بعد المشرقین ہے اور ہم اس سے پنگا نہیں لے سکتے۔'' **(۶۲)**

گائے، گوبر اور گھاس ایسے اسم ہیں جن کی ابتدا حرف ''گ'' سے ہوتی ہے۔ اس طرح سرحرف تجنیس مذکورہ اقتباس میں ''گ'' ہے۔

(۸) تجنیس ناقص:

الفاظ کا حروف میں متفق اور حرکات میں مختلف ہونا۔

> ''ہم نے کہا ہمیں ایک لوری یاد ہے جو آنجہانی کے۔ ایل۔ سہگل نے گائی تھی۔ سوجا راج کماری سوجا۔ کہنے لگیں اچھا وہی سنا دیں۔ شبنم بہت ضدی ہے جو پانا چاہتی ہے پا کر ہی رہتی ہے۔ شاید ارادہ کر لیا ہو کہ ایک مزاح نگار کو پالے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اس کا مزاح ہو۔ ہم تو کہتے ہیں کہ شبنم نہ صرف ہمیں پالے بلکہ پال لے۔'' (۶۳)

پالے اور پالے دونوں تجنیس ناقص کے طور پر استعمال ہوئے ہیں ان دونوں میں صرف یہ فرق ہے کہ مزاح نگار کو پالے والا فقرہ فعل کی صورت میں استعمال ہوا ہے اور شبنم نہ صرف ہمیں پالے حاصل کر لینے کے لیے یا اپنا اثاثہ بنانے کے لیے بولا گیا ہے۔

(۹) تجنیس ناقص وزائد یا مطرف:

جب تجنیس کے دولفظوں میں صرف ایک حرف کی کمی یا بیشی ہو جائے۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔ (ا) شروع میں حرف کی کمی و بیشی ہونا (۲) درمیان میں حرف زیادہ یا کم ہونا (۳) آخر میں حرف زیادہ یا کم ہونا۔ جیسے:

> ''کتے کی غصیلی **صورت** دیکھ کر خوف اور اس کی **صحت** دیکھ کر رشک ہونے لگا۔'' (۶۴)

صورت اور صحت میں ایک حرف کم اور زیادہ ہے۔ صورت میں چار حروف ہیں اور صحت میں صرف تین۔ حرف کی کمی اور زیادتی درمیان میں پائی جاتی ہے۔ اس طرح یہ دوسری صورت پر صادق آتا ہے۔

> ''ہم ایسی شخصیات سے بھی خوب واقف ہیں جنھوں نے اپنی **عافیت و عاقبت** کو داؤ پر لگا کر بنگلہ تعمیر کیا۔'' (۶۵)

عافیت اور عاقبت دونوں میں پانچ پانچ حروف ہیں لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ حروف ذرا سی تبدیلی سے الگ الگ معنی پیدا کر دیے ہوں اور وہ تبدیلی عافیت میں ف اوری کے ساتھ

عاقبت میں ق اور ب کے ساتھ ہوئی ہے۔اس طرح درمیان میں ہونے والی اس تجنیس کو تجنیس ناقص وزائد کہتے ہیں۔

''جب ایک پلیٹ کی قیمت دیکھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ حلیم کی **پلیٹ** اور غریبوں کے **پیٹ** میں کتنا عظیم فاصلہ ہے۔''(٦٦)

پلیٹ اور پیٹ دو اسم ہیں جو شروع اور آخر میں تو وہی حروف رکھتے ہیں لیکن درمیان میں ایک حرف ''ل'' مشترک نہیں ہیں یہی کیفیت تجنیس ناقص وزائد ہے۔

''مرد کو یکتائے زمانہ اور فرد روزگار ہونا چاہیے۔اگر کچھ زیادہ نہیں تو ایک مرد کو اپنے فن میں طاق تو ہونا ہی چاہئے۔چنانچہ ہم نے کچھ صاحبان فن کو اپنے فن میں **طاق** نہ ہونے کے سبب **طلاق** دے دی ہے۔''(٦٧)

طاق اور طلاق میں ایک حرف ''ل'' زیادہ ہے وہ بھی درمیان میں اس لیے تجنیس ناقص وزائد کہلاتا ہے۔

''یہ سنتے ہی ہمیں وہ ناپاک مرشدین یاد آ گئے جو اپنی زنانی مریدوں کو گلے لگاتے ہیں اور نعرۂ حق مارتے ہیں اور جوان سینوں کے نشیب وفراز کو ضعیف سینوں سے محسوس کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ علم تصوف علم **سینہ** ہوتا ہے علم **سفینہ** نہیں۔''(٦٨)

سینہ اور سفینہ میں ایک حرف کی کمی بیشی ہے اور وہ حرف ''ف'' ہے۔

(١٠) تجنیس مذیل:

دو متجانس الفاظ میں سے ایک میں دو حرف زیادہ ہونا۔جیسے:

''ہم آپ کی طرح **کنوارے** تو نہیں رہ سکتے۔خدا را کسی کا **کنور** بننے سے نہ روکیے۔''(٦٩)

لفظ کنوارے اور کنور میں دو حروف کا فرق ہے یعنی کنور میں ''ا'' اور ''ے'' نہیں ہے ایسی تجنیس، تجنیس مذیل کہلاتی ہے۔

''طنز کو بہر حال گوارا کرنا پڑتا ہے۔یہ ہوائی **تھپیڑے** بھی ہوتے ہیں اور **تھپڑ** بھی۔''(٧٠)

تھپیڑے اور تھپڑ میں دو حروف کی کمی اور زیادتی دیکھی جا سکتی ہے۔

(۱۱) تجنیس مضارع:

الفاظ متجانس میں ایک حرف مختلف ہو مگر وہ متحد المخرج یا قریب المخرج ہوں۔اس کی تین صورتیں ہیں۔(۱) یہ اختلاف اول میں ہو(۲) اختلاف درمیان میں ہو(۳) اختلاف آخر میں ہو۔جیسے:

''آج ہمارے بچوں کو معلوم ہی نہیں کہ مہمان بھی جایا جاتا ہے اور کئی کئی دنوں کے لیے جایا جاتا ہے۔اب دو گھڑی کی مہمانی اور ایک وقت کی ضیافت ہو کر رہ گئی ہے۔شام ہونے لگتی ہے تو میز بان کو ہول ہونے لگتی ہے، پتا نہیں مہمان کے کیا ''خطرناک'' ارادے ہیں اور اگر خدانخواستہ بارش شروع ہو جائے تو پھر **میز بان پریشان، مہمان حیران**۔''(۷۱)

میز بان پریشان، مہمان اور حیران میں حرف ''ن'' مشترک ہے۔تجنیس مضارع کی رو سے اختلاف آخر میں پایا جاتا ہے۔

(۱۲) تجنیس لاحق:

متجانس الفاظ کے درمیان صرف ایک حرف کا اختلاف ہو مختلف ہو مگر وہ متحد المخرج یا قریب المخرج ہوں۔اس کی تین صورتیں ہیں۔(۱) یہ اختلاف اول میں ہو(۲) اختلاف درمیان میں ہو(۳) اختلاف آخر میں ہو۔جیسے:

''اخبار میں نیوز کیا چھپی کہ دوستوں کی **تہنیت** اور دشمنوں کی **تعزیت** کا ایک سلسلہ سا چل پڑا۔بعض لوگوں نے اطلاع دی اور بعض لوگوں کو اطلاع دینی پڑی۔''(۷۲)

اختلاف درمیان میں پایا جاتا ہے۔

(۱۳) تجنیس مکرر رتکرار:

متجانس الفاظ کا کلام میں مکرر واقع ہونا۔جیسے:

''ہم جب تک بچے تھے تو ضد کیا کرتے تھے کہ خالہ **جان**، پھوپھو **جان**، چچی **جان**، تائی **جان**، یہ **جان** وہ **جان** غرض کسی نہ کسی **جان** کے ہاں جائیں گے اور اس طرح والدہ کی **جان** کھایا کرتے تھے اور جو کہیں کہیں جانے کے لیے رکشہ منگوایا جاتا، کیا مجال جو کھانا تک کھایا جاتا۔آج ہمارے بچوں کو معلوم ہی نہیں کہ مہمان بھی جایا جاتا ہے۔''(۷۳)

مذکورہ اقتباس میں جان بطور لاحقہ استعمال ہوئے ہیں یہی تجنیس تکرار بھی ہیں۔

''اس دور میں کہاں ہر گھر میں **گھڑی** ہوا کرتی تھی، اب تو ہر گھر میں نہیں ہر فرد کے ہاتھ پر **گھڑی** دھری ہے لیکن افسوس **گھڑیاں** تو بے شمار ہیں لیکن وقت سے برکتیں ختم ہوگئیں۔'' (۷۴)

اوپر کے اقتباس میں گھڑی کی تکرار پائی جاتی ہے یعنی گھڑی مکرر بعد آیا ہے۔ یہ تجنیس مکرر یا تجنیس تکرار کہلاتا ہے۔

''شرفاء کے دو کام رہ گئے۔ ایک ووٹ دینا۔ دوسرے ووٹ دے کر ایک مدت تک پچھتایا کرنا۔ ہم ووٹ دیتے ہیں نہ پچھتاتے ہیں ہمارا خیال ہے کہ زندگی اس لیے نہیں کہ ہر **پانچ** سال بعد **پانچ** گھنٹے تک طویل قطار میں کھڑے رہ کر **پانچ** دن تک حیران و پریشان رہیں۔'' (۷۵)

پانچ کی کثرت سے پتا چلتا ہے کہ یہاں تجنیس مکرر یا تجنیس تکرار استعمال ہوا ہے۔

''سعدی صاحب عاشق **اقبال** تھے اور اپنے شاگردوں کو بھی **اقبال** کے وسیلے سے **اقبال** مند بنانے کے آرزومند بھی۔ غضب تو یہ تھا کہ ان کی شکل و شباہت بھی کچھ **اقبال** سے ملتی جلتی تھی یا ممکن ہے کہ **اقبال** کے بے پناہ عشق نے انہیں **فنافی الاقبال** کردیا ہو۔'' (۷۶)

اقبال کی کثرت سے معلوم ہوتا ہے کہ سید عباس متقی نے اقبال کو کھپانے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔ یہی کوشش تجنیس تکرار تک لے جاتی ہے۔

''ہم ایک شریف آدمی ہیں اپنے معشوق پر دوسرے ممالک کو قربان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔! ہاں ایمرجنسی کی بات اور ہے، ایمرجنسی کی شدید مجبوریوں میں تو شاعر اپنے معشوق پر گرین **لینڈ**، **انگلینڈ**، فن **لینڈ** بلکہ **ہالینڈ** تک کو قربان کرسکتا ہے۔'' (۷۷)

لینڈ کا لاحقہ تجنیس مکرر ہے۔

(۸) معما، پہیلی، چیستاں:

جہاں مذاق سلیم اور مزاح کا شعور سامنے ہو تو پھر لطف و تفریح کے لیے کچھ اور بھی کرنا پڑتا ہے۔ ہلکے پھلکے عام فہم اور لوگوں کی سوجھ بوجھ کے مطابق کچھ سوالات ترتیب دیے جاتے

ہیں۔ان کا جواب بادی النظر میں بہت مشکل لگتا ہے بلکہ سوال خود احمقانہ سا معلوم پڑتا ہے مگر پھر بھی جواب نہیں سوجھتا اور جب جواب بتا دیا جاتا ہے تو ہر ایک کو شرم سار ہونا پڑتا ہے کہ اتنی معمولی سی بات نہیں بوجھی جاسکی۔

اس قسم کا مزاح خالص ہوتا ہے کہ اس سے نہ تو کسی قسم کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور نہ کسی کی دل آزاری ہوتی ہے،کوئی گھناؤنی بات نہیں کہی جاتی اور کسی کے جذبات کو دھکا بھی نہیں لگتا۔ عام طور پر اسے گورکھ دھندا بھی کہا جاتا ہے۔

سید عباس متقی کے ہاں نثر میں معما،پہیلی یا چیستاں کی صنف سے کوئی مثال نہیں ملتی۔ہاں سید عباس متقی نے راقم الحروف کو اپنے ایک نجی انٹرویو میں بتایا کہ انھوں نے صنف شاعری میں پہیلیاں لکھی ہیں۔تلاش بسیار کے باوجود راقم الحروف کو سید عباس متقی کے دونوں مکانات میں ایسی کوئی پہیلی یا پہیلیوں پر مشتمل کوئی غیر مطبوعہ مواد نہیں ملا۔لیکن سید عباس متقی کی ابتدائی کتابوں میں غیر مطبوعہ کتابوں کی فہرست میں چیستاں کے نام سے کوئی کتاب لکھی ہوئی ضرور ہے۔

(۹) رعایت لفظی:

الفاظ کے الٹ پھیر سے اور ذو معنویت کا سہارا لے کر مزاح پیدا کیا جاتا ہے۔ایسے الفاظ جو تلفظ میں ایک سے اور مشابہ ہوتے ہیں لیکن معنی میں بالکل مختلف،ایک خاص مزہ دے جاتے ہیں۔ذو معنویت یا ابہام کے لیے نظم یا نثر میں ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں کہ جس کے دو معنی ہوں۔کہنے والا اول الذکر سے مراد لیتا ہے تو سننے والا بعد الذکر مفہوم لیتے ہیں اور اس طرح پر غلط فہمیاں ہوسکتی ہیں۔بظاہر دونوں اپنی جگہ درست ہیں لیکن اصل معنی اور مرادی معنی کا فرق گڑ بڑ کر دیتا ہے اور ہنسی پر مائل کرتا ہے۔جیسے:

> ''قدر دان جب محبت سے مصافحہ کرتے ہیں تو ہاتھوں کی لکیریں بدل جاتی ہیں۔''(۷۸)

ہاتھوں کی لکیریں بدلنا سے مراد قسمت کا ستارہ چمکنا ہے۔قدر داں جب مصافحہ کرتے ہیں تو دولت کی فروانی ہوتی ہے ایسا صرف قول ہی ممکن ہے یا ماضی میں ہوتا رہا ہوگا۔اس دور بے اعتنائی میں اس قسم کا خیال،خیال خام سے کم نہیں۔

''جغرافیہ کے استاد نے پیٹھ پر تھپڑ مار مار کے براعظم یورپ اور براعظم ایشیاء کے نقشے بنا ڈالے۔''(۷۹)

اوپر کے اقتباس میں مار مارنے سے مراد سانپ مارنے کے نہیں بلکہ کسی چھڑی وغیرہ سے ضرب لگانے کے ہیں۔

''اس کی بعض باتیں نہایت انوکھی ہیں۔ان باتوں میں ایک ہے کہ اس نے پان کبھی نہیں کھایا۔گو ہماری مبارک صحبتوں کے طفیل سگریٹ،فلم وغیرہ تک تو آ گیا ہے لیکن افسوس صد افسوس ہم اسے پان نہ کھلا سکے۔ایک دن بہت اصرار کیا تو کہنے لگا کہ تیرے ولیمہ میں کھاؤں گا۔ہم نے دوسری شادی کی اس امید پر شاید ہماری **سرخروئی** کے ساتھ ساتھ اس کی **سرخ روئی** کے اسباب بن جائیں گے۔''(۸۰)

سرخروئی اور سرخ روئی کے استعمال سے بہت خوب مزاح پیدا کیا گیا ہے۔

صنائع معنوی:

کلام یا تحریر میں ایسے الفاظ کا لانا جن سے معنوی خوبیاں ابھر کر سامنے آتی ہوں۔اسے صنائع معنوی کہتے ہیں اور اس کی کئی قسمیں ہیں۔ذیل میں چند قسموں پر سید عباس متقی کی نثر کو جانچنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(ا)ایہام:

ایہام کے اصل معنی ''شک یا وسوسہ'' میں ڈالنا ہے۔کلام میں اس طرح کا لفظ لانا جس کے دو معنی نکلتے ہوں اور دونوں سے شعر کے الگ الگ مطلب بھی نکالے جا سکتے ہوں۔اسے ''صنعتِ ایہام'' کہتے ہیں۔

''پہاڑوں کی چٹانوں میں شاہین ہی بسیرا نہیں کرتے ہم ''الو'' بھی کرتے ہیں،لیکن علامہ اقبال نے شاہین کو یاد رکھا اور ہم الوؤں کو بھلا دیا۔ہاں بھئی،کسی نے سچ ہی کہا ہے،الوؤں کی تقدیر میں اقبال کہاں؟۔''(۸۱)

کلام الو کا استعمال نحوست کے لیے کیا جاتا ہے جب کہ علامہ اقبال نے شاہین کو بہت اونچائی تک اڑنے والا پرندہ بتایا ہے۔سید عباس متقی نے اقبال کے شاہین سے الوؤں کو تشبیہہ دیتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ نامعقول لوگ کہاں اور با اقبال افراد کہاں۔ان میں سے ایک زمین ہے تو دوسرا آسمان۔

''جبہ و دستار میں میں نے جتنے گل کھلائے ہیں اتنے گل تو روز گلستان میں بھی نہیں کھلتے۔''(۸۲)

گل کھلانا محاورہ ہے۔ یہاں گل کھلانے سے وہ تمام شیطانی کرتوت مراد ہیں جو انسان شیطان کو خوش کرنے کے لیے صبح و شام کرتا رہتا ہے اور ان گناہوں کی اتنی طویل فہرست تیار ہوسکتی ہے جتنی کہ گلشن میں کھلنے والے گلوں کی بھی نہیں ہوسکتی۔

(۲) تلمیح:

کسی مشہور تاریخی واقعے یا مسئلے کی طرف اشارہ کرنا تلمیح کہلاتا ہے۔ تلمیح میں بیان کردہ واقعہ شعر کا موضوع بھی ہوسکتا ہے۔ تلمیح کے الفاظ بظاہر مختصر ہوتے ہیں لیکن اس کے پیچھے وہ سارا واقعہ ہوتا ہے جس کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو۔ اس پورے قصے کو جانے بغیر نہ تو مطلب بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ ہی تلمیح کا پورا پورا لطف اٹھایا جاسکتا ہے۔ جیسے:

''اب یہی دیکھیے رزق کو رزق کہنے والے جامعات میں برسرِ روزگار ہیں اور اپنی بغلوں میں **ید بیضاء** کی طرح اپنی تصانیف دبائے رزق کے مارے بال جبرئیل کی بجائے دو کا پہاڑہ یاد دلاتے ہیں۔''(۸۳)

ید بیضا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھ کو اللہ کے حکم سے بغل میں دبا کر جب لوگوں کی طرف دکھاتے تو وہ روشن اور چمک دار ہوجاتا تھا۔

''جاہلوں نے جب یہ دیکھا کہ محض شور سرابے۔ دھکم پیل اور اوٹ پٹانگ ہانکنے سے بے وقوفوں کی ایک ٹولی تابع ہوسکتی ہے اور عقلمند کرسی سوچنے پر مجبور ہوجاتے ہیں تو وہ لوگ جن کی تصویریں مختلف تھانوں میں، مختلف عنوان سے مختلف فائیلوں میں چسپاں ہیں۔ ہاتھ جوڑ کر ایک شیطانی پوز ے لیا، ضمانت بھر دی جوش اذ ہی ضبط ہوتی ہے لگے ووٹ مانگنے۔ دلوں کی کدورت، نفس کی مکاری، شیطانی کرتوت، چہرے پہ رقصاں لیکن دونوں ہاتھ جڑے ہوئے۔ ہر تقریر میں وعدہ و پیمان کے وہ انبار کہ **لیلیٰ کو مجنوں** یاد آجائے۔''(۸۴)

لیلیٰ مجنوں کی محبوبہ کا نام ہے اور مجنوں کا اصل نام قیس بن عامر تھا وہ لیلیٰ کے عشق میں دیوانہ تھا چوں کہ قیس خود ایک اچھا شاعر تھا اس لیے وہ لیلیٰ کی محبت میں اشعار کہتا اور جنگل جنگل مارا مارا پھرتا اس کی دیوانگی کو دیکھ کر سب اسے مجنوں کہنے لگے۔

لیلیٰ کو مجنوں یاد آنا ہر دو کا تمسخر ہے کیوں کہ لیلیٰ مجنوں کے بغیر نہیں رہ سکتی اور نہ مجنوں کا تصور لیلیٰ کے بغیر کیا جا سکتا ہے۔اس انہونی کو محض مزاح پیدا کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔

ہمارے دوستوں نے بھی مصطفیٰ خیّاط کی خیّاطی کو بے حد پسند کیا ہے، چنانچہ جب ڈاکٹر نسیم الدین فریس، صدر شعبہ اُردو نے مصطفیٰ ٹیلر سے اپنی شیروانی سلوائی تو وہ ہمیں اتنی پسند آئی کہ ہم نے فی البدیہہ ایک قطعہ کہہ دیا اور اپنے **یار غار کی نذر کی**۔'' (۸۵)

سید عباس متقی نے یہاں یار غار سے مراد اپنے جلیس خاص ڈاکٹر نسیم الدین فریسؔ سے مراد لی ہے۔ یار غار دراصل ایک تلمیح ہے کہ غار ثور مکہ مکرمہ کے قریب ایک غار ہے جس میں ہجرت کے وقت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین دن قیام کیے تھے اس وقت آپ کے ہم راہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے اس طرح تاریخ میں یار غار سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔

''یہاں ہر بادشاہ فرعون ہے اور ہر وزیر ہامان اب جو ظلم کی آندھی چلے وہ کچھ بھی نہیں اور جو بربریت کا طوفان اٹھے وہ کم ہے۔اس تقریر دل پزیر سے چاندنی بیگم اس درجہ متاثر ہوئیں کہ یاقوت پورہ کو قبول و منظور کر لیا۔'' (۸۶)

اس اقتباس میں دو تلمیحات دی گئی ہیں ایک بادشاہ فرعون اور دوسرے اس کے وزیر ہامان کی ہے۔ یہ دونوں ہی جہنم رسید ہو چکے ہیں۔

'' آخر **فرعون** بھی تو انسان ہی تھا کیا اس کے پر نکل نہیں آئے تھے۔کیا اس نے سلطنت و حکومت پر اتراتے ہوئے انا ربکم الاعلیٰ نہیں کہا تھا۔ یہ لفظ ہی تو ہوتے ہیں جو خدا کے ہاں کافر و مشرک، بدتمیز و بداطوار، بدنصیب و بدقسمت قرار دیتے ہیں۔ کیا اس نے خدا کے رسول کی نافرمانی نہیں کی؟ **ید بیضا** کو چشم سر سے ملاحظہ کیا، **عصائے موسوی** کو اژدہے کی صورت اختیار کرتے دیکھا، جادوگروں کے تمام سانپوں کو لقمہ اجل ہوتے دیکھا لیکن ایمان نہیں لایا۔کیا اس نے آب شیریں کو خون سرخ سے بدلتے نہیں دیکھا ایک دو نہیں دس عذابات کو دیکھا، محسوس کیا پھر بھی

اس عقل کے کورے انسان نے ایمان لاکر حق دارِ بہشت نہیں بن پایا۔اسے
دریائے نیل کے حوالے کر دیا گیا۔''(۸۷)

اس قتباس میں تین تلمیحات نمایاں طور پر واضح ہوئے ہیں ایک فرعون کی دوسرے ید بیضا اور تیسرے عصائے موسیٰ کی تلمیحات ملتی ہیں۔

(۳) مبالغہ یا تبلیغ:

غلو، بڑبول، دون کی ہانک، اتنا بڑھا چڑھا کر بولنا کہ جس سے اعلانیہ ظاہر ہو کہ اس میں رمق برابر سچائی نہیں لیکن بات دلچسپ دکھائی دے۔ مبالغہ فنی واقفیت سے دور نہ ہو اور نہ اس میں ایسا تصنع اور بناوٹ ہو کہ دماغ پر گراں گزرے محض تفریح طبع کے لیے گھڑے ہوئے قصے اور چٹکلے۔

جیسے: ہوا میں اُڑتی ہوئی بطوں پر گولی چلائی لیکن زخمی بطیں کہر کی وجہ سے دوسرے دن گریں۔ درخت کاٹا تھا لیکن کہرا اتنا تھا کہ دوسرے دن سورج نکل آنے تک کٹا ہوا تنا گرا نہیں۔

''ترقی یافتہ ممالک دونوں لائق تعریف ہیں کہ ان کے ہاں کچرا ہی معیاری نہیں ہوتا
بلکہ کچرے کی نکاسی کا عمل بھی معیاری ہوتا ہے۔ سنا گیا ہے کہ لندن کے کچرے میں
صوفہ سیٹ اور پیرس کے کچرے میں بیڈ رومس ملا کرتے ہیں۔''(۸۸)

کچرے میں صوفہ سیٹ اور بیڈ رومس کا ملنا مبالغہ آرائی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

''مشرق سے صدائے دل پزیر گونجی۔ جھنڈو کو ووٹ مت دینا اس کے دو باپ تھے اس
کی ماں نے اسے دوبار جنم دیا تھا۔''(۸۹)

کسی بھی انسان کا دوبار جنم ہونا مبالغہ اور تبلیغ ہی ہوسکتا ہے کیوں کہ ہندوستانی وا تا رون کے حساب سے یہاں کی تہذیب اور مذاہب میں اسلام کے علاوہ ہندوازم میں پنر جنم کا تصور تو ہے لیکن ایک ہی جنم میں دوبار پیدا ہونا وہاں پر بھی نہیں ہے۔

''ایک دن بیگم کے سر میں درد تھا اور کوئی احمق مائک کو جبڑوں میں دبائے دونوں
پھیپڑوں سے چیخ رہا تھا۔ وہ بے چین ہو رہی تھیں آخرش پوچھ بیٹھی یہ کرخت آواز کیسی
ہے۔؟ ہم نے کہا کوئی کتا ہڈی کے لیے بھونک رہا ہے۔ رات سے تین بجے تک یہ مکروہ
آوازیں برابر آتی رہیں اور ہم گھر بیٹھ مختلف جماعتوں سے اور جماعت کے کارندوں
کے کرتوت سے متعارف ہوتے رہے۔''(۹۰)

انسانوں کی آوازیں کتوں کی سی ہرگز نہیں ہوسکتی اور نا ہی کتا ہی انسان کی آواز نکال سکتا ہے۔ اگر جہاں کہیں انسانوں کی آوازوں کو کتوں کی آوازوں سے تشبیہہ دی جائے تو مبالغہ ہوگا۔

ایک دن تو پتا نہیں ابو شیر کی گائے کو کیا ہوا، دندناتی ہوئی، عالم توحش میں پہلے ہمارے گھر میں گھس پڑی اور اندر گھستے ہی اپنے عقبی دروازے کو وا کردیا اور دفعتہً گرم گرم گوبر سے ہمارا مختصر سا آنگن ''گرین لینڈ'' ہوگیا۔'' (۹۱)

سید عباس متقی نے گرین لینڈ کا اردو ترجمہ کیا ہے اور وہ ہے سبز زمیں ۔مراد یہ کہنے سے یہ لیا جاسکتا ہے کہ گائے کا گوبر کرنا زمیں کو گندا کرنا ہے۔ مارے غصہ کے سید عباس متقی نے گرین لینڈ والی اصطلاح گھڑی ہے اور یہ گھڑنے کا عمل تبلیغ ومبالغہ کہلاتا ہے۔

تلگو کے پنڈت نے اپنی مہربانی سے دو دو گھنٹے مرغا بنا کر بانگ دینے کے موقف میں لا کھڑا کردیا ہے' لیکن کیا مجال جو ہماری فلک آثار استقامت میں کوئی فرق آیا ہو۔ کیا مجال جو آفاقی ہمتیں پست ہوئی ہوں' شرارتیں جاتی رہی ہوں' شوخیاں رخصت ہوئی ہوں' قہقہوں سے باز آئے ہوں۔ تعلیم پر توجہ دی ہو۔'' (۹۲)

مرغا بنانے کا عمل ایک خاص سزا ہے جو اسکولوں میں بچوں کو دی جاتی تھیں۔اس سزا کا ایک خاص وصف تھا کہ طلبا بہت جلد تھک جاتے تھے۔ اساتذہ کو اس سے یہ فائدہ ہوتا تھا کہ بچوں کو ہاتھ لگائے بغیر سزا دینے کا یہ عمل بہت مقبول تھا۔

مرغ کا بانگ دینا ایک خاص آواز ہوتی ہے۔اس آواز کی مشق اگر انسان ساری زندگی بھی کرلے تو کما حقہ ادا نہیں کرسکتا۔

''ہمارا گھر جسے ہم نے ''غربت ولا'' کا نام دے رکھا ہے محض دو ایک کمروں پر مشتمل وسیع و عریض کوٹھی ہے، دیوار سے لگا ہوا ہمارا بستر ہے جو نشست گاہ بھی ہے اور مطالعہ گاہ بھی۔ طعام گاہ بھی ہے اور ملاقات گاہ بھی۔ جہاں بیٹھ کر ہم عقلائے جہاں سے دینی و دنیوی و ادبی و انقلابی و تاریخی و تہذیبی و ثقافتی و تمدنی عناوین پر گفتگو کیا کرتے ہیں اور دنیا کو پیغام محبت دیتے ہیں۔ہم سے ملنے والے ہم سے زیادہ ہماری کوٹھی کو دیکھ کر متاثر ہوتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ایشیا کے عظیم مصنف اور صاحب طرز ادیب کا مکان اسی شان کا ہونا چاہیے۔'' (۹۳)

سید عباس متقی نے اس اقتباس میں اپنے منہ میاں مٹھو والی کیفیت پیدا کر دی ہے جو ادبی وفنی لحاظ سے مبالغہ کہلاتی ہے۔

(۴) غلو:

جس بات کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ عادت و عقل ہر دو کی رو سے ناممکن ہو تو ایسے دعوے کو اصطلاح میں غلو کہتے ہیں۔

> ''مائیں کہاں ان کی خدمت زیریں میں اس درجہ مستعدی کے ساتھ مصروف رہتیں۔ بچوں کی پھالیاں (پوتڑے) پہلے گیلی ہوتیں پھر آپ ہی آپ خشک ہو جاتیں اور یہ سلسلہ ہفتوں ہفتوں جاری رہتا۔ محلّہ والوں کے شدید احتجاج پر بچوں کے پوتڑے بدلے جاتے کہ اب ان کی قوت شامہ اس درجہ لائق نہیں رہی اور تو اور شادی کے دن ایجاب وقبول کے وقت ''ہاں'' کہنے میں اتنی دیر کرتیں کہ دلہے بوڑھے ہو جاتے اور قاضی جی اللہ کو پیارے۔'' (۹۴)

ایجاب وقبول اتنے مختصر وقت میں انجام پاتا ہے اور ایجاب وقبول پر عمل کرنا آخری سانس تک کا وقفہ ہوتا ہے لیکن یہ کہنا کہ محض ایجاب وقبول کے لیے دلہا بوڑھا ہونا اور قاضی انتقال کر جانا، خلاف عادت بات ہے اور مبالغہ، غلو اور تبلیغ کی وجہ سے ایسا کہا جاتا ہے۔

(۵) ہجو:

کسی بھی اسم یعنی شخص یا چیز کے عیوب اور نقائص کا بیان مبالغہ آمیز اور مزاحیہ الفاظ کے پیرائے میں ادا کیا جائے تو اسے ہجو کہتے ہیں۔

> ''موصوفہ نے جب ہمیں بتایا کہ حیدرآباد کی ایک جانی مانی صاحب رشد شخصیت جن کے نام کا جز واعظم میں خود رشد و ہدایت کی کرنیں نہاں ہیں مستزاد اسم گرامی کی بسم اللہ ہی غوث وغیاث سے ہوتی ہے جنھوں نے ایک جبل مقدس کا نام لے کر اپنے کارناموں کا پرچم لہرا رکھا ہے، نے انھیں سینکڑوں کا نہیں، ہزاروں کا نہیں بلکہ لاکھوں کا چونا لگا دیا ہے اور وہ اب چشم منور سے منہ چھپائے پھر رہے ہیں تو ہم پر حیرت کے صفا و مروہ دونوں ٹوٹ پڑے۔'' (۹۵)

آدمی منہ اسی وقت چھپاتا ہے جب کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہتا، آدمی گم نام رہے اس سے بہتر ہے کہ بدنام ہو۔حیدرآباد کی جانی مانی شخصیت مولانا غیاث احمد رشادی جو صفا بیت المال کے ناظم ہیں، نے محترمہ منورالنسا منور سے قرض لے کر آج تک ادا نہیں کیا۔جس کا ذکر خود موصوفہ نے سید عباس متقی سے کیا ہے اور سید عباس متقی نے دعوت منور نامی مضمون میں نہایت تفصیل سے اس واقع کو بیان کیا ہے۔قصہ مختصر یہ کہ اس اقتباس میں غیاث احمد رشادی کی ہجو بیان کی گئی ہے۔

> ''لائق ہستیاں واقعی دوسروں کے لیے باعث تحیر ہوا کرتی ہیں۔اگر اس گفتگو میں سے ہماری جانب سے ادا شدہ الفاظ، ہوں، ہاں، اچھا، بہت اچھے، ظاہر ہے، افسوس، بجا اور انا للہ جیسے اثباتی لفظوں کو ہٹا دیا جائے تو صرف منورالنسا منور کی تقریر دل پذیر رہ جائے گی ایسا لگتا ہے کہ اگر تقدیر نے انھیں شاعرہ نہ بنایا ہوتا تو وہ کسی دینی و مذہبی جماعت کی فاضل مقررہ ہوتیں۔ان کے اندر نہ صرف تقریر کا ملکہ ہے بلکہ اپنی بات منوانے کا حوصلہ بھی۔ہم تو خواتین کی تقریر کے آگے گھٹنے ہی نہیں اپنا وجود ٹیک دیا کرتے ہیں اور جب ٹیک دیتے ہیں تو اٹھانے کا نام ہی کہاں لیتے ہیں۔کہاں ہم میں اتنا حوصلہ ہے کہ بار دیگر فضائل سابقہ سے مستفید ہوں۔'' **(۹۶)**

اس اقتباس میں سید عباس متقی محترمہ منورالنسا منور کے باتونی ہونے پر زبردست ہجو کی ہے کہ موصوفہ اس قدر گفتگو کرتی ہیں کہ سامنے والا مذکورہ کلمات کے علاوہ کچھ بھی کہنے کے موقف میں نہیں رہتا۔

(ا)اسلوب بیاں:

سید عباس متقی کا اسلوب بیاں ان کے معاصرین مزاح نگاروں سے جدا ہے وہ اس طرح کہ ان کے جملے چھوٹے چھوٹے فقروں میں تقسیم ہوتے ہیں اس طرح ان کے جملے لمبی لمبی سطروں اور کئی ٹکروں میں بٹے ہوتے ہیں۔جیسے:

> ''ظاہر ہے کہ خدا کی صنعت کے سامنے انسانوں کی صنعت کیا وقعت رکھتی ہے۔ روشن لب و رخسار کہاں قمقمہ ہائے برقی کہاں، قد و قامت کہاں، سائنسی کرامت کہاں، عالم تخیل کو سیر آب کرنے والے ضدی اور سرفراز کھلونے کہاں اور چابی

کے معمولی کھلونے کہاں، مستان چال کہاں، نمایشی احوال کہاں، مدہوش کن جوانی کہاں، دست کاری انسانی کدھر، غرض تینوں اپنی اپنی عمروں کے لحاظ سے اپنی اپنی چیزوں میں کھو گئے۔'' (۹۷)

سید عباس متقی کی تحریر کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ ان کا طرز نگارش استفہامیہ ہونے کے علاوہ ان کی تحریر پرکشش ہوتی ہے۔

''ہم کھیل کے شیدائی وہ پڑھنے کا دیوانہ' ہم لٹو اور پتنگ کے دیوانے اور وہ کتابوں کا کیڑا۔ ہم باغوں اور چمنوں کے متوالے وہ سودا سلف کی حد میں۔ ہم حسن و جمال کے شیدائی وہ نماز روزے کا پابند۔ ہم عاشق مزاج اور وہ معشوق طبع۔ ہم لاکھ سمجھاتے کہ یہ پڑھنا لکھنا' یہ سوالات یہ جوابات' یہ ہوم ورک' یہ کلاس ورک' یہ سائنس کے فارمولے یہ جغرافیہ کے نقشے' یقیناً مردوں کی مردانگی ہے لیکن بعض وقت دیوانوں کی دیوانگی بھی بن جاتی ہے اور یہ شریف طالب علموں کا شیوہ بھی تو نہیں' چلو تھوڑی دیر ہوا کھا آئیں' گھومیں پھریں' عنفوان شباب کے مزے لوٹیں' گائیں بجائیں، موج مستی کریں' بعد میں ترس جاؤ گے تو یہ موسم یہ دن نہ آئیں گے۔ لیکن کیا مجال جو اس کے گوشہ نشین دل نے صحرا نورد دماغ کا مشورہ قبول کیا ہو۔'' (۹۸)

سید عباس متقی کا اسلوب بیاں لمبی لمبی سطروں پر منحصر نہیں ہوتا۔ وہ چھوٹے چھوٹے فقروں میں اپنی بات کہتے ہیں جو قارئین کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتے۔

'' کتنے نادان لوگ ہیں، مردے بھی کہیں زحمت دیتے ہیں۔ ہاں مردہ دل لوگوں کی بات اور ہے یہ زحمت دینے ہی کے لیے پیدا ہوئے ہیں، اور اس کے جواب میں بحمد اللہ تعالیٰ کچھ زندہ دل بلکہ زندہ دلان ہیں جن کا وجود باعث مسرت، جن کی تحریر وجہ تبسم اور جن کے افکار سبب انشراح ہوتے ہیں۔'' (۹۹)

سید عباس متقی کی تحریروں میں مزاح کے ساتھ ساتھ طنز کا پہلو بھی غالب رہتا ہے۔ جس پر طنز کیا جا رہا ہے وہ خود بھی مزاح کے کڑوے گھونٹ پیتا ہے۔

''میرے ارسال کردہ پیغامِ محبت پر غور کرو، میں بہر حال تم سے دو قدم آگے ہوں تمہارے پاس شان وشوکت ہے، میرے پاس شعر و حکمت ہے، تمہارے پاس جمال ہے، میرے پاس کمال ہے۔ تمہارے پاس سیم وزر ہے، میرے پاس کیسہ گوہر ہے،

تمہارے پاس مال کی فراوانی ہے میرے پاس کمال کی فراوانی ہے، تم لوگوں سے مل کر خوش ہوتی ہو مجھ سے لوگ مل کر خوش ہوتے ہیں۔'' (۱۰۰)

سید عباس متقی کی تحریروں میں قافیوں کا رنگ ملتا ہے۔ بعض دفعہ گمان ہوتا ہے کہ کہیں وہ نثری شاعری تو نہیں کر رہے ہیں۔

''اہل جہاں نے مجھ غریب پر وہ وہ ظلم ڈھائے ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ دانش وروں نے محروم رکھا تو دانش گاہوں نے سازشیں رچائیں، علم گاہوں نے جہالت برتی تو فضل گاہوں نے گریز کیا، خانقاہوں نے بے اعتنائی برتی تو بارگاہوں نے اجتناب کیا۔'' (۱۰۱)

موصوف کی تحریروں میں جا بجا شکایتیں ملتی ہیں اور وہ شکایتیں کیا ہیں ان کے تحریریں پڑھنے والا بہ خوبی سمجھ سکتا ہے۔ کہیں کہیں گمان ہونے لگتا ہے کہ سید عباس متقی اللہ رب العزت سے شکوہ ظاہر کر کے کیا کہنا چاہتے ہیں۔

''زندگی بھی عجیب گل کھلاتی ہے۔ کسی کو ترقی مل گئی تو کسی کو نہیں ملی، کوئی بام عروج پر پہنچ گیا تو کوئی نہیں پہنچ سکا، کسی کو عہدہ مل گیا تو کسی کو نہیں ملا، کوئی مسرور ہے تو کوئی مغموم، کوئی معلوم ہے تو کوئی نا معلوم، کوئی فائز المرام ہو گیا تو کوئی محروم الانعام رہ گیا، کوئی بہاروں میں مست و مگن خوشی کے نغمے گا رہا ہے تو کوئی خزاں کے خار و خس سے نبرد آزما آنسو بہا رہا ہے۔'' (۱۰۲)

مذکورہ اقتباس میں جہاں سید عباس متقی کے خیالات معلوم ہوتے ہیں وہیں ایسا طرز نگارش ان کے معاصرین مزاح نگاروں میں خال خال ہی ملتا ہے۔ فقروں میں مافی الضمیر کو ادا کرنے کے دو بڑے فائدے یہ ہیں کہ اول صرفی و نحوی غلطیاں نہیں ہوتی ہیں۔ دوم انداز بیاں دل کش اور پر مغز ہو جاتا ہے۔

(۲) گلابی اردو:

گلابی اردو کی ابتدا ملا رموزی نے کی تھی۔ یہ اردو تحریر کا ایک خاص اسلوب ہوتا ہے۔

''یہ سچ ہے کہ ہمیں وہ گل عزیز ہے لیکن ہم گلشن پرست ہیں محض گل ہی کو عزیز نہیں رکھتے خانوادۂ گل کو بھی عزیز رکھتے ہیں گل کی عفت و عصمت کو بھی عزیز رکھتے ہیں اور گل کی عظمت و حشمت کو بھی۔ گل کے ساتھ ساتھ ہمیں برگ گل بھی عزیز ہے اور شاخ گل

بھی، بیخ گل بھی عزیز ہے اور رگ گل بھی بلکہ ہمیں وہ خار مغیلاں بھی عزیز ہیں جو اس گل کے تحفظ میں مدام چابک و مستعد رہتے ہیں اور نامراد گل چیں کو گل کے قریب پھٹکنے نہیں دیتے اور گل چیں کو چیں بہ جبیں ہونے پر مجبور رکھتے ہیں۔'' (۱۰۳)

گلابی اردو کا رنگ اردو طنز و مزاح نگاروں میں نہیں ملنے کے مترادف ہے۔

''ہمیں یاد آتا ہے کہ اس گل نے ورق شمیم پر خط نستعلیق میں لکھ بھیجا تھا کہ ''کبھی تو آسمان سے چاند اترے جام ہو جائے ،تمہارے نام کی ایک خوب صورت شام ہو جائے۔'' (۱۰۴)

گلابی اردو میں کبھی اشعار کو نثر کا آہنگ بھی دیا جاتا ہے۔

''ہمیں تو ایران کے وہ گلزار چاہیے جن کے ہر پھول سے بوئے محبت ہوئیدا ہے۔'' (۱۰۵)

گلابی اردو میں پھولوں کا تذکرہ کیا جانا بھی کوئی عجب نہیں۔ دراصل گلابی اردو کا نگارش دل کو چھو لینے والا ہونا چاہیے۔ سید عباس متقی کے شہ پاروں میں ڈھونڈنے سے ایسی اور بھی مثالیں ملیں گی۔

(۳) شگفتہ بیانی:

شگفتہ بیانی ایسی مسرور کیفیت کا نام ہے جس سے خوشی اور شادمانی ہویدا ہوتی ہو۔

''آزادی ہند کی مبارک بادی کے ساتھ اس غنچۂ نو رستہ نے ورق بہار پر کچھ ایسی دلنواز تحریر لکھ بھیجی کہ فرشتہ ہو تو بہک جائے آدمی کیا ہے!'' (۱۰٦)

سید عباس متقی نے یہ بات کہنے کی کوشش کی ہے کہ بعض تحریریں اس قدر دل کش اور پر مغز ہوتی ہیں کہ ان کی طرف انسان تو انسان فرشتے بھی کھنچے کھنچے آتے ہیں۔ فرشتوں کا کھنچا کھنچا آنا شادمانی کا استعارہ ہے۔

''قدر دان جب محبت سے مصافحہ کرتے ہیں تو ہاتھوں کی لکیریں بدل جاتی ہیں۔'' (۱۰۷)

ہاتھوں کی لکیریں بدلنا سے مراد تقدیر کے بدلنے سے ہے اور تقدیر کسی سے مصافحہ یا معانقہ کرنے سے نہیں بدلتی۔ اس طرح کی بات کہنا شگفتہ بیانی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

ہم ان چٹکتی ہوئی کلیوں کے والہ وشیدا ہیں جن میں خیام کی نغمگی سرگوشیاں کر رہی ہو۔'' (۱۰۸)

عمر خیام فارسی شاعری کا ایک بے بدل شاعر ہے جس کے ہاں خمری شاعری ملتی ہے خیام کو غزل گوئی میں خاص وصف حاصل تھا۔ جس طرح میر تقی میرؔ اردو کے خدائے سخن ہیں تو عمر خیام فارسی کے شہنشاۂ غزل سے کم نہیں۔

''ہم اس قد رعنا کے متمنی ہیں جن کے قدموں سے خاک تبریز کی خوش بو آ رہی ہو۔'' (۱۰۹)

مذکورہ عبارت شگفتہ طرز بیانی کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ جس میں سید عباس متقی نے فن کی نزاکتوں کو پیش کر دیا ہے۔

(۴) تقریر کا سا انداز یا مکالمے کا انداز:

سید عباس متقی کی تحریروں میں تقریر کا سا رنگ ملتا ہے اور ان کی تحریریں اس قدر طویل ہوتی ہیں کہ قارئین اکرام کو پڑھتے پڑھتے سننے کا سا لطف آتا ہے۔ کیوں کہ ان کی تحریروں میں مکالموں کا انداز بہت پر کشش ہوتا ہے جو قارئین کو ان کے مضامین، انشائیوں اور تخلیقات سے جوڑے رکھتا ہے۔ بعض قارئین اکرام اخبار امیں سید عباس متقی کی لمبی لمبی تحریروں پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں کہ سید عباس متقی کو اپنی بات لمبے لمبے جملوں کے بجائے چھوٹے چھوٹے جملوں میں کرنی چاہیے۔

راقم الحروف نے بھی سید عباس متقی کو لوگوں کی اس شکایت کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن موصوف نے بذات خود یہ کہا کہ میری تخلیقات کا یہ بھی خاص وصف ہے کہ اس میں فارسی کا امتزاج زیادہ ہوتا ہے اور تحریریں لمبی لمبی ہوتی ہیں:

''ہم نے شاگردِنو کو الف، ب اور ج لکھنا سکھا دیا اور مشق و مداولت کی تعلیم دے کر رخصت کر دیا۔ عموماً لڑکے ان تین حرفوں ہی میں گُم ہو کر رہ جاتے ہیں، ج سے آگے بڑھنے نہیں پاتے، کیوں کہ خطاطی میں جو محنت شاقہ درکار ہوتی ہے وہ عمومی طور پر سب کا حصّہ نہیں قرار پاتی۔ شوق الگ چیز ہے اور مشق الگ چیز ہے، راہ الگ شے ہے اور

منزل الگ شے ۔ہم نے بیسیوں افراد کو دیکھا ہے جنھیں اساتذہ کی وصلیوں کو دیکھ کر
شوقِ خطاطی چرّایا ضرور لیکن الف اور ب تک باقاعدہ نہیں سیکھ سکے۔''(۱۱۰)

اقتباس کو پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ اس میں تقریر کی بوخو پائی جاتی ہے۔سید عباس متقی نے خوش نویسی کے فن کو سیکھنے کے لیے جو محنت شاقہ درکار ہوتی ہے۔وہ سمجھانے کے لیے دو تین پیرا گراف کا سہارا لیا ہے۔جن سے اوپر بیان کیا گیا اقتباس لیا گیا ہے۔

(۵) گفتگو کا سا انداز/مکالماتی انداز:

سید عباس متقی کا طرز نگارش مکالموں اور گفتگو کا سا ہے۔جس طرح ہر تخلیق کار اور مزاح نگار کا اپنا کچھ خاص رنگ ہوتا ہے،سید عباس متقی کا بھی اسلوب بیان گفتگو کا سا ہے:

''ہم اس مقابلے میں شریک ہونے والے تمام تلامذہ کو بھی دلی مبارک باد دیتے ہیں جن کے اندر طنز و مزاح کے مبارک جراثیم پائے جاتے ہیں۔ ہمارا مشورہ ہے کہ ان جراثیم کی پرورش کی جائے ۔یہ جراثیم چند ناپاک کیفیات کی تاب نہ لاکر وقت سے پہلے مرجاتے ہیں مثلاً حسد،بغض ،کینہ،خود پسندی ،انا،غرور،طمع ،لالچ اور شہرت طلبی ۔یہ نامبارک باتیں جب کسی قلم کار میں درآتی ہیں تو نہ قلم رہتا ہے نہ قلم کار،نہ زندگی رہتی ہے نہ زندہ دلی۔''(۱۱۱)

گفتگو کم از کم دو صاحب نطق افراد میں کی جاتی ہے۔جس میں ایک کا متکلم اور دوسرے کا حاضر ہونا اشد ضروری ہے۔غائبین کی تعداد ایک سے لے کر لامتناہی تک پہنچ سکتی ہے۔

''پرویز کی ڈائری اچھی خاصی ادبی وتہذیبی دستاویز ہے۔اگر اس کے روزنامچہ کو اس کا ادبی کارنامہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔وہ اپنے روزنامہ میں گویا نثری شاعری کرتا ہے۔ اب وہ ڈائری دکھائے تو کسے دکھائے اور کسے پڑھ کر سنائے۔وہ کوئی مضمون یا مقالہ تو ہے نہیں کہ کسی محفل میں سنا کر داد تحسین حاصل کی جاسکے۔''(۱۱۲)

مکالماتی انداز اور گفتگو کا سا رنگ سید عباس متقی کی تحریروں میں جا بجا دیکھنے کو ملے گا۔سید عباس متقی جب بھی کچھ لکھتے ہیں تو ان کے سامنے مخاطب کوئی نہ کوئی ضرور ہوتا ہے۔

(۶) بات میں سے بات نکالنا:

بات میں سے بات نکالنا طنز و مزاح نگاری میں پایا جانا بے حد ضروری ہے۔مزاح نگاری کے لیے بات میں سے بات پیدا کرنا ایک خاص طریقہ کار رہوتا ہے۔جس سے مخاطب فوری حرکت میں آجاتا ہے۔

''وہ اپنی بسم اللہ سے تمت بالخیر تک سراپا خیر تھیں۔''(۱۱۳)

سید عباس متقی نے سرتا پاؤں پاک بازی کو بتلانے کے لیے بسم اللہ سے تمت بالخیر کا سہارا لیا ہے۔جس کو بتلانے کے لیے الف سے والسلام بھی بولا جاتا ہے۔

''اسے صرف عرفان و آرزو کی ہوا لگنی ہے، آرزو کی ہوا ہم لگادیں گے عرفان کی ہوا خود لگ جائے گی۔استاد کا خطبہ وہ دل کی گہرائیوں سے سنتے ہیں۔خدا انھیں نکاح کا خطبہ سننے کی بھی توفیق عطا فرمادے۔اگر خود کا نہیں تو اپنے استاد ہی کا سہی۔''(۱۱۴)

سید عباس متقی جب دعا دیتے ہیں تو دغا نہیں دیتے۔ہاں دعا میں یہ ضرور کہتے ہیں کہ اے خدا یہ دعا فلاں کے حق میں قبول نہ کرسکیو تو خود دعا کرنے والے کے حق میں ضرور قبول ہو۔

(۷) سوالیہ انداز:

سید عباس متقی کی تحریریں استفہامیہ طرز پر لکھی گئی ہیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ سے اتنے سوالات کیے ہیں کہ وہ مزاح نگار ہو گئے۔اس لیے اپنے مخاطب سے وہ سوالات کر کر کے طنز و مزاح پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

''ہم اسے لاکھ سمجھاتے ہیں کہ ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' اور اس سلسلۂ مبروک میں اپنی مثال دیتے ہیں کہ دیکھو اس حقیر فقیر سراپا تقصیر کو ہم نے کسی عمر کو عشق کے بغیر بھی گزارا ہے؟۔''(۱۱۵)

سید عباس متقی کی تحریریں پڑتے جائیں تو سوالیہ انداز سے لطف اٹھایا جاسکتا ہے۔ایسی سینکڑوں مثالیں ملیں گی۔بلکہ ان کے ہر تحریر میں سوالیہ اسلوب ذرا غور کرنے سے مل جاتا ہے۔

(۸) زبان (نئی ترکیبیں/فصاحت):

صاحبِ طرز ادیبوں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنی بات کے اظہار کے لیے نئی نئی ترکیبیں وضع کرتے ہیں۔اس خصوص میں سید عباس متقی بھی پیچھے نہیں ہیں۔ذیل میں چیدہ چیدہ کچھ مثالیں پیش ہیں۔

''لیجئے! دیکھتے ہی دیکھتے ''شگوفہ'' نے اپنی اشاعت کے چالیس سال مکمل کر لیے اور اپنا چالیس سالہ جشن سیمین و زرین منا رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شگوفہ کو چالیس سالہ جشن منانے کا حق بھی حاصل ہے کہ، اس پر آشوب اور **غیر تبسم دور** میں چالیس سالوں سے وہ مسلسل بلا لحاظ مذہت وملت، دولت ونکبت، عدیم الفرصتی وفرصت مسکراہٹیں تقسیم کر رہا ہے اور قہقہے بانٹ رہا ہے۔ یہ بہت دل گردے کا کام ہے ورنہ ان چالیس سالوں میں دنیا جتنی مغموم رہی ہے شاید گزشتہ چار سو سالوں میں اتنی مغموم نہ رہی ہو۔'' (۱۱۶)

غیر تبسم دور ایک نئی ترکیب ہے۔

''شہر حیدرآباد کی ہوٹلوں، ہوٹلوں کے باہر سڑکوں اور سڑکوں پر ٹھہری کاروں میں کھائی جانے والی حلیم اس بات کا ثبوت ہے کہ اس شہر میں بحمد اللہ تعالیٰ لوگوں کی **معاشی خوش حالی ثریا آثار ہی نہیں مریخ اور مشتری آثار ہے۔**'' (۱۱۷)

ثریا آثار، مریخ ومشتری آثار بالکل نئی ترکیبیں ہیں۔

(۹) پر تکلف زبان:

سید عباس متقی نے کہیں کہیں نہایت پر تکلف زبان استعمال کی ہے۔ جیسے

''جب وہ شروع ہوتے ہیں تو سننے والوں کو سوچنا پڑتا ہے کہ خدا معلوم کہاں جا کر رکیں گے، بلکہ رکینگے بھی یا نہیں۔ اور اس عرصہ میں سننے والے دل تھام کر سنتے نہیں کہ کہیں **کوئی نشتر جانب خویش شرف انتساب نہ حاصل کر لے۔** وہ اتنا حق بولتے ہیں کہ حق گوئی کے دعوے دار بھی پر تولنے لگتے ہیں۔'' (۱۱۸)

سید عباس متقی نے کہیں کہیں لغزشِ زبان سے بھی مزاح پیدا کیا ہے۔ ایک مثال:

(۱۰) زبان (انگریزی الفاظ کا استعمال):

نثر ہو یا شاعری انگریزی کے الفاظ سے مزاح پیدا کیا جاتا ہے۔ چناں چہ سید عباس متقی نے اپنی نثر میں کہیں کہیں انگریزی الفاظ استعمال کیے ہیں جن میں بعض مقامات پر انگریزی الفاظ کو انگریزی میں قلم بند کیا ہے اور کہیں اردو میں تحریر کیا ہے۔ ذیل میں اس طرح کی مثالیں دی جا رہی ہیں:

''وہ سن بلوغ سے آج تک پارسا ہیں۔انھیں یہ سب سمجھانے کی ضرورت نہیں ہم انھیں پیدائشی پارسا سمجھتے ہیں،لیکن انھیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ شاگردان پارسا اپنے معصوم بزرگوں کے عشق میں **''اسپیڈ بریکر''** کی تعمیر نہیں کیا کرتے، بلکہ ان کے عشق کی نیا کو پار لگانے میں مدد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔'' **(۱۱۹)**

اوپر کی مثال میں اسپیڈ بریکر (Speed Breaker) استعمال ہوا ہے۔

سید عباس متقی نے فیشن کو نئی تہذیب کا مشن قرار دیا ہے۔اقتباس دیکھیے:

''اولاد کا ناخلف ہونا آج کا **فیشن** بلکہ آج کی تہذیب کا **مشن** ہوگیا ہے۔'' **(۱۲۰)**

یہاں Fashion اور Mission دونوں انگریزی الفاظ ہیں۔

''ایک ہی الٹی کے بعد میوزیکل پروگرام شروع ہوگیا۔سر میں ستار اور سینے میں طبلہ بجنے لگا۔'' **(۱۲۱)**

سید عباس متقی کے مضمون 'شادی خانے سے دوا خانے تک' میں انگریزی لفظ کا استعمال بہت خوب صورت معلوم ہوتا ہے۔

''ایک خاتون کو ان کے میاں نے طلاق دے دی۔گویا ازدواجی زندگی کا بال کیچ ہوگیا۔تصور محض یہ تھا کہ ہانڈی جل گئی تھی اور ہانڈی اس لیے جل گئی تھی کہ وہ چولھا پونک کر میاچ دیکھنے میں مشغول ہوگئی تھیں۔گویا T.V. نے B.V. کو بیوی رہنے نہ دیا۔'' **(۱۲۲)**

انگریزی لفظ ٹی وی، بی وی، کیچ اور میچ کا استعمال ہوا ہے۔

عموماً قبض، بدہضمی اور Food Poisioning کی وجہ سے الٹیاں ہوتی ہیں۔اس خصوص میں سید عباس متقی کے مضمون سارے جہاں میں دھوم ہمارے کچن کی ہے، میں وہ لکھتے ہیں:

''اب اگر کھوئے کی خرابی سے Food Poisioning ہوجائے تو غریب باورچی کو تو اس کا ذمے دار نہیں گردانا جاسکتا۔'' **(۱۲۳)**

ایک اور انگریزی جملے کا استعمال دیکھیے:

''اللہ رکھے بعض بیدار مغز اخبارات یہ نیوز شائع کرتے ہیں کہ Baba is Fraud۔'' **(۱۲۴)**

سید عباس متقی نے ایک جگہ معصوم یعنی Innocent کا لفظ بھی استعمال کیے ہیں:

''ہم نے کہا یہ ماں صاحب ٹینک کہاں ہے۔اس پر دل ہی دل میں باسط خاں نے ہمیں ایک عدد زبردست گالی دی اور وہ گالی دی جس کے معنی اردو میں نادان، انگریزی میں Innocent اور ہندی میں بدھو کے ہوتے ہیں۔'' **(۱۲۵)**

عصمت ریزی کو انگریزی میں Rape کہتے ہیں۔سید عباس متقی نے ہندوستان یا ریپ استھان والے مضمون میں نہ صرف ریپ کا استعمال کیا ہے بلکہ Gang Rape جیسے لفظ سے بھی روشناس کروایا ہے:

''ہمارا ملک ہندوستان ہے یا ریپ استھان۔لیجیے اب دلی ایک دل دہلانے والے **''گینگ ریپ''** سے گزرا ہی تھا کہ پھر دلی میں **گینگ ریپ** کا روح فرسا منظر غم زدہ آنکھوں کے سامنے آیا ہے۔'' **(۱۲۶)**

اسی مضمون میں پردے کی حرمت بتلاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''پردہ نشینوں کا احترام خود بہ خود دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔خواہ وہ دل کسی **''ریپسٹ''** کے سینے ہی میں کیں نہ دھڑک رہا ہو۔'' **(۱۲۷)**

Episode کا استعمال سید عباس متقی نے نہایت چابک دستی سے کیا ہے:

''اتنی خوبیوں والے محلّہ کو ہم نے چاندنی بیگم کے عارض گل گوں کے ایک عدد سیاہ تل پر قربان کر دیا۔اب آپ خود دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیے کہ اسے خندہ پیشانی سے اس تحفہ ناگفتہ بہ کو قبول کر لینا چاہیے تھا کہ نہیں؟ بلکہ اس مبارک محلے کو قبول ومنظور فرماتے ہوئے اس پیش کش کے دوسرے **ایپی سوڈ** یعنی ایجاب وقبول کی منزل سے بھی گزر جانا چاہیے تھا۔'' **(۱۲۸)**

ModeOff ہونا اردو میں بہ کثرت استعمال ہوتا ہے۔سید عباس متقی نے بھی اسے برتا ہے:

''ایک دن ہم رات دیر گئے مشاعرے سے لوٹے۔**موڈ آف** تھا دو سو روپے طئے ہوئے تھے اور کم بخت منتظم مشاعرہ نے محض ایک سو پر ہمیں ٹرخانا چاہا تھا۔'' **(۱۲۹)**

Law is law کا استعمال دیکھیے:

''بعض انگلیاں تو اتنی سبک، مخروطی اور خوب صورت تھیں کہ انھیں داغ لگاتے ہوئے ہمارا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا، کتنی تعجب خیز بات ہے کہ ہم محض انگلی کو داغ لگانے سے گریزاں ہیں اور کچھ لوگ ہیں جو ہندوستان جنت نشان میں ساری شخصیت ہی کو داغ دار کرنے

سے گریز نہیں کرتے۔تاہم "Law is law" اوراس کے برعکس کچھ انگلیاں اتنی سیاہ تھیں کہ سوچنا پڑتا تھا کہ انگلی بے داغ نہ رہ گئی ہو۔‘‘(۱۳۰)

(۱۱)داستانی رنگ:

سید عباس متقی کے اسلوب میں داستانی رنگ بھی اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ملاحظہ کیجیے:

’’اب انھیں چاہیے کہ پیکر اردو پر جو شیاطین واجنا قابض ہیں انھیں اتارنے کی سعی پیہم کریں اوراس زبان ماہ وش کو دیوہائے سیاہ کے بے رحم چنگل سے آزاد کروائیں۔‘‘(۱۳۱)

اوپر کی مثال داستانی رنگ کی عمدہ مثال ہے۔

(۱۲)ادق گوئی:

بڑے بڑے مشکل غیر معروف الفاظ اوران کی ترکیبیں اس طرح پر استعمال کی جائیں کہ اوروں پر رعب پڑے لیکن اس کوشش میں خود ہی تمسخر کا مرکز بن جاتے ہیں۔جیسے کوئی کہے:’’شیریں کلامی کی وادی میں ناطقے کے گھوڑے سرپٹ دوڑا رہا تھا۔‘‘ مزاج پوچھنے پر جواب دیا:’’صدر پر انصابِ نوازل ہے۔‘‘ بات صرف نزلہ زکام کی تھی۔سید عباس متقی کے پاس بھی ادق گوئی پائی جاتی ہے۔مثالیں دیکھیے:

’’ہاتھ میں علم وفن کی زمام مار لیے، پشت غضنفر آثار واخبار کی زین سجائے، تلمیح و استعارے کی رکاب میں قدم جمائے، صحرائے فنون متداولہ میں صحیح گفتاری کی منزلیں ایک کرنی پڑتی ہیں۔‘‘(۱۳۲)

ایک عام قاری کو پورا اقتباس پڑھنے کے بعد بھی مطلب سمجھ میں نہیں آئے گا۔اسی طرح اور ایک مثال دیکھیے:

’’وہ لوگ جو تصوف کے رموز سے واقف ہیں نہ عرفان کے علوم سے نہ ان بے چاروں کو تجدد امثال کی خبر ہے نہ ہمت وتوجہ کی۔نہ یہ غریب توحید فی الذات سے خبردار ہیں نہ توحید فی الصفات سے آگاہ، نہ یہ عروج ونزول سے آشنا ہیں نہ حمایت وحفاظت سے، نہ یہ وحدت الوجود سے باخبر ہیں نہ وحدت الشہود سے اور تم ماشاءاللہ اپنے علم وفضل، ذکر ومراقبہ کے سبب فہرست ہائے خطباً وفضلاً میں شامل ہو۔خوگر ذکر واذکار، علم بردار پاس انفاس، پابند اوراد ووظائف اور سب سے بڑھ کر تمہاری پوری زندگی یاد اور ذکر حق کی آئینہ دار اور تمہیں ہی خلافت سے محروم کردیا گیا۔‘‘(۱۳۳)

اوپر کا اقتباس پڑھنے کے بعد صرف یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ممدوح کو خلافت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بقیہ سب ادق جملے ہیں۔

''اب تم سے کیا چھپاؤں، آدمی کا ہر اچھا کام میری مداخلت سے خراب ہو جاتا ہے۔ اس کے نتائج تو تم دیکھ ہی رہے ہو۔ جناب اتنی سنجیدگی سے یہ باتیں کہہ گئے کہ ہم لرز گئے اور ہمیں رہ رہ کر وہ راتیں یاد آنے لگیں جن میں پتا نہیں کتنے تارے ٹوٹے تھے اور کتنے شہاب ثاقب نے اپنے وجود کو متواتے متواتے فضائے بسیط میں خود کو تحلیل کر دیا تھا۔ یاد ہی نہ آیا کہ چاہ حیات میں بہ وقت غوطہ زنی آیا خدا کا نام مبارک یاد آیا تھا یا نہیں۔'' (۱۳۴)

یہ تھیں ادق گوئی کی مثالیں۔

(۱۳) موازنہ:

کسی غیر معروف ہستی کا، کسی نامی گرامی اور شہرۂ آفاق ہستی سے مقابلہ کر کے ہنسی اُڑانا۔ اچھی بھلی شکل وصورت کے آدمی کے سامنے بڑا سا آئینہ رکھ کر اس کی مبتلا ہیئت کذائی پر ہنسنا۔ ویسے تو ہر چیز جگہ پر اپنے ہم دار زاویہ پر ہو تو بے حد سپاٹ دکھے اور آدمی بور ہو جائیں۔ وہ تو جہاں اونچ نیچ الٹ پلٹ ہو وہیں ہنسی پھوٹتی ہے۔ مقررہ فیشن سے ہٹ کر کوئی کپڑے پہنے تو لازمی ہے کہ ہنسی کا موجب ہوگا۔ مگر یاد رہے جب یہی فیشن رفتہ رفتہ قبول کر لیے جاتے ہیں تو پھر ہنسنے والوں کی خود کی ہنسی اُڑ جاتی ہے۔

اسی لیے ہنسی یا ظرافت کی تحریک کے لیے ناموزونیت اور بے ڈھنگے پن کا مشاہدے میں آنا ضروری ہوتا ہے اور جہاں ہم آہنگی کا فقدان ہوتا ہے وہیں پر مزاح پیدا ہوتا ہے۔

''کہنے لگے میاں متقی تم یقیناً متقی ہو لیکن تمہارے ساتھ زیادتی بھی ہوئی ہے۔ پیر بجنت آور شاہ قلندری نے تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔'' (۱۳۵)

اوپر کی مثال میں ممدوح کا موازنہ آور شاہ قلندری سے کیا گیا ہے۔

(۱۴) صنعت معکوس کا استعمال:

صنعتِ معکوس وہ ہے جس میں پہلے ایک بات کہی جاتی ہے اس کے بعد اسی بات کو الٹ کر اس کے برعکس بات کہی جاتی ہے۔ مثلاً

''راوی نے کچرے میں بیڈ رومس دیکھے ہوں ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بیڈ رومس میں کچرا دیکھا ہو۔''(۱۳۶)

سید عباس متقی نے کچرے میں بیڈ رومس اور بیڈ رومس میں کچرا استعمال کر کے صنعت معکوس کو برتا ہے۔

''واقعی جو آنکھیں دیکھتی ہیں دل فوراً یقین کر لیتا ہے لیکن بعد میں جب دل دیکھتا ہے تو آنکھوں کو یقین نہیں آتا۔''(۱۳۷)

(۱۵) تجسیم:

لغت میں تجسیم کے معنی مجسم کرنا یا خدا کے مجسم ہونے کا عقیدہ رکھنا کے ہیں، لیکن صنائع و بدائع میں تجسیم سے مراد لفظوں کی تجسیم کاری ہے:

''چار ٹکڑے کا جوکہ ہمارے حمق پر مسکرا رہے تھے۔''(۱۳۸)

چار ٹکڑے تجسیم کو ظاہر کرتے ہیں۔

(۱۶) فعل کا استعمال:

قواعد کے اعتبار سے فعل وہ لفظ ہے جس میں کام کا کرنا یا ہونا پایا جائے۔

''موصوفہ نے تعریف کے بہاؤ کو کچھ یوں تیز کر دیا کہ ہم مع جبہ و دستار اس بہاو میں بہہ گئے۔''(۱۳۹)

سید عباس متقی کے ہاں دوسری مثال دیکھیے:

''سنتے ہیں کہ انسانوں میں صرف غنڈوں ، پہلوانوں ، ملاؤں اور بادشاہوں کی لاتعداد بیویاں ہوتی ہیں جن پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا اور جو انگلی اٹھاتا ہے وہ مع انگلی کے دنیا سے اٹھ جاتا ہے۔''(۱۴۰)

ایک اور مثال دیکھیے:

''نظموں کی نظمیں یاد کرلیا کرتا۔ سالہا سال کلاس میں فرسٹ آتا رہا۔ ہم جماعت فرسٹ آنے کی آرزو لیے مدرسہ سے نکل گئے لیکن پرویز سے آگے نہ نکل سکے۔''(۱۴۱)

سید عباس متقی کے رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز ہیں جن کی بابت وہ اوپر کی مثال میں گویا ہوئے۔

(۱۷) تضحیک:

کسی کی ذاتیات پر حملہ کرنا اور اس کی عام صفات کو اس طرح گرا کر پیش کرنا کہ وہ دوسروں کی نظر میں ہنسی اور مذاق کا مرکز بن جائے۔

جب مذاق یا ٹھٹھے کا نشانہ کوئی خاص قباحت یا عام رجحان ہو تو وہ طنز یہ ظرافت ہے۔ اسی کو تعریض و تنقیص کہتے ہیں۔ اس میں شائستگی تہذیب اور سنجیدگی ہوتی ہے۔ بالعموم دکھاوے کے طور پر خود پر چوٹ ہوتی ہے لیکن اشارہ کسی اور پر ہوتا ہے۔

> ''ایک شخص کی بات نکلی تو کہنے لگے کہ وہ تو اپنے شاگرد کی تخلیق پر زندہ ہے، دوسرے کی بات نکلی تو کہنے لگے کہ وہ تو استاد کی تدہین پر جی رہا ہے۔ یہ زہر خواہ کتنا ہی سچ کیوں نہ ہو جب لوگ پیتے ہیں تو مر جاتے ہیں۔'' (۱۴۲)

ایک اور مثال دیکھیے:

> ''ڈاکٹر صاحب ہمیشہ چاق و چوبند رہتے ہیں، وقت کے اس قدر پابند کہ لوگ اپنی سیل کی گھڑیاں ملا لیتے ہیں، ذرا دیر ہو جائے تو بہت خفا ہوتے ہیں اور جب خفا ہوتے ہیں تو ان کا چوکڑا ان کی مرضی کے خلاف متزلزل ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ ہم نے انھیں چوکڑے کے بغیر دیکھ لیا لگا زندگی میں پہلی بار دل سے مسکرر ہے ہیں۔'' (۱۴۳)

دل سے مسکرانے والی بات مضحکہ خیز ہے۔

(۱۸) پھبتی:

ٹیڑھے کسیلے جملے کسنا، ٹھٹھا کرنا ار طعنہ زنی کرتے ہوئے آوازے کسنا۔ ساتھ ساتھ کسی کی معصومیت، پارسائی یا نیکی کا مذاق اڑانا، کسی کی خامی کو نمایاں کرنے کے لیے سخت قسم کی تشبیہہ استعمال کرنا کہ جو پھب کر رہ جائے۔ ایسی تمثیل جڑنا جو چپک کر رہ جائے۔

> ''ایک مشاعرے میں موصوف لہک لہک کر غزل پڑھ رہے تھے، جب لہک میں قدرے اضافہ ہوا تو ان کی زلفیں ہر مصرع پر وجد کرنے لگیں اور جب اس لہک میں

فلک آثار اضافہ ہوا تو حسب عادت دیرینہ انھوں نے اپنے ہاتھ اپنی جیبوں میں
ڈال لیے اور جانب مقطع رواں ہوئے۔ایک شعلہ طرار نے آوازہ کسا! حضرت
ہاتھ میں کیا ہے؟''(۱۴۴)

اوپر کی مثال میں حضرت ہاتھ میں کیا ہے؟ استعمال کر کے پھبتی کسی گئی۔

(۱۹) عباس متقی کے مزاحیہ کردار:

سید عباس متقی نے اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کے لیے کچھ مزاحیہ کردار تخلیق کیے ہیں جس سے ان کے مزاح نگاری، ثریا آثار ہو جاتی ہے۔ چوں کہ سید عباس متقی راست گو آدمی ہیں اور برجستہ گوئی بعض وقت مشکلات پیدا کر دیتی ہیں۔ سید عباس متقی اتنے راست گو ہیں کہ فرضی ناموں اور مزاحیہ کردار بھی قارئین کو چوٹ لگا دیتے ہیں۔ سید عباس متقی نے مزاحیہ کردار کے طور پر بہت سے نام استعمال کیے ہیں جن کا تذکرہ یہاں بے محل ہوگا۔ ذیل میں چند اقتباسات دیے جاتے ہیں جن سے سید عباس متقی کے مزاحیہ کردار رونما ہوتے ہیں۔

''آیئے اب آپ کو ان سے ملاؤں جو کتے کے مقابلہ میں ''رینگ'' رہے ہیں۔میں
نام تو نہیں لوں گا۔کوئی ہے۔گھڑو خان نواب بے چارے کی نوابی چلی گئی۔''(۱۴۵)

اس مثال میں گھڑو خان ایک فرضی نام ہے یعنی یہ سید عباس متقی کا مزاحیہ کردار ہے۔

''رستم بیگ نے جب سے ایم۔اے کیا ہے کچھ زیادہ ہی بدتمیز ہو گئے ہیں۔''(۱۴۶)

اس مثال میں رستم بیگ مزاحیہ کردار ہے۔

''ایک گھنٹہ ہوٹل میں بیٹھتے ہیں دوسرے گھنٹے کی ابتدائی ساعتوں میں چائے
منگواتے ہیں۔بل دوسروں کو دینی پڑتی ہے۔ان کا یار غار چراغ شاہ انھیں دیکھ کر
بہت جلتا ہے۔''(۱۴۷)

اس مثال میں چراغ شاہ سید عباس متقی کا مزاحیہ کردار ہے۔

''چنو کے کتے کے علاوہ ہمیں محبوب بی کی بکریوں اور ان کے عاشق نام دار اور کافی
صحت مند بوکڑوں سے بہت بڑی شکایت ہے۔ہماری گلی محبوب بی کی بکریوں کی خوش
بو سے از صبح تا شام پہاڑی پھول کی طرح مہکتی رہتی ہے اور ان بکریوں کی مینگنیاں تازہ
کلیوں کی طرح ہماری راہ میں مدام بچھی رہتی ہیں۔''(۱۴۸)

مذکورہ مثال میں چنّو اور محبوب بی ان کے مزاحیہ کردار ہیں۔

''پاشو آپا کی مرغیوں نے تو ہماری ناک میں دم کر رکھا ہے بلکہ دم کرنے کے لیے ناک پر اکتفا کرنا خود ہم سمجھتے ہیں کہ ناک کی توہین ہے۔'' (۱۴۹)

یہاں پاشو سید عباس متقی کا مزاحیہ کردار ہے۔

''ایک دن تو پتا نہیں ابو شیر کی گائے کو کیا ہوا، دندناتی ہوئی، عالم توحش میں پہلے ہمارے گھر میں گھس پڑی اور اندر گھستے ہی اپنے عقبی دروازے کو وا کر دیا اور دفعۃً گرم گرم گوبر سے ہمارا مختصر سا آنگن ''گرین لینڈ'' ہو گیا۔'' (۱۵۰)

اس مثال میں ابو شیر سید عباس متقی کا ایک اور مزاحیہ کردار ہے۔

''شبنم بڑی شریر واقع ہوئی ہیں ایک دفعہ ہم نے نہایت رومانٹک موڈ میں کہا تھا، کہا کیا تھا گزارش کی تھی کہ ہمارا نام سیدھا سادا عباس ہے تم ہمیں عباس کہہ لو، کہنے لگیں اگر عباس کو مخفف کر کے ''ابو'' کہہ لوں تو! یہ سن کر تو ہم اپنا خالی سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور شبنم کے لطیف و معنی خیز قہقہوں سے فضا مسحور ہو گئی۔'' (۱۵۱)

اوپر کی مثال میں شبنم کو ان کا مزاحیہ کردار سمجھنا چاہیے۔

''کیٹ! میری اولاد ایسی نہیں میں نے انھیں دین سکھایا ہے دین کا محض چغہ نہیں پہنایا ہے۔ بہت مودّب اور متدین واقع ہوئے ہیں تمہیں صرف زبان سے ماں نہیں کہیں گے بلکہ دل و جان سے تسلیم بھی کریں گے۔ مرزا ملعون کی اولاد کی طرح اپنی سوتیلی ماں کو نہ گھر سے نکالیں گے اور نہ مرزا معتوب کے بچوں کی طرح باپ کو بے دخل کریں گے۔'' (۱۵۲)

یہاں مرزا ملعون اور مرزا معتوب سید عباس متقی کے مزاحیہ کردار ہیں۔

''یہ ہماری بے وقوفی ہی تو تھی جو ابو شیر کو اپنی گلی میں دروازہ کھول لینے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی پھر اس نے بد دیانتی کا ثبوت دیتے ہوئے ہماری مرضی کے بغیر دوسرا دروازہ نکال لیا۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ یہ دور احسان فراموشی کا نہیں احسان کشی کا دور ہے۔'' (۱۵۳)

ابو شیر سید عباس متقی کا فرضی نام اور ایک مزاحیہ کردار ہے۔

''ہمارے ایک دوست ہیں میاں فخر نواب چوں کہ فخر ان کے نام کا جز ہے اس لیے بھی شاید وہ خود ساختہ فخر ومباہات کے دریا میں ہمیشہ غوطہ زن رہتے ہیں۔انھیں اپنے علم و دانش نیز حفظ و بینش پر اتنا غرور ہے کہ جہاں انٹرویو دینے جاتے ہیں اپنی موشگافیوں اور موروثی گستاخیوں کے طفیل انٹرویو لینے والوں کا انٹرویو لے آتے ہیں۔''(۱۵۴)

اوپر کی مثال میں فخر نواب بھی سید عباس متقی کا ایک مزاحیہ کردار ہے۔

''احباب دل نواز نے مشورہ دیا کہ **چنو پٹیل** کی ملگی خالی ہوگئی ہے،اسے کرایہ پر لے کر شام کے اوقات میں مرچیاں تل کر بیچا کریں،دو گھنٹے کی مصروفیت اور دامن بھر کمائی۔ پھر ہمیں بعض رئیس اشخاص کے نام بتائے گئے جو مرچیاں بیچ کر کروڑ پتی بن گئے ہیں اور ہمیں یقین دلایا گیا کہ ہندوستان میں ترقی کے لیے مرچیاں لگانا ہی ضروری نہیں مرچیاں بیچنا بھی کافی ہوتا ہے۔مرچیوں کے ساتھ گلگلے،بھجیئے اور آلو بونڈے بھی سلیقے سے فروخت کیے جاسکتے ہیں۔**پاشومیاں** نے تو اس کاروبار میں سرمایہ لگانے کا آفر بھی دے دیا لیکن جب ہم نے یہ کہا کہ ہم اصلی پھلی کے تیل میں مرچیاں تلیں گے،حقیقی بیسن کا استعمال کریں گے ہائی بریڈ اور طویل طویل بدمزہ مرچیوں کو ہرگز استعمال نہیں کریں گے تو یاروں نے مشورہ دیا کہ اس کاروبار کا خیال دل سے نکال دیں۔''(۱۵۵)

درج بالا مثال میں چنو پٹیل اور پاشومیاں دونوں ان کے مزاحیہ کردار ہیں۔

''ہمارے ساتھ ساتھ پروفیسر قربان شاہ کو تھمیر کو بھی مدعو کیا گیا جب کہ وہ ریاضی کا پروفیسر ہے محض بقول شوکت تھانوی ایک تخلص بہ عنوان داشتہ بہ کار آید رکھ چھوڑا ہے۔''(۱۵۶)

پروفیسر قربان شاہ کو تھمیر بھی سید عباس متقی کا مزاحیہ کردار ہے۔

''یادش بخیر نواب ڈل مل بیگ نے شہر کے معروف،مصروف اور معتبر شاہ راہ پر ہوٹل کھولی تھی اور اس خوف سے کہ کوئی آنچ نہ آئے شہر کے کمشنر سے اس کا افتتاح کروایا تھا لیکن قسمت خراب ہو تو سنتے ہیں کہ اونٹ پر بیٹھنے والے کو بھی نصیب کا کتا کاٹ ہی لیتا ہے۔''(۱۵۷)

نواب ڈل مل بیگ،سید عباس متقی کا ایک اور مزاحیہ کردار ہے۔

(۲۰) لطیفہ گوئی:

لطیفہ ایک چھوٹی حکایت ہوتا ہے۔اس کی کہانی میں انوکھا پن ہوتا ہے۔کچھ تعجب انگیز باتیں بھی ہوتی ہیں،ایسے موڑ ہوتے ہیں کہ جس سے سنسناہٹ سی پیدا ہوجاتی ہے کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے کسی نے چٹکی لے لی اور گدگداہٹ سارے جسم میں پھیل جاتی ہے۔اس میں کہیں طنز ہوتا ہے تو کہیں رمزو کنایہ، بدیہہ گوئی، کہیں چشمک حاضر جوابی، بذلہ سنجی تو کہیں برجستہ گوئی لیکن بہرصورت اور ہر حال میں ایجاز واختصار ضروری ہیں۔اگر طوالت پکڑے تو پھر وہ لطیفہ نہیں رہتا۔لطافت، شستگی اور طرز بیان کی حلاوت اور البیلا پن، یہ سب لطیفے کی جان ہیں ورنہ وہ کشیفہ بن جاتا ہے۔

> ''انجمن کے قیام کے ساتھ ہی یہ طئے پایا کہ اس انجمن کا ایک صدر بھی ہونا چاہیے۔کہا گیا کہ جو اس مایہ ناز انجمن کا صدر بننے کا خواہش مند ہے وہ ہاتھ اٹھائے۔اتنا سننا تھا کہ سارے ہی کاہلوں نے بادل ناخواستہ اپنے ہاتھ اُٹھائے لیکن مرزا سست رفتار جو خود ایک عظیم الشان کاہل تھے اپنا ہاتھ نہیں اٹھایا۔ایسا نہیں کہ وہ صدارت کے امیدوار نہ تھے بلکہ انھوں نے اپنی موروثی کاہلی کے سبب ہاتھ اٹھانے میں لیت ولعل سے کام لیا۔لوگوں نے پوچھا تو کہا کہ ہاں بھئی! میں بھی صدارت کا امیدوار ضرور ہوں لیکن اتنی بھی جلدی کیا ہے، ہاتھ ہی تو اٹھانا ہے کبھی اطمینان سے اٹھالیں گے۔اتنا کہہ کر مرزا نے اپنی آنکھیں موندلیں اور کاہلوں کو اس انجمن کا صدر مل گیا۔'' (۱۵۸)

سید عباس متقی نے ایک اور لطیفہ وضع کیا ہے۔دیکھیے:

> ''ایک دن کہنے لگیں کہ میں اپنے پاس ادبا وشعرا کی تصاویر رکھ لیتی ہوں پتا نہیں کب ضرورت پڑجائے،موت کب آنے والی ہے کسے پتا ہے اور یہ کہتے کہتے کئی ایک ضعفا کی تصاویر نکال کر ہمیں دکھائیں اور ہم یہ دیکھ کر لرز گئے کہ ان تصاویر میں خود ہماری بھی ایک تصویر تھی، پھر بتایا کہ جب محترمہ سلطانہ شرف الدین صاحبہ کا انتقال ہوا اخبار میں دینے کے لیے ان کے گھر سے بھی کوئی اچھی سی تصویر نہ مل سکی لیکن میں نے ان کی ایک تصویر رکھ چھوڑی تھی اور میں نے اس بری خبر کے ساتھ ان کی وہ اچھی سی تصویر شائع کروائی۔ہم نے کہا کہ آپ اس نیک کام کو جلد جلد نہ ادا کریں ورنہ لوگ آپ کو اپنی

تصویر دے کر اپنی موت کے تصور میں کھو جائیں گے۔ بعض لوگوں کو موت سے بہت ڈر لگتا ہے کہیں صاحب مزاح خواتین اپنی حریف کو یہ کہہ کر نہ چھیڑنے لگیں کہ راہ پر آجایئے ورنہ ناز صاحبہ کو آپ کی تصویر دے دوں گی۔'' (۱۵۹)

مظفر النساء ناز کی عادت شریفہ کو سید عباس متقی نے لطیفے کا رنگ دیا ہے۔

(۲۱) طنز:

سماج کی ناہمواریوں کو دیکھ کر اگر غصہ آیا اور اس کا اظہار کیا جائے تو طنز تخلیق ہوتا ہے۔ مثلاً

''اب یہی دیکھیے رزق کو رزق کہنے والے جامعات میں برسر روزگار ہیں اور اپنی بغلوں میں ید بیضاء کی طرح اپنی تصانیف دبائے رزق کے مارے بال جبرئیل کی بجائے دو کا پہاڑہ یاد دلاتے ہیں۔'' (۱۶۰)

اس طنز کے بعد ایک اور طنز کی مثال دیکھیے:

''ایک ضعیف آدمی سے میں نے دریافت کیا کہ حضرت آپ نے یہ کچرا پھینکنے کی زحمت کیوں گوارہ کی۔ حضرت نے اپنے پوپلے منہ سے جواب دیا میر دو لڑکے ہیں ایک ڈاکٹر ہے، دوسرا انجینیئر کچرا باپ نہیں پھینکے گا تو کون پھینکے گا۔'' (۱۶۲)

اوپر کی مثال میں ماڈرن تہذیب پر زبردست طنز ہے۔

''میں نہایت بدصورت و بدہیئت کچرے کی کنڈی ہوں اس لیے بیزار ہو گئے۔ اسمبلی اور پارلیمنٹ کی طرح نہایت عالی شان اور خوبصورت نہیں ہوں نا۔۔۔'' (۱۶۳)

اس مثال میں سید عباس متقی نے کچرے کی کنڈی کو پارلیمنٹ سے تشبیہہ دے کر طنز پیدا کیا۔

لیڈر جس قدر جاہل ہوا اسی قدر اس کی قدر و منزلت ہوتی ہے اور بہ اعتبار جہالت قلم دان سونپے جاتے ہیں اور ہم ایک جاہل کو ''قلم''، ''دان'' دیے جانے پر اپنے قلم کو توڑ دینا چاہتے ہیں اور سعدی سے گلہ کرتے ہیں۔ قلم گفتہ کہ من شاہ جہانم؟'' (۱۶۴)

جاہل کو قلم دان سونپے جانے پر طنز کیا گیا ہے۔

ہمیں اس موقع پر ہمارے وہ دوست یاد آ رہے ہیں جو کبھی ہمارے جاں نثار، غم گسار، ہم پیالہ و ہم نوالہ بلکہ ہم کار و ہم بے کار ہوا کرتے تھے جوں ہی خدا نے انھیں عظیم عہدوں

سے نوازا انھوں نے اس درجہ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ فرمایا کہ یاروں کی یاری ہی نہیں خود یاروں کو بھی فراموش کر دیا۔ انھیں یاد ہی نہیں رہا کہ ہم سب کبھی ایک ڈال کے پنچھی ہوا کرتے تھے۔'' (۱۶۵)

اوپر کے اقتباس میں سید عباس متقی نے اپنے دیرینہ دوستوں پر طنز کیا ہے۔

''اس عہد میں تو روسا وامرا تک دوسری مرتبہ شیروانی پہننے سے گھبرا رہے ہیں تو مصطفیٰ ٹیلر جیسا نہایت شریف النفس اور سلیم الطبع آدمی کہاں اس کوچۂ خاردار میں قدم رکھے گا۔'' (۱۶۶)

یہاں دوسری شادی کے متعلق معاشرے پر زبردست طنز پیش کیا گیا ہے۔

''مرغیاں ویسے ہوتی بہت ڈھیٹ ہیں مدت سے انسانی صحبت سے فیض یاب ہیں اس لیے ان کے اندر انسانوں کی ہٹ دھرمی پیدا ہو گئی ہے، کیا مجال جو ہماری ''ہش'' پر توجہ دیں۔'' (۱۶۷)

اس مثال میں انسانوں کی ہٹ دھرمی پر سید عباس متقی نے طنز کیا ہے۔

''ہم دونوں اڑتے اڑتے بندروں کی آماجگاہ میں جا پہنچے اور آواز دی۔ ظاہر ہے کہ ہم نے ہی آواز دی کیوں کہ ہم جانور ابھی اتنے تو ہم پرست نہیں ہوئے ہیں کہ الو کی آواز کو منحوس خیال کریں۔'' (۱۶۸)

انسانوں میں الّو کو منحوس سمجھا جاتا ہے جس کے متعلق سید عباس متقی نے طنزیہ لہجہ استعمال کیا ہے۔

''پتا نہیں احمقوں نے ہمارے بندر کا رشتہ انسان جیسی مخلوق سے کیوں جوڑ دیا، بندر کہاں اور انسان کہاں، بندر کبھی بندریا کو چھوڑ کر کسی بندر سے شادی نہیں کرتا بلکہ بندر اتنا شریف النفس جانور ہے کہ ایسی غیر شریفانہ بات اس کے ذہن میں بھی نہیں آ سکتی، لیکن انسان پر تعجب ہے کہ ہزاروں غیر شریفانہ کام انجام دیتا ہے پھر بھی خود کو اشرف المخلوقات کہنے سے باز نہیں آتا۔'' (۱۶۹)

مذکورہ مثال میں لواطت کی نحوست اور انسانوں میں اس کے فروغ پر سید عباس متقی نے طنز کیا ہے۔

''غراب وحشی، تو حش کے عالم میں پنجے جوڑ کر کہنے لگا، برادرم کیا عرض کروں، اب جنگل ہمارے رہنے کے لائق نہیں رہا۔ افسوس صد افسوس ہمارا جنگل اب دھیرے دھیرے تہذیب یافتہ شہر ہوتا جا رہا ہے۔'' (۱۷۰)

اس اقتباس میں ماڈرن تہذیب پر زبردست طنز ہے۔

''یہاں تو باپ کے دوسری شادی کرنے پر خود اولاد باپ پر تیزاب پھینک کر اسے اندھا کر دیتی ہے تا کہ آئندہ کوئی اپنے لختِ جگر کو آنکھ کا تارا نہ کہہ سکے۔'' (۱۷۱)

اس اقتباس میں بھی سید عباس متقی نے ماڈرن تہذیب اور معاشرے پر طنز کسا ہے۔

''غریب افراد امیر ہو سکتے ہیں، امیر افراد غریب لیکن لیڈرس صرف امیر ہوتے ہیں اور سلسلہ وار امیر ہوتے رہتے ہیں۔'' (۱۷۲)

نام نہاد رہنماؤں اور لیڈروں پر اس سے بڑھ کر طنز کیا ہو سکتا ہے۔

''شیرانِ دشت وجبل کو فروگزاشت کر دیا جاتا ہے اور لکڑ بگھوں کے سروں پر تاجِ شہنشاہی رکھ دیا جاتا ہے۔ چند ٹکوں کے عوض کم ظرف احمقوں کو مصوّر فطرت اور بے وقوفوں کو شہنشاہِ ظرافت کہنے سے نہیں چوکتے۔ بے وقوف نا اہلوں کے نمبر نکالتے ہیں اور جس کے نمبر نکالتے ہیں اسے نمبری بلکہ دس نمبری کہنے سے نہیں چوکتے۔'' (۱۷۳)

اوپر کی مثال میں نا اہلوں کو اہل قرار دیے جانے کے بیان پر طنز ہے۔

''ہندوستان میں اردو میں یا شاعری ہوتی ہے یا لوگ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں۔'' (۱۷۴)

شاعری کو گالیوں سے تشبیہ دے کر اردو زبان کی زبوں حالی پر طنز کیا گیا ہے۔

''تمہارے ہاں جو گالیاں ہوتی ہیں وہ دو حرفی ہوتی ہیں یا زیادہ سے زیادہ سہ حرفی۔ مزہ نہیں آتا ابھی گالی کی تمہید سے کان آشنا ہی نہیں ہو پاتے کہ گالی ہی ختم ہو جاتی ہے۔ دو حرفی سہ حرفی گالی نہیں ہوتی گالی کے نام پر توہین ہوتی ہیں۔ کبھی جو حیدرآباد آئیو تو گالی سنیو اور گالی کا مزہ لیجیو۔ معانی ومطالب نہ پوچھنا، یہاں گالیاں بے معنی ہوتی ہیں بلکہ بعض وقت تو سوچنا پڑتا ہے کہ یہ گالی زنانہ ہے کہ مردانہ۔'' (۱۷۵)

اس مثال میں گالیوں کے توسط سے جدید تہذیب پر طنز کیا جا رہا ہے۔اس کے بعد ذیل میں ایک اور دوسرا اقتباس دیکھیے :

''دوستوں کے ساتھ کچھ دشمنوں سے نبرد آمائی ہو، رفیقوں کے ساتھ رقیبوں کے دانت کھٹے کر دیں (ہمارے کچھ رقیب منہ میں ہمارے خلاف گالیاں ضرور رکھتے ہیں لیکن ذاتی دانت ہی نہیں رکھتے جو کھٹے کیے جا سکیں) کاسۂ استقرار تھامے مختلف دانش گاہوں کے چکر کاٹے، ہمیشہ دھتکار دیے گئے۔(ہمارے ہاں رشوت دینے کے لیے بارہ لاکھ کہاں جو چودہ طبق روشن ہو سکیں) در نوازشات پر دخل الباب کیا، لیکن بے سود، عقل مندوں نے ہمارے والد ماجد کا نام پوچھنے کی بجائے اپنے والد محترم کا نام پوچھا اور ہم نے بھی اپنے والد محترم کا نام بتا دیا۔''(۱۷۶)

اوپر کی مثال میں تعلیمی اداروں میں ہونے والی رشوت ستانی پر سید عباس متقی نے طنزیہ لہجہ روا رکھا ہے۔ذیل میں طنز کی ایک اور مثال دیکھیے :

''مظلوم لڑکی کی راکھ چیخ رہی ہے کہ اے آزاد ملک کے آزاد باسیو! کیا وہ تمام شمعیں بجھ گئیں جنھیں سارے ملک نے روشن کیا تھا، کیا وہ تمام دل خاموش ہو گئے جنھوں نے میری حالت زار پر دھڑکنا سیکھا تھا۔کیا ان آنہوں نے چپ سادھ لیا جو کئی سینوں میں اٹھ اٹھ کر ''ہمیں انصاف چاہیے'' کے نعرے لگائے تھے۔کیا وہ آنکھیں بند ہو گئیں جنھوں نے میری مظلومیت پر خون بہائی تھیں۔کوئی جواب نہیں، ملک آزاد ہے اور آزاد ملک کا قانون اپنا کام کر رہا ہے اور دنیا جانتی ہے کہ قانون کی رفتار رفتارِ مور سے کچھ تیز نہیں ہوتی۔''(۱۷۷)

درج بالا اقتباس میں سید عباس متقی نے ملک کے قانون کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔

''اگر کوئی گھس پیٹا امریکا بنا میرے آس پاس چلا آتا ہے تو پھر میں بھی اپنے خداداد خنجر تیز کرنے لگتا ہوں میری آنکھوں کا رنگ بدل جاتا ہے، گردن کے پر مانند بال طاؤس کھڑے ہو جاتے ہیں۔پینترے پر پینترے بدلنے لگتا ہوں۔اس دوران میری گردن ذکر حق میں گردش کرنے لگتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے دو عشاق جاں بیزار ایک دوسرے سے بھڑ جاتے ہیں۔ہم میں انسانوں کی خو بو نہیں ہوتی کہ کمپر مائز کر لیں۔''(۱۷۸)

سید عباس متقی نے مذکورہ مثال میں مرغ کے توسط سے انسانوں پر طنز کیا ہے۔

''یہ اور بات ہے کہ جب مزاج محبت بام عروج پر پہنچ جاتا ہے تو دانہ دکھا کر اور اگر شومئ تقدیر سے دانہ دستیاب نہ ہو تو کنکر دکھا کر کسی کالی، پیلی، سفید یا چتکبری مرغی کو آواز دیتا ہوں۔ میری مرغیاں بھی انسانوں کی ماداؤں کی طرح بڑی نافرمان ہوتی ہیں۔ یوں ہی بلاؤں تو انجان بن جاتی ہیں اس لیے لازماً مجھے کنکر کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ یہ ہمارے ہاں دھوکہ نہیں ضرورت ہے۔'' (۱۷۹)

اس اقتباس میں بیویوں کی نافرمانی پر طنز کسا گیا ہے۔

''آج بہت سے باادب لوگ اس لیے باادب ہیں کہ ادب ہی سے ان کی ملازمت چل رہی ہے۔ آج اگر یہ ذرا حق گوئی پر اتر آئیں تو کل یہ کالج کی سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتے بلکہ اپنے پیروں سے چل بھی نہیں سکتے کہ بعض بزرگان ملت ہاتھ پاؤں کے بھی بہت مضبوط ہوتے ہیں۔'' (۱۸۰)

تعلیمی اداروں میں کی جانے والی چاپلوسی کو حدف طنز بنایا گیا ہے۔

''رستم بیگ اپنے بنگلے کو دکھاتے ہوئے مرمر کی قیمت بتارہے تھے۔ یہاں دو لاکھ کا مرمر لگا ہے، یہاں پانچ لاکھ کا، دروازے دکھائے تو کہا یہ ڈھائی لاکھ کے ہیں، کھڑکیاں دکھائیں تو کہا چار لاکھ کی ہیں۔ ان کی زبان پر ہزار کا فیگر تھا ہی نہیں گویا اسے اچھوت جان کا الگ کر دیا ہو۔'' (۱۸۱)

ماڈرن دور میں کی جانے والی تعمیرات پر طنز کیا گیا ہے۔

''بچوں کو سرکاری مدرسوں میں پڑھاتے ہیں جس سے ان کا اخلاق اور مستقبل دونوں خراب ہو رہے ہیں اور ہم اسے اپنی مجبوری نہیں بلکہ اردو زبان سے محبت کہتے ہیں۔'' (۱۸۲)

اردو والوں کی زبوں حالی پر اس سے بڑا طنز کیا ہوسکتا ہے کہ جو اوپر کی مثال میں بیان کیا گیا ہے۔

(۲۲) پھکڑ پن:

بازاریوں کی طرح گالی گلوچ کرنا، شائستگی سے ہٹ کر شستہ خیالی کے بغیر ہزلیات سے کسی کا مذاق اڑانا۔ آواز کے اتار چڑھاؤ سے کسی کو چڑھانے اور رَچ کرنا۔ ایسی گندہ اور متبذل باتیں کہنا کہ سننے والا شرما جائے۔

''فخر عالم کے دوستوں، ہمدردوں اور بہی خواہوں میں پروفیسر رحمت یوسف زئی،
پروفیسر یوسف کمال اور جناب مظہر مجاز کے نام روشن ہیں لیکن جناب مظہر مجاز
سے فخر عالم کا قارورہ خوب ملتا ہے۔''(۱۸۳)

اوپر کی مثال میں قارورہ خوب ملتا ہے کہہ کر تحریر میں پھکڑ پن کے ذریعہ مزاح پیدا کیا گیا ہے۔ایک اور مثال دیکھیے :

''ہمارا گھر اتنا بڑا کہاں کہ گائے اور بیل ہنی مون منا سکیں۔''(۱۸۴)

گائے اور بیل کا گھر میں ہنی مون منانا پھکڑ پن کی مثال ہے۔

(۲۳)ایجاز:

کسی کے کہے ہوئے جملے یا مقبول عام محاورے کے الفاظ میں اختصار یا ردو بدل سے مزاح پیدا کرنا۔اس ترکیب میں الٹ پھیر اتنا نہیں کیا جاتا کہ اصل رنگ سرے سے غائب ہو جائے۔اصلی ڈھانچہ قائم رکھ کر اس کی تراش خراش کچھ اس طرح کی جاتی ہے کہ باوجود اختصار کے اصلی رنگ قائم رہتا ہے۔جیسے:

''تو ند آمد شروانی برخواست''(۱۸۵)

جو دراصل ''آب آمد تیمّم برخواست'' والے محاورۂ فارسی میں ردو بدل کر کے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۲۴)بے معنی مزاح:

بے موقع، غیر متعلق، غلط سلط مذاق کر کے خود ہی ہنسی کا نشانہ اور مرکز بن جانا بے معنی مزاح ہے۔یہ ایک طرح کا اپنے آپ سے فرار ہے۔حماقت کا مرقع اور بے ڈھنگے پن کی تصور۔اس قسم کا مذاق بالعموم کسی غیر معقول سوال اور اس کے اتنے ہی بے معنی جواب سے پیدا ہوتا ہے۔کہنے والا سمجھتا ہے کہ اس نے بڑا اچھا مذاق کیا ہے اور سننے والا اس کی کم عقلی پر ہنستا ہے۔اس قسم کا مزاح اکثر و بیشتر سوال و جواب کی شکل میں ہوتا ہے۔

''سعودیہ سے آنے والوں کا بیان ہے۔دروغ برگردنِ راوی کہ وہاں کچرے میں
موٹر کاریں تک نظر آتی ہیں۔کاش ہم بھی سعودیہ میں ہوتے تو موٹر نشین ضرور
ہوتے۔''(۱۸۶)

بے معنی مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

''ویسے ہمیں ٹیلرنگ سے کافی دلچسپی رہی ہے، ہم اپنے لڑکپن میں سوچا کرتے تھے کہ بڑے ہوکر ہم ''لیڈیز ٹیلر'' بنیں گے۔''(۱۸۷)

باتوں میں صنف نازک کا تذکرہ کرکے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

''کشورِسخن کے بے تاج بادشاہ گردانے جاتے لوگ ہمیں محبت سے ظل سبحانی کہتے اور ہم آواز لگاتے ''جو دیا اس کا بھلا اور جو نہ دیا اس کا بھی بھلا''۔''(۱۸۸)

بادشاہ اور فقیر کے ملے جلے کردار کے ذریعے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

''ہم تو بہت خوش ہیں کہ ہمارے شاگردوں میں ایک لائق اور فطین شاگرد کا اضافہ ہوا ہے۔اب انھیں اگر ہماری شاگردی اختیار کرکے افسوس ہو رہا ہے تو ہم ان کے افسوس میں برابر کے شریک ہیں۔''(۱۸۹)

استاد اور شاگرد کے مقدس رشتے میں انحراف کے ذریعے بے معنی مزاح پیدا کیا گیا ہے۔

''ہم نہایت عجلت میں اپنی خاندانی شیروانی کو زیب تن کیا، سر پر کشمیری کلاہ رکھی بغل میں ''لگے ہاتھوں'' دو ایک نسخے رکھے اور جانب منزل، دو منزل کی ایک منزل کرتے ہوئے چل پڑے۔کوٹھی کے پھاٹک تک پہنچے تھے کہ دربان نے روک دیا۔ ہم نے دیکھا کہ دو ایک کاریں تو فراٹے بھرتی ہوئی بلا روک ٹوک اندر چلی گئیں اور ہم ٹھہرا لیے گئے۔دربان کو کیا معلوم کہ ایشیا کا ایک عظیم قلم کار آیا ہے، گو کار سے نہیں آیا ہے۔''(۱۹۰)

مبالغے کے ذریعے بے معنی مزاح پیدا کیا گیا ہے۔

''ہمیں کوفت اس وقت ہوتی ہے جب لوگ ہماری موجودگی سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور اس اعلیٰ ترین ایوارڈ کے لیے ایسے افراد کا نام لیتے ہیں جو ہرگز اس مایہ ناز ایوارڈ کے لیے مناسب وموزوں نہیں۔بھئی یہ بھارت رتن ایوارڈ ہے کوئی کھیل نہیں جو کمر مٹکانے والوں، گلیسرین کے آنسو بہانے والوں اور ناچنے والوں کو دیا جائے۔''(۱۹۱)

تکبر آمیز لہجے میں فلمی اداکاروں پر طنز کرتے ہوئے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

''عہد لڑکپن میں ہم پر نشانہ بازی کا بھوت سوار ہوگیا تھا، دن رات غلیل لیے اِدھر اُدھر مارے مارے پھرا کرتے تھے۔لوگوں میں اچھے خاصے چڑی مار مشہور بھی ہوگئے تھے۔

ان دنوں جو قسمت کا مارا پرویز ہمارے گھر آیا تو ہمارے ہاتھ میں غلیل تھی۔ہم اسے اپنے پختہ نشانہ باز ہونے کا قصہ سنانے لگے کہ کس مشق و مداولت سے ہم نے اس فن میں جو سینہ بہ سینہ بزرگوں سے چلا آرہا ہے،کمال حاصل کیا ہے۔پرویز کو ادھر کچھ شک ہوا اور ادھر ہم نے اس کے سر پر سلور کا گلاس رکھ دیا اور ارشاد فرمایا کہ تم ابھی مابدولت کی نشانہ بازی کے فن کو اپنی آنکھ سے دیکھو گے (اگر آنکھ سلامت رہے)اور پرویز سر پر گلاس لیے مغل اعظم کی مرحوم مدھوبالا کی طرح کھڑا رہا اور ہم شیخو المعروف بہ شیخ چلی بنے غلیل میں ایک پتھر رکھ کر بسم اللہ کر دی۔'' (۱۹۲)

بے معنی مزاح پیدا کرنے کے لیے ڈینگیں ماری جارہی ہے۔

(۲۵)افکار:

فکر کی جمع افکار ہے اور فکر ہر تخلیق کار میں موجود ہوتی ہے خواہ وہ شاعری ہو کہ ادیب، محقق ہو کہ مدبر، نقاد ہو کہ مترجم، معلم ہو کہ مبصر۔ان میں سے ہر کوئی فکری جہت رکھتا ہے۔اگر طنز ومزاح نگار میں اعلا افکار ہوں تو اس کی مزاح نگاری بام عروج پر پہنچتی ہے۔مثال دیکھیے:

''ہم مرغ لوگ ہیں،گھونٹ گھونٹ پر شکر بجالاتے ہیں، بلکہ جب تک سر کو شکر کے لیے جانب آسمان ہم اٹھانہ لیں پانی کا گھونٹ ہی ہمارے حلق سے نہیں اترتا۔'' (۱۹۳)

اوپر کی مثال میں نہایت ہی چھوٹی بات پر فکر کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

''ایذا رساں صوفی خدا رسا ہو یہ ممکن ہی نہیں۔حقیقی صوفی کو وجد میں آنے کے لیے کرایہ کے قوالوں کی ضرورت نہیں ہوتی وہ لوہار کی ضرب پر رقص کرنے لگتا ہے۔وہ دلوں کی مستی کو مہمیز دینے والی صداؤں کے متمنی ہوتے ہیں، انھیں ٹوٹے ڈبے سے غرض ہوتی ہے نہ قیمتی رباب سے،وہ ریل کے انجن کی سیٹی سے مدہوش ہو جاتا ہے، جل ترنگ کا ان انتظار نہیں کرتا۔بچے کی کلکاری ہو کہ کوئل کی آواز اس کے لیے ہر آواز، آواز حق ہے۔جب دل پاک ہوتا ہے تو ہر آواز میں ادراک ہوتا ہے اور جب دل ناپاک ہوتا ہے تو تلاوت وحی سے بھی آنسو نہیں بہتے۔'' (۱۹۴)

محفل سماع پر طنز کرتے ہوئے سید عباس متقی نے حقیقی سماع کی فکر پیدا کر دی ہے۔ذیل میں ایک اور مثال دیکھیے:

''عدالتوں کی اونچی اونچی دیواروں پر ترازو کی ایک تصویر اتار لینے سے کہیں قوم وملت کو انصاف ملتا ہے۔ عدل کی موہوم دیوی کی آنکھ پر علامتی پٹی باندھ دینے سے عدل و انصاف کے ڈنکے بج نہیں جاتے، فاختہ کی چونچ میں شاخ زیتون دے دینے سے دنیا میں امن قائم نہیں ہو جاتا۔ جھوٹی گواہی اور رشوت خوری نے عدالتوں سے انصاف ہی کو صاف کر دیا ہے۔''(۱۹۵)

اوپر کا اقتباس انسانون کو فکر پر آمدہ کرتا ہے۔

''وہاج بھائی نے شال پوشی کی اور حضرت العلامہ مفتی خلیل احمد شیخ الجامعہ نے تہنیت پیش کی اور ایک نہایت عمدہ دیواری گھڑی عطا فرمائی تا کہ ہم وقت کا اندازہ کرتے ہوئے وقت کو پہچاننے کی کوشش کریں۔ یہ وقت بھی عجیب شئے ہوتا ہے نہیں ہوتا ہے تو قدر ہوتی ہے۔''(۱۹۶)

وقت کے قدر کرنے کی اہمیت اوپر کی مثال میں بیان کرتے ہوئے فکر کی ترغیب دی گئی ہے۔ ایک اور مثال دیکھیے:

''مشیت الٰہی کے آگے ہر آدمی سجدہ ریز ہے، وہ بھی جس نے آدمی کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ کاتب تقدیر نے جس کام کا جسے اہل گردانا خواہی نخواہی وہ اسی کام میں مشغول نظر آتا ہے۔''(۱۹۷)

اوپر کی مثالوں میں فکر وافکار کی باتیں بتائی گئی ہیں۔

(۲۶) چونکانا:

مزاح نگاری کا ایک فن یہ بھی ہے کہ مزاح نگار کسی موضوع پر بات کرتے کرتے ایسی چبتی ہوئی یا حیرت انگیز بات کر دیتا ہے کہ جس سے قاری چونک جاتا ہے۔ مزاح نگاروں میں یہ فن ہمیں مشتاق احمد یوسفی کے ہاں بکثرت ملتا ہے۔ چونکانے کا عمل ایسے حقائق پر مبنی ہوتا ہے کہ جس میں کبھی زبردست طنز ہوتا ہے تو کبھی ایسی واضح حقیقت ہوتی ہے جس کو عموماً پردۂ خفا میں رکھنے سے ہی عافیت ملتی ہے۔ مزاح نگار وہ ہوتے ہیں جو انسانوں کے مذاق پر جرح وتعلیل کر بیٹھتے ہیں، جس سے ایک طرف مزاح پیدا ہوتا ہے تو دوسری طرف انسان بدحواس ہو کر چونک جاتا ہے۔ اس نوع کی مثالیں سید عباس متقی کی تحریروں میں ملتی ہیں۔ ذیل میں ایسی ہی چند مثالیں دی جا رہی ہیں:

''انھیں اس بات کا دکھ ہے کہ اساتذۂ فن نے کبھی دل کھول کر اپنے شاگردوں کو اپنا فن نہیں سکھایا بلکہ اپنے فن کو اپنے شاگردوں سے چھپاتے رہے اور مزید افسوس کا مقام ہے کہ ''اخفائے فن'' کا سبق انھوں نے اپنے اساتذہ سے حاصل کیا تھا۔'' (۱۹۸)

اوپر کے اقتباس میں اساتذہ کے اخفائے فن پر زبردست طنز کیا گیا ہے۔

''اردو جان لیوا، لہجہ کٹار انداز تیر اور الفاظ خنجر تھے۔ شعر آنکھوں کی راہ سے دل میں اتر گیا۔ ہم نے کہا ہم تو آپ کی کرامت کے دل سے قائل ہو گئے لوگ آنکھوں کی راہ سے دل میں اتر آتے ہیں اور آپ تو کانوں کی راہ سے دل میں اتر آئی ہیں۔'' (۱۹۹)

چونکانے کے عمل کی ایک اور مثال دیکھیے:

''جو انھیں ایک بار دیکھتا ہے بس دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ اب خدا معلوم کیا سمجھ کے دیکھتا ہے۔ کچھ لوگ تو ان کی طویل اور بل کھائی ہوئی زلفوں کے سبب ڈر بھی جاتے ہیں پتا نہیں یہ کیا کر گزریں۔ بچے اپنی ماؤں سے چمٹ جاتے ہیں اور مائیں اپنے بچوں کے باپوں سے۔'' (۲۰۰)

سید عباس متقی نے ڈاکٹر فخر عالم آعظمی کی شباہت کے متعلق اس قول پر کہ 'بچے اپنی ماؤں سے چمٹ جاتے ہیں اور مائیں اپنے بچوں کے باپوں سے' کہہ کر چونکا دیا ہے۔

''اگر فخر عالم کبھی علم و ادب کی ناہمواریوں اور صاحبان علم و ادب کی ناانصافیوں سے گھبرا کر یا خود ادب سے اوب کر ادبی دنیا کو خیر باد کہتے ہوئے طبی دنیا میں قدم رکھیں تو ہمیں یقین ہے کہ ان کا یہ کاروبار بھی خوب ''چل'' پڑے گا اور ہم اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان ہی کے بغل میں دکان تجہیز و تکفین کھول لیں گے۔'' (۲۰۱)

اوپر کی مثال میں نیم حکیم خطرِ جاں والا معاملہ 'دکان تجہیز و تکفین کھول لیں گے' کہہ کر چونکا یا گیا ہے۔

''دل تھا کہ مانتا نہ تھا کہ یہ حضرت ابلیس ہیں۔ ہم نے کہا قبلہ کیوں جھوٹ بول رہے ہو؟ اچھے خاصے آدمی ہو اور خود کو شیطان کہہ رہے ہو۔ کہنے لگے میں نے آج تک جھوٹ نہیں بولا۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین پر تم سے زیادہ ایقان رکھتا ہوں۔'' (۲۰۲)

یہاں ابلیس کا 'لعنۃ اللہ علی الکاذبین' کہنا چونکا دیتا ہے۔

''شبنم بڑی شریر واقع ہوئی ہیں ایک دفعہ ہم نے نہایت رومانٹک موڈ میں کہا تھا، کہا کیا تھا گزارش کی تھی کہ ہمارا نام سیدھا سادا عباس ہے تم ہمیں عباس کہ لو، کہنے لگیں اگر عباس کو مخفف کر کے ''ابو'' کہہ لوں تو! یہ سن کر تو ہم اپنا خالی سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور شبنم کے لطیف و معنی خیز قہقہوں سے فضا مسحور ہوگئی۔'' **(۲۰۳)**

اس اقتباس میں سید عباس متقی کے قلم سے شبنم کا عباس کی بجائے ''ابو'' کہنا چونکا دیتا ہے۔

(۲۷) مزاحیہ پیکر:

پیکر تراشی ایک فن ہے جس میں مختلف پیکر بنائے جا سکتے ہیں۔ سید عباس متقی مزاحیہ پیکر پر مشتمل نثر تخلیق کرنے پر قدرت رکھتے ہیں:

''گوشت کے نام پر چند ہڈیاں دانت پیسنے پر اکسا رہی تھیں۔'' **(۲۰۴)**

ایک اور پیکر دیکھیے:

''ہم عینک لگا کر دیکھ رہے ہیں کہ تمہارے اندر بھی ہماری طرح کا کوئی زبردست مجذوب چھپا ہوا ہے جو اکٹوپس کی طرح کئی دست اور وصف دست درازیاں رکھتا ہے۔'' **(۲۰۵)**

اوپر کی مثال میں دل میں مجذوب کا دیکھنا پیکر کی مثال ہے۔

''ہم نے بعض کاہلوں کو اس درجہ کاہل دیکھا ہے کہ مدتوں ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔ جب دیکھیے عالم مستی میں محض انگڑائیاں لی جا رہی ہیں اور ان معنی خیز انگڑائیوں کا روح پرور نتیجہ کچھ بھی نہیں۔ اب ان کاہلوں کو کون سمجھائے کہ محض سستی و کاہلی سے انگڑائیاں لینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ انگڑائیوں کے خم سے دھنک بھی تو پھوٹنا چاہیے۔'' **(۲۰۶)**

مذکورہ اقتباس میں انگڑائیوں کے خم سے قوس وقزح کا پھوٹنا رنگین پیکر ہے۔

(۲۸) مزاحیہ توجیہ:

وضاحت کے ساتھ اپنی بات کو ظاہر کرنا توجیہ کہلاتا ہے۔ اگر اس توجیہ میں طنز و مزاح کی خوبو پائی جائے تو مزاحیہ توجیہ تشکیل پاتی ہے:

''ہوٹل کے مالکین بھی ہوٹلوں کو سجا سنوار کر ہر قسم کے ماکولات و مشروبات سے مزین کر دیتے ہیں تا کہ روزے دار روزے کو شدت سے محسوس کریں اور ثواب میں اضافہ ممکن ہو سکے۔'' **(۲۰۷)**

ذیل میں مزاحیہ توجیہ کی ایک اور مثال دیکھیے :

''امریکا کے مقتدر حضرات اگر کاہلی کو اختیار کریں تو ساری دنیا میں امن اور آشتی کا پرچم لہرانے لگے۔'' (۲۰۸)

یہ بھی مزاحیہ توجیہ کی ایک مثال ہے۔

(۲۹) مزاحیہ تمثیل:

تمثیل نگاری اردو ادب کی ایک توانا صنف ہے۔ اگر مزاح نگاروں کے ہاں مزاحیہ تمثیل ہو تو ان کی مزاح نگاری بام عروج پر ہوگی۔ سید عباس متقی مزاحیہ تمثیل کی فکر بھی رکھتے ہیں :

''کیا بھلے دن تھے، عنفوان شباب کا زمانہ بھی کیا غضب کا زمانہ ہوتا ہے، جب دیکھیے مرغیوں اور پاٹوں کا ذکر چھیڑے رہتے۔ کبھی نوعمر پاٹوں کے حسن و جمال پر فدا رہتے تو کبھی جہاں دیدہ مرغیوں کی جسامت پر غور کرتے رہتے، کبھی منڈیر پر چڑھ کر پڑوس کی مرغیوں کی خیر خیرت دریافت کرتے تو کبھی جھانپ سے برآمد ہوتی ہوئی انڈوں پر آئی ہوی نازک اندام پاٹوں کا مشاہدہ کرتے۔'' (۲۰۹)

اوپر کی مثال مزاحیہ تمثیل کی ایک اچھی مثال ہے۔

''بے چارا مرغ ہو کر مولے کی طرح اڑنا چاہتا ہے، چیل کو دیکھ کر چیختا ہے، شاہین کو دیکھ کر آہیں بھرتا ہے، میں اسے لاکھ سمجھاتا ہوں کہ پرواز کی تقسیم روز ازل ہو چکی جو ہونا ہے اسے خدا نے تحریر فرمادیا ہے۔ لوح محفوظ میں اب تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں۔ سر نیچا کیے دانہ دنکا چگتے رہو، پروں کو پھڑ پھڑا کر بانگ دیتے رہو، گھر کا آنگن، دیوار کی منڈیر، چھت اور چھجہ تک اپنی پرواز کو معراج سمجھو، دیگر پرندوں کو دیکھ کر دل نہ جلاؤ، شکر کرو گے تو نعمتوں میں اضافہ ہوگا۔ شکر کرنے کے لیے محض ایک فکر کافی ہے لیکن مرغ ہو یا آدمی فکر کرتا ہے نہ شکر کرتا ہے۔'' (۲۱۰)

اس کے بعد ایک اور مزاحیہ تمثیل دیکھیے :

''میں مرغ ہوں محض چار مرغیوں پر اکتفا کرنا میرے لیے نہیں۔ میرے حرم میں چالیس چالیس مرغیاں اپنے حسن و شباب کے ساتھ مدام جلوہ گر رہتی ہیں۔ انصاف میرا وتیرہ ہے، سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہوں۔ گو انسانوں کی طرح اپنے حرم کا نان نفقہ مجھ پر واجب نہیں لیکن دانہ ملتے ہی پہلے اپنی ازواج کو بلاتا ہوں اور اگر وہ سیر ہوں تو آپ کھاتا ہوں۔'' (۲۱۱)

اسی طرح ایک اور تمثیل دیکھیے :

''یا للعجب کہ اس پون روٹی کے لیے بھی لوگ آپس میں کتوں کی طرح لڑ رہے ہیں۔ ایک غرا کے گھستا ہے اور دوسرا دم دبا کے نکل جاتا ہے، پہلا پھر مکرر نیز زبردست غراہٹ کے ساتھ داخل ہوتا ہے تو بھگانے والا خود دم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔ پتا نہیں یہ سگ بازیاں کب تک چلتی رہیں گی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم و تعلیم گاہ دونوں پر وقت آ گیا ہے۔'' (۲۱۲)

اوپر کی تمثیل کے بعد یہ بھی مثال دیکھیے :

''میری آواز کتنی پاٹ دار ہے، میرے پر کتنے خوش رنگ واقع ہوئے ہیں۔ میری دم کتنی سوالیہ نشان، میرے انداز و تیور کتنے بانکے، لیکن میں پانچ گز اڑ نہیں سکتا اور کوا، کوا ہو کر پہزار گز اڑا جا رہا ہے۔'' (۲۱۳)

اس طرح سید عباس متقی کی تحریروں میں مزاحیہ تمثیل کے نمونے بھی ملتے ہیں۔

(۳۰) تہذیبی شعور:

کسی بھی تخلیق کار کے لیے تہذیبی شعور کا ہونا از بس ضروری ہے۔ مضمون نگار میں جتنا زیادہ تہذیبی شعور ہوگا اتنا ہی اس کا مضمون اخوت اور اہمیت کا حامل ہوگا۔ تہذیبی شعور انسان کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر غور و خوض کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ سید عباس متقی میں تہذیبی شعور بدرجہ اتم موجود ہے جس کا ثبوت ہمیں ان کے بیشتر مضامین سے ہو جاتا ہے:

''شیروانی صاحب توند کے لیے نہیں۔ صاحب توند حضرات کے لیے سوٹ بلکہ تھری پیس سوٹ بہترین لباس ہے۔ کوٹ کا بٹن کھول لیجیے اب توند کی مرضی ہے جتنی دادا گری فرماتی ہے فرمالے۔'' (۲۱۴)

تہذیبی شعور کی ایک اور مثال دیکھیے :

''شیروانی اور چوڑی دار پاجامہ گویا لازم و ملزوم ہوتے ہیں اور اگر چوڑی دار میں ''چمپا'' کا اہتمام رکھا جائے تو اس کی دیدہ زیبی میں چار چاند لگ جاتے ہیں، شرط یہ ہے کہ چوڑی دار پاجامہ اس درجہ چست ہو کہ اس کے پہننے میں شدید تکلف ہو اور وہ بغیر کاغذ یا پلاسٹک کے چڑھنے کا نام ہی نہ لے۔'' (۲۱۵)

یہ بھی دیکھیے :

''شیروانی اور چوڑی دار کے ساتھ پاؤں میں سوائے جڑاوی یا جلسے کے دوسرا جوتا بھلا معلوم نہیں ہوتا ہم شو یا ڈوری دار دوسرے نمبر پر آتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی قیمتی کیوں نہ ہوں۔تاہم جڑاوی کو شوخ نہیں ہونا چاہیے ورنہ چوڑی دار اور شیروانی کی دیدہ زیبی متاثر ہوسکتی ہے۔''(۲۱۶)

سید عباس متقی کی تحریروں میں تہذیبی شعور پایا جاتا ہے۔

(۳۱) تاریخ سے استفادہ:

تاریخ کی کتابوں میں ایسی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں کہ جن سے حاکم وقت کے آگے سوال کرنے والا بار دیگر سائل نہیں رہتا بلکہ عطاؤں ،نوازشوں اور بخششوں کے عوض خود بھی سائلوں کی مدد و نصرت کرسکتا ہے۔

''کاش محترمہ نے پشت پناہی کے ساتھ ساتھ نور جہاں بن کر پشت پر ہاتھ بھی رکھ دیا ہوتا تو رشک نور الدین ہوتے۔''(۲۱۷)

ملکہ نور جہاں جو ممتاز محل کے نام سے بھی جانی جاتی ہیں اور جن کے وصال پر بادشاہ وقت شہنشاہ شاہ جہاں نے ان کی یاد میں تاج محل تعمیر کروایا تھا،جن کے بارے میں مشہور ہے۔ وہ جن کی مدد کرتی تھیں وہ دوبارہ دوسروں کی مدد کرنے کی اہلیت رکھتا تھا۔

(۳۲) سنین تقابلی جائزہ:

اس میں ایک سال کے واقعے یا واردات کو کسی مشہور واقعے یا واردات سے جور دیا جاتا ہے۔جیسے:

''روش بھائی نے ۱۹۶۰ء میں یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور اسی سال پیلیس ٹاکیز میں مدھو بالا کی شہرۂ آفاق فلم مغل آعظم ریلیز ہوئی۔''(۲۱۸)

سنین تقابلی جائزے کی دوسری مثال دیکھیے ۔

''لوگوں کو آج بھی مولانا آزاد کی سالگرہ کا روز یعنی ۱۱رنومبر یاد نہیں لیکن دلیپ کمار کی سالگرہ کا دن ۱۱ردسمبر ضرور یاد ہے۔''(۲۱۹)

اوپر کی مثال میں حالاں کہ تاریخ ایک ہی ہے لیکن ان میں ایک علمستان سے ہے تو دوسرا فلمستان سے۔

(۳۳)ادبی تنقید:

اردو ادب میں جہاں تحقیق کا سکہ چلتا ہے وہاں تنقید بھی اس سکے کا دوسرا رخ قرار پاتا ہے۔دراصل تنقیدی صلاحیت ہر تخلیق کار میں فطری طور پر پائی جاتی ہے۔اگر یہ کہا جائے تو بے جا نا ہوگا کہ تنقید،تحقیق،تخلیق،تفتیش اور دیگر ادبی اصطلاحات کی شاہ کلید ہے۔اس طرح ادبی تنقید بھی ادب کی ترقی اوراس کی ترویج میں مدد ومعاون ثابت ہوتی ہے۔سید عباس متقی کے ہاں ادبی تنقید کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ذیل میں دیے گئے نمونوں سے میرے اس قول کی تصدیق ہو جائے گی:

> ''وہ ہر شاعر کے کلام کو اغلاط سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں۔لوگ ان سے بات بھی کرتے ہوئے گھبراتے ہیں،پتا نہیں کب کون سا لفظ اپنے حقیقی تلفظ سے ہٹ کر خارج ہو جائے اور کون سا لفظ تذکیر و تانیث کے جھگڑے میں پڑ جائے یا خود جملہ ہی تاقید لفظی کا شکار ہو کر صرف ونحو کے قواعد سے اتر جائے اور بھری محفل میں آبرو کا پیرہن اس کا ساتھ دینے لگے۔فخر عالم کو جان لینا چاہیے کہ یہ حیدرآباد ہے یہاں لوگ محبت سے باتیں کرتے ہیں قواعد سے نہیں۔یہاں شاعری دل سے کی جاتی ہے دماغ سے نہیں۔''(۲۲۰)

اوپر کی مثال کے بعد یہ بھی دیکھیے:

> ''بھولو مت کہ اب مزاح نگاروں کو بھی فرسودہ حال شاعروں کی طرح قصیدہ خوانی کیے بغیر چارہ نہیں۔تمہارے عنوانات کیا ہیں کچرا،کچرے سے ہیرے کبھی برامد نہیں ہوتے بلکہ تعفن حاصل ہوتا ہے۔میں جب بھی تمہارا کچرا سنتا ہوں مجھے افسوس ہوتا ہے کہ بلا وجہ ایک لائق شخص نے اپنا وقت بر باد کر دیا۔مزاح نگاری کی اٹھان لفظ و بیان میں پوشیدہ نہیں بلکہ خود مزاح کے میلان میں پوشیدہ ہے۔''(۲۲۱)

اور یہ بھی دیکھیے:

''مرزا غالبؔ نے بہت کچھ لکھا لیکن پیشکشی میں اس درجہ احتیاط برتی کہ چھلکوں کے ڈھیر کو پردہ اتلاف میں چھپا کر محض مغز قلیل کی پیشکشی پر اکتفا کی ،اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا ہر مصرع محاورہ اور ہر شعر از بر ہے۔''(۲۲۲)

مرزا غالبؔ کے اس اقتباس کے بعد پطرس بخاری کے متعلق یہ بھی دیکھیے :

''پطرس بخاری نے اگر اپنا تمام لکھا شائع کر دیا ہوتا تو وہ پطرس بخاری نہ ہوتے بلکہ شوکت تھانوی ہوکر رہ جاتے۔''(۲۲۳)

اوپر کی سب مثالیں ادبی تنقید کے زمرے میں آتی ہیں۔

(۳۴)ادبی روایتوں کا استعمال:

سید عباس متقی ادبی روایتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ ادبی روایتیں اردو زبان وادب کی مستحکم ومتین روایات ہوتی ہیں کہ جن سے ماضی کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ اس کی ایک مثال دیکھیے :

''آج اگر اقبالؔ زندہ ہوتے تو ہم اس مرد''مومن'' سے''مرزا نوشہ'' کی طرح یہی کہتے کہ حضرت ہمارا سارا کلام لے لیجیے اور ہمیں یہ ایک مصرع عطا فرما دیجیے۔''(۲۲۴)

سید عباس متقی نے ادبی روایتوں کا استعمال کیا ہے۔

(۳۵)قرآنی آیات کا استعمال:

آیتوں کا استعمال بھی سید عباس متقی بہت عمدگی سے کرتے ہیں۔بعض دفعہ عربی متون جوں کہ توں اخذ کر لیتے ہیں اور بعض دفعہ صرف اردو ترجمے پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عربی متون کے علاوہ اردو ترجمہ بھی دے دیا کرتے ہیں تا کہ سند رہے۔ذیل میں منتخبہ اقتباسات دیے جا رہے ہیں:

''میں نے ڈانٹ کر بچوں سے دریافت کیا کہ آخر تم لوگ اس طرح پٹ کیوں رہے ہو؟ یہ انداز گفتگو سوال ظالم سے نہ ہو بلکہ مظلوم سے ہو۔میں نے خالق کونین سے سیکھا ہے۔بروز حشر خداوند عالم زندہ در گور کر دیے جانے والی معصوم بچی سے پوچھے گا۔**بای ذنب قتلت**۔''(۲۲۵)

اوپر کے اقتباس میں تیس ویں پارے کی سورت، سورۂ تکویر پوری آیت کو استعمال کیا گیا ہے۔

''خدا ہماری ضعیفی پر رحم کھا کر جوانوں کو رزق دیتا ہے اور جوان ہم ضعیفوں کو کچرا سمجھتے ہیں۔ بھول جاتے ہیں **وبا الوادین احسانا**۔''**(۲۲۶)**

اوپر کی مثال میں قرآنی آیت کا ایک ٹکڑا لیا گیا ہے جس میں والدین کی حرمت بتائی گئی ہے اور ان کے احسان کا ذکر موجود ہے۔

''فخر عالم جو بھی سندر کھتے ہیں وہ جعلی نہیں حقیقی ہوتی ہے۔ اگر ارباب فن وفتن اپنے مفادات کے لیے ان کی اسنادات کو جعلی قرار دیں بھی تو وہ ہماری طرح مجبور و معذور و مجہول نہیں کہ محض **لعنۃ اللہ علی الکا ذبین** کا نعرہ مار کر خاموش ہو جائیں۔''**(۲۲۷)**

اس کے بعد نیچے ایک اور اقتباس دیکھیے:

''اب اسے شگوفہ سے بے پناہ عشق اور فن طنز و مزاح سے بے پناہ لگاؤ ہی کہہ سکتے ہیں۔ یہ ان کے عشق حقیقی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے بیشتر رسالے خدا کو پیارے ہو گئے حتی اینکہ شمع جیسا دلچسپ رسالہ بجھ گیا لیکن شگوفہ ہے کہ اپنی بہاریں لٹا رہا ہے۔ **ذالک فضل اللہ یوء تیہ من یشاء**۔''**(۲۲۸)**

یہ بھی دیکھیے:

''آج جو وہ دکھ یاد آتے ہیں ہم اپنی نادانیوں پر ہنس پڑتے ہیں۔ واقعی آدمی کے بڑا ہو جانے کے بعد اس کے دکھ کتنے چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ ہم سوچتے ہیں کہ اللہ والوں کو کوئی دکھ کیوں نہیں ہوتا، یعنی وہ اتنے بڑے ہو گئے ہیں کہ ہر بڑے سے بڑا دکھ ان کے عزم وایمان کے سامنے چھوٹا بلکہ معدوم ہو گیا ہے اور پھر دھیرے دھیرے ہمیں **لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون** کے معانی ومطالب سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔''**(۲۲۹)**

اوپر کی مثال کے بعد ذیل میں سورہ ہمزہ کی آیتیں دیکھیے:

''تعجب تو مجھے ان لوگوں پر ہوتا ہے جو نہایت خوش لحن آواز میں جھوم جھوم کر باوضو پڑھتے ہیں ''**الذی جمع مالاو عددہ ،یحسب ان مالہ اخلدہ، کلا لینبذن**

فی الحطمة ''اور پھر نہایت خساست کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے گن گن کر بھی رکھتے ہیں۔'' **(۲۳۰)**

سورہ الھمزہ کی تین آیات استعمال کی گئی ہیں۔

''جب ہم نے تمام جوڑ توڑ سیکھ لیے اور عبارت نویسی کی باری آئی تو استاد محترم نے ارشاد فرمایا کہ کل ہم تمہیں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھنا سکھائیں گے۔'' **(۲۳۱)**

اوپر کے اقتباس میں سورہ فاتحہ کی پہلی آیت دیکھی جا سکتی ہے۔

(۳۶) احادیث نبوی ﷺ کا استعمال:

سید عباس متقی کے تحریروں میں آیتوں کے استعمال کے ساتھ ساتھ احادیث نبوی ﷺ کا استعمال بھی ملتا ہے۔ وہ بعض وقت حدیث کا عربی متن استعمال کر لیتے ہیں اور بعض دفعہ صرف اردو ترجمے سے اپنی تحریروں کو زینت دیتے ہیں۔

''جب تیج پال گوا آیا تھا تو اس کا استقبال کیا گیا تھا اور جب کہ اب چادر جرم اوڑھے آیا ہے تو سیاہ جھنڈیوں کے ساتھ اس پر لعنت بھیجی جا رہی ہے۔ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔ پولیس والے اسے کتے کی طرح لیے لیے پھر رہے ہیں، دوسرے ہوس پرست بوڑھوں کے لیے اس کی شخصیت ایک علامت عبرت بن گئی ہے۔ اب تیج پال میں بھونکنے کے لیے بھی دم نہیں، اب اس پر دوسرے بھونک رہے ہیں، جن پر وہ کبھی جی بھر بھونک چکا ہے، کما تدین تدان ۔ اب بڈھے شائد ہی کسی لڑکی کو چھونے کی کوشش کریں۔'' **(۲۳۲)**

اوپر کی اقتباس میں **کما تدین تدان** استعمال ہوا ہے۔

(۳۷) اقوال زریں:

قول کی جمع اقوال ہے یعنی ایسی باتیں جو مقولے کی حیثیت رکھتی ہوں، اقوال زریں کہلاتی ہیں۔ سید عباس متقی کی تحریروں میں بعض جملے ایسے بھی ہیں جن پر اقوال زریں کا گمان ہوتا ہے۔ ذیل میں چند جملے لکھے جاتے ہیں:

''دو چپاتیاں کھانے والے دونوں جہاں میں محبوب بلکہ محبوب الٰہی ہو گئے۔'' **(۲۳۳)**

اس کے بعد مزید دیکھیے :

''غالبؔ کو سمجھنے کے لیے بھی حلال روزی شرط اول ہے۔''(۲۳۴)

اور یہ بھی دیکھیے :

''انھیں معلوم ہی نہیں مس کال دینا گالی دینے کے مترادف ہے۔''(۲۳۵)

ذیل کا یہ قول دیکھیے :

''یہ ضد ہے ہی وہ چیز کہ بندے تو بندے خدا کو بھی منوا لیتی ہے۔''(۲۳۶)

اس قول زریں کے بعد دیکھیے :

''نکاح سے بچوں کی کلکاریاں نصیب ہو تی ہیں اور بدکاریوں سے بیماریاں۔''(۲۳۷)

آ گے دیکھیے :

''اپنی آمدنی کی ہرگز فکر نہ کریں ہر عورت اپنا رزق اور اپنی بھوک دونوں اپنے ساتھ لاتی ہے۔''(۲۳۸)

ایک اور مثال دیکھیے :

''اللہ دولت تو دے لیکن دولت پر غرور نہ دے۔''(۲۳۹)

یہ اقتباس بھی دیکھیے :

''خزاں کتنا ہی ناپسندیدہ کیوں نہ ہو مدام عہد بہار کا آئینہ دار ہوتا ہے۔''(۲۴۰)

سید عباس متقی کی تحریروں میں قول زریں کی مثالیں ملتی ہیں۔

(۳۸) فارسی جملوں کا استعمال:

سید عباس متقی کی نثر میں بعض بعض موقعوں پر فارسی نثر کے جملے بھی ملتے ہیں۔ اور کبھی فارسی اشعار کا استعمال بھی برمحل کیا جاتا ہے۔

''ڈاکٹر صاحب کا چہرہ بہت نورانی ہے۔ معلوم نیست کہ آیا این نورانیت از وجہ نیک اعمالیست کہ از سبب خوش حالیست ولیکن ما خوش گمان ہستیم بدین سخن اول را ترجیح بدہیم وگرنہ بیشتر مردمان لندن خوشرو مرفع الحال شوند لیکن صاحب حال وصاحب کمال نہ شوند، ماشاء اللہ اس عمر میں بھی وہ نوجوانوں کی طرح چاق و چوبند اور مستعد نظر آ رہے تھے۔''(۲۴۱)

اوپر کی مثال کے بعد مزید دیکھیے :

''قسمت مان کہ بہ این ہمہ تحصیل سند دکتری و پیش دکتری ہنوز بچہ ہائے ہفتم و ششم را گائے اور بکری یا آدمی نامہ می آموزیم ،آموختن ساقی نامۂ اقبال در نصیب مانیست ۔''(۲۴۲)

اوپر کا اقتباس از ابتدا تا آخر فارسی زبان میں ہیں ۔

''جب حافظ شیرازی سے پوچھا گیا کہ حضرت والا آپ نے اپنے معشوق کے تل پر کس کی اجازت سے ثمر قند و بخارا کو قربان کر دیا تو انہوں نے مسکرا کر یہی فرمایا تھا کہ ''مرضی من مرضی دیگران را احتاج نیست'' اب میری مرضی کا کیا جواب ہوسکتا تھا۔''(۲۴۳)

اس مثال میں فارسی کی آمیزش ہے۔

(۳۹) فارسی شاعری کا استعمال:

سید عباس متقی نے اپنی اردو نثر میں بعض بعض موقعوں میں فارسی شاعری کا استعمال برمحل کیا ہے۔ یہاں چند مثالوں سے توثیق کی جائے گی:

''ہم نے اپنے مبارک و مسعود محلّہ ''یاقوت پورہ'' کو پورے کا پورا اپنے معشوق کے رخسار گل گوں کے ایک تل سیاہ پر اپنی نوازشِ ناگہاں و فیاضیٔ بے کراں کو روبکار لاتے ہوئے قربان فرما دیا ہے اور حافظ کے تتبع میں حافظ ہی کے ایک شعر کو قدرے ترمیم کے ساتھ یوں ادا فرمایا ہے کہ ؎

اگر آن ''چاندنی بیگم'' بدست آورد دل مارا بخال ہندوش بخشم ھمہ یاقوت پورارا''(۲۴۴)

اس مثال میں حافظ شیرازی کا فارسی شعر استعمال ہوا ہے۔

سید عباس متقی مصرعوں کا استعمال بھی کیا کرتے ہیں۔بعض وقت ان کے استعمال کردہ مصرے ضرب المثل کا کام کر جاتے ہیں جیسے:

''بڑے میاں چلے گئے تو ہم نے دوسرے ضعیف العمر شخص سے خطاب کیا۔ جو کچرے سے جوتوں کی ڈوریاں بیچ رہا تھا جو غلطی سے کچرے میں آ گئی تھیں ۔ میں بہت حیران ہوا کہ کیا کچرا بھی تلاشا جاتا ہے۔مگر فوری خیال آیا اس مشاہدہ کا میں تنہا شاہد نہیں۔ غالباً مرزا غالبؔ بھی اسی تجربے سے گزرے تھے۔تبھی تو انھوں نے کہا تھا'' کریدتے ہو جواب راکھ جستجو کیا ہے۔''(۲۴۵)

اوپر کی مثال میں غالبؔ کا مصرع استعمال ہوا ہے۔

''ایک دن ہم چائے پینے ایک ہوٹل میں گئے تو بیرے کی طویل اور بل کھاتی ہوئی زلفوں کو دیکھ کر عالم نے ایک سرد آہ بھری اور اپنی زلفوں پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور عالم تاسف میں کہا ''اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی''۔ وہ اپنے ہر مدعا کو شعر میں کہنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔'' (۲۴۶)

ذیل میں اقبالؔ کا مشہور مصرع دیکھیے:

عالم نے اقبالؔ کا سارا کلام پڑھ لیا ہے سوائے اس ایک مصرع کے ''وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ'' اور ہمارا یہ عالم ہے کہ اقبالؔ کے کلام سے محض اس ایک مصرعے پر اپنی ساری توانائی و ہمت اور توجہ مبذول کر رکھی ہے۔'' (۲۴۷)

ذیل میں مضطر مجاز اور فخر عالم آعظمی کی منظوم گفتگو دیکھیے:

'' کہتے ہیں کہ مضطر مجاز نے شاعری میں گفتگو فرماتے ہوئے مصرع ارشاد فرمایا کہ ''کرنی ہیں مجھ کو آپ سے باتیں ڈٹیل میں'' اس پر عالم نے گرہ لگائی کہ ''بلوا لیں مجھ کو لنچ پہ ہوٹل سہیل میں'' اور پھر واقعی مضطر مجاز نے انھیں ہوٹل سہیل میں نہ صرف بلوایا بلکہ حسب روایت لنچ بھی دیا۔'' (۲۴۸)

مذکورہ اقتباس میں سید عباس متقی یہ کہنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ فخر عالم اعظمی بہت پڑھا لکھا ارقابل لڑکا ہے۔ اقبالؔ کے پورے کلام کو سمجھتا ہے اور اب تک شادی نہیں کی ہے۔

''مرزا نوشہ نے میرے ذکر سے اپنے دیوان کی بسم اللہ کی ہے۔'' کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا'' فرما کر انھوں نے انسان کو اس کی حقیقت سے آگاہ کیا ہے۔'' (۲۴۹)

اوپر کی مثال میں دیوان غالبؔ کا پہلا مصرع استعمال ہوا ہے۔

''قلم گفتہ کہ من شاہِ جہانم'' ہم نے یہ شہرہ آفاق مصرع پہلی مرتبہ اپنے پڑوس میں رہنے والی ایک متدین خاتون نازو بیگم صاحبہ سے سنا تھا۔'' (۲۵۰)

اوپر کے اقتباس میں سعدی کا فارسی مصرع دیکھا جا سکتا ہے۔

''اب اگر ہمارا معشوق ہمارے یاقوت پورہ کو ان تمام باتوں کے ساتھ قبول و منظور فرمالے تو ہم یہی ارشاد فرمائیں گے ''اگر قبول افتدز ہے عز و شرف۔'' (۲۵۱)

اس طرح سید عباس متقی نے اردو، فارسی اشعار کے ساتھ ساتھ دونوں زبانوں کے معروف مصرعوں کو اپنی تحریروں میں موقع کی مناسبت سے جگہ دی ہے۔

(۴۰) مصرعوں میں تحریف:

نصف شعر کو مصرع کہتے ہیں خواہ وہ اول کا ہو یا آخر کا اس طرح دو مصرعوں سے مل کر ایک شعر تشکیل پاتا ہے۔ مصرع مقررہ اوزان میں سے کسی ایک وزن پر مقفیٰ ہوتا ہے۔ بعض دفعہ اپنے مطلب کو پورا کرنے کے لیے ایسے مصرع جو ضرب المثل بن چکے ہے ان میں کچھ تحریف کی جاتی ہے جس سے مصرع کا وزن تو برقرار رہتا ہے لیکن مطلب باقی نہیں رہتا۔ قاری جب اس طرح کے مصرعوں کو پڑھتا ہے تو اسے دوہرا لطف آتا ہے۔ دوہرے لطف کو دوبالا کرنے کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ قاری مصرعے کو جانتا ہو۔ ورنہ لطف نہیں آئے گا۔

> ''میری للکار پر میری تمام مرغیاں چوکنی ہوکر گردن جھکا لیتی ہیں گویا زبان حال سے کہہ رہی ہوں ''سر تسلیم خم ہے جو مزاج مرغ میں آئے''۔'' **(۲۵۲)**

اوپر کی اقتباس میں جو انحراف ملتا ہے وہ اصل مصرع ''سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے'' ہے۔ ذیل میں دیکھیے:

> ''وہ بوڑھے مزاح نگار جو ''ہر دم جوان ہے زندگی'' کا نعرہ مارتے ہیں یا وہ جو اقبال کے پیام ''چلنا چلنا مدام چلنا'' کو دل سے لگائے رکھتے ہیں وہ بھی جب ''چڑھنا چڑھنا مدام چڑھنا'' کا ورد کرتے، ہانپتے ہانپتے شگوفہ پہنچتے ہیں تو ان کی حالت خود ایک شگوفہ سی ہوتی ہے۔'' **(۲۵۳)**

اوپر کی مثال واضح طور پر سمجھی جا سکتی ہے۔

> ''دربان عموماً تندخو تو ہوتے ہی ہیں، یاد تھیں جتنی دعائیں صرف درباں ہوگئیں کے مصداق ہم نے نہایت عاجزی سے مدعائے حاضری بیان کی۔'' **(۲۵۴)**

اوپر کے اقتباس میں معروف مصرع ملتا ہے۔

سید عباس متقی کا ایک مضمون اقبال کے مصرع ''میرے اللہ تو برائی سے بچانا مجھ کو'' سے تحریف ہوکر ''میرے اللہ تو بھائی سے بچانا مجھ کو'' لکھا گیا ہے۔ اقتباس دیکھیے:

''لیکن بھائی لوگوں کی اس ہمہ جہتی فیض رسانیوں کے باوصف جب ہم اپنے گھر سے نکلتے ہیں تو ہمارے لب پر یہی تمنا دعا بن کر نمودار ہوتی ہے کہ'' (۲۵۵)

سید عباس متقی نے اپنی کتاب ناگفتہ بہ میں ایک مضمون ''ہم کو چھٹی نہ ملی اُس نے سبق یاد کیا'' کے عنوان سے لکھا ہے جو دراصل درج ذیل شعر میں تحریف ہے۔ ؎

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

تحریف کے بعد مصرع دیکھیے:

''ہم کو چھٹی نہ ملی اُس نے سبق یاد کیا'' (۲۵۶)

''وما علینا الا البلاغ بلکہ وہ الٹا ہم پر ہی نصیحت و موعظت کے تیر و تفنگ لے دوڑتا۔ کم بخت نے کبھی استاد کی مار نہیں کھائی۔ ہم تو استادوں سے پٹائی کو بھی ایک سعادت سمجھتے ہیں، دیکھو ہمیں جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو۔'' (۲۵۷)

سید عباس متقی نے اقبال کے معروف مصرع میں اس طرح تحریف کی ہے:

''ع لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کو ہنسانے کا'' (۲۵۸)

سید عباس متقی نے غالبؔ کے مصرع ''کون جیتا ہے تیرے زلف کے سر ہونے تک'' میں تحریف کرتے ہوئے اپنے مضمون کا نام ''کون جیتا ہے تیرے سر کیقلم ہونے تک'' رکھا ہے۔ اسی طرح ایک اور مضمون داغؔ دہلوی کے مشہور مصرع ''سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے'' سے انحراف کرتے ہوئے انھوں نے مضمون کا نام ''سارے جہاں میں دھوم ہماری کچن کی ہے'' کیا ہے اور اس مضمون میں دو اور مصرعوں پر تحریف کیے ہیں۔ جن میں سے پہلا ''وجود زن سے ہے دنیا کے ہر کچن کا رنگ'' اور دوسرا ''سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم چکن کری'' ہے۔

(۴۱) اشعار میں تحریف:

شعر کی جمع اشعار ہے۔ لغت میں شعر کے معنی جاننے کے ہیں اور اصطلاح میں اس موضوع کلام کو شعر کہتے ہیں جو مقررہ اوزان میں سے کسی ایک پر ہو۔ جس وقت اشعار میں

تحریف کی جا رہی ہوتی ہے اس وقت اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ عروضی اعتبار سے اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو ورنہ اشعار کی تحریف والا معاملہ صادق نہیں آئے گا۔

سید عباس متقی نے کرکٹ پر لعنت بھیجتے ہوئے شعر میں اس طرح تحریف کی ہے:

''؎ صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے　　　عمر کرکٹ تمام ہوتی ہے''(۲۵۹)

اقبال کے مشہور شعر میں اس طرح تحریف کی ہے:

''؎ اک کرکٹ کے ہیں دیوانے یہ محمود و ایاز　　　نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز''(۲۶۰)

سید عباس متقی نے اردو اشعار کے علاوہ فارسی شعر میں تحریف کی ہے:

''؎ بشنو از کچرا حکایت می کند　　　از جدائی ہا شکایت می کند''(۲۶۱)

حافظ شیرازی کے شعر کو قدرے ترمیم کے ساتھ اس طرح ادا کیا ہے:

''؎ اگر آن چاندنی بیگم' بدست آورد دل مارا　　　بخال ہندوش بخشم ھمہ یاقوت پورہ را''(۲۶۲)

سید عباس متقی نے اقبال کے ایک شعر میں زبردست تحریف کی ہے اور اپنے مضمون شگوفہ کا نیا شگوفہ کے اختتام پر اس طرح ثبت کیا ہے:

''؎ وہ ایک قہقہہ جو روح سے نکلتا ہے　　　ہزار اشکوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات''(۲۶۳)

سید عباس متقی نے ایک مضمون 'مرغ کی فریاد' میں اقبال کے ایک شعر میں انحراف کرتے ہوئے یوں لکھا:

''؎ نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں، نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ مرغیوں میں تڑپ رہی نہ وہ دم ہے مرغ کی بانگ میں(۲۶۴)

ذیل میں ایک اور مصرع دیکھیے:

''ہمارا خیال ہے کہ اگر مرزا خود زندہ ہوتے تو ترمیم لطیف پر شاید وہ خود بھی داد دیے بغیر نہ رہتے۔ ہماری اصلاح کے بعد مرزا کا شعر کچھ یوں ہو گیا تھا کہ

سیکھی ہے مہ رخوں کے لیے ہم نے ٹیلرنگ
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے''(۲۶۵)

اوپر کی مثال میں پہلا مصرع 'سیکھی ہے مہ رخوں کے لیے ہم فارسی' مرزا غالب کا مشہور مصرع ہے۔ جب کہ مصرع ثانی میں کوئی ترمیم نہیں ہے۔

’’اب کتوں کے منہ کون لگے۔ ہم کتوں کی وفاداری کے قائل نہیں، اس جانور سے وفا کی کیا امید کی جاسکتی ہے جو ہرگز نہیں جانتا کہ وفا کیا ہے۔‘‘ (۲۶۶)

اوپر مرزا غالبؔ کا مشہور مصرع کوڈ کیا گیا ہے۔

’’دنیا نے تجربات وحوادث کی شکل میں جو کچھ دیا ہے اسے پھر دنیا کی طرف لوٹانا عقل مندوں کا کام نہیں، اپنے معشوق کی طرف لوٹاؤ۔ دنیا تو رحم کھانے سے رہی کیا عجب کہ معشوق ہی رحم کھالے۔‘‘ (۲۶۷)

اوپر کی مثال میں تحریف پائی جاتی ہے۔

’’مرغ طول امل سے بے نیاز رہتا ہے اس لیے وہ نفس مطمئنہ کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔‘‘ (۲۶۸)

مذکورہ اقتباس میں ترمیم کی جھلک ملتی ہے۔

(۴۲) اشعار کا جملوں میں استعمال:

سید عباس متقی اردو کے معروف اشعار کو موقع کے حساب سے کبھی مصرعوں کو تو کبھی پورے کے پورے شعر کو نثر کر لیتے ہیں۔ جس سے ان کی نثر کو چار چاند لگ جاتے ہیں:

’’پرویز ہماری ادب شناسی کو غنیمت جان کر اپنی ڈائری کے کچھ اوراق متبرکہ کو کبھی کبھی ہم پر نازل کرتا ہے تا کہ ہم اسے دیکھیں سمجھیں اور جانیں کہ ’’دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا‘‘۔‘‘ (۲۶۹)

یہ بھی دیکھیے:

ماشاء اللہ اب تو ہر مسجد میں ایک پہلوان کا قبضہ اور ہر قبرستان میں ایک دادا کا تسلط ہے اور جب مسلمان آہ وفریاد کرتے ہوئے اپنی قسمت کو کوستے ہیں اور سوئے فلک نظر کرتے ہیں تو علامہ اقبالؔ اپنی مونچھوں پر تاؤ دے کر ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے‘‘ (۲۷۰)

اور دیکھیے:

''نواب صاحب نے اپنی گفتگو میں گلابوں کی نمائش، گلابوں سے اپنی شدید دلچسپی اور گلابوں کی ہنوز عدم شگفتگی کو بھی سرنامہ عنوان رکھا۔ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی کے مصداق ہم سنتے اور سر دھنتے رہے اور افسوس بھی ہوتا رہا کہ اب تک ہم نے گلاب کے پودے کیوں نہیں لگوائے اور کیوں محض گلاب سے چہروں پر اکتفا کی۔'' **(۲۷۱)**

ذیل کی یہ مثال دیکھیے:

''دور حاضر میں شرفا المعروف بہ غربا اپنے بال بچوں کے ساتھ مفلوک الحالی کی چھت کے نیچے، مجبوریوں کے در و دیوار کے سائے تلے، امیدوں کے فرش پر زندگی گزارتے ہیں اور آسمان کو چھوتا ہوا کرایہ ادا کرتا ہے اور ایک بوریئے کی زمین کی آرزو میں اپنے قد کے برابر زمیں تو بہرحال حاصل کر لیتے ہیں اور کروٹ کروٹ یہ شعر ترنم سے پڑھتے ہیں۔

زندگی تو نے مجھے قبر سے کم دی ہے زمیں
پاؤں پھیلاوں تو دیوار میں سر لگتا ہے'' **(۲۷۲)**

اوپر کی مثال میں بشیر بدر کا مشہور شعر شامل کیا گیا ہے۔

''گھی کے نام پر چربی ہماری چربی کو پگلا رہی تھی۔ ایک مٹھی دلے ہوئے گیہوں جس میں حسب اعلان اصلی گھی ہرگز نہیں تھا۔ الغرض اتنی سی حلیم کی اس قدر قیمت! یاللعجب!

حیراں ہوں بل کو روؤں کہ پیٹوں میں پیٹ کو'' **(۲۷۳)**

اوپر کے مثال میں مصرع میں تحریف پائی جاتی ہے اور صحیح مصرع اس طرح ہے۔

ع حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں

''وہاج بھائی نے کہا کہ ہم اردو اور فارسی کی خدمات کے صلے میں آپ کو تہنیت پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے جواب دیا کہ وہاج بھائی ہم کہاں کے دانا تھے اور کس ہنر میں یکتا تھے پھر اچانک یہ یاریٔ چرخ چہ معنی؟'' **(۲۷۴)**

یہ بھی دیکھیے:

''والا حضرت نے ارشاد فرمایا شاعری وخط نویسی ایک سکّے کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ میاں ہم نے تو معشوق کو اتنے خط لکھے ہیں کہ جب روشنائی ختم ہوگئی تو خونِ جگر میں نوکِ خامہ کو ڈبو لیا لیکن معشوق کو خط لکھنا نہیں چھوڑا۔ کثرت تحریر کے سبب انگلیاں زخمی ہوگئیں، قلم سے خون کی بوندیں ٹپکنے لگیں۔ تم نے میرا یہ شعر نہیں پڑھا۔

دردِ دل لکھوں کب تک جاؤں اور ان کو دکھلاؤں

انگلیاں فگار اپنی ، خامہ خوں چکاں اپنا'' **(۲۷۵)**

اس کے بعد یہ بھی دیکھیے :

''مرزا غالبؔ کے فارسی اور اردو کلام کے جائزے پر مکرر جائزہ لے رہے ہیں تا کہ اشاعت عمل میں لائی جا سکے۔کم بختوں نے منزل سے ہم کنار نہ کیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے۔'' **(۲۷۶)**

اوپر کے اقتباس میں غالبؔ کا مصرع نثر میں پیش کر دیا گیا ہے۔

''عشق و محبت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ عاشق صادق معشوق دل نواز پر اپنی بہترین چیز قربان کر دے، جب لوگوں نے خدا سے محبت کی تو خدا کی محبت میں اپنی جان دے دی اور اوراس کے باوجود یہ کہ کر حد انکسار کو چھولیا کہ ''جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی ،حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔'' **(۲۷۷)**

اوپر کی مثال میں مکمل شعر کو نثر کا پیرہن دیا گیا ہے۔

یہ سید عباس متقی کے اسلوبِ بیان کی اہم خصوصیات ہیں جن سے ان کے وسائلِ اظہار اور ان کے موضوعات کو گہرائی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے۔

حوالے:

(۱) سید عباس متقی دکھتی رگیں (طنز و مزاح) میں تعارف از ڈاکٹر محمد علی آثر ریڈر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ ص۸۔
(۲) دکھتی رگیں از سید عباس متقی پیش لفظ از ڈاکٹر یوسف سرمست ص۱۱۔
(۳) دکھتی رگیں از سید عباس متقی دیباچہ از ڈاکٹر مصطفیٰ کمال مدیر''شگوفہ'' حیدرآباد ص۱۳،۱۲۔
(۴) کچرا مشمولہ چھٹی انگلی ص۱۸، ۱۷۔
(۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص۲۱۔
(۶) ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے چھٹی انگلی ص۳۱۔
(۷) اک بنگلہ بنے نیارا ہیں کواکب کچھ ص۱۴۔
(۸) اک بنگلہ بنے نیارا ہیں کواکب کچھ ص۱۵۔
(۹) شگوفہ کا نیا شگوفہ ہیں کواکب کچھ ص۸۵۔
(۱۰) رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز ہیں کواکب کچھ ص۸۹۔
(۱۱) شیطان سے ایک ملاقات ہیں کواکب کچھ ص۱۱۳۔
(۱۲) حلم والے حلیم کھاتے ہیں ہیں کواکب کچھ ص۱۲۵۔
(۱۳) بچاؤ ہمیں پڑوسیوں سے ناگفتہ بہ ص۲۷۔
(۱۴) ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے چھٹی انگلی ص۲۷۔
(۱۵) اک بنگلہ بنے نیارا ہیں کواکب کچھ ص۱۱۔
(۱۶) مرغ کی فریاد ہیں کواکب کچھ ص۶۷۔
(۱۷) اک بنگلہ بنے نیارا ہیں کواکب کچھ ص۱۱۔
(۱۸) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم اعظمی ہیں کواکب کچھ ص۴۳۔
(۱۹) بچاؤ ہمیں پڑوسیوں سے ناگفتہ بہ ص۷۷۔

(۲۰) حمیت کا جوتا خباثت کے سر ٹک ٹک دیدم ص۵۲۔

(۲۱) مصطفیٰ خیّاط نا گفتہ بہ ص۳۵۔

(۲۲) ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے مشمولہ چھٹی انگلی۔

(۲۳) بخال ہندوش بخشم ہمہ ''یاقوت پورہ'' رامشمولہ بادشمنان مدارا ص۱۱۱ور۱۲۔

(۲۴) چیونٹی کی فریاد مشمولہ بادشمنان مدارا ص۵۹۔

(۲۵) بخال ہندوش بخشم ہمہ ''یاقوت پورہ'' رامشمولہ بادشمنان مدارا ص۱۴۔

(۲۶) ہم نے لوری سنائی مشمولہ بادشمنان مدارا ص۲۱۔

(۲۷) کچرا چھٹی انگلی ص۱۸۔

(۲۸) ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے چھٹی انگلی ص۲۹۔

(۲۹) شادی خانے سے دواخانے تک چھٹی انگلی ص۴۴۔

(۳۰) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کواکب کچھ ص۴۴۔

(۳۱) مرغ کی فریاد ہیں کواکب کچھ ص۶۹۔

(۳۲) سنیما کا کریز ٹک ٹک دیدم ص۱۷۔

(۳۳) میرا مزاج لڑکپن سے احمقانہ ہے ٹک ٹک دیدم ص۹۔

(۳۴) میرا مزاج لڑکپن سے احمقانہ ہے ٹک ٹک دیدم ص۱۲۔

(۳۵) ہم آزاد ہیں نا گفتہ بہ ص۵۴۔

(۳۶) کارنامۂ حیات ایوارڈ گفتہ بہ ص۶۱۔۶۰۔

(۳۷) کاہلوں کی انجمن نا گفتہ بہ ص۴۵۔

(۳۸) مصطفیٰ خیّاط نا گفتہ بہ ص۳۱۔

(۳۹) شیر کی شادی شیر سے نا گفتہ بہ ص۱۲۹۔

(۴۰) شیر کی شادی شیر سے نا گفتہ بہ ص۱۲۶۔

(۴۱) آیا اب بھی ہیں بیٹیاں منحوس؟ نا گفتہ بہ ص۸۲۔۸۱۔

(۴۲) خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا نا گفتہ بہ ص۱۰۱۔

(۴۳) شگوفہ کا نیا شگوفہ ہیں کو اکب کچھ ص ۴۷۔

(۴۴) مضمون ''ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے'' مضمون نگار سید عباس متقی ماخوذ از چھٹی انگلی ص ۳۲، مشمولہ ماہنامہ شگوفہ حیدر آباد فروری ۱۹۹۰ء ص ۳۳۔

(۴۵) آؤ پھر شادی کریں ٹک ٹک دیدم ص ۴۸۔

(۴۶) کچرا چھٹی انگلی ص ۱۷۔

(۴۷) ماہر شیروانی مصطفیٰ خیّاط نا گفتہ بہ ص ۲۸۔

(۴۸) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کو اکب کچھ ص ۵۱۔

(۴۹) شادی خانے سے دوا خانے تک چھٹی انگلی ص ۴۴۔

(۵۰) ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے چھٹی انگلی ص ۳۰، ۲۹۔

(۵۱) شگوفہ کا نیا شگوفہ ہیں کو اکب کچھ ص ۸۱۔

(۵۲) تہذیب رواں سے ایک ملاقات ہیں کو اکب کچھ ص ۲۸۔

(۵۳) تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے نا گفتہ بہ ص ۱۹۔

(۵۴) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کو اکب کچھ ص ۴۶۔

(۵۵) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کو اکب کچھ ص ۴۱۔

(۵۶) ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے مشمولہ چھٹی انگلی، ص ۳۰۔

(۵۷) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی مشمولہ ہیں کو اکب کچھ ص ۴۲۔

(۵۸) اک بنگلہ بنے نیارا مشمولہ ہیں کو اکب کچھ ص ۱۰۔

(۵۹) مرغ کی فریاد ہیں مشمولہ کو اکب کچھ ۶۶۔

(۶۰) حلم والے حلیم کھاتے ہیں مشمولہ ہیں کو اکب کچھ ص ۱۲۷۔

(۶۱) مصطفیٰ خیّاط مشمولہ نا گفتہ بہ ص ۲۹۔

(۶۲) بچاؤ ہمیں پڑوسیوں سے نا گفتہ بہ ص ۷۸۔

(۶۳) بخال ہندوش بخشم ہمہ ''یاقوت پورہ'' را مشمولہ با دشمنان مدارا ص ۲۱۔

(۶۴) تہذیب رواں سے ایک ملاقات ہیں کو اکب کچھ ص ۲۵۔

(۶۵) اک بنگلہ بنے نیارا ہیں کو اکب کچھ ص ۱۲۔
(۶۶) حلم والے حلیم کھاتے ہیں ہیں کو اکب کچھ ص ۱۲۵۔
(۶۷) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کو اکب کچھ ص ۳۱۔
(۶۸) شیطان سے ایک ملاقات ہیں کو اکب کچھ ص ۱۱۱۔
(۶۹) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کو اکب کچھ ص ۴۰۔
(۷۰) شیر کی شادی شیر سے نا گفتہ بہ ص ۱۲۹۔
(۷۱) سنیما کا کریز ٹک ٹک دیدم ص ۱۶۔
(۷۲) ہم نے گولڈ مڈل حاصل کیا ٹک ٹک دیدم ص ۳۲۔
(۷۳) سنیما کا کریز ٹک ٹک دیدم ص ۱۵۔
(۷۴) سنیما کا کریز ٹک ٹک دیدم ص ۱۷۔
(۷۵) مضمون ''ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے'' مضمون نگار سید عباس متقی ماخوذ از چھٹی انگلی ص ۲۷، مشمولہ ماہنامہ شگوفہ حیدرآباد فروری ۱۹۹۰ء ص ۳۳۔
(۷۶) رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز ہیں کو اکب کچھ ص ۹۰۔
(۷۷) بخال ہندوش بخشم ہمہ ''یاقوت پورہ'' رامشمولہ بادشمنان مدارا ص ۱۰۔
(۷۸) تہذیب رواں سے ایک ملاقات مشمولہ ہیں کو اکب کچھ ص ۲۸۔
(۷۹) رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز ہیں کو اکب کچھ ص ۸۹۔
(۸۰) رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز ہیں کو اکب کچھ ص ۹۶۔
(۸۱) شیر کی شادی شیر سے نا گفتہ بہ ص ۱۲۲۔
(۸۲) شیطان سے ایک ملاقات ہیں کو اکب کچھ ص ۹۸۔
(۸۳) کچرا چھٹی انگلی ص ۲۲۔
(۸۴) ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے چھٹی انگلی ص ۲۹، ۲۸۔
(۸۵) مصطفیٰ خیّاط نا گفتہ بہ ص ۳۱۔
(۸۶) بخال ہندوش بخشم ہمہ ''یاقوت پورہ'' رامشمولہ بادشمنان مدارا ص ۱۸۔

(۸۷) بخال ہندوش بخشم ہمہ ''یاقوت پورہ'' را مشمولہ بادشمنان مدارا ص ۶۷ اور ۶۸۔

(۸۸) کچرا مشمولہ چھٹی انگلی ، ص ۲۱۔

(۸۹) ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے مشمولہ چھٹی انگلی ، ص ۳۰۔

(۹۰) مضمون ''ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے''مضمون نگار سید عباس متقی ماخوذ از چھٹی انگلی ص ۳۰،
مشمولہ ماہنامہ شگوفہ حیدرآباد فروری ۱۹۹۰ء ص ۳۳۔

(۹۱) بچاؤ ہمیں پڑوسیوں سے مشمولہ ناگفتہ بہ ص ۷۸۔

(۹۲) رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز مشمولہ ہیں کواکب کچھ ص ۸۹۔

(۹۳) ہمارا گھر ٹک ٹک دیدم ص ۱۰۸۔

(۹۴) کاہلوں کی انجمن مشمولہ ناگفتہ بہ ص ۴۵۔

(۹۵) دعوت منور۔۔۔۔

(۹۶) دعوت منور۔۔۔۔

(۹۷) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی مشمولہ ہیں کواکب کچھ ص ۴۷۔

(۹۸) رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز مشمولہ ہیں کواکب کچھ ص ۸۸۔

(۹۹) اک بنگلہ بنے نیارا مشمولہ ہیں کواکب کچھ ص ۱۱۔

(۱۰۰) کیٹ ونسلیٹ کے نام ایک کھلا خط مشمولہ ناگفتہ بہ ص ۱۲۔

(۱۰۱) کیٹ ونسلیٹ کے نام ایک کھلا خط مشمولہ ناگفتہ بہ ص ۹۔

(۱۰۲) وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا مشمولہ ناگفتہ بہ ص ۶۵۔

(۱۰۳) تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے مشمولہ ناگفتہ بہ ص ۲۲۔

(۱۰۴) تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے مشمولہ ناگفتہ بہ ص ۲۳۔

(۱۰۵) خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا ناگفتہ بہ ص ۱۰۳۔

(۱۰۶) تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے ناگفتہ بہ ص ۱۹۔

(۱۰۷) تہذیب رواں سے ایک ملاقات مشمولہ ہیں کواکب کچھ ص ۲۸۔

(۱۰۸) خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا ناگفتہ بہ ص ۱۰۲۔

(۱۰۹) خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا ناگفتہ بہ ص۱۰۲۔
(۱۱۰) ہم کو چھٹّی نہ ملی اُس نے سبق یاد کیا ناگفتہ بہ ص۱۰۹۔
(۱۱۱) شگوفہ کا نیا شگوفہ ہیں کواکب کچھ ص۸۶۔
(۱۱۲) رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز ہیں کواکب کچھ ص۹۲۔
(۱۱۳) خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا ناگفتہ بہ ص۱۰۳۔
(۱۱۴) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کواکب کچھ ص۳۷۔
(۱۱۵) رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز ہیں کواکب کچھ ص۹۶۔
(۱۱۶) شگوفہ کا نیا شگوفہ ہیں کواکب کچھ ص۷۳۔
(۱۱۷) حلم والے حلیم کھاتے ہیں ہیں کواکب کچھ ص۱۲۵۔
(۱۱۸) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کواکب کچھ ص۴۱۔
(۱۱۹) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کواکب کچھ ص۳۹۔
(۱۲۰) کچرا چھٹی انگلی ص۲۳۔
(۱۲۱) شادی خانے سے دواخانے تک چھٹی انگلی ص۴۷۔
(۱۲۲) خدا بچائے اس کرکٹ سے چھٹی انگلی ص۶۷۔
(۱۲۳) سارے جہاں میں دھوم ہمارے کچن کی ہے لگے ہاتھوں ص۹۷۔
(۱۲۴) جادوگرسیاں لگے ہاتھوں ص۱۱۰۔
(۱۲۵) خدمت وخلوص کا پیکر من خوب می شناسم ص۹۷۔
(۱۲۶) ہندوستان ہے یاریپ استھان من خوب می شناسم ص۸۱۔
(۱۲۷) ہندوستان ہے یاریپ استھان من خوب می شناسم ص۸۶۔
(۱۲۸) بخال ہندوش بخشم ہمہ ''یاقوت پورہ'' را بادشمنان مدارا ص۱۶۔
(۱۲۹) ہم نے لوری سنائی بادشمنان مدارا ص۱۹۔
(۱۳۰) انگلی میں داغ لگا بیٹھے بادشمنان مدارا ص۱۴۸،۱۴۹۔
(۱۳۱) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کواکب کچھ ص۳۵۔

(۱۳۲) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کواکب کچھ ص۴۲۔

(۱۳۳) شیطان سے ایک ملاقات ہیں کواکب کچھ ص۱۰۹۔۱۰۸۔

(۱۳۴) شیطان سے ایک ملاقات ہیں کواکب کچھ ص۱۰۰۔

(۱۳۵) شیطان سے ایک ملاقات ہیں کواکب کچھ ص۱۰۸۔

(۱۳۶) کچرا چھٹی انگلی ص۲۱۔

(۱۳۷) شیطان سے ایک ملاقات مشمولہ ہیں کواکب کچھ ص۹۸۔

(۱۳۸) حلم والے حلیم کھاتے ہیں ہیں کواکب کچھ ص۱۲۵۔

(۱۳۹) تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے ناگفتہ بہ ص۲۰۔

(۱۴۰) شیر کی شادی شیر سے ناگفتہ بہ ص۱۳۰۔

(۱۴۱) رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز ہیں کواکب کچھ ص۸۸۔

(۱۴۲) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کواکب کچھ ص۴۱۔

(۱۴۳) شگوفہ کا نیا شگوفہ ہیں کواکب کچھ ص۷۷۔

(۱۴۴) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کواکب کچھ ص۳۹۔

(۱۴۵) مضمون ''ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے'' مضمون نگار سید عباس متقی ماخوذ از چھٹی انگلی ص۳۲، مشمولہ ماہنامہ شگوفہ حیدرآباد فروری ۱۹۹۰ء ص۳۳۔

(۱۴۶) اک بنگلہ بنے نیارا مشمولہ ہیں کواکب کچھ ص۱۵۔

(۱۴۷) اک بنگلہ بنے نیارا مشمولہ ہیں کواکب کچھ ص۱۶۔

(۱۴۸) بچاؤ ہمیں پڑوسیوں سے مشمولہ ناگفتہ بہ ص۷۳۔

(۱۴۹) بچاؤ ہمیں پڑوسیوں سے مشمولہ ناگفتہ بہ ص۷۵۔

(۱۵۰) بچاؤ ہمیں پڑوسیوں سے مشمولہ ناگفتہ بہ ص۷۸۔

(۱۵۱) کارنامۂ حیات ایوارڈ مشمولہ ناگفتہ بہ ص۶۱۔

(۱۵۲) کیٹ ونسلیٹ کے نام ایک کھلا خط مشمولہ ناگفتہ بہ ص۱۵۔۱۴۔

(۱۵۳) بچاؤ ہمیں پڑوسیوں سے مشمولہ ناگفتہ بہ ص۷۸۔

(۱۵۴) ہم نے پھر انٹرویو دیا اور پھر ہو گے مشمولہ بادشمنان مدارا ص۴۵۔

(۱۵۵) ہم نے پھر انٹرویو دیا اور پھر ہو گے مشمولہ بادشمنان مدارا ص۴۶۔

(۱۵۶) پیرس سے بلاوا آیا ہے مشمولہ ٹک ٹک دیدم ص۳۶۔

(۱۵۷) میرے اللہ تو ''بھائی'' سے بچانا مجھ کو مشمولہ ٹک ٹک دیدم ص۶۹۔

(۱۵۸) کاہلوں کی انجمن مشمولہ ناگفتہ بہ ص۴۷۔

(۱۵۹) مظفر النساء ناز غیر مطبوعہ۔

(۱۶۰) کچرا چھٹی انگلی ص۲۲۔

(۱۶۲) کچرا چھٹی انگلی ص۲۳۔

(۱۶۳) کچرا چھٹی انگلی ص۲۶۔

(۱۶۴) مضمون ''ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے'' مضمون نگار سید عباس متقی ماخوذ از چھٹی انگلی ص۲۸، مشمولہ ماہنامہ شگوفہ حیدرآباد فروری ۱۹۹۰ء ص۳۳۔

(۱۶۵) مصطفیٰ خیّاط ناگفتہ بہ ص۲۸۔

(۱۶۶) مصطفیٰ خیّاط ناگفتہ بہ ص۳۶۔

(۱۶۷) بچاؤ ہمیں پڑوسیوں سے ناگفتہ بہ ص۶۷۔

(۱۶۸) شیر کی شادی شیر سے ناگفتہ بہ ص۱۲۵۔

(۱۶۹) شیر کی شادی شیر سے ناگفتہ بہ ص۱۲۴۔

(۱۷۰) شیر کی شادی شیر سے ناگفتہ بہ ص۱۲۳۔

(۱۷۱) کیٹ ونسلیٹ کے نام ایک کھلا خط ناگفتہ بہ ص۱۴۔

(۱۷۲) ہم آزاد ہیں ناگفتہ بہ ص۵۷۔

(۱۷۳) کیٹ ونسلیٹ کے نام ایک کھلا خط ناگفتہ بہ ص۱۰۔

(۱۷۴) کیٹ ونسلیٹ کے نام ایک کھلا خط ناگفتہ بہ ص۱۳۔

(۱۷۵) کیٹ ونسلیٹ کے نام ایک کھلا خط ناگفتہ بہ ص۱۴۔

(۱۷۶) وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا ناگفتہ بہ ص۶۶۔

(۱۷۷) ہم آزاد ہیں ناگفتہ بہ ص ۵۷۔۵۶۔

(۱۷۸) مرغ کی فریاد ہیں کو اکب کچھ ص ۶۸۔

(۱۷۹) مرغ کی فریاد ہیں کو اکب کچھ ص ۶۸۔

(۱۸۰) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کو اکب کچھ ص ۴۴۔

(۱۸۱) اک بنگلہ بنے نیارا ہیں کو اکب کچھ ص ۱۹۔

(۱۸۲) ''بھارت رتن'' کے ہم مستحق ہیں ہیں کو اکب کچھ ص ۱۲۲۔

(۱۸۳) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی مشمولہ ہیں کو اکب کچھ ص ۴۲۔

(۱۸۴) بچاؤ ہمیں پڑوسیوں سے مشمولہ ناگفتہ بہ ص۔

(۱۸۵) مصطفیٰ خیاط ناگفتہ بہ ص ۳۰۔

(۱۸۶) کچراص چھٹی انگلی ۲۲،۲۱۔

(۱۸۷) مصطفیٰ خیّاط ناگفتہ بہ ص ۳۵۔

(۱۸۸) تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے ناگفتہ بہ ص ۲۲۔

(۱۸۹) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کو اکب کچھ ص ۳۶۔

(۱۹۰) تہذیب رواں سے ایک ملاقات ہیں کو اکب کچھ ص ۲۴۔

(۱۹۱) ''بھارت رتن'' کے ہم مستحق ہیں ہیں کو اکب کچھ ص ۱۲۳۔

(۱۹۲) رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز ہیں کو اکب کچھ ص ۹۵۔

(۱۹۳) مرغ کی فریاد ہیں کو اکب کچھ ص ۷۰۔

(۱۹۴) شیطان سے ایک ملاقات ہیں کو اکب کچھ ص ۱۱۲۔

(۱۹۵) شیر کی شادی شیر سے ناگفتہ بہ ص ۱۲۷۔

(۱۹۶) دینی تعلیمی و صنعتی تنظیم کی جانب سے ہماری تہنیت ناگفتہ بہ ص ۱۱۶۔

(۱۹۷) وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا ناگفتہ بہ ص ۶۵۔

(۱۹۸) مصطفیٰ خیّاط ناگفتہ بہ ص ۳۰۔

(۱۹۹) تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے ناگفتہ بہ ص ۲۳۔

(۲۰۰) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کوا کب کچھ ص ۴۴۔

(۲۰۱) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کوا کب کچھ ص ۳۵۔

(۲۰۲) شیطان سے ایک ملاقات ہیں کوا کب کچھ ص ۹۸۔

(۲۰۳) کارنامۂ حیات ایوارڈ مشمولہ نا گفتہ بہ ص ۶۱۔

(۲۰۴) حلم والے حلیم کھاتے ہیں ہیں کوا کب کچھ ص ۱۲۶۔

(۲۰۵) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کوا کب کچھ ص ۳۷۔

(۲۰۶) کاہلوں کی انجمن نا گفتہ بہ ص ۴۶۔

(۲۰۷) حلم والے حلیم کھاتے ہیں ہیں کوا کب کچھ ص ۱۲۴۔

(۲۰۸) کاہلوں کی انجمن نا گفتہ بہ ص ۴۹۔

(۲۰۹) مرغ کی فریاد ہیں کوا کب کچھ ص ۶۶۔

(۲۱۰) مرغ کی فریاد ہیں کوا کب کچھ ص ۶۶۔

(۲۱۱) مرغ کی فریاد ہیں کوا کب کچھ ص ۶۷۔

(۲۱۲) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کوا کب کچھ ص ۴۵۔

(۲۱۳) مرغ کی فریاد ہیں کوا کب کچھ ص ۶۷۔

(۲۱۴) مصطفیٰ خیّاط نا گفتہ بہ ص ۲۹۔

(۲۱۵) مصطفیٰ خیّاط نا گفتہ بہ ص ۳۳۔

(۲۱۶) مصطفیٰ خیّاط نا گفتہ بہ ص ۳۳۔

(۲۱۷) تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے نا گفتہ بہ ص ۲۲۔

(۲۱۸) من خوب می شناسم ،ص ۱۷۔

(۲۱۹) دلیپ کمار کا بنگلہ نا گفتہ بہ ص ۸۹۔

(۲۲۰) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی مشمولہ ہیں کوا کب کچھ ص ۴۶۔

(۲۲۱) شیطان سے ایک ملاقات مشمولہ ہیں کوا کب کچھ ص ۱۱۳۔

(۲۲۲) دیو آنند مشمولہ نا گفتہ بہ ص ۹۷۔

(۲۲۳) دیو آنند مشمولہ نا گفتہ بہ ص ۹۷۔

(۲۲۴) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کو اکب کچھ ص ۳۸۔

(۲۲۵) کچرا چھٹی انگلی ص ۱۸۔

(۲۲۶) کچرا چھٹی انگلی ص ۲۴۔

(۲۲۷) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کو اکب کچھ ص ۳۵۔

(۲۲۸) شگوفہ کا نیا شگوفہ ہیں کو اکب کچھ ص ۷۵۔

(۲۲۹) سنیما کا کریز ٹک ٹک دیدم ص ۱۸۔

(۲۳۰) ''کاغذ'' کی فریاد ٹک ٹک دیدم ص ۶۲۔

(۲۳۱) ہم کو چھٹّی نہ ملی اُس نے سبق یاد کیا مشمولہ با دشمنان مدارا ص ۲۲۲۔

(۲۳۲) تہلکہ در تہلکہ مشمولہ با دشمنان مدارا ص ۷۶۔

(۲۳۳) مرغ کی فریاد ہیں کو اکب کچھ ص ۶۷۔

(۲۳۴) اک بنگلہ بنے نیارا ہیں کو اکب کچھ ص ۱۳۔

(۲۳۵) اک بنگلہ بنے نیارا ہیں کو اکب کچھ ص ۱۵۔

(۲۳۶) سنیما کا کریز ٹک ٹک دیدم ص ۱۶۔

(۲۳۷) آؤ پھر شادی کریں ٹک ٹک دیدم ص ۴۷۔

(۲۳۸) آؤ پھر شادی کریں ٹک ٹک دیدم ص ۴۸۔

(۲۳۹) مصطفیٰ خیّاط نا گفتہ بہ ص ۲۸۔

(۲۴۰) دیو آنند نا گفتہ بہ ص ۹۶۔

(۲۴۱) ایک عبقری شخصیت سے ملاقات مشمولہ من خوب می شناسم ص ۱۱۔

(۲۴۲) ایک عبقری شخصیت سے ملاقات مشمولہ من خوب می شناسم ص ۱۲۔

(۲۴۳) بخال ہندوش بخشم ھمہ ''یاقوت پورہ'' را مشمولہ با دشمنان مدارا ص ۱۰۔

(۲۴۴) بخال ہندوش بخشم ھمہ ''یاقوت پورہ'' را مشمولہ با دشمنان مدارا ص ۱۱۔

(۲۴۵) کچرا چھٹی انگلی ص ۲۴۔

(۲۴۶) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کو اکب کچھ ص۴۲۔
(۲۴۷) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کو اکب کچھ ص۳۸۔
(۲۴۸) شاگرد رشید علامہ ڈاکٹر فخر عالم آعظمی ہیں کو اکب کچھ ص۴۲۔
(۲۴۹) ''کاغذ'' کی فریاد ٹک ٹک دیدم ص۵۷۔
(۲۵۰) دینی تعلیمی و صنعتی تنظیم کی جانب سے ہماری تہنیت ناگفتہ بہ ص۱۱۴۔۱۱۳۔
(۲۵۱) بخال ہندوش بخشم ھمہ ''یاقوت پورہ'' را مشمولہ بادشمنان مدارا ص۱۳
(۲۵۲) مرغ کی فریاد ہیں کو اکب کچھ ص۶۹۔
(۲۵۳) شگوفہ کا نیا شگوفہ ہیں کو اکب کچھ ص۴۷۔
(۲۵۴) تہذیب رواں سے ایک ملاقات ہیں کو اکب کچھ ص۲۴۔
(۲۵۵) میرے اللہ تو بھائی سے بچانا مجھ کو ٹک ٹک دیدم ص۱۷۔
(۲۵۶) ناگفتہ بہ میں ایک مضمون ''ہم کو چھٹی نہ ملی اُس نے سبق یاد کیا'' ص۱۰۷۔
(۲۵۷) رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز ہیں کو اکب کچھ ص۸۹۔
(۲۵۸) شگوفہ کا نیا شگوفہ ہیں کو اکب کچھ ص۸۵۔
(۲۵۹) خدا بچائے اس کرکٹ سے چھٹی انگلی ص۶۱۔
(۲۶۰) خدا بچائے اس کرکٹ سے چھٹی انگلی ص۶۳۔
(۲۶۱) کچرا چھٹی انگلی ص۲۰۔
(۲۶۲) بخال ہندوش بخشم ھمہ یاقوت پورہ را بادشمنان مدارا ص۱۱۔
(۲۶۳) شگوفہ کا نیا شگوفہ ہیں کو اکب کچھ ص۸۶۔
(۲۶۴) مرغ کی فریاد ہیں کو اکب کچھ ص۱۷۔
(۲۶۵) مصطفیٰ خیّاط ناگفتہ بہ ص۳۵۔
(۲۶۶) بچاؤ ہمیں پڑوسیوں سے ناگفتہ بہ ص۴۳۔
(۲۶۷) کیٹ ونسلیٹ کے نام ایک کھلا خط ناگفتہ بہ ص۸۔
(۲۶۸) مرغ کی فریاد ہیں کو اکب کچھ ص۷۲۔

(۲۶۹) رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز ہیں کواکب کچھ ص ۹۲۔

(۲۷۰) اک بنگلہ بنے نیارا ہیں کواکب کچھ ص ۱۴۔

(۲۷۱) تہذیب رواں سے ایک ملاقات ہیں کواکب کچھ ص ۲۹۔

(۲۷۲) اک بنگلہ بنے نیارا ہیں کواکب کچھ ص ۱۱۔

(۲۷۳) حلم والے حلیم کھاتے ہیں ہیں کواکب کچھ ص ۱۲۶۔

(۲۷۴) دینی تعلیمی و صنعتی تنظیم کی جانب سے ہماری تہنیت ناگفتہ بہ ص ۱۱۵۔

(۲۷۵) کیٹ ونسلیٹ کے نام ایک کھلا خط ناگفتہ بہ ص ۷۔

(۲۷۶) تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے ناگفتہ بہ ص ۲۳۔

(۲۷۷) بخال ہندوش بخشم همہ ''یاقوت پورہ'' را مشمولہ بادشمنان مدارا ص ۱۱۔

☆☆☆

اختتامیہ

حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں اردو طنز ومزاح نگار گویا عنقا ہوتے جارہے ہیں بیسویں صدی عیسویں کا جائزہ لے کر اکیسویں صدی کے اردو داں حلقوں پر نظر ڈالیں تو ہمیں چند ایک نمائندہ نام ملتے ہیں جنھوں نے اردو زبان و ادب کی مختلف نوعیّتوں سے ٹھوس خدمت انجام دی ہے۔ان ہی نمائندہ شخصیتوں میں ایک نام ڈاکٹر سید عباس متقی کا آتا ہے جو بیک وقت مزاح نگار بھی ہیں، اردو و فارسی کے شاعر بھی، خاکہ نگار بھی ہیں اور صحافی بھی، محقق بھی ہیں اور نقاد بھی، وہ کہنہ مشق استاذ بھی ہیں اور مشاق خطیب بھی، مبصر بھی ہیں اور مقرر بھی، آپ امام بھی ہیں اور خطیب بھی۔ان کی علمی خدمات جہاں اردو زبان میں بحیثیت ٹیچر و لکچرر مسلم ہے وہیں فارسی زبان و ادب کی بھی انھوں نے ٹھوس خدمت انجام دی ہے۔اردو زبان و ادب بالخصوص غیر افسانوی ادب میں تو آپ کا طوطی بولتا ہے۔

دراصل موصوف کا اصل میدان طنز ومزاح ہی ہے اس خصوص میں شاعری ثانوی حیثیت رکھتی ہے، لیکن آج ادبی دنیا میں سید عباس متقی کی شناخت صرف طنز ومزاح کی نسبت سے نہیں ہے بلکہ ان کی علمی اور ادبی خدمات کا خمار بھی سر چڑھ کر بولتا ہے۔

چناں چہ ان کی شخصیت ہمہ جہت پہلو اپنے ذات میں رکھتی ہے۔انھیں جہاں کتب بینی کا شوق ہے وہیں گائیکی کا شوق بھی رکھتے ہیں، ان کے ذوق میں خوش نویسی شامل ہے تو انھیں وعظ گوئی میں بھی ملکہ حاصل ہے، وہ ایک طرف ڈرائیونگ کا شوق رکھتے ہیں تو دوسری طرف گھڑ سواری اور کشتی کا شوق بھی ذوق ان میں درآیا ہے۔وہ نہ صرف امام وخطیب کی حیثیت سے جانے جاتے ہی ہیں بلکہ انھوں نے قضائت کی سند حاصل کرتے ہوئے متعدد نکاح کروائے اور کیے ہیں۔انھیں اداکاری کا شوق تو ہے ہی مگر پیری مریدی کے میدان میں بھی پیش پیش نظر آتے ہیں۔الغرض وہ جتنے متقی دکھائی دیتے ہیں اتنے ہی شوخ بھی ہیں۔

علمی خدمات کی بات کی جائے تو جہاں وہ اردو زباں و ادب کے ٹیچر، لکچرر رہے ہیں وہیں انھوں نے فارسی زبان و ادب کی بھی خدمت انجام دی ہے جن میں سرکاری اور خانگی دونوں ملازمتیں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں جامعات کی سطح پر نصابی سرگرمیاں بھی قابل ذکر ہیں۔

سید عباس متقی نے جو ادبی خدمات انجام دی ہیں وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ انھوں نے اس خصوص میں جو تحقیقی و تنقیدی کام کیا ہے ان میں ایم۔فل اردو کے بعد پہلے پی ایچ۔ڈی اردو ازاں بعد پی ایچ۔ڈی فارسی مقالے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے بحیثیت اردو صحافی بھی خدمات انجام دیتے ہوئے حیدرآباد کے بیش تر اردو اخبارات اور معروف رسائل میں اپنی تخلیقات جن میں فکاہیے، انشائیے، خاکے، کالم اور طنز و مزاحیہ مضامین لکھتے آرہے ہیں اور انھیں ان کے کئی ایک انشائیوں پر سینکڑوں افراد سے داد و تحسین کے فون موصول ہوتے ہیں۔

آپ کے مضامین کے عنوانات بالکل انوکھے ہوتے ہیں۔ بعض وقت انھوں نے کسی مصرعے میں تحریف کر کے نام دیا ہے تو کبھی محاوروں میں انحراف کرتے ہوئے نام رکھا ہے۔ بعض دفعہ موضوعاتی نام بھی ان کی تحریروں کے عنوان ہوتے ہیں نیز سوالیہ انداز ان کے عناوین کی پہچان ہوتی ہے۔ انھوں نے جہاں عرصہ دراز تک آل انڈیا ریڈیو کے یو اوانی پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے کر سماج میں پنپنے والے ناسوروں کو حدف طنز و مزاح کا نشانہ بنایا ہے وہیں روز نامہ ہمارا عوام سے اس کی اشاعتیں بند ہونے تک جڑے رہے اور سالہا سال تک ''چنگاریاں'' کے عنوان سے مزاحیہ کالم لکھتے ہوئے طنز و مزاح نگاروں میں اپنی انفرادی شناخت بنائی ہے۔ روز نامہ ہمارا عوام کے بعد فی الحال روز نامہ منصف سے منسلک ہیں اور ہر ماہ میں ہر دوسرے جمعرات کو آپ کی طنزیہ و مزاحیہ تخلیقات بہ پابندی شائع ہوتی ہے۔

ماہ نامہ شگوفہ حیدرآباد کی فروغ و اشاعت میں سید عباس متقی کا حصہ دو طرح سے ہے ایک تو وہ زندہ دلانِ حیدرآباد کے رکن عاملہ ہیں اور دوسرے مذکورہ ماہ نامے میں موصوف کی تخلیقات جن میں شاعری اور نثر دونوں شامل ہیں، شائع ہوا کرتی ہیں۔

انھوں نے مرزا غالبؔ کے اردو اور فارسی کلام کا تقابلی جائزہ مقائسہ غالبؔ کے نام سے لے کر کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ علاوہ ازیں ادبی انجمنوں کے قیام میں بھی انھوں نے نمایاں

رول ادا کیا ہے جن میں اردوسوسائٹی حیدرآباد بزم سعدی شیرازی اور زندہ دلانِ حیدرآباد کے نام قابل ذکر ہیں۔

سید عباس متقی اردواور فارسی زبانوں میں شاعری کرتے ہیں اردو میں ان کی شعری تخلیقات کی بات کریں تو حمد،نعوت اور سلاموں کا مجموعہ تسلیماً کثیراً ۱۹۹۰ء میں شائع ہوکر منظرعام پر آیا۔اس کے بعد بالترتیب مثنوی نوال السبحان فی مطالب سورۃ الرحمٰن ۱۹۹۰ء،غزلوں اور نظموں کا مجموعہ تنہائیاں ۱۹۹۳ء،قصیدہ بردہ شریف کا منظوم ترجمہ فی ظلال البردہ ۱۹۹۶ءاور شہر آشوب رودِدود کے نام سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہوچکا ہے۔ان کے علاوہ فارسی میں تین شعری مجموعے رباعیات متقی ۲۰۱۰ء ،مناجات متقی ۲۰۱۲ء بینا بدوش ۲۰۱۲ء میں منظر عام پر آچکے ہیں۔انھوں نے کئی مشاعروں میں بحیثیت شاعر شرکت کرکے اپنا کلام سنانے کی سعادت حاصل کی ہے اور تقریباً سبھی اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے نیز نظموں کی ہیئتوں پر بھی انھوں نے نظمیں کہی ہیں ۔جن میں مسمط ،مثلث،مربع مخمس،مسدس،قطعہ،مستزاد،ترجیع بند،ترکیب بند،تضمین وغیرہ شامل ہیں۔ان کی شاعری کا تنقیدی اور فنی جائزہ لیں تو ہمیں جہاں ان کی شاعری پابند شاعری کی عمدہ مثال ملتی ہے وہیں ان کی شاعری میں قافیے کے عیوب بھی ملتے ہیں۔

موصوف کی شاعری کو علم البیان اور بلاغت پر پرکھیں تو دونوں علوم میں ان کی شاعر کا معیار غیر معمولی ملے گا اور اگر ان کی شاعری کا مجموعی جائزہ لیں تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ جہاں تک ان کی نثر اردو حلقوں میں شرف مقبولیت حاصل کرچکی ہے وہیں ان کی شاعری نے وہ مقام حاصل نہیں کیا جس کے وہ مستحق تھے۔اگر یوں کہا جائے تو وضاحت ہوگی کہ دراصل ان کا کلام جیسا تشہیر کا طالب تھا کما حقہ اس کی تشہیر نہیں ہو پائی اور نجی محفلوں تک محدود رہ کر ان کا کلام منظر عام پر نہ آسکا۔جو کلام منظر عام پر آیا وہ ان کا مزاحیہ کلام ہے جسے لوگ پسند تو کرتے ہیں لیکن اس کی پزیرائی نہیں کرتے۔البتہ فارسی شاعری میں ان کی شہرت ایران تک پہنچ گئی ہے اور ان کی تہنیتی قطعات اور نظمیں شہرت دوام حاصل کرچکی ہیں۔انھیں اردو و فارسی تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل ہے۔

وہ خاکہ نگاری کی حیثیت سے بھی اردو ادب اور ادیبوں کے سامنے آئے چناں چہ انھوں نے خاکہ نگاری کے فریضے کو نہایت ہی ایمان داری سے انجام دیا ہے۔موصوف نے اپنے ممدوح

کی صرف مدح سرائی ہی نہیں کی بلکہ انھیں آئینہ بھی دکھایا ہے لیکن، پیش کش کا انداز اتنا پیارا ہے کہ عیب ظاہر بھی ہو جاتا ہے اور ممدوح کے جذبات مجروح بھی نہیں ہوتے۔ اساتذہ کے خاکوں میں انھوں نے عزت اور حرمت کا پاس ولحاظ رکھا ہے۔ ان کے خاکوں کی ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ ان کے ہر خاکے میں کسی نہ کسی صورت میں وہ ضرور نمودار ہوتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ ان واقعات کے چشم دید گواہ ہیں اور پورا منظر قاری کو خود ہی بیان کر رہے ہیں۔

سید عباس متقی کی طنز و مزاح نگاری کے معاملے میں مجھے یہ کہنا ہے کہ دراصل موصوف کا اصل میدان مزاح وطنز ہی ہے۔ زمانۂ لڑکپن ہی سے انھیں طنز و مزاح سے گہرا شغف رہا' یہ دلچسپی دو نوعیت سے ان کے اندر در آئی۔ ایک مولانا حمیدالدین عاقل حسامی کے مواعظ جس میں موصوف موعظت و نصیحت کے دفاتر کھولنے کے ساتھ ساتھ نہایت خوب صورت انداز میں من موہ لطیفے کہا کرتے تھے اور ان لطیفوں سے سید عباس متقی کی چھپی ہوئی ظرافت نمو پاتی تھی دوسری وہ فلمیں جن میں مشہور و معروف مزاحیہ اداکار اپنی حرکتوں اور مکالموں سے جی خوش کیا کرتے تھے۔ خاص کر چارلی چاپلین سے وہ اس درجے متاثر ہیں کہ آج بھی فرصت کے اوقات میں ان کی فلمیں دیکھا کرتے ہیں اور کچھ نہ کچھ درس ظرافت لیا کرتے ہیں۔ چارلی چاپلین کے علاوہ ''لارل اینڈ ہارڈی'' یہ دونوں اداکاروں سے موصوف بے حد متاثر ہیں۔

لڑکپن کا دور ختم ہوتے ہوتے مزاح کاریوں سے مزاح نگاروں تک انھیں رسائی حاصل ہوگئی۔ اس طرح پہلے پہل پطرس بخاری' شوکت تھانوی اور رشید احمد صدیقی نے ان پر اثر ڈالا۔ انھیں پڑھتے پڑھتے وہ مزید دو اشخاص سے روشناس ہوئے ایک مشتاق احمد یوسفی اور دوسرے کرنل محمد خاں۔

جب بھی ہم طنز و مزاح کی روایت و تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم ہر مشہور مزاح نگار کا اپنا ایک منفرد اور خاص اسلوب پاتے ہیں۔ یہی طرز نگارش انھیں شہرت کی بلندی پر لے جاتی ہے۔ اس سلسلے میں بعض مزاح نگار لطائف کا سہارا لیتے ہوئے مزاح پیدا کرتے ملیں گے تو کوئی محض منفرد لب و لہجے کا سہارا لیتا دکھے گا۔ ان میں کچھ مزاح نگار مزاح پیدا کرنے کے لیے مخصوص شخصیتوں یا واقعات کو بار بار دہراتے ہیں تو کچھ موضوعات اور واقعات کی پیش کش میں

ادبی سطح کو برقرار رکھتے ہیں جن کی مزاح نگاری میں فصاحت ، بلاغت ،علمیت ، مقفی و مسجع عبارت ، ذہانت ، آگہی اور دانش مندی جیسے عناصر اہمیت کے حامل ہوتے ہیں ،لیکن سید عباس متقی کی مزاح نگاری میں وہ تمام باتیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں ، یکجا ملیں گی ۔ وہ مقفی و مسجع عبارت بھی استعمال کرتے ہیں اور ادق زباں بھی لکھتے ہیں ۔ وہ معروف شاعروں کے کلام ،مشہور ادبا کے مقولے اور اداکاروں کے مکالموں کو مزاح کا پیرہن دیتے ہیں ۔ وہ کبھی طنز کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے بلکہ اپنے بعض فرضی ناموں اور مزاحیہ کرداروں کی مدد سے ممدوح پر زبردست طنز کے تیر چھوڑتے ہیں ۔ انھیں اردو و فارسی زبان پر خاصا عبور ہے ۔ ان کی تحریروں میں کہیں کہیں املا کی غلطیاں تو ملیں گی لیکن کہیں بھی انشا اور قواعد کی غلطی نہیں ملے گی ۔ انھوں نے محاوروں ، روزمرہ ، ضرب الامثال اور عام ترکیبوں میں انحراف کرتے ہوئے نیز صنائع و بدائع کی صنعتوں کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے مزاح نگاری کی ہے ۔ ان تمام اچھائیوں اور خصوصیات کے باوجود ان کی مزاح نگاری میں بعض نقائص بھی دیکھے گئے ہیں ۔ جیسے وہ جب انشائیہ ، فکائیہ ، خاکہ یا مضمون قلم بند کرتے ہیں تو اپنی تحریروں میں ایک طرف قرآن مجید کی آیات ، احادیث نبویؐ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو دوسری طرف نہ صرف فلمی تذکرہ کر بیٹھتے ہیں بلکہ فلمی نغموں کے بول اور اداکاروں کے حسن و شباب کا نقشہ بھی کھینچ دیتے ہیں ۔ ان کی تحریریں اتنی ادق ، مقفی و مسجع رہتی ہیں کہ وہ ہر خاص و عام قاری کے پلے نہیں پڑتی ۔ ان کی ایک کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں بعض وقت ایسے فقرے ، جملے اور عبارتیں استعمال کرتے ہیں جن کا تعلق ان کی نجی زندگی سے ہوتا ہے یا کم از کم ایسے واقعات نجی محفلوں تک روا رکھے جا سکتے ہیں لیکن وہ ڈنکے کی چوٹ پر قلم بند کر دیتے ہیں ۔

ہمارا سماج فلمی دنیا اور فلمی ستاروں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا ہے لیکن سید عباس متقی اپنی تحریروں میں نہ صرف ان کا ذکر کرتے ہیں بلکہ ان پر خاکے لکھنے سے تک باز نہیں آتے ۔

نیز فلموں کی مثالوں کی تشبیہ دیتے ہیں جس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ وہ نئی تشبیہ تخلیق نہیں کر پا رہے ہیں ۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر وہ فلمی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لیں تو بہتر سے بہترین تشبیہ اور استعارے تخلیق کر سکیں گے ۔ علاوہ ازیں ان کی کمزوری یہ بھی ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں بار بار اپنی تقدیر کا رونا روتے ہیں اور اپنی کمزوریوں کو ایسا بے باکی سے پیش کر دیتے ہیں جیسے وہ ان

کی کمزوری نہ ہو خوبی ہو۔ جہاں وہ کسی بھی شخص پر اور اس کے فن پر طنز کرنے کو برا گمان نہیں کرتے وہیں اچھائیاں گنوانے میں بخالت سے کام بھی نہیں لیتے۔ موصوف اپنی تحریروں میں نو بیاہتا لڑکوں اور مجرد احباب اور شاگردوں کو نہ صرف شادی کرنے کا مشورہ دیتے ہیں بلکہ دو دو تین تین چار چار بلکہ ان میں سے ایک آدھ انتقال کر جائے تو فوراً خلا کو پر کرنے کا مشورہ دیے بغیر نہیں رہتے اور بابا نگ دہل فرماتے ہیں۔

ع بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

الغرض سید عباس متقی کی علمی اور ادبی خدمات گراں قدر اور گراں مایہ ہیں۔ خصوصاً ان کی مزاح نگاری انھیں صف اول کے مزاح نگاروں میں کھڑا کرتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ جب بھی اردو طنز و مزاح نگاری کی تاریخ لکھی جائے گی تو مورخ کبھی سید عباس متقی کی مزاحیہ خدمات کو فراموش نہیں کر سکتا۔

☆☆☆

کتابیات

نشان	مصنف رمؤلف رمرتب	کتاب کا نام	سنہ اشاعت	ناشر
1	احمد جمال پاشاہ	ظرافت اور تنقید	1982ء	بہادر اردو اکادمی پٹنہ
2	اسد اللہ خاں غالبؔ	دیوان غالبؔ	2008ء	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس علی گڑھ
3	اکبر علی بیگ پروفیسر	نفوس گرامی	2003ء	ادارۂ شعر وحکمت حیدرآبا
4	امیر عارفی ڈاکٹر	لیلیٰ کے خطوط۔مجنوں کی ڈائری		
5	انیسہ سلطانہ	حیدرآباد میں طنز ومزاح کی نشوونما 1950ء تا 1980ء	1986ء	شگوفہ پبلیکیشنز حیدرآباد
6	بوگس حیدرآبادی	فکر تونسوی شخصیت اور طنز نگاری	1980ء	زندہ دلانِ حیدرآباد
7	پطرس بخاری	پطرس کے مضامین	1973ء	ادبی دنیا اردو بازار دہلی
8	جوش ملیح آبادی	کلیات جوش		
9	چندر سر یواستو	اردو ہے جس کا نام۔۔۔	1981ء	انجمن تحفظ اردو آندھرا پردیش
10	حبیب ضیاء ڈاکٹر	حیدرآباد کی طنز ومزاح نگار خواتین	2005ء	شگوفہ پبلیکیشنز حیدرآباد
11	حبیب ضیاء ڈاکٹر	بڑے گھر کی بیٹی	2006ء	شگوفہ پبلیکیشنز حیدرآباد
12	حبیب ضیاء ڈاکٹر	مضامین نو	2009ء	شگوفہ پبلیکیشنز حیدرآباد
13	حسن سعید	سینما بینی اور اس کے مہلک اثرات	1998ء	مجلس اشاعت الحق حیدرآباد
14	حکیم نجم الغنی خاں	بحر الفصاحت (جلد اول، دوم)	2006ء	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
15	حمید عادل	بے تیغ	2006ء	ہدیٰ پبلی کیشنز حیدرآباد
16	حمید عادل	ہنستے ہنستے	2009ء	
17	حمید عادل	ہنسنا منع ہے	2012ء	ہدیٰ پبلی کیشنز حیدرآباد
18	خالد محمود ڈاکٹر	اردو ادب میں طنز ومزاح کی روایت	2005ء	
19	خواجہ اکرام ڈاکٹر	اردو کی شعری اصناف	1999ء	شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی

20	خواجہ عبدالغفور	طنز و مزاح کا تنقیدی جائزہ	1983ء	موڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی
21	راہی فدائی ڈاکٹر	حیدرآباد دکن کا شعر و ادب (علیم صبا نویدی کے مضامین کا انتخاب)	2006ء	جاوید حبیب
22	رشید احمد صدیقی	مضامین رشید	2009ء	انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی
23	ایضاً	گنجہائے گرانمایہ	1987ء	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی
24	رشید حسن خاں	اردو کیسے لکھیں	1975ء	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی
25	ایضاً	عبارت کیسے لکھیں	1994ء	مکتبہ پیام تعلیم جامعہ نگر نئی دہلی
26	رفیق جعفر	طنز و مزاح کے تین ستون (شخصی و فنی جائزہ اور منتخب تخلیقات)	2012ء	حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشن ٹرسٹ، پونے
27	ریاست علی تاج	نقوش حیدرآباد (دوسرا شعری مجموعہ)	1994ء	مکتبہ شعر و حکمت حیدرآباد
28	ساحل احمد	اصناف نظم	2007ء	اردو رائٹرس گلڈ الہٰ آباد
29	سلیمان اطہر جاوید پروفیسر	ادبی ڈائری ۔۲	2009ء	قاسم علی خاں
30	ایضاً	رشید احمد صدیقی	2006ء	ساہتیہ اکادمی
31	سید بشیر احمد ڈاکٹر	کاروانِ ادب	2010ء	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس
32	سید جعفر امیر رضوی	ملاک شاعری	2010ء	شاہد پبلی کیشنز نئی دہلی
33	سید جلیل الدین	شرح عروض و بلاغت	ندارد	دکن ٹریڈرس حیدرآباد
34	سید مسعود حسن رضوی	ہماری شاعری معیار و مسائل	2008ء	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس علی گڑھ
35	سید وارث	تذکرۂ اولیاء		
36	سیلانی ویلفر ٹرسٹ	قصیدہ بردہ شریف کے فضائل و برکات	ندارد	سیلانی ویلفر انٹرنیشنل ٹرسٹ
37	شاذ تمکنت	دست فرہاد		
38	شاہ بلیغ الدین	تذکرۂ عثمانین	2001ء	اردو اکیڈیمی سندھ کراچی
39	شاہ فیصل	مطالعۂ اصناف ادب	2010ء	کتابی دنیا دہلی
40	شاہدہ تسنیم ڈاکٹر	ڈاکٹر رشید موسوی حیات اور کارنامے	2004ء	مکتبہ شعر و حکمت حیدرآباد
41	شاہانہ مریم شان	ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں اردو تحقیق	2011ء	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

42	شیخ سیادت علی ڈاکٹر	آزادی کے بعد اردو مضامین میں طنز و مزاح	2010ء	تخلیق کار پبلشرز دہلی
43	شفیع احمد صدیقی	اردو زبان و قواعد حصہ اول	2006ء	مؤلف
44	شفیع احمد صدیقی	اردو زبان و قواعد حصہ دوم	2005ء	مؤلف
45	شفیعہ قادری	حیدرآباد کے علمی و ادبی ادارے	1988ء	مکتبہ شعر و حکمت، حیدرآباد
46	شفیق احمد	مجتبیٰ حسین بحیثیت کالم نگار، مقالہ برائے ایم۔فل اور اسلوب بیات	2002ء	
47	صادق نوید	خدوخال کا شاعر		
48	ضامن علی حسرت	اردو کے منتخب مزاح نگاروں کے سفرناموں کا تجزیاتی مطالعہ	2013ء	ضامن علی صدیقی (حسرت)
49	ضامن علی حسرت ڈاکٹر	غوث خواہ مخواہ اور ان کے چند ہمعصر شعراء کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا تجزیاتی مطالعہ	2015ء	کہکشاں کلچرل اینڈ لٹریری سوسائٹی نظام آباد
50	طارق سعید	اردو طنزیات و مضحکات کے نمائندہ اسالیب،	1996ء	ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس علی گڑھ
51	طاہر تونسوی ڈاکٹر	طنز و مزاح تاریخ تنقید	1986ء	ماہنامہ شانِ ہند نئی دہلی
52	طیب انصاری	حیدرآباد میں اردو صحافت 1857ء تا 1959ء	1980ء	مصنف
53	طیب انصاری	ردو قدح پر ردو قدح		
54	عاتق شاہ	میں چیخوں گا	1994ء	شگوفہ پبلیکیشنز حیدرآباد
55	عباس متقی سید	دکھتی رگیں	1989ء	سید عباس متقی
56	ایضاً	تسلیماً کثیراً (نعتوں کا مجموعہ)	1990ء	سید عباس متقی
57	ایضاً	مثنوی نوال السبحان فی مطالب سورہ الرحمٰن	1992ء	سید عباس متقی
58	عباس متقی ڈاکٹر سید	چھٹی انگلی (طنز و مزاح)	1993ء	سید عباس متقی
59	ایضاً	تنہائیاں (شعری مجموعہ)	1993ء	سید عباس متقی
60	ایضاً	میری بلا سے (طنز و مزاح)	1996ء	زندہ دلانِ حیدرآباد

61	ایضاً	فی ظلال البردہ	1996ء	ڈاکٹر سید عباس متقی
62	ایضاً	رودِ دود	2001ء	ڈاکٹر سید عباس متقی
63	ایضاً	ڈرتا ہوں آئینے سے (طنز و مزاح)	2003ء	زندہ دلانِ حیدر آباد
64	ایضاً	لگے ہاتھوں (طنز و مزاح)	2007ء	زندہ دلانِ حیدر آباد
65	ایضاً	ہیں کواکب کچھ (طنز و مزاح)	2008ء	زندہ دلانِ حیدر آباد
66	ایضاً	رباعیات متقی (فارسی)	2010ء	
67	ایضاً	رشک گردون (فارسی)	2011ء	
68	ایضاً	ٹک ٹک دیدم (طنز و مزاح)	2011ء	زندہ دلانِ حیدر آباد
69	ایضاً	مناجات متقی (فارسی)	2012ء	محمد معز قادری
70	ایضاً	من خوب می شناسم (طنز و مزاح)	2012ء	زندہ دلانِ حیدر آباد
71	ایضاً	نا گفتہ بہ (طنز و مزاح)	2013ء	زندہ دلانِ حیدر آباد
72	ایضاً	مینا بدوش (فارسی)	2013ء	ڈاکٹر سید عباس متقی
73	ایضاً	مقایسۂ غالب (فارسی)	2013ء	ڈاکٹر سید عباس متقی
74	ایضاً	گپ شپ (طنز و مزاح)	2015ء	زندہ دلانِ حیدر آباد
75	ایضاً	با دشمنان مدارا (طنز و مزاح)	2015ء	ڈاکٹر سید عباس متقی
76	عبد الرحمٰن جامی	قصیدۂ بردہ شریف (مترجم فارسی)	ندارد	جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان
77	عبد الرؤف ڈاکٹر	جذب عشق		
78	عقیل ہاشمی ڈاکٹر	نعت رسولؐ اور شعرائے حیدر آباد	2009ء	بزم حسّان ملک پیٹ حیدر آباد
79	علی احمد جلیلی ڈاکٹر	اردو کا عروض	1992ء	مصنف
80	علی احمد جلیلی	لہو کی آنچ		
81	ایضاً	بت خانہ خلیل		
82	علی احمد جلیلی ڈاکٹر	اوراقِ مصور (انتخاب کلام)	2005ء	سلمیٰ جلیلی و ظہیر احمد جلیلی
83	علیم صبا نویدی / راہی	حیدر آباد دکن کا شعر و ادب	2012ء	ٹمل ناڈو پبلی کیشنز چنئی

84	عنوان چشتی پروفیسر	عروضی اور فنی مسائل	1985ء	عنوان چشتی پروفیسر
85	عوض سعید	خاکے	1985ء	مصنف
86	غلام احمد فرقت کاکوروی	اردو میں طنز و مزاح	1957ء	ادارہ فروغ اردو امین آباد لکھنؤ
87	فخر الدین صدیقی اثر	اردو محاورے مع تذکیر و تانیث و ضرب الامثال	1972ء	عثمانیہ بک ڈپو
88	فرحت اللہ بیگ مرزا	ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی ۔۔۔	1992ء	انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی
89	فکر تونسوی	فکر بانی	1985ء	جمال پریس دہلی
90	فرید سحر	موج تبسم	2012ء	سید فرید احمد (فرید سحر)
91	قدیر زماں	سوائے انشائیہ اور سوانحی انشائیے	2009ء	فورم فار ماڈرن تھاٹ اینڈ لٹریچر
92	قمر رئیس ڈاکٹر	اردو ادب میں طنز و مزاح کی روایت	1986ء	
93	کرشن پرشاد شاؔد مہاراجا سر	مخزن القوافی	1322ھ	مطبع شمسی حیدرآباد دکن
94	کنہیا لال کپور	گردِ کارواں	1993ء	ساقی بک ڈپو، دہلی
95	کے۔امتہ الرحیم	صاحب فکر و نظر محمد علی آثر	2009ء	الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد
96	گوپی چند نارنگ ڈاکٹر	املا نامہ (سفارشات املا کمیٹی، ترقی اردو بورڈ)	1947ء	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی
97	مجتبیٰ حسین	آدمی نامہ	1975ء	حسامی بک ڈپو، حیدرآباد
98	محبوب علی خاں اخگر، محمد انور الدین خاں	افکارِ صفؔی اورنگ آبادی (حضرت صفؔی اور دیگر شعراء کے اشعار کا تقابلی مطالعہ)	2004ء	ڈاکٹر فاروق شکیل
99	محمد امان علی ثاقب	تنویر ثاقب منظوم تعارف.....	2006ء	
100	محمد انور الدین (راقم الحروف)	ڈاکٹر سید مصطفی کمال علمی وادبی خدمات	2014ء	اقبال اکیڈیمی حیدرآباد
101	ایضاً	معجزۂ فن	2014ء	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی
102	ایضاً	اردو کے آسان قواعد	2015ء	اقبال اکیڈیمی حیدرآباد

103	محمد بن علی المسدوسی نادرؔ	گلدستۂ شخصیات (خاکے)	2007ء	المسدوسی پبلیکشنز
104	محمد حسین آزاد	آب حیات		
105	محمد حسین عارف	قصیدہ بردہ شریف (مترجم اردو)	ندارد	افضل المطابع دہلی
106	محمد خان کرنل	بجنگ آمد	1996ء	کتاب والا، دہلی
107	محمد صبغتہ اللہ	فن شاعری (ایک جائزہ)	2001ء	مالک پبلی کیشنز بنگلور
108	محمد طیب انصاری ڈاکٹر	چیدہ چیدہ آدمی (خاکے)	2011ء	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی
109	محمد عبدالرزاق فاروقی	عاتق شاہ کی ادبی خدمات	2005ء	مصنف
110	محمد عبدالمنان	آندھراپردیش کے اردو ادیبوں شاعروں اور مصنفین کی ڈائرکٹری	2000ء	اردو اکیڈیمی آندھراپردیش
111	محمد عطااللہ خان ڈاکٹر	ڈاکٹر محمد علی اثر ایک مطالعہ	1994ء	محمد عطااللہ خان ڈاکٹر
112	محمد علی اثر	شمع جلتی رہے		
113	ایضاً	تحقیقات وتاثرات	2008ء	نشاط پبلیشرز، حیدرآباد
114	ایضاً	نوادراتِ تحقیق	1996ء	ادارۂ شعروحکمت، حیدرآباد
115	ایضاً	سہیل افروز	2009ء	الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد
116	محمد فیاض الدین نظامی	قصیدۂ بردہ شریف (مترجم اردو)	ندارد	جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان
117	محمد نسیم الدین فریس	تحقیقات	1992ء	محمد نسیم الدین فریس
118	محمد یعقوب عمر ڈاکٹر	اردو کے ابتدائی نثر پارے		
119	مشتاق احمد یوسفی	خاکم بدہن	2008ء	ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی
120	ایضاً	چراغ تلے	2008ء	ایضاً
121	ایضاً	آبِ گم	2012ء	ایضاً
122	ایضاً	زرگزشت	2012ء	ایضاً
123	مقبول احمد مقبول ڈاکٹر	مضطر مجاز شخصیت اور فن	2006ء	الانصار پبلی کیشنز
124	مظہر احمد ڈاکٹر	تلمیحات	2012ء	ایم۔آر پبلی کیشنز نئی دہلی

125	موہن پرشاد	حیدر آباد فرخندہ بنیاد ماضی و حال	2001ء	ادارۂ ادبیات اردو
126	نامی انصاری	بیسویں صدی میں طنز و مزاح (انتخاب نثر)	2002ء	ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی
127	ایضاً	آزادی کے بعد اردو نثر میں طنز و مزاح	1997ء	معیار پبلی کیشنز دہلی
128	نریندر لوتھر	مزاج پرسی	1983ء	حیدر آباد
129	وزیر آغا	انشائیہ کے خدوخال	1991ء	نئی آواز، جامعہ نگر نئی دہلی
130	ایضاً	اردو ادب میں طنز و مزاح	1999ء	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ
131	ہاجرہ کوثر ڈاکٹر	خیالات عقیل	2012ء	انیس امروہوی
132	یعقوب سروش	مطالبِ قرآن ایک نظر میں	2000ء	مصنف
133	یوسف روش	گلدستۂ رنگ رنگ (تہنیتی و تعزیتی قطعات)	2007ء	زینت کتاب گھر حیدر آباد
134	یوسف ناظم	اردو کے منتخب خاکے	2007ء	انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی

اردو لغات، فرہنگ و ڈکشنریاں

نشان	مرتب	نام	سنہ اشاعت	ناشر
1	ادارہ تصنیف و تالیف	اعجاز اللغات جدید اردو	2004ء	بک کارپوریشن دہلی
2	بشیر احمد قریشی پروفیسر	اسٹانڈرٹ ٹونتھ سنچری ڈکشنری (اردو۔انگلش)	1999ء	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی
3	ثوبان سعید	فرہنگ تلمیحات	2014ء	ایم۔آر۔پبلی کیشنز نئی دہلی
4	حمید اللہ بھٹ ڈائرکٹر	مختصر اردو لغت	1997ء	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
5	حمید اللہ بھٹ ڈائرکٹر	جامع اردو انسائیکلوپیڈیا (ادبیات)	2003ء	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
6	خوشنودہ نیلوفر ڈاکٹر	لغاتِ اردو محاورہ	2012ء	عرشیہ پبلی کیشنز نئی دہلی
7	سید تصدق حسین رضوی مولوی	لغاتِ کشوری	ندارد	دارالاشاعت اردو بازار کراچی

8	سید جعفر امیر رضوی	فرہنگ امیر	2010ء	شاہد پبلی کیشنز نئی دہلی
9	سید عبدالرشید بن عبدالغفور	منتخب اللغات	2011ء	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
10	شان الحق حقی	اوکسفرڈ انگلش اردو ڈکشنری	2003ء	اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس
11	ضامر احمد مضمر	ملٹی لنگوئل ڈکشنری آف دی ہولی قرآن	2013ء	الہام پبلی کیشنز دہلی
12	عبدالحق پروفیسر	عصری لغت	2014ء	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
13	عبداللطیف ڈاکٹر	فرہنگِ فارسی	2011ء	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی
14	عصمت جاوید ڈاکٹر	تلفظ نما اردو لغت	2004ء	حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشن ٹرسٹ
15	فضل الرحمٰن	اردو انسائیکلوپیڈیا جلد اول اور سوم	2010ء	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
16	فیروز الدین الحاج مولوی	فیروز اللغات	2003ء	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی
17	محمد عبداللہ خاں خویشگی	فرہنگ عامرہ	2005ء	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی
118	مقبول بیگ بدخشانی	جدید فیروز اللغات فارسی۔اردو	2010ء	ایم۔آر۔پبلی کیشنز نئی دہلی
19	نور الحسن نیر مولوی	نور اللغات	1998ء	-

غیر مطبوعہ کتاب

نشان	صاحب کتاب	نفس مضمون	کتاب کا عنوان
1	محمد انور الدین	خاکے	سوئے دار چلے (سید عباس متقی کے منتخب خاکے)

غیر مطبوعہ مقالے برائے پی ایچ۔ڈی

نشان	مقالہ نگار	عنوان مقالہ	نگران	جامعہ	سال
1	عباس متقی ڈاکٹر سید	آزادی کے بعد طنز و مزاح کا تہذیبی وسماجی پس منظر	ڈاکٹر حبیب ضیا	OU	1992ء
2	علاء الدین ڈاکٹر	دکنی شاعری میں فن تاریخ گوئی کا آغاز و ارتقاء	ڈاکٹر نسیم الدین فریس	UOH	2012ء

3	گلِ رعنا ڈاکٹر	مجتبیٰ حسین بحیثیت طنز و مزاح نگار	پروفیسر میمونہ مسعود	OU	2010ء
4	محمد طیب علی ڈاکٹر	جنوبی ہند میں طنز و مزاح کا ارتقاء	پروفیسر محمد انور الدین	UOH	2007ء
5	میر حشمت علی ڈاکٹر	حیدر آباد میں طنز و مزاح کی ایک صدی 1900ء تا 2000ء	ڈاکٹر حبیب نثار	UOH	2009ء
6	یس۔ جے صادق ڈاکٹر	اردو ادب میں طنز و مزاح آزادی کے بعد (۱۹۴۷ء تا ۱۹۷۵ء) حصہ نثر	ڈاکٹر حفیظ قتیل	OU	1979ء

غیر مطبوعہ مقالے برائے ایم۔ فل

نشان	مقالہ نگار	عنوان مقالہ	نگران	جامعہ	سال
1	زبیر بن نصر اللہ	رسالہ آندھرا پردیش کا اشاریہ	پروفیسر محمد انور الدین	UH	2012ء
2	سید عباس متقی	قاضی احمد علی قاضی حیات اور کارنامے	ڈاکٹر ابوالفضل سید محمود قادری	OU	1988ء
3	سیدہ اسریٰ فاطمہ	ماہنامہ شگوفہ کی ادبی خدمات	پروفیسر مجید بیدار	OU	2009ء
4	عاقلہ سلطانہ	مسیح انجم بحیثیت مزاح نگار	پروفیسر رحمت یوسف زئی	UH	1999ء
5	عزیز ابرار	شگوفہ کی ادبی خدمات	پروفیسر رحمت یوسف زئی	UH	1989ء

مطبوعہ / غیر مطبوعہ مضامین / خاکے

نشان	خاکہ نگار	خاکہ بنام	ماخوذ از
1	ایم۔ اے نعیم فیضی ڈاکٹر	ڈاکٹر سید عباس متقی کی فارسی تاریخ گوئی	منصف ۵/جولائی ۲۰۰۹ء
2	ایضاً	ڈاکٹر سید عباس متقی اور فارسی شاعری	منصف ۲۶/ستمبر ۲۰۱۳ء
3	ایضاً	خاکۂ ڈاکٹر عباس متقی	نجی کتب خانۂ متقی
4	شفیق پرویز ڈاکٹر	ڈاکٹر سید عباس متقی کی فارسی غزل گوئی	ایضاً
5	محمد انور الدین	ڈاکٹر عباس متقی کے فارسی منظوم خطوط	غیر مطبوعہ
6	محمد حمید الدین	ڈاکٹر سید عباس متقی منفرد شخصیت، مختلف پہلو	نجی کتب خانۂ متقی
7	محمد مصباح الدین طاہر	ڈاکٹر سید عباس متقی ایک ادب نواز و بذلہ سنج شخصیت	ایضاً

8	مخدوم جمالی	مینا بدوش کا شاعر	ایضاً
9	مظفر شہ میری پروفیسر	بے ریا خاکہ نگار	مطبوعہ عالم گیر ادب نمبر ۳

("تنظیم کثیر زرگی" اور "وقت کے چاک پر" کی روشنی میں)

ماہنامہ شگوفہ حیدرآباد کا غیر مطبوعہ اشاریہ

نشان	اشاریہ	اشاریہ نگار	مدیر
1	ماہنامہ شگوفہ کا اشاریہ نومبر 1966ء تا 2009ء (نثر)	ڈاکٹر سید ممتاز مہدی	ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال
2	ماہنامہ شگوفہ کا اشاریہ نومبر 1966ء تا 2009ء (نثر)	ڈاکٹر سید ممتاز مہدی	ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال

سالنامے

نشان	مدیر	سالنامہ کا نام	جلد	شمارہ	ماہ وسال
1	ظفر کمال	ظرافت شناسی سیوان	۲		اگست ۲۰۰۶ء

سہ ماہی

نشان	مدیر	سہ ماہی کا نام	جلد	شمارہ	ماہ وسال
1	پروفیسر خلیل احمد	طنز ومزاح بنگلور	۱	۱	جنوری تا مارچ ۲۰۱۰ء

دوماہی

نشان	مدیر	دوماہی کا نام	جلد	شمارہ	ماہ وسال
1	ڈاکٹر حلیمہ فردوس	ظرافت بنگلور	4	24-25	جون تا اگست 2009ء

ماہنامے

نشان	مدیر	نام ماہنامہ	جلد	شمارہ	ماہ وسال
1	مصطفیٰ کمال ڈاکٹر سید	شگوفہ حیدرآباد	20	3	مارچ 1987ء
2	ایضاً	ایضاً	20	6	جون 1987ء
3	ایضاً	ایضاً	20	12	دسمبر 1987ء

4	ایضاً	ایضاً	21	5	مئی1988ء
5	ایضاً	ایضاً	21	8	اگست1988ء
6	ایضاً	ایضاً	21	9	ستمبر1988ء
7	ایضاً	ایضاً	21	11	نومبر1988ء
8	ایضاً	ایضاً	33	2	فروری1990ء
9	ایضاً	ایضاً	24	1-2	جنوری رفروری1991ء
10	ایضاً	ایضاً	24	7	جولائی1991ء
11	ایضاً	ایضاً	24	12	دسمبر1991ء
12	ایضاً	ایضاً	25	1-2	جنوری رفروری1992ء
13	ایضاً	ایضاً	25	3	مارچ1992ء
14	ایضاً	ایضاً	28	4	اپریل1994ء
15	ایضاً	ایضاً	27	8	اگست1994ء
16	ایضاً	ایضاً	28	1-2	جنوری رفروری1995ء
17	ایضاً	ایضاً	28	5	مئی1995ء
18	ایضاً	ایضاً	28	8	اگست1995ء
19	ایضاً	ایضاً	28	12	دسمبر1995ء
20	ایضاً	ایضاً	29	1-2	جنوری رفروری1996ء
21	ایضاً	ایضاً	29	4	اپریل1996ء
22	ایضاً	ایضاً	29	11	نومبر1996ء
23	ایضاً	ایضاً	30	1-2	جنوری رفروری1997ء
24	ایضاً	ایضاً	30	9	ستمبر1997ء
25	ایضاً	ایضاً	31	3	مارچ1998ء
26	ایضاً	ایضاً	31	6	جون1998ء

27	ایضاً	ایضاً	31	10	اکتوبر 1998ء
28	ایضاً	ایضاً	32	1-2	جنوری/فروری 1999ء
29	ایضاً	ایضاً	32	7	جولائی 1999ء
30	ایضاً	ایضاً	32	11	نومبر 1999ء
31	ایضاً	ایضاً	33	1-2	جنوری/فروری 2000ء
32	ایضاً	ایضاً	34	1-2	جنوری/فروری 2001ء
33	ایضاً	ایضاً	35	1-2	جنوری/فروری 2002ء
34	ایضاً	ایضاً	36	2	فروری 2003ء
35	ایضاً	ایضاً	36	11	نومبر 2003ء
36	ایضاً	ایضاً	37	1	جنوری 2004ء
37	ایضاً	ایضاً	37	10	اکتوبر 2004ء
38	ایضاً	ایضاً	37	11	نومبر 2004ء
39	ایضاً	ایضاً	38	2	فروری 2005ء
40	ایضاً	ایضاً	38	7	جولائی 2005ء
41	ایضاً	ایضاً	39	3	مارچ 2006ء
42	ایضاً	ایضاً	40	2	فروری 2007ء
43	ایضاً	ایضاً	40	6	جون 2007ء
44	ایضاً	ایضاً	41	1	جنوری 2008ء
45	ایضاً	ایضاً	42	1	جنوری 2009ء
46	ایضاً	ایضاً	42	8	اگست 2009ء
47	ایضاً	ایضاً	43	2	فروری 2010ء
48	ایضاً	ایضاً	43	12	دسمبر 2010ء
49	ایضاً	ایضاً	44	1	جنوری 2011ء

50	ایضاً	ایضاً	44	12	دسمبر 2011ء
51	ایضاً	ایضاً	44	11	نومبر 2011ء
52	ایضاً	ایضاً	45	1	جنوری 2012ء
53	ایضاً	ایضاً	45	11	نومبر 2012ء
54	ایضاً	ایضاً	46	1	جنوری 2013ء
55	ایضاً	ایضاً	46	12	دسمبر 2013ء
56	ایضاً	ایضاً	47	1	جنوری 2014ء
57	ایضاً	ایضاً	47	11	نومبر 2014ء
58	ایضاً	ایضاً	48	1	جنوری 2015ء
59	ایضاً	ایضاً	49	11	نومبر 2016ء
60	مغنی تبسم	سب رس حیدر آباد			نومبر 1996ء
61	ایس۔اے شکور	قومی زبان	6	5	مئی 2015ء
62	ایضاً	ایضاً	1	3	مارچ 2016ء

روزنامہ سیاست حیدر آباد

نشان	قلم کار	نفس مضمون	مضمون کا نام	مورخہ
1	سید عباس متقی ڈاکٹر	روداد	لگے ہاتھوں کی رسم اجرا	12/دسمبر 2007ء
2	ایضاً	ایضاً	مشاعرے کی روداد	28/نومبر

روزنامہ ہمارا عوام حیدر آباد

نشان	قلم کار	نفس مضمون	بہ ضمن	مورخہ
1	عباس متقی ڈاکٹر سید	فکاہیہ	چنگاریاں	19/اگست 1997ء
2	ایضاً	ایضاً	ایضاً	26/اگست 1997ء
3	ایضاً	ایضاً	ایضاً	2/ستمبر 1997ء

4	ایضاً	ایضاً	ایضاً	9/ستمبر1997ء
5	ایضاً	ایضاً	ایضاً	16/ستمبر1997ء
6	ایضاً	ایضاً	ایضاً	23/ستمبر1997ء
7	ایضاً	ایضاً	ایضاً	7/اکتوبر1997ء
8	ایضاً	ایضاً	ایضاً	14/اکتوبر1997ء
9	ایضاً	ایضاً	ایضاً	21/اکتوبر1997ء
10	ایضاً	ایضاً	ایضاً	28/اکتوبر1997ء
11	ایضاً	ایضاً	ایضاً	4/نومبر1997ء
12	ایضاً	ایضاً	ایضاً	11/نومبر1997ء
13	ایضاً	ایضاً	ایضاً	18/نومبر1997ء
14	ایضاً	ایضاً	ایضاً	2/دسمبر1997ء
15	ایضاً	ایضاً	ایضاً	9/دسمبر1997ء
16	ایضاً	ایضاً	ایضاً	23/دسمبر1997ء
17	ایضاً	ایضاً	ایضاً	30/دسمبر1997ء
18	ایضاً	ایضاً	ایضاً	6/جنوری1998ء
19	ایضاً	ایضاً	ایضاً	13/جنوری1998ء
20	ایضاً	ایضاً	ایضاً	20/جنوری1998ء
21	ایضاً	ایضاً	ایضاً	3/فروری1998ء
22	ایضاً	ایضاً	ایضاً	10/فروری1998ء
23	ایضاً	ایضاً	ایضاً	13/فروری1998ء
24	ایضاً	ایضاً	ایضاً	17/فروری1998ء
25	ایضاً	ایضاً	ایضاً	22/فروری1998ء

26	ایضاً	ایضاً	ایضاً	3/مارچ1998ء
27	ایضاً	ایضاً	ایضاً	10/مارچ1998ء
28	ایضاً	ایضاً	ایضاً	17/مارچ1998ء
29	ایضاً	ایضاً	ایضاً	24/مارچ1998ء
30	ایضاً	ایضاً	ایضاً	7/اپریل1998ء
31	ایضاً	ایضاً	ایضاً	14/اپریل1998ء
32	ایضاً	ایضاً	ایضاً	28/اپریل1998ء
33	ایضاً	ایضاً	ایضاً	5/مئی1998ء
34	ایضاً	ایضاً	ایضاً	12/مئی1998ء
35	ایضاً	ایضاً	ایضاً	19/مئی1998ء
36	ایضاً	ایضاً	ایضاً	26/مئی1998ء
37	ایضاً	ایضاً	ایضاً	2/جون1998ء
38	ایضاً	ایضاً	ایضاً	16/جون1998ء
39	ایضاً	ایضاً	ایضاً	23/جون1998ء
40	ایضاً	ایضاً	ایضاً	30/جون1998ء
41	ایضاً	ایضاً	ایضاً	7/جولائی1998ء
42	ایضاً	ایضاً	ایضاً	14/جولائی1998ء
43	ایضاً	ایضاً	ایضاً	21/جولائی1998ء
44	ایضاً	ایضاً	ایضاً	28/جولائی1998ء
45	ایضاً	ایضاً	ایضاً	4/اگست1998ء
46	ایضاً	ایضاً	ایضاً	11/اگست1998ء
47	ایضاً	ایضاً	ایضاً	18/اگست1998ء

48	ایضاً	ایضاً	ایضاً	یکم رستمبر 1998ء
49	ایضاً	ایضاً	ایضاً	8رستمبر 1998ء
50	ایضاً	ایضاً	ایضاً	15رستمبر 1998ء
51	ایضاً	ایضاً	ایضاً	22رستمبر 1998ء
52	ایضاً	ایضاً	ایضاً	29رستمبر 1998ء
53	ایضاً	ایضاً	ایضاً	6راکتوبر 1998ء
54	ایضاً	ایضاً	ایضاً	20راکتوبر 1998ء
55	ایضاً	ایضاً	ایضاً	27راکتوبر 1998ء
56	ایضاً	ایضاً	ایضاً	3رنومبر 1998ء
57	ایضاً	ایضاً	ایضاً	10رنومبر 1998ء
58	ایضاً	ایضاً	ایضاً	17رنومبر 1998ء
59	ایضاً	ایضاً	ایضاً	24رنومبر 1998ء
60	ایضاً	ایضاً	ایضاً	یکم ردسمبر 1998ء
61	ایضاً	ایضاً	ایضاً	22ردسمبر 1998ء
62	ایضاً	تبصرہ	دکھنی اردو شاعری میں طنز و مزاح	19رجولائی 2001ء
63	ایضاً	فکاہیہ	مرزا کے عناصر	19رجولائی 2001ء

روزنامہ صدائے حسینی حیدرآباد

نشان	قلم کار	نفس مضمون	مضمون کا نام	مورخہ
1	عباس متقی ڈاکٹر سید	نظم (فارسی)	روز عید آمد	11رستمبر 2011ء
2	ایضاً	انشائیہ	نابالغ ابّا	11رستمبر 2011ء
3	ایضاً	ایضاً	حلم والے حلیم کیا جانیں	14راگست 2011ء

روزنامہ منصف حیدرآباد

نشان	قلم کار	نفس مضمون	مضمون کا نام	مورخہ
1	احمد ومیض ندوی	مضمون	حضرت مولانا محمد حمید الدین حسامی عاقل	.....
2	ایم۔ایس خان	ایضاً	سقوط حیدرآباد اور آصف سابع	25/ستمبر 2014ء
3	ایم۔اے نعیم فیضی	ایضاً	ڈاکٹر سید عباس متقی اور فارسی شاعری	26/ستمبر 2013ء
4	حمید عادل	ایضاً	طالب صاحب آج بھی ہمارے دلوں میں ہیں	20/جنوری 2011ء
5	دست گیر نواز	ایضاً	طالب خوندمیری کی یاد میں	6/ستمبر 2012ء
6	سمیع اللہ حسینی سمیع	منظوم تعزیت	ادب کے فن کا وہ روشن ستارا	20/جنوری 2011ء
7	سیدہ جعفر ڈاکٹر	تبصرہ	دکنی زبان کی قواعد از پروفیسر حبیب ضیاء	12/ستمبر 2013ء
8	عباس متقی ڈاکٹر	مضمون	مولانائے دکن	24/جنوری 1983ء
9	ایضاً	مضمون	چائے	25/جولائی 1984ء
10	ایضاً	مزاحیہ	کھٹمل	25/جنوری 1987ء
11	ایضاً	خاکہ	بنام تنویر منیار سلمہٗ	18/اپریل 1998ء
12	ایضاً	تبصرہ	نوک جھونک	6/جنوری 1999ء
13	ایضاً	مزاحیہ	خدا بچائے ان و یجیلیشن سے	8/مارچ 1999ء
14	ایضاً	ایضاً	ہم تو چلے پردیس ہم پردیسی ہو گئے	4/نومبر 1999ء
15	ایضاً	ایضاً	آپ تو جنگل کے راجہ ٹھہرے	16/فروری 2000ء
16	ایضاً	ایضاً	آمدِ کلّو۔ہلّو ہلّو	13/اپریل 2000ء
17	ایضاً	ایضاً	سٹّہ	18/اگست 2000ء
18	ایضاً	ایضاً	دل کے درد سے گھٹنے کے درد تک	15/نومبر 2000ء
19	ایضاً	ایضاً	بلِ آیا بلبلایا	15/فروری 2001ء
20	ایضاً	ایضاً	دکھ اٹھائے جو بتوں نے تو خدا یاد آیا	10/مارچ 2001ء

21	ایضاً	ایضاً	ہم بھی اگر بچّے ہوتے	23/مارچ 2001ء
22	ایضاً	ایضاً	بچّے لو بچّے	7/مئی 2001ء
23	ایضاً	ایضاً	انسان ہے اب بھی بندر	21/مئی 2001ء
24	ایضاً	ایضاً	چلتے ہیں تو شکاگو چلیے	5/جون 2001ء
25	ایضاً	ایضاً	سر تسلیم خم ہے جو مزاج باپ میں آئے	29/جون 2001ء
26	ایضاً	ایضاً	جو مزاج باپ میں آئے	29/جون 2001ء
27	ایضاً	ایضاً	وہ دن بھول گئے	24/ستمبر 2001ء
28	ایضاً	ایضاً	بازیچۂ اطفال ہے دنیا میرے آگے	25/جولائی 2002ء
29	ایضاً	ایضاً	یہ بھارت پہ خرم کا احسان ہے	22/اگست 2002ء
30	ایضاً	ایضاً	نو سو چوہے پورے ہو گئے ''حج'' کو جانا ہے باشاہ	29/اگست 2002ء
31	ایضاً	ایضاً	محنت کش انسان جاگ اٹھا، لو 'بھارت' کے بھاگ جگے	5/ستمبر 2002ء
32	ایضاً	ایضاً	کون سنتا ہے فغان استاد اور وہ بھی بہ زبان استاد	19/ستمبر 2002ء
33	ایضاً	ایضاً	یہ پیٹھ بریکر ہے کہ اسپیڈ بریکر	26/ستمبر 2002ء
34	ایضاً	ایضاً	یہ بند بھی کیا بند ہے ادھر بند ہے اُدھر بند ہے	3/اکتوبر 2002ء
35	ایضاً	ایضاً	پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر	10/اکتوبر 2002ء
36	ایضاً	ایضاً	ہمیں تو لوٹ لیا مل کے پولیس والوں نے	17/اکتوبر 2002ء
37	ایضاً	ایضاً	صفی کچرے کے لڑکے کو غذا ملتی ہے کچرے سے	24/اکتوبر 2002ء
38	ایضاً	ایضاً	کہوں کس سے میں کہ کیا ہے سگ رہ بری بلا؟	31/اکتوبر 2002ء
39	ایضاً	ایضاً	ترے در و بام پر وادیٔ ایمن کا نور	5/دسمبر 2002ء
40	ایضاً	ایضاً	مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ	23/جنوری 2003ء
41	ایضاً	ایضاً	سڑکیں تو بہت صاف ہیں دل صاف نہیں	20/فروری 2003ء
42	ایضاً	ایضاً	صوفی منش جہاں میں پرندہ ہے کبوتر	6/مارچ 2003ء

43	ایضاً	ایضاً	بابو! سمجھو اشارے، ہارن پکارے، پم پم پم	13/مارچ 2003ء
44	ایضاً	ایضاً	آنسو بہا بہا کر پانی کو رو رہے ہیں	20/مارچ 2003ء
45	ایضاً	ایضاً	پھر چلی ہے ریل اسٹیشن سے لہراتی ہوئی	2/اکتوبر 2003ء
46	ایضاً	ایضاً	کتابوں سے بڑھ کر نہیں دوست کوئی	16/اکتوبر 2003ء
47	ایضاً	ایضاً	محکمہ تعلیمات یا محکمہ تعطیلات	22/دسمبر 2003ء
48	ایضاً	ایضاً	ہیں اور بھی دنیا میں دھنیے	20/اگست 2004ء
49	ایضاً	ایضاً	ہوئے ہم جو مر کے رسواء	یکم/مارچ 2005ء
50	ایضاً	ایضاً	سلام خوش نویس کو آخری سلام	12/مارچ 2005ء
51	ایضاً	ایضاً	جادوگرسیاں	18/مارچ 2005ء
52	ایضاً	تبصرہ	شگوفہ سال نامہ جنوری 2005ء خصوصی مطالعہ	20/مارچ 2005ء
53	ایضاً	مزاحیہ	عجب ہے یہ لباس پارسائی	22/مارچ 2005ء
54	ایضاً	ایضاً	وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ	31/مارچ 2005ء
55	ایضاً	ایضاً	امیتابھ بچن کے اشتہارات	15/اپریل 2005ء
56	ایضاً	ایضاً	پرانا شہر یا پیلا شہر	25/اپریل 2005ء
57	ایضاً	ایضاً	دیکھو مگر میک اپ اتار کے	26/جولائی 2005ء
58	ایضاً	ایضاً	ہم تو تیرے عاشق ہیں صدیوں پرانے	5/فروری 2007ء
59	ایضاً	تنقید	غالبؔ کی فارسی شاعری پر مرزا بیدل کے اثرات	15/فروری 2007ء
60	ایضاً	خاکہ	تیری ''مونچھوں'' کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے	20/ستمبر 2007ء
61	ایضاً	مزاحیہ	ممبروں کا ہراج	22/جولائی 2008ء
62	ایضاً	ایضاً	بھارت رتن کے ہم مستحق ہیں	13/اگست 2008ء
63	ایضاً	ایضاً	کیف بی بی کے نام ایک کھلا خط قسط اول	12/ستمبر 2008ء
64	ایضاً	ایضاً	کیف بی بی کے نام ایک کھلا خط قسط دوم	13/ستمبر 2008ء
65	ایضاً	ایضاً	حِلم والے حلیم کھاتے ہیں	23/ستمبر 2008ء

66	ایضاً	ایضاً	خانگی مدارس یا ٹکسال	23/اکتوبر 2008ء
67	ایضاً	ایضاً	حمیت کا جوتا خباثت کے سر	29/دسمبر 2008ء
68	ایضاً	ایضاً	یوم عاشقاں یا یوم احمقاں	21/فروری 2009ء
69	ایضاً	ایضاً	استاد ہر دل عزیز ڈاکٹر عزیز بانو	26/فروری 2009ء
70	ایضاً	خاکہ	ٹیکنو کریٹ شاعر یوسف روش	2/جولائی 2009ء
71	ایضاً	مزاحیہ	ہم نے گولڈ میڈل حاصل کیا	19/جولائی 2009ء
72	ایضاً	ایضاً	پیرس سے بلاوا آیا ہے	15/اکتوبر 2009ء
73	ایضاً	ایضاً	ہاں! ہم ''ایڈیٹ'' ہیں	26/جنوری 2010ء
74	ایضاً	ایضاً	کہ من شیر ہستم	23/اگست 2010ء
75	ایضاً	ایضاً	منی نیک نام ہی کب تھی	16/دسمبر 2010ء
76	ایضاً	ایضاً	اور پا نالغت فارسی کا	19/جنوری 2011ء
77	ایضاً	خاکہ	قصہ ایک عبقری شخصیت سے ملاقات کا	20/جنوری 2011ء
78	ایضاً	مزاحیہ	آؤ پھر شادی کریں (قسط اول)	18/فروری 2011ء
79	ایضاً	ایضاً	یاد تھیں جتنی دعائیں صرف کرکٹ ہوگئیں	16/اپریل 2011ء
80	ایضاً	ایضاً	دیوآنند (قسط دوم)	21/دسمبر 2011ء
81	ایضاً	ایضاً	عجیب شخص ہے (پہلی قسط)	16/فروری 2012ء
82	ایضاً	ایضاً	عجیب شخص ہے (آخری قسط)	23/فروری 2012ء
83	ایضاً	خاکہ	قاری ایم۔ایس خان ایک مشفق دوست، ایک مخلص قلم کار	29/مارچ 2012ء
84	ایضاً	مزاحیہ	کاغذ کی فریاد (قسط اول)	4/اپریل 2012ء
85	ایضاً	خاکہ	قاری ایم۔ایس خان ایک مشفق دوست، ایک مخلص قلم کار، دوسری اور آخری قسط	5/اپریل 2012ء
86	ایضاً	مزاحیہ	ایک شادی۔ایک نظم	3/مئی 2012ء

87	ایضاً	ایضاً	بزم سعدی یا نام نہاد بزم سعدی (قسط اول)	17/مئی 2012ء
88	ایضاً	ایضاً	بزم سعدی یا نام نہاد بزم سعدی (قسط اول)	18/مئی 2012ء
89	ایضاً	ایضاً	مٹھائی کا ڈبہ اور مولانا روم کا شعر	23/مئی 2012ء
90	ایضاً	خاکہ	یادِ مغنی عذاب ہے یا رب	24/مئی 2012ء
91	ایضاً	مزاحیہ	شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ میں ہماری خدمات	19/جولائی 2012ء
92	ایضاً	ایضاً	پتہ نہیں تیواری اور کس کے ڈیڈی ہیں	9/اگست 2012ء
93	ایضاً	ایضاً	آلو کا قورمہ اور شکریہ کی ایک نظم	9/اگست 2012ء
94	ایضاً	خاکہ	چاند بھائی: تیری خدمت سے نہیں ملتی کسی کی خدمت	23/اگست 2012ء
95	ایضاً	مزاحیہ	دعوت شیر خرما در شعبۂ فارسی از طرف پروفیسر عزیز بانو	6/ستمبر 2012ء
96	ایضاً	ایضاً	راج بھون سے ہمارے گھر تک کچرا ہی کچرا	20/ستمبر 2012ء
97	ایضاً	ایضاً	ہم بھی اگر کتے ہوتے	4/اکتوبر 2012ء
98	ایضاً	ایضاً	سرکس کا شیر (قسط اول)	18/اکتوبر 2012ء
99	ایضاً	ایضاً	سرکس کا شیر (قسط دوم)	25/اکتوبر 2012ء
100	ایضاً	ایضاً	پچاس کروڑ کی معشوقہ	8/نومبر 2012ء
101	ایضاً	ایضاً	زن سبزی فروش	29/نومبر 2012ء
102	ایضاً	ایضاً	مرغ کی فریاد	20/دسمبر 2012ء
103	ایضاً	ایضاً	اقبال کا شاہین اور ہمارا کبوتر	10/جنوری 2013ء
104	ایضاً	ایضاً	جادوگرسیاں	31/جنوری 2013ء
105	ایضاً	خاکہ	صادق حیات جدید فارسی ادب کا ایک منفرد قلم کار	14/فروری 2013ء
106	ایضاً	مزاحیہ	''بھینس'' کے دودھ سے ''دامودر یادو'' کے دودھ تک	28/فروری 2013ء
107	ایضاً	خاکہ	الحاج محمد عبد الباسط خان: خدمت و خلوص کا پیکر	14/مارچ 2013ء
108	ایضاً	سفر نامہ	سفر نامہ کشور ایران	14/مارچ 2013ء
109	ایضاً	مزاحیہ	مکھی کی فریاد	4/اپریل 2013ء

110	ایضاً	ایضاً	کیٹ ونسلیٹ کے نام ایک کھلا خط	6/مئی 2013ء
111	ایضاً	ایضاً	ہمارا گھر	9/مئی 2013ء
112	ایضاً	ایضاً	شیطان سے ایک ملاقات	23/مئی 2013ء
113	ایضاً	ایضاً	یہ بھی ایک مثالی شادی ہے	13/جون 2013ء
114	ایضاً	خاکہ	رفیق دیرینہ ڈاکٹر شفیق پرویز	27/جون 2013ء
115	ایضاً	مزاحیہ	مودی مجنون سگِ دنیائے دون	17/جولائی 2013ء
116	ایضاً	ایضاً	سنیما کا کریز	18/جولائی 2013ء
117	ایضاً	ایضاً	کشورشام آہ! اکنون کشورِتاریک شد	یکم/اگست 2013ء
118	ایضاً	ایضاً	ہم آزاد ہیں	15/اگست 2013ء
119	ایضاً	ایضاً	بچاؤ ہمیں پڑوسیوں سے	22/اگست 2013ء
120	ایضاً	ایضاً	آسارام مفت ہوئے بدنام	3/ستمبر 2013ء
121	ایضاً	ایضاً	کارنامۂ حیات	12/ستمبر 2013ء
122	ایضاً	ایضاً	تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے!	10/اکتوبر 2013ء
123	ایضاً	تبصرہ	معین الاولیاء	24/اکتوبر 2013ء
124	ایضاً	مزاحیہ	مرزا نے اپنا بنگلہ دکھایا	31/اکتوبر 2013ء
125	ایضاً	خاکہ	پیکراخلاص وعمل قاضی سید عزیز الدین صابر	14/نومبر 2013ء
126	ایضاً	مزاحیہ	"BEN-HUR" معصوم بچپن معصوم یادیں	28/نومبر 2013ء
127	ایضاً	ایضاً	تہلکہ در تہلکہ	12/دسمبر 2013ء
128	ایضاً	ایضاً	سارے جہاں میں دھوم ہمارے کچن کی ہے	20/فروری 2014ء
129	ایضاً	تبصرہ	گیلے پتوں کا شاعر: رؤف الدین شاکر	6/مارچ 2014ء
130	ایضاً	مزاحیہ	دینی، تعلیمی وصنعتی تنظیم کی جانب سے ہماری تہنیت	20/مارچ 2014ء
131	ایضاً	ایضاً	کاہلوں کی انجمن	3/اپریل 2014ء
132	ایضاً	ایضاً	کفن کا ٹکڑا	17/اپریل 2014ء

133	ایضاً	ایضاً	وکٹوریہ میٹرنٹی ہاسپٹل : یہیں تو ہم نے جنم لیا تھا	3/مئی 2014ء
134	ایضاً	ایضاً	انگلی میں داغ لگا بیٹھے۔۔۔	15/مئی 2014ء
135	ایضاً	ایضاً	خون آدم سے نہیں ہے کوئی بھی پر چم بزرگ	29/مئی 2014ء
136	ایضاً	ایضاً	آپ کاج مہا کاج	12/جون 2014ء
137	ایضاً	تبصرہ	بڑے گھر کی بیٹی پروفیسر حبیب ضیاء	26/جون 2014ء
138	ایضاً	مزاحیہ	چیونٹی کی فریاد	24/جولائی 2014ء
139	ایضاً	ایضاً	لذتوں کا ثواب باقی ہے	7/اگست 2014ء
140	ایضاً	ایضاً	شرم تم کو مگر نہیں آتی	21/اگست 2014ء
141	ایضاً	ایضاً	گدھ جو عنقا ہو گئے	4/ستمبر 2014ء
142	ایضاً	ایضاً	قرض بھی دینا کتے اور قتل بھی ہونا کتے	25/ستمبر 2014ء
143	ایضاً	ایضاً	موت کا ایک دن معین ہے۔۔۔	9/اکتوبر 2014ء
144	ایضاً	ایضاً	جادوگرسیاں	23/اکتوبر 2014ء
145	ایضاً	ایضاً	بایاں ہاتھ	6/نومبر 2014ء
146	ایضاً	ایضاً	ہم نے لوری سنائی	20/نومبر 2014ء
147	ایضاً	خاکہ	عزم وعمل کا پیکر: مظفر النساء نازؔ	4/دسمبر 2014ء
148	ایضاً	مزاحیہ	بخال ہندوش بخشم ھمہ ''یاقوت پورہ'' را	18/دسمبر 2014ء
149	ایضاً	ایضاً	ہم نے پھر انٹرویو دیا اور پھر فیل ہو گئے	یکم/جنوری 2015ء
150	ایضاً	ایضاً	بشنواز ''کاغذ'' شکایت می کند	15/جنوری 2015ء
151	ایضاً	تبصرہ	جناب امیر احمد خسروؔ ''دست دعا'' کے آئینے میں	29/جنوری 2015ء
152	ایضاً	مزاحیہ	ایک مسافر ایک حسینہ	19/فروری 2015ء
153	ایضاً	ایضاً	زوجہ عمران شد ریحام خاں	5/مارچ 2015ء
154	ایضاً	ایضاً	بات کُتّے کی۔۔۔ذات کُتّے کی	19/مارچ 2015ء
155	ایضاً	ایضاً	وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے	2/اپریل 2015ء

156	ایضاً	ایضاً	اللہ دلوائے گا تو لیوے گا	16/اپریل 2015ء
157	ایضاً	ایضاً	کوہِ نور کی واپسی	30/اپریل 2015ء
158	ایضاً	ایضاً	غزل کے تین گیت	17/جون 2015ء
159	ایضاً	ایضاً	گاڑی والے گاڑی دھیرے ہانک رے	25/جون 2015ء
160	ایضاً	ایضاً	ہم کو چھٹی نہ ملی، اُس نے سبق یاد کیا	30/جولائی 2015ء
161	ایضاً	ایضاً	آیا اب بھی ہیں بیٹیاں منحوس؟	13/اگست 2015ء
162	ایضاً	ایضاً	دیوار کی آنکھیں	27/اگست 2015ء
163	ایضاً	ایضاً	تیل قندیل (پہلی قسط)	10/ستمبر 2015ء
164	ایضاً	ایضاً	تیل قندیل (دوسری قسط)	24/ستمبر 2015ء
165	ایضاً	ایضاً	بیل کرتا ہے عرض یوں احوال	8/اکتوبر 2015ء
166	ایضاً	ایضاً	دعوتِ منور (زندہ دلان حیدر آباد کے ادبی اجلاس میں پڑھا گیا مضمون	22/اکتوبر 2015ء
167	ایضاً	ایضاً	آمدم برسرِ بیت الخیال	5/نومبر 2015ء
168	ایضاً	ایضاً	گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا	19/نومبر 2015ء
169	ایضاً	ایضاً	مرزا جحت الکھکیڑی	5/دسمبر 2015ء
170	ایضاً	ایضاً	گھوڑے تیری تقدیر پہ دل ہلتا ہے (پہلی قسط)	18/دسمبر 2015ء
171	ایضاً	ایضاً	گھوڑے تیری تقدیر پہ دل ہلتا ہے (پہلی قسط)	19/دسمبر 2015ء
172	ایضاً	ایضاً	دلیپ کمار کو پدما وبھوشن، اعزاز یا توہین 1	یکم جنوری 2016ء
173	ایضاً	ایضاً	ایضاً (دوسری قسط)	2/جنوری 2016ء
174	ایضاً	تبصرہ	اردو کی آسان قواعد	7/جنوری 2016ء
175	ایضاً	مزاحیہ	شادی خانے سے جیل خانے تک	21/جنوری 2016ء
176	ایضاً	ایضاً	غوث خواہ مخواہ اور ان کے چند ہمعصر شعراء۔۔	28/جنوری 2016ء

177	ایضاً	ایضاً	یہ خودکشی کے میلے	4/فروری 2016ء
178	قطب الدین خان	خاکہ	غزلوں کی ملکہ بیگم اختر	10/جون 2001ء
179	ماہ ناز	تبصرہ	ہیں کواکب کچھ	22/جنوری 2009ء
180	محبوب خاں اصغر	رپورتاژ	زندہ دلان حیدرآباد کی سالانہ تقاریب	23/اکتوبر 2014ء
181	ایضاً	ایضاً	زندہ دلان حیدرآباد کی سالانہ تقریب	14/نومبر 2013ء
182	محمد احتشام الدین	ترجمہ	بیان مترجم دیوان حافظؔ	16/جون 2011ء
183	محمد عبدالنعیم فیضی	تبصرہ	رودِدود از ڈاکٹر سید عباس متقی	10/جون 2001ء
184	محمد مصباح الدین	خاکہ	ڈاکٹر سید عباس متقی ایک ادب نواز و بذلہ سنج شخصیت	2/فروری 2012ء
185	مظفر شہ میری پروفیسر	مضمون	طالب خوندمیری کی یاد میں	20/جنوری 2011ء
186	نادر المسدوسی	مضمون	خانوادۂ فصاحت جنگ جلیل کا روشن چراغ: علی احمد جلیلی	27/جون 2013ء
187	یوسف روش	قطعہ	طالب خوندمیری کے سانحہ ارتحال پر	20/جنوری 2011ء

روزنامہ راشٹریہ سہارا حیدرآباد

نشان	قلم کار	نفس مضمون	مضمون کا نام	مورخہ
1	سید مصطفیٰ کمال ڈاکٹر	مضمون	دکن میں طنز و مزاح کی روایت	31/اگست 2006ء

انٹرویوز

نشان	شخصیت	انٹرویونگار	مقام انٹرویو	مورخہ
1	اکرم النساء صاحبہ	محمد انور الدین (راقم الحروف)	بڑی اہلیہ کا مکان واقع مدینہ نگر، یاقوت پورہ حیدرآباد	۲۸/جنوری ۲۰۱۶ء
2	ایم۔اے نعیم فیضی ڈاکٹر	ایضاً	ایضاً	۳۰/دسمبر ۲۰۱۵ء
3	سید عبدالمجید عرف شعیب	ایضاً	ایضاً	۲۵/دسمبر ۲۰۱۵ء
4	سید عبدالنافع عرف خبیب	ایضاً	ایضاً	۳۰/دسمبر ۲۰۱۵ء

5	شاکر بھائی	ایضاً	ایضاً	۳۰؍دسمبر ۲۰۱۵ء
6	شیخ سعدی ارشد ڈاکٹر	ایضاً	ایضاً	یکم جنوری ۲۰۱۶ء
7	طلعت النساء بیگم	ایضاً	منجلی بیگم کی حویلی	۱۰؍فروری ۲۰۱۶ء
8	عباس متقی ڈاکٹر سید	ایضاً	بڑی اہلیہ کا مکان واقع مدینہ نگر، یاقوت پورہ حیدرآباد	۲۵؍دسمبر ۲۰۱۵ء
9	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۲۷؍دسمبر ۲۰۱۵ء
10	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۲۹؍دسمبر ۲۰۱۵ء
11	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۳۰؍دسمبر ۲۰۱۵ء
12	ایضاً	ایضاً	منجلی بیگم کی حویلی	یکم جنوری ۲۰۱۶ء
13	ایضاً	ایضاً	بڑی اہلیہ کا مکان واقع مدینہ نگر، یاقوت پورہ حیدرآباد	۱۱؍جنوری ۲۰۱۶ء
14	ایضاً	ایضاً	منجلی بیگم کی حویلی	۱۴؍جنوری ۲۰۱۶ء
15	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۲۶؍جنوری ۲۰۱۶ء
16	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۳۰؍دسمبر ۲۰۱۵ء

اعلامیے

1 All India Radio Hyderabad Letter No. HYD/15(7)86 Dated:20-8-86.

2 All India Radio HyderabadLetter No. HYD/15(7)87/P3Dated:18-4-87.

3 All India Radio Hyderabad Letter No. HYD/16(6)87/P3Dated:26-9-87.

4 All India Radio Hyderabad Letter No. HYD/16(6)88/P3Dated:20-1-88.

5 All India Radio Hyderabad Letter No. HYD/16(6)88/P3Dated:21-12-88.

6 All India Radio Hyderabad Letter No. HYD/15(6)88/P3Dated:31-12-88.

7 All India Radio Hyderabad Letter No. US-15(6)89/P3Dated:29-9-89.

8 All India Radio Hyderabad Letter No. US-15(6)90/P3Dated:27-1-90.

9 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)90/P3Dated:25-5-90.

10 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)90/P3Dated:25-5-90.

11 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)90/P3Dated:24-9-90.

12 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)91/P3Dated:3-1-91.

13 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)91/P3Dated:10-4-91.

14 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)91/P3Dated:20-7-91.

15 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)91/P3Dated:28-11-91.

16 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)92/P3Dated:27-3-92.

17 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)92/P3Dated:25-6-92.

18 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)92/P3Dated:3-10-92.

19 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)93/P3Dated:10-2-93.

20 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)93/P3Dated:24-7-93.

21 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)93/P3Dated:7-12-93.

22 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)94/P3Dated:18-4-94.

23 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)94/P3Dated:30-8-94.

24 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)95/P3Dated:5-1-95.

25 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)95/P3Dated:12-12-95.

26 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)96/P3Dated:19-3-96.

27 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)97/P3Dated:18-9-97.

28 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)99/P3Dated:19-8-99.

29 All India Radio Hyderabad Letter No.15(6)2001/P3Dated:1-2-01.

تمت بالخیر